قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد چہارم

مؤلف
پروفیسر اشفاق احمد خان

(۱) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (سورۃ الانعام : ۳۸)

''ہم نے (اپنی اِس) کتاب میں کوئی چیز چھوڑ نہیں رکھی۔'' (۶ : ۳۸)

(۲) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ٥ (سورۃ الانعام :۵۹)

''اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں۔'' (۶ : ۵۹)

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (سورۃ النحل :۸۹)

(اے محبوب مکرّم!) ''ہم نے آپ پر ہر بات کو کھول دینے والی کتاب اتاری ہے۔'' (۱۶:۸۹)

(۴) وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ٥ (سورۃ القمر : ۵۳)

''اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔'' (۵۴ : ۵۳)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا (اُردو ترجمہ)

(جلد چہارم)

مؤلّف : پروفیسر اشفاق احمد خان

سابق صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

مترجم : پروفیسر اشفاق احمد خان (مؤلف انسائیکلوپیڈیا ہٰذا)

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز

5۔ شالیمار کالونی' عقب ٹویوٹا شوروم۔ بوسن روڈ ملتان

موبائل : 0331-2220692

0301-7422684

طبع اوّل : اپریل 2013ء

ملنے کے پتے :

اندرونِ ملک :

(۱) پروفیسر اشفاق احمد خان۔ ۵ شالیمار کالونی' عقب ٹویوٹا شوروم۔ بوسن روڈ ملتان
موبائل : 0331-2220692
0301-7422684 (محمد جمیل۔ مارکیٹنگ منیجر)

(۲) ملتان کتاب گھر۔ بالمقابل گورنمنٹ کالج' بوسن روڈ ملتان
فون: 6750226 -061

(۳) مکتبہ قاسمیہ۔ کچہری روڈ' نزد چوک گھنٹہ گھر۔ ملتان
موبائل : 0300-7300097

بیرونِ ملک : پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم
drhafizsaleem@yahoo.com.uk.
Landline Tel: 0044-1628-823632

قیمت : ایک ہزار روپے (Rs. 1000/-)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ عَدَدَ مِيَاهِ الْبِحَارِ

DEDICATED TO the Holy Person of him who is paid glowing tributes even by one of his adversaries:

" I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of its wonderful vitality. It is the only religion which appears to possess that assimilating capability to the changing phases of existence which can make itself appeal to every age..... I have prophesied about the faith of Muhammad that it would be acceptable tomorrow as it is beginning to be acceptable to the Europe of today. Medieval ecclesiastics, either through ignorance or bigotry, painted Muhammadanism in the darkest colours. They were, in fact, trained to hate both the man Muhammad and his religion. To them, Muhammad was an anti-Christ. I have studied him, the wonderful man, and in my opinion far from being an anti-Christ, he must be called "the Saviour of Humanity". I believe that if a man like him were to assume the dictatorship of the modern world, he would succeed in solving the problems in a way that would bring it the much-needed peace and happiness. Europe is beginning to be enamoured of the creed of Muhammad. In the next century it may go still further in recognizing the utility of that creed in solving its problems. and it is in this sense that you must understand my prediction." **("A Collection of Writings of some of the Eminent Scholars" ..... George Bernard Shaw, p. 77) published by the Working Muslim Mission, 1935 edition.**

انتساب

اُس ذاتِ اقدس کے نام جنہیں ایک شہرۂ آفاق عیسائی جارج برنارڈ شا نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

"میں نے محمد (ﷺ) کے لائے ہوئے دین کو اُس کی حیران کن توانائی کے باعث ہمیشہ بلند قدر و منزلت سے دیکھا ہے۔ آپ کا دین وہ واحد دین ہے جس میں زمانے کے آئے دن کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ میں نے اس دین کے متعلق پیش گوئی کردی ہے کہ یہ کل بھی اسی طرح قابل قبول ہوگا جیسا کہ وہ آج کے یورپ میں قابل قبول ہونا شروع ہوا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کی دُنیائے مسیحیت نے یا تو اَزروئے جہالت یا ازراہِ تعصب دینِ محمدی کی سیاہ ترین رنگوں میں نقاشی کی ہے۔ دراصل اُنہیں محمد (ﷺ) کی ذات اور اُن کے دین سے نفرت کرنے کی تربیت دی جاتی رہی ہے۔ اُن کے نزدیک محمد (ﷺ) دشمنِ مسیح تھے۔ میں نے آپ کی حیات کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ دنگ کردینے والے کمال کے انسان ہیں اور میری رائے میں آپ دشمنِ مسیح ہونے سے بہت ہی ماوراء ہستی ہیں۔ اُنہیں تو "انسانیت کا نجات دہندہ" کہنا چاہئے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ جیسا کوئی انسان عالمِ جدید کا مطلق العنان آمر بن جائے تو وہ اُن مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوگا جو آج کے دَور کی ضرورت یعنی امن و آشتی اور مسرت و شادمانی کو لانے کا سبب بنتی ہیں۔ آج یورپ دینِ محمدی سے مسحور ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اپنے مسائل کو حل کرنے میں اِس دین کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے وہ اگلی صدی میں کچھ مزید پیش قدمی کرے گا اور اسی مفہوم میں آپ کو میری پیش گوئی کو سمجھنا چاہئے۔"

("مستند علماء کی تحریروں کے مجموعے سے انتخاب" از جارج برنارڈ شا ص ۷۷ مطبوعہ ورکنگ مسلم مشن ۱۹۳۵ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

محتویات (CONTENTS)

مابین تمثیلی مشابہت۔ اولیاء اللہ کے خلاف بغض رکھنا اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لینا ہے۔ اولیاء اللہ کی ضرورت واہمیت۔

بنیاد پرستی کی تحریک کا آغاز۔ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا تجزیہ۔ تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں ہوتے۔ مجھے مسلمان بنیاد پرست ہونے پر فخر ہے۔ ہر مسلمان کو غیر اسلامی عناصر کے خلاف شدّت پسند ہونا چاہئے۔ ایک ہی طرح کا کام کرنے والے افراد کے لئے مختلف ٹائٹل یعنی دہشت گرد اور محبّ وطن۔ اسلام کا معنیٰ ومفہوم ہی امن وسلامتی ہے۔

ساز وسامان کے لئے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے الفاظ۔ مصحفِ قرآن وتعلیمی مقاصد۔

تعریف وتعارف۔ علم الانساب کی اہمیت از روئے قرآن۔ خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کی وعید۔ ابراہیم علیہ السلام کا مختصر نسب نامہ۔ امام الانبیاء ﷺ کا نسب نامہ۔ انسانی نسلوں کی فنا وبقا۔ حسب ونسب کی حفاظت۔ پدریت سے انکار کی مذمّت۔ قانونی تبنّیت کی مذمّت۔ قانونی تبنّیت کی منسوخی کی عملی مثال۔ بچے کو اُس کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے لئے لے پالک بنانا۔ مصنوعی تخم ریزی (Insemination)۔ بچے کو اپنے حقیقی باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرنا۔ اسلام میں حسب ونسب پر فخر کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ نسلِ انسانی کی مخصوص وحدت۔ نظریہ وحدتِ اصل (Monogenism) بمقابل مخلوط النسلی کا نظریہ۔

تعریف۔ علم جغرافیہ کی وسعت۔ علم جغرافیہ کی شاخیں۔ حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ۔ چند جغرافیائی / ارضیاتی اصطلاحات کا تعارف۔ (چٹانیں' پہاڑ' عملِ فرسودگی (Erosion) گلیشیئر۔ محورِ معیّن (Axis)۔ Equinox۔ تقویم۔ شمسی اور قمری سال۔ کوہ پیمائی۔ پہاڑ بطور صحت افزا مقام۔ مقام نگاری (ٹوپوگرافی)۔ زمین کی مقناطیسیت۔ علم جغرافیہ کی افادیت و اہمیت۔ مسلمان سائنسدانوں کی علمِ جغرافیہ میں خدمات۔

تعریف وتعارف۔ زمین کا اندرونی حصّہ۔ جیالوجی کی فطری خصوصیت۔ نظریہ کوپرنیکن۔ زمین کی روزانہ گردش۔ زمین کی سالانہ گردش۔ زمین کی تخلیق کا زمانہ اور زمین کی عمر۔ زمین اور

آسمان کی تخلیق کی ترتیب۔ زمین بیضوی (Spherical) ہے۔ زمین کا کرۂ فضائی اور سطح سمندر سے اُس کا ارتفاع۔ نان سٹاپ ایئر کنڈیشنر جو ہمارے جسم میں چل رہا ہے۔ زمین کا حجم (سائز)۔ زمین کا رقبہ۔ زمین کا حجم اور مقناطیسی میدان۔ زمین کی موزونیت۔ سات زمینیں اور اُن کا ثبوت قرآن اور احادیثِ نبویہ سے۔ پہاڑوں میں سربستہ (مخفی) راز اور اُن کے فوائد۔ علمِ ارضیات کی تقسیم۔ پٹرولیم جیالوجی۔ پٹرولیم اور پٹرول کے کشید (Gasoline) کا ذکر قرآنِ حکیم میں۔ کچ دھات کے ذخائر۔ صحریات (Petrology)۔ پشتے۔ کنویں۔ دریا اور سمندر۔ چشمے۔ علمِ ارضیات اور واٹر سپلائی۔ پانی مختلف شکلوں میں۔ چٹانیں اور جھیلیں۔ زمین کی زرخیزی۔ ایک عظیم سائنسی حقیقت۔ موت وحیات کی سائنسی تعبیر۔

(۵۷) کل زمینی ہمہ گیریت (Globalization) اور اسلام --- --- --- ۱۶۶۸

تعریف اور تعارف۔ ویسٹرنائزیشن، گلوبلائزیشن اور اسلام۔ ویسٹرنائزیشن کے حوالے سے مسلمانوں کا رویّہ۔ اسلامی معاشرے کے خدشات۔ اسلام کے مستقبل کا انحصار۔

(۵۸) درود وسلام بر نبی اکرم ﷺ --- --- --- --- --- --- ۱۶۷۳

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مسلمانوں، فرشتوں اور اللہ کی طرف سے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب۔ آپ پر سلام بھیجنے کا مطلب۔ درود کے ساتھ سلام کیوں؟ درود وسلام کا حکم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص کیوں؟ آپ ﷺ پر درود بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ صلوٰۃ وسلام میں فرق۔ درود وسلام معرفتِ مصطفیٰ ﷺ کا باعث۔ صلوٰۃ وسلام کی فضیلت واہمیت پر چند احادیثِ مبارکہ۔ فرشتوں کا درود وسلام۔ صلوٰۃ وسلام کا قبول ہونا۔ سلام اور دوسری عبادتوں کی قبولیت۔ صلوٰۃ وسلام کو نبی علیہ السلام کا قبول فرمانا۔ قرآن وحدیث اور معدوم حیوانات ونباتات (Palaeontology) کا علم۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات وحیات دونوں اُمّتِ مسلمہ کے لئے رحمت ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کے روحانی فوائد۔

(۵۹) دکھوں اور غموں سے نجات کے لئے قرآنی اور نبوی راہ نمائی --- --- -- ۱۶۸۷

دکھ اور غم ایمان کی کسوٹی اور نوشتۂ تقدیر۔ رنج والم سے نجات پانے کے لئے فرموداتِ رسول۔ رضائے الٰہی دُنیوی اور اخروی نفع وراحت کا منبع۔ حاجت روائی کی اہمیت۔

(۶۰) حج (Hajj) --- --- --- --- --- --- --- --- --- --- --- ۱۶۹۱

حج کی لغوی واصطلاحی تعریف۔ حج کی فرضیت۔ حج اور عمرے کی حکمت وفضیلت۔ حج اور عمرہ صرف اللہ کی رضا کے لئے۔ حج کو روانگی سے پہلے فروگزاشتوں اور کوتاہیوں کا ازالہ۔ سفرِ حج کے دوران کے آداب۔ حج سے متعلق چند اہم اصطلاحات کی وضاحت: احرام۔ آفاقی۔ ایامِ تشریق۔ باب السلام۔ دَم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں ۔ پردہ پر پابند سماج کے اصول وضوابط ۔ عورت کی صلاحیتوں کی بابت کچھ ماہرینِ نفسیات کی آراء ۔ ممنوع اعمال وافعال کی طرف راہنمائی کرنے والے ذرائع اور محرکات کا سدِّ باب چند مؤثر ذرائع سے مثلاً:
غضِّ بصر (نگاہ کا نیچا رکھنا) ۔ زیب وزینت کے اظہار کی بندش ۔ لفظ ''عَوْرَة'' کا معنیٰ ۔ مسلمان خاتون کا عَوْرَة ۔ چہرہ کے چھپانے کا حکم ۔ نسوانی آواز پر پابندی ۔ مسلمان خاتون کا روزمرّہ معمولات میں رویّہ کیسا ہونا چاہئے؟ عورتوں کے باریک لباس کے نقصانات اور جدید سائنس ۔ عورت کے لباس کا ٹخنوں سے نیچے تک ہونے میں حکمت ۔ غیر مسلموں کی نقل اتارنا اور جدید سائنس ۔ شہری مزدور طبقے کی خواتین کا پردہ ۔ دیہاتی خواتین کا پردہ ۔ دیہاتی (بدوی) مزدور پیشہ ورخواتین ۔ عوامی حماموں میں جانے والی خواتین ۔ پردہ بطور بندشِ زنا ۔ پردہ اور اکبرالہ آبادی ۔ پردہ اور ترقی ۔ ترقی کا اسلامی تصوّر ۔

(۶۲) تاریخ نگاری (Historiography) ------- --- --- --- --- ۱۷۸۲

لفظ ''تاریخ History'' کی تعریف ۔ تاریخ نگاری کا تعارف ۔ قرآن مجید اور واقعہ نگاری ۔ واقعہ نگاری میں قرآنِ حکیم نے ترتیب زمانی (Chronological Order) کوملحوظ نہیں رکھا ۔ مثالیں اور ترتیب ملحوظ نہ رکھنے کا سبب ۔ واقعاتِ یہودیت اور قرآنی لفظ اِذْ ۔ یہود پر ذلّت ومحتاجی مسلّط کرنے کے عملی ثبوت غیر مسلم محققین کے قلم سے ۔ انبیاء کا قتل ہمیشہ ناحق ہونے کے باوجود قرآنِ حکیم کا اُسے بغیر الحقّ کہنے کی توجیہ ۔ یہودیوں پر ذلّت مسلط کئے جانے کے باوجود اسرائیلی حکومت کی توجیہ ۔ صالح علیہ السلام اور آپ کی اونٹنی ۔ اقوامِ ماضیہ کی تباہی وبربادی کا ذکر قرآنِ حکیم میں ۔ قصّہ نگاری کے قرآنی اغراض ومقاصد ۔ گوتم بدھ اور قرآن کا ذوالکِفل (علیہ السلام) ۔ یونس علیہ السلام کا لقب ذوالنون کیوں؟ سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۰ میں ترتیبِ معکوس کی وجہ ۔ قرآنی الفاظ رَھْبت' رغبت اور خشیت کے معانی ۔ نوح علیہ السلام کے ۹۵۰ برس کہنے کی بجائے پچاس کم ایک ہزار کہنے میں لطیف نکتہ ۔ کیا طوفانِ نوح پوری دنیا میں آیا تھا یا ایک مخصوص علاقہ میں؟ طوفانِ نوح کے مخصوص علاقہ پر آنے کے دلائل ۔ قوموں کے عروج وزوال کا قرآنی فلسفہ ۔ یکسانیت پسندانہ اصول (Uniformitarian Principle) ۔ خوشحال' مرفہ الحال طبقہ قانون شکنی کے باعث عذابِ الٰہی کا اصل سبب رہا ہے ۔ سدِّ مارب ۔ قرآنی نظریۂ تاریخ بمقابل جدید فلسفہ ہائے تاریخ: کارل مارکس ۔ سپینگلر ۔ سامراجی نظام اور توسیع پسندانہ نظام (Imperialism & Expansionism) ۔ ٹائن بی ۔ قرآن کے نظریۂ تاریخ کے کچھ نمایاں پہلو ۔ قرآنِ مجید اور اہلِ عرب کی قدیم تاریخ ۔ نوح علیہ السلام ۔ ابراہیم علیہ السلام ۔ قومِ عاد ۔ قومِ ثمود ۔ اہلِ مدین ۔ اصحابُ الایکۃ ۔ اہلِ سبا اور ملکۂ سبا ۔ قرآنِ حکیم اور تاریخ یہودیت: یوسف علیہ السلام ۔ سورہ یوسف اَحْسَنُ الْقَصَص کیوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔ فرعونِ مصر اور اُس کی جارحیت پسند حکومت ۔ ملک کے معاصر شاہی جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام سے حریفانہ ٹکراؤ ۔ ظلم اور علوّ میں فرق ۔ بنی اسرائیل کا

موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے خروج۔ موسیٰ علیہ السلام کی جبلِ سینائی کو روانگی اور بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی۔ بنی اسرائیل اور سَبْت (ہفتے کا دن) کی نافرمانی۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم۔ بادشاہ کے تقرر میں بنی اسرائیل کا مادیّت گزیدہ نظریہ (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیات ۲۴۶، ۲۴۷)۔ عددی برتری کا نظریہ بمقابل ایمان باللہ۔ حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام۔ یہود کی شہرت بطور جادوگر اور عاملینِ ارواح (Exorcists)۔ ہاروت وماروت دو فرشتوں کا ملکِ بابل میں نزول۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲ میں چند مفید نکات۔ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کیا گیا؟ جادو اور معجزہ میں فرق۔ یہود کا دینی اور اخلاقی طرزِ عمل۔ یہود کا اپنے پیمبروں اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رویّہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بیّنات (روشن نشانیاں)۔ یہود کے خلاف قانونِ قدرت کا قانونِ مکافات حرکت میں آتا ہے۔

<u>قرآنِ مجید اور تاریخ عیسائیت</u>: قرآن کا نظریہ انتخاب بمقابلہ نصرانیت کا نظریہ انتخاب۔ عقیدۂ متناقضہ (Antinomianism Belief)۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات خالصتاً موحدانہ تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کی الٰہ سازی (Deification) کی تردید۔ مسیحی عقائد کے چند نمونے۔ دین میں غلو اور مبالغہ کا مطلب۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کلِمۃُ اللہ ہونے کا معنیٰ۔ عیسیٰ علیہ السلام کو رُوحُ اللہ کہنے کی وجوہ۔ عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث اور اقانیمِ ثلاثہ۔ قرآن کی نظر میں عقیدۂ تثلیث کے ماننے والے پکے کافر ہیں۔ قرآنِ حکیم یہودیوں کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کے مقامِ اعلیٰ کا محافظ ہے۔ سورہ مریم کی آیت ۲۸ میں اُخْتَ ھارُون کا مطلب۔ نبی اور رسول میں فرق۔ عیسیٰ علیہ السلام کی مبیّنہ صلیب اور آپ کے دوبارہ زندہ ہونے دونوں کا ردّ۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے قرآنی ثبوت۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے احادیثِ نبوی میں ثبوت۔ علمائے اسلام سے اُن کی حیات کے ثبوت۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام پر چند سوالات مع جوابات۔ نزولِ مسیح علیہ السلام کی حکمتیں۔ کفارۂ مسیح (Vicarious Atonement) کے مفروضے کا ردّ۔ قوموں کے عروج وزوال کے مخصوص اسباب۔

تمہید۔ نام ونسب اور بعثت۔ قرآنِ حکیم اور حزقیل علیہ السلام۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۳ میں پنہاں سبق۔ اسلام کی نگاہ میں تقدیر کا فلسفہ۔ روح ایک غیر فانی مخلوق۔

گھر بطور خلوت خانہ نعمتِ الٰہی ہے۔ گھر کی بیرونی مداخلت سے تحفظ (تخلیہ) کے لئے قرآنی اقدامات۔ پُرتعیش اور لامذہبیّت کی زندگی سے متعلق مدّات۔ سونے چاندی کے برتن اور اُن کی ممانعت میں حکمت۔ اسلام بت رکھنے سے بھی روکتا ہے۔ مجسمے بنانے سے ممانعت کی حکمت۔ بچوں کے کھلونوں کی استثنائی صورت۔ ناتمام یا مسخ شدہ مجسمے۔ حرمتِ تصویر کے منصوص اسباب۔ تصویر کے جواز اور عدمِ جواز کی صورتیں۔ مسخ شدہ تصویر کی اجازت۔

محنت اورکسبِ معاش ۔ کسبِ معاش کی اہلیت کے ساتھ فریضہ محنت ۔ سوال کرنے کی کب اجازت ہے؟ نظامِ زکوٰۃ اور کام چوری ۔ محنت کی عظمت ۔ فوٹوگرافی ۔ فوٹوگرافوں کا نفسِ مضمون ۔ تصویروں اور مصوّروں سے متعلق اصول وضوابط کا خلاصہ ۔ شادی بیاہ جیسی خوشی کے موقعوں پر کی وڈیو فلمیں ۔ فلموں، ٹیلیویژن، وی سی آر اور سٹیج ڈراموں کا دیکھنا ۔ اخلاقی مزاحمتیں اور رکاوٹیں ۔ حفظانِ صحت سے متعلق مزاحمتیں اور رکاوٹیں ۔ ناولوں کا پڑھنا ۔ بلا ضرورت کتّوں کا رکھنا ۔ شکاری کتے اور رکھوالے کتے رکھنے کی اجازت ۔ کتے رکھنے سے متعلق سائنسی تحقیق کے نتائج ۔

(۶۵) امورِ خانہ داری (Home Economics) --- --- --- --- --- ۱۹۲۲

تعریف ۔ ہوم اکنامکس کی ابتدا ۔ غذائیت کا سائنسی مطالعہ (Dietetics) ۔ طعام اور مشروبات کا ماہرانہ ذوق یا فن (Gastronomy) ۔ کھانے کی صفاتی لذّت اور حظ اندوزی (Qualitative Sumptuousness) ۔ اطمینان بخش غذا اور اُس کے عناصر ۔

(A) قوّت وتوانائی اور حرارت بخش غذائیں: کاربوہائیڈریٹس ۔ چکنائیاں ۔

(B) جسم کی نشوونما اور مرمت کرنے والی غذائیں: پروٹین ۔

(C) قوّتِ مدافعت (Resistance Power) پیدا کرنے والی غذائیں: وٹامنز

(الف) چکنائی میں حل پذیر وٹامن: وٹامن اے، وٹامن ڈی، وٹامن ای، وٹامن کے ۔

(ب) پانی میں حل پذیر وٹامن: وٹامن سی، وٹامن بی کمپلیکس ۔ معدنی نمکیات ۔ کیلشیم ۔ فاسفورس ۔ آئرن ۔

پانی اور اس کے فوائد ۔ پانی کی کمی کے اثرات ۔ پانی کے فوائد سے متعلق آیاتِ قرآنی ۔

قرآن حکیم کی روشنی میں چند متعلقہ حقائق: تمام خوش ذائقہ ماکولات ومشروبات کا اشارتاً اور بالواسطہ ذکر قرآن میں موجود ہے ۔ ناشتہ اور رات کا کھانا ۔ اشتہا انگیز چٹنی اور غذا ۔ زیتون اور اُس کا تیل ۔ زیتون اور احادیثِ نبویہ ۔ مطعومات اور مفکوہات ۔ تنہا یا اکٹھے مل کر کھانا ۔ اہلِ خانہ کو سلام کہنے کا حکم ۔ آگ اور اُس کا ذکر قرآن میں ۔ انسانی جسم غذا کیسے استعمال کرتا ہے؟ مہمان نوازی ۔ قرعہ اندازی ۔ دوپہر کا قیلولہ (Siesta) ۔

قرآن مجید اور غذا: جو خوراک جسمانی صحت کے لئے مضر ہو، وہ روحانی صحت کے لئے بھی مضر ہے ۔ صفائی اور پاکیزگی کو بہرحال مقدّم رکھنا چاہئے ۔ کم خوراکی (Underfeeding) کی حوصلہ افزائی نہیں، اعتدال کا حکم ہے ۔ اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال اور اللہ کا شکرگزار بندہ بن کے رہنا ۔ ماکولات ومشروبات کو اللہ کا نام لے کر کھانا پینا چاہئے ۔ اسلامی سماج میں منشیات اور مخدّرات (Narcotics) کی کوئی گنجائش نہیں ۔ خانہ داری سے متعلق چند روحانی اور حفظانِ صحت کے حقائق ۔ پو پھٹتے ہی کام کاج میں لگ جانے کا حکم ۔ بچوں کو لوری دینا (Lullaby) سنتِ نبوی اور جدید سائنس ۔ لوری اور عالمی ادارۂ صحت کی تحقیق ۔ گھر کا جھاڑو اور صفائی سنتِ نبوی اور جدید سائنس ۔ باورچی خانہ میں مصروفیت ۔ بچوں کی اچھی پرورش کے مفید نکات ۔

۱۹۴۵

(۶۶) باغبانی(Horticulture)--- --- --- --- --- --- ---

فنِ باغبانی اور نخل بندی کی حوصلہ افزائی کرنے اور انسان کی گہری دلچسپی لینے میں قرآنِ حکیم کا بڑا حصّہ ہے۔نباتیات کا یہ سارا نظام انسان اور اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لئے ہے۔ فنِ باغبانی پھلوں اور سبزیوں کے ساتھ ساتھ پھولوں کو بھی شامل ہے۔قرآن میں باغاتِ جنّت کا ذکر۔قرآن اور مویشی بانی(Animal Husbandry)۔ باغ کی پیداوار میں معاشرہ کے تباہ حال اور محروم القسمت لوگوں کا حصّہ۔سورۃ الکہف کی آیات ۳۲ تا ۴۳ میں چند مفید نکات۔

۱۹۵۰

(۶۷) مہمان نوازی (Hospitality) --- --- --- --- ---

تعریف۔مہمان نوازی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام۔مہمان نوازی اور امام الانبیاء ﷺ۔ مہمان نوازی سے متعلق احادیثِ نبویہ۔مسلمان بھائی کی دعوت اور اُس کے آداب۔سنّتِ نبوی سے چند مثالیں۔

۱۹۵۵

(۶۸) ھود علیہ السلام --- --- --- --- --- --- --- --- ---

قرآنِ عزیز میں ھود علیہ السلام کا ذکر۔قرآنِ عزیز میں قومِ عاد کا ذکر۔قومِ عاد کا تعارف۔ عاد کا زمانہ۔عاد کا مسکن۔عاد کا مذہب۔حضرت ھود علیہ السلام اور تبلیغِ اسلام۔قوم کی سرکشی اور مخالفت۔شرک کے پورے فلسفے پر ضربِ کاری لگانے والا رَبُّ العالَمین کا لفظ۔قومِ عاد اور قدرت کا قانونِ مکافات۔ھود علیہ السلام کی وفات اور اُن کا مزارِ اقدس۔چند عبرتیں۔

۱۹۶۰

(۶۹) انسان دوستی(Humanism) --- --- --- --- --- ---

تعارف۔شیکسپیئر اور انسان۔قرآنِ حکیم اور انسان دوستی۔تمام انسانوں کی باہمی مساوات۔ نظریہ مساوات کی جامعیّت۔تمام لوگوں کے لئے خصوصی عزت وتکریم۔اسلامی تاریخ سے انسان دوستی کی مثالیں۔مذہبی رواداری۔

<u>تاریخ اسلام سے مذہبی رواداری کی مثالیں</u> : (الف) نبی علیہ السلام کے دَورِ مبارک میں (ب) خلفائے راشدین کے ادوارِ مبارک میں۔مسلمانوں کی رواداری پر مستشرقین کی تصدیق۔انسانی روابط میں نئی وسعتیں اور پہنائیاں۔ سورۃ اللّیل کی آیات ۵ تا ۱۱ کی توضیح۔اصل خیرات کیا ہے؟ انسان دوستی سے متعلق احادیثِ نبویہ۔روابط کے بندھنوں کی تقویّت۔رحمی رشتوں کو قائم رکھنے سے متعلق فرامینِ رسول ﷺ۔

۱۹۸۱

(۷۰) نظریہ خیرِ خلق(Humanitarianism) --- --- --- --- ---

نظریہ خیرِ خلق دراصل انسانی حقوق کی پاسداری کا دوسرا نام ہے۔اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ

اعترافات (منجانب مؤلف انسائیکلو پیڈیا)

سب سے پہلے راقم الحروف اپنے والدین مرحومین کا نہاں خانہ دل سے ممنونِ احسان ہے جنہوں نے مجھ ناچیز کو قرآنِ پاک کی نعمتِ غیر مترقبہ سے مالا مال کیا۔ بندے کا رُواں رُواں اور ہر ہر سانس اُن کی مغفرت اور جنّات الفردوس میں مقامِ ارفع واعلیٰ کے لئے ربّ ذوالجلال کے حضور فریاد کناں رہتا ہے۔

اپنے روحانی استادِ مکرّم جناب حافظ گل محمد صاحب مرحوم اور بالخصوص مولانا منظور احمد خان پٹیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے قرآن مجید صحیح مخارج حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ بندۂ پُر خطا میں حُبُّ اللہ و حُبُّ الرّسول کی لَو سلگائی اور وقتاً فوقتاً اُس لَو کو تیز سے تیز تر کرتے رہے۔

استادِ محترم جناب احمد نواز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لئے ربُّ العالمین کے حضور دست بہ دعا رہتا ہوں جنہوں نے اپنی بے لوث اور بے غرض محنت سے بندے میں حصولِ علم کی لگن اور تڑپ پیدا کی جس کی بدولت میں اپنے خالقِ رحیم و کریم کا اَبدی پیغام انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اُس کے بندوں تک پہنچانے کے قابل ہوا ہوں۔

یوں تو راقم الحروف کو تعلیمی دُنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر قابل ترین اساتذہ ملتے رہے لیکن اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے طرزِ حیات نے اُس کے دل و دماغ پر اَن مٹ' مثبت نقوش چھوڑے ہیں۔ اس طول طویل تفصیل میں سرِ فہرست میرے سکول کے عربی ٹیچر جناب عبدالمجید مرحوم' کالج کے عربی پروفیسر جناب منظور احمد مرحوم اور یونیورسٹی لائف میں جناب ڈاکٹر پروفیسر صوفی ضیاء الحق صاحب مرحوم ومغفور ہیں۔ اللہ ربّ العزت میرے سب اساتذہ کرام اور والدین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے! آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ

انتہائی ناقدر شناسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے سابق رفیقِ کار اور تلمیذ پروفیسر شیخ محمد منیر زید مجدہ' کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے کمال فیاضی سے اپنی لائبریری میں سے بڑی نادر کتب میرے ہاں استفادہ کے لئے چھوڑیں اور عزیزم خالد محمود (پی ایچ ڈی سٹوڈنٹ) کا بھی جن کی علمی روشنی نے اس صبر آزما سفر کو طے کرنے میں خاصا کردار ادا کیا۔ استادزادہ اُم جناب منصور خان خلف الرشید جناب احمد نواز خان مرحوم ومغفور کا بھی بہ صمیمِ قلب شکر گزار ہوں۔

جناب نوروز خان صاحب (ہیڈ لائبریرین' اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد) کا بھی ممنونِ احسان ہوں کہ انہوں نے ہر بار کمال فراخدلی سے میری علمی راہ نمائی فرمائی اور اپنی وسیع وعریض لائبریری سے استفادہ کرنے کا بھرپور موقع عطا کیا۔

آخر میں اپنے اُن سب کرم فرماؤں اور اَحباب (بالخصوص چوہدری محمد رمضان صاحب انجنیئر) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے انسائیکلو پیڈیا کے انگریزی حصّے کو اردو میں لانے کا شوق دلایا اور اس ضمن قدمے' سخنے بندے کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

خاکِ پائے صالحین
اشفاق

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/یکم مارچ 2013ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

تاثرات

''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' کے اردو ترجمہ سے متعلق اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے مجھے بے حد دلی مسرّت ہو رہی ہے اور میں اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ پروفیسر اشفاق احمد خان صاحب نے انوار القرآن سے دل و دماغ کو روشن کرنے کے اہتمام کا آغاز مجھ عاجز کی رہائش گاہ سے آج سے بیس سال قبل کیا۔ سال ۱۴۱۴ھ تا ۱۴۳۰ھ (1993ء تا 2009ء) کے ہر رمضان المبارک میں تراویح کے بعد ترجمہ وتفسیر کی روح پرور مجالس منعقد ہوتی رہیں۔ اَلۡحَمۡدُ لله حضرت پروفیسر صاحب کی شب و روز کی مخلصانہ مساعی جن میں کمپیوٹر پر سولہ سے اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام اور پرنٹنگ شامل ہے' یہ سب مراحل اُنہوں نے تن تنہا اکیلے طے کئے۔ بہ ظاہر عمر کے اِس حصّے میں یہ سب کچھ ناممکن سا نظر آتا ہے لیکن بہر حال رب تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم کے ساتھ اِن ناممکنات کو حدِّ امکان تک پہنچایا کیونکہ پروفیسر موصوف نے یہ سب کچھ ربّ العالمین کی رضا اور صاحبِ قرآن حضرت محمد رّسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لئے کیا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ کس طرح اتنا بڑا پراجیکٹ اکیلے تن تنہا آدمی کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوا جبکہ ایسے کام کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی با قاعدہ' منظم اور با حوصلہ جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآنک انسائیکلوپیڈیا (انگریزی) کی چھ ضخیم جلدیں جو چھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں' خوبصورت اور معیاری طباعت' سرِ ورق (ٹائٹل) بہترین اور اعلیٰ امپورٹڈ کاغذ کے ساتھ چھپ کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ علمی حلقوں اور ریسرچ سکالرز میں اُن کی افادیت کا بھرپور اعتراف کیا گیا۔ ملک کی نامور یونیورسٹیوں نے اُنہیں اپنی لائبریریوں کی زینت بنایا۔ امریکہ' برطانیہ' کینیڈا اور دوسرے یورپی ممالک سے اس کی ڈیمانڈ آئی۔ قرآن فہمی کی تحریک میں انگریزی خواں طبقہ کے لئے اِس صدی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ اور تحفہ جناب پروفیسر صاحب کے حصّہ میں آیا۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد (بہ زبانِ انگریزی) کی اشاعت سے ہی یہ ضرورت محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی کہ اردو خواں طبقہ کو بھی معارفِ قرآنی کے اِس چشمہِ فیض سے سیراب ہونے کا موقع ملنا چاہئے۔ اس سلسلے میں مجھ جیسے بہت سے احباب نے پروفیسر صاحب سے درخواست کی تو اُنہوں نے خود ہی اس سرمایہ علمی کو چند اضافوں کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ربُّ العالمین کی توفیق نے دستگیری کی اور تین ضخیم جلدوں میں اردو ترجمہ اشاعت پذیر ہوا جبکہ اُس کی چوتھی جلد معزز قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لله مجھے اردو ترجمہ کی دوسری جلد میں اپنے تاثرات لکھنے کا موقع ملا اور اَلۡحَمۡدُ لله ثُمَّ اَلۡحَمۡدُ لله اس کی تیسری جلد میں بھی خراجِ تحسین پیش کرنے کی سعادت

میسر آئی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اردو ترجمہ میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو انگریزی متن میں ہیں۔ ترجمہ میں انسائیکلوپیڈیا کے متعدد علوم وفنون پر مبنی موضوعات کی علمی وتکنیکی اصطلاحات کو جس کمال خوبی سے اردو زبان میں ڈھالا گیا اس سے اس کے ترجمہ کا گمان تک نہیں گزرتا۔ ادب' سیاست' عمرانیات' طبی علوم' ایمانیات و مذہبیات اور فلسفہ وغیرہ پر قرآن مجید واحادیثِ نبویہ کے حوالوں سے وقیع مقالات کی فکری گہرائی آشکار ہوئی جو صاحب موصوف کی اردو' انگریزی اور عربی تینوں زبانوں پر مکمل دسترس کی شاہد ہے۔ تیسری جلد (انگریزی) میں اسلامی قانون (فلسفۂ جرم وسزا)' حیات' برزخ' قرآن مجید کا بلاغی نظم اور اعجاز' اسلام کا نظریہ جبر وقدر' اسلام کا تصوف قیادت' منطق' ریاضی' معدنیات' موسمیات' لٹریچر' مابعدالطبعیات (Metaphysics) اور دیگر علوم پر گراں قدر معلومات' علمِ طبّ جدید پر قرآن وحدیث کے حوالے اور اسلامی عقائد واعمال کی توضیح جدید سائنسی نظریات کے تناظر میں نہایت ہی ایمان افروز اور لائقِ مطالعہ ہیں۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے متعدد طلبہ و طالبات اپنی ریسرچ کے دوران اِن نادر عنوانات سے استفادہ کر چکے ہیں۔

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ ربُّ العزت اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل صاحب موصوف کو بقیہ جلدوں کے ترجمہ کی بھی توفیق ارزانی فرمائے تاکہ اردو خواں طبقہ بھی اس عظیم علمی وروحانی چشمۂ فیض سے بہرہ مند ہو سکے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین وخاتم النّبیّین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

محمد تسلیم قریشی
22.2.13

ڈاکٹر محمد تسلیم قریشی
میڈیکل سپرنٹنڈنٹ
ریلوے ہسپتال۔ ملتان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

کچھ عرض مؤلّف کے بارے میں

اللہ جلّ مجدہ' نے نبی مکرّم رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو عَلَّمَكَ مَالَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ کی نعمتِ عظمیٰ سے نواز کر کبھی رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا جیسی دعا سکھائی اور اِقۡرَأۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ کو نوعِ انسان کی تقدیر بدلنے کا مژدہ سنا کر حضرتِ انسان کو عظمت کی بلندیوں سے سرفراز کیا۔ اِنَّمَا بُعِثۡتُ مُعَلِّمًا کی مصداق ہستی نے سندِ علم کے حامل افراد کو اپنی وراثت کا جانشین قرار دیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے : اَلۡعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الۡاَنۡبِیَاءِ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وراثت وہ چیز ہوتی ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے مگر رہبرِ انسانیت علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ہزار ہا نعمتوں میں جانشینی صرف دولتِ علم میں رکھی۔

وارثینِ علم کے اِسی کارواں کی ایک روحِ رواں ہستی خلوت در انجمن (ریٹائرڈ) پروفیسر حافظ اشفاق احمد خان صاحب بھی ہیں جو امیر خسرو کے لقب یافتہ پاکستان کے قدیم ترین شہر مدینۃ الاولیاء ملتان میں 1939ء میں پیدا ہوئے۔ مہد سے علم کی گھٹی لے کر تعلیمی ماحول میں پروان کا آغاز ہوا جو کئی امتیازی اعزازات کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ میٹرک سے ایم اے تک موصوف نے اعلیٰ فرسٹ ڈویژن کی حد عبور کرتے ہوئے تحقیقی شعار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ 1962ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے بڑے امتیاز کے ساتھ ایم اے عربی کرنے کے بعد ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان میں عملاً تدریسی شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔ 1966ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر ایم اے علومِ اسلامیہ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور اُسی سال پبلک سروس کمیشن کی طرف سے باضابطہ طور پر گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ اسماعیل خان میں بطور عربی لیکچرار تعینات ہوئے۔

طلبِ علم کے شوق نے اس پیاسے صحرا کو نامور علمی شخصیات کی صحبت نے علمی چاشنی سے سیراب کیا یہاں تک کہ علمی میدان کے ساتھ روح کی غذا کی فکر بھی لاحق ہوئی۔ صوم و صلاۃ کی پابندی اگرچہ طبیعت کا جزوِ لاینفک تھی مگر مزید نکھار کے لئے عرب و عجم کے علمی و روحانی بحرِ بیکراں غزالیِ زماں، رازیِ دوراں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں 1975ء میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

مختلف تعلیمی اداروں (ڈی آئی خان، علی پور، مظفر گڑھ، ملتان) میں تدریسی فرائض انجام دیتے ہوئے بالآخر 1997ء میں گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی جس کا مقصد وحید قرآن کے جواہر پاروں کو بندگانِ خدا تک تحریری شکل میں پہنچانا تھا۔ اس 35 سالہ سنہری دَور میں تدریسی فرائض کے علاوہ مؤلف کے کئی تحقیقی مقالات و مضامین بھی منصہ شہود پر آئے جن سے آپ کا تعلیمی جوہر آشکارا ہوا اور ملتان ما پا یہ جنت است کو جہاں اہلِ تصوف کے مسکن کا اعزاز حاصل ہے' وہاں بے شمار علمی ذی وقار لوگوں میں ایک

قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ تحقیقی کاوشوں کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے:

(۱) ''شاعری اور اسلام'' بہ مطالعہ خصوصی جناب حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (مطبوعہ ۱۹۸۳ء)
(۲) مسلمان بیوی (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) (۳) آیاتِ عتاب (غیر مطبوعہ)
(۴) ردّ قادیانیت (غیر مطبوعہ) (۵) رہنمائے حج و عمرہ (غیر مطبوعہ)

اس خاموش علمی سمندر کے قلم سے اَن گنت تحقیقی و معلوماتی مضامین و مقالہ جات گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان کے میگزین ''نخلستان'' میں حبّ اللہ وحبّ الرسول ﷺ کے عنوانات کے تحت چھپتے رہے۔

المصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیرِ اہتمام سالانہ میلادِ مصطفیٰ کانفرنس میں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ، رفعت مصطفیٰ ﷺ کے عنوانات سے عشق و مستی میں ڈوبے ہوئے تحقیقی کلمات بارہا پیش کئے گئے جن کا لبِّ لباب یہی تھا کہ قرآنِ حکیم ایک بحرِ موّاج ہے جس کے لعل و یواقیت کو پانے کے لئے ایسی غوطہ زنی کی ضرورت ہوتی ہے جس پر نگاہِ صدّیقی و قلبِ بلالی اور تفسیر عبداللہ بن عبّاس کی چھاپ لگی ہو جس کے بغیر بموجب فرمودۂ الٰہی یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا قرآن بہتوں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

سال 2006ء میں امام بخاری انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی سیالکوٹ شہر کے زیرِ اہتمام آل پاکستان مقابلہ مقالہ نگاری بہ عنوان ''پیغمبر امن حضرت محمد ﷺ'' میں پروفیسر موصوف کو مبلغ تیس ہزار روپے بہ شمول معتد قیمتی کتب کے دوسرے انعام سے نوازا گیا۔

سال 2007ء کے ماہ اگست میں آدھ آدھ گھنٹے کی تقاریر حسب ذیل عنوانات پر پاکستان ٹیلیویژن پر ریکارڈ کرائی گئیں جو ''النور'' چینل لندن سے مختلف دنوں میں نشر ہوئیں:

(۱) ۱۸ اگست ۲۰۰۷ء: توحید باری تعالیٰ کے آفاقی دلائل۔
(۲) ۱۹ اگست ۲۰۰۷ء: توحید باری تعالیٰ کے اَنفسی دلائل۔
(۳) ۱۹ اگست ۲۰۰۷ء: معراجِ نبوی ﷺ جدید سائنس کے آئینہ میں (حصّہ اوّل)
(۴) ۱۹ اگست ۲۰۰۷ء: معراجِ نبوی ﷺ جدید سائنس کے آئینہ میں (حصّہ دوم)
(۵) ۱۹ اگست ۲۰۰۷ء: معراجِ نبوی ﷺ جدید سائنس کے آئینہ میں (حصّہ سوم)
(۶) ۱۰ اگست: بشریتِ مصطفیٰ ﷺ
(۷) ۱۰ اگست: مضامین سورہ اَلضُّحیٰ (حصّہ اوّل)

(۸) ۱۰ اگست ۲۰۰۷ء : مضامین سورہ اَلضُّحیٰ (حصّہ دوم)
(۹) ۱۱ اگست : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مختارِ کُل
(۱۰، ۱۱) ۱۱ اگست : آنحضور ﷺ بطور بُرہانِ ربّانی (حصّہ اوّل، حصّہ دوم)
(۱۲) ۱۱ اگست : تعوّذ
(۱۳) ۱۲ اگست : تسمیہ
(۱۴) ۱۲ اگست : مصطفائی معاشرے کا قیام اور عصرِ حاضر کا چیلنج
(۱۵، ۱۶) ۱۲ اگست : آنجناب ﷺ کا علمِ غیب (عطائی) (حصّہ اوّل، حصّہ دوم)
(۱۷ تا ۲۰) ۱۳ اگست: فضیلت افضل الرُّسُل ﷺ بہ زبانِ فرقانِ حمید (حصّہ اوّل، دوم، سوم، چہارم)
(۲۱) ۱۴ اگست : آنجناب ﷺ بطور رحمۃ للعالمین ۔
(۲۲) ۱۴ اگست : نبوّت کی ضرورت و اہمیت ۔
(۲۳) ۱۴ اگست : والدین کے حقوق (اولاد کے فرائض)
(۲۴، ۲۵) ۱۵ اگست : میلادِ مصطفےٰ ﷺ (حصّہ اوّل، حصّہ دوم)
(۲۶) ۱۵ اگست : حقوقِ اولاد (والدین کے فرائض)
(۲۷، ۲۸، ۲۹) ۱۶ اگست : بارگاہِ نبوی کے آداب (حصّہ اوّل، حصّہ دوم، حصّہ سوم)
(۳۰، ۳۱، ۳۲) ۱۷ اگست : قرآنِ حکیم اور سائنسی حقائق (حصّہ اوّل، حصّہ دوم، حصّہ سوم)
(۳۳) ۱۷ اگست : سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات کا ترجمہ و تفسیر (حصّہ اوّل)
(۳۴) ۱۸ اگست : سورۃ البقرۃ کے رکوع اوّل کا ترجمہ و تفسیر (حصّہ دوم)
(۳۵) ۱۸ اگست : عائلی زندگی (نکاح) کے اسلامی اغراض و مقاصد
(۳۶) ۱۸ اگست : قرآن اور صحافت (Journalism)
(۳۷) ۱۹ اگست : ایصالِ ثواب و فاتحہ از روئے قرآن و حدیث
(۳۸، ۳۹) ۱۹ اگست : توبہ، استغفار کی اہمیت (حصّہ اوّل، حصّہ دوم)
(۴۰) ۱۹ اگست : خاوند کے حقوق (بیوی کے فرائض)
(۴۱) ۲۰ اگست : بیوی کے حقوق (خاوند کے فرائض)
(۴۲) ۲۱ اگست : اسلام اور کلوننگ (Cloning)
(۴۳) ۲۱ اگست : نظریہ ارتقاء بمقابل نظریہ تخلیق (اسلام اور ڈاروِنزم)
(۴۴) ۲۲ اگست : رب تعالیٰ نے پورے قرآن مجید میں کہیں بھی رسول کو چھوڑ کر صرف اور صرف اپنی اطاعت کا حکم کیوں نہیں دیا؟
(۴۵) ۲۲ اگست : واقعہِ اِفک میں سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بزبانِ فرقانِ حمید۔
(۴۶) ۲۲ اگست : پیغمبرِ اسلام ﷺ اور منافقینِ مدینہ

زندگی کے خوبصورت لمحات قرآن مجید وفرقانِ حمید کی نسبت سے بھی خالی نہ رہے۔ کلام الٰہی کی حفظ جیسی نعمتِ غیر مترقبہ کے حصول سے لے کرتا امروز تراویح پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے اور ساڑھے آٹھ برس کی عمر سے لے کراب چوہتر سال کی عمر تک بحمدہٖ تعالیٰ کوئی ناغہ نہیں ہوا۔ لطف یہ کہ اس کارِ خیر میں کبھی بھی کوئی مالی منفعت یا جلبِ زر کا مقصد کارفرما نہیں رہا۔ رضائے الٰہی کا یہ جذبہ فقید المثال ہے اور اس مادیّت کے دَور میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ بالخصوص قرآنک ایجوکیشن اینڈ سوشل سروسز ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کے زیرِ اہتمام مسلسل 17 سال کی تراویح میں قرآن سنانے کی سعادت مع تفسیر حاصل کی۔ کئی طالب' دینِ حق کے متلاشی اور تشنگانِ علم اس چشمہِ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ علاوہ ازیں متعدد بار مختلف مقامات پر دروسِ قرآن کا روح پرور شغف بھی جاری رہا۔

دیارِ حرمین شریفین کی تڑپ کس مسلمان میں نہیں ہوتی! قدرت نے آپ کی لگن کو شرفِ باریابی بخشا اور بقولِ شاعر ؎

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا — میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

رب تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کے محبوبِ اکرم ﷺ کی نگاہِ لطف وعنایت سے یہ معراج بار بار سرمایہِ حیات بنتی رہی۔ اللہ کرے یہ فیض دائم جاری رہے بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ۔

راقم الحروف کا یہ مضمون نامکمل رہے گا اگر یہاں یہ ذکر نہ کیا جائے کہ پروفیسر موصوف کے تینوں صاحبزادگان حافظِ قرآن ہیں۔ حفظِ قرآن کی دولت سے نوازے جانے کے شکریہ میں پروفیسر موصوف نے اُنہیں دیارِ حبیب علیہ السلام میں حاضری کے شرف سے بھی مشرّف کیا۔

اس مادیّت گزیدہ دَور میں عقبیٰ کو بہتر سے بہتر بنانے کا یہ جذبہ' یہ علمی کارنامے اور متنوع قسم کے مقالات و مضامین اِس حقیقت کا بیّن ثبوت ہیں کہ آپ کے من میں حق جویائی' ذوقِ قرآن اور عشقِ رسول ﷺ سے والہانہ شیفتگی اور تڑپ کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور آپ کو اہلِ عُشاق کے دامن سے وابستگی پر فخر ہے۔

خاص الخاص اہم کارنامہ جو صدیوں علمی میخانوں میں آپ کی خوبصورت وخوب سیرت یاد کو جگمگاتا رہے گا' وہ سنگِ میل ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' ہے جو قدرتِ کاملہ کی طرف سے آپ کے لئے بہت بڑی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ ایک ایسی ہستی جو عمر کے آخری حصّے اور عالمِ پیری میں الگ تھلگ گمنامی کی دنیا میں مست' علم کے زیور سے اپنی زندگی کو آراستہ کرتی رہی اور پندرہ سال کی مسلسل اور غیر منقطع محنتِ شاقّہ سے تن تنہا Single-handedly اِس کٹھن مقصد کو پایہِ تکمیل تک پہنچایا۔ ایسے معرکے تو افراد کے مجموعوں سے تادیر تشکیل پاتے ہیں۔ بلا مبالغہ یہ محیّر العقول کارنامہ اللہ کے فضل وکرم اور نبیِ محتشم ﷺ کی نظرِ فیض رساں کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔

قارئینِ صدذی وقار! اب آپ خود اندازہ فرمالیں کہ ایک طرف ایک اکیلی جان جس کے پاس نہ جدید ذرائع اِبلاغ' نہ مواد کی ترسیل میں آسانی' نہ فنڈنگ کی سہولت' نہ ادارتی بورڈ' نہ مقالہ نگار صاحبان' نہ تالیف کرنے والے' نہ شائع کرنے والی بڑی کمپنیاں اور نہ کوئی سپانسر کرنے والا ادارہ' مزید یہ کہ عربی کا اتالیق ہونے کے باوجود زبانِ

انگریزی کو ذریعہ اظہار بنانا' ان مذکورہ مشکلات کے باوجود صرف ایک ہی ذات یعنی اپنے خالق و مالک پر توکل کرتے ہوئے اتنا بڑا تعلیمی معرکہ انجام دینا واقعی کوئی معجزہ ہی لگتا ہے اور پھر اس کی مارکیٹنگ اور ڈسٹری بیوشن کی اضافی ذمہ داری بھی ایک حیران کن امر ہے۔

اس سے پہلے کہ مؤلف کے ''قرآنک انسائیکلو پیڈیا'' کا مختصر سا تعارف ہو' ضروری ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کی تاریخ سے مختصر آگاہی حاصل ہو جائے تاکہ صاحب موصوف کی محنت کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو سکے۔

سال (ca. AD 77) میں Pliny the Elder کے قلم سے دنیا کا پہلا انسائیکلو پیڈیا Naturalis Historia لکھا گیا جو ایک جلد پر مشتمل تھا۔ لفظ Encyclopedia یونانی لفظ Enkyklios paideia سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ جنرل ایجوکیشن ہے اور جس کا اردو ترجمہ ''دائرۃ المعارف'' کیا گیا۔ دورِ جدید میں سترھویں صدی عیسوی میں Encyclopedia Universal تحریر کیا گیا۔ دنیا کا سب سے بڑا انسائیکلوپیڈیا Spanish Language Enciclopedia Universal Illustrada Europeo-Americana ہے جو 16 جلدوں' 175000 صفحات اور 200 ملین الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ کئی سالوں پر محیط محنت کا ثمر تھا۔

عالمِ مغرب اِس وقت دنیا کی سیادت و قیادت پر براجمان ہے اور علم و سائنس و ٹیکنالوجی میں حیرت زدہ کارناموں کا بلاشرکتِ غیرے پردھان منتری بنا ہوا ہے۔ یقیناً زندہ قومیں تعلیم و تحقیق کے بل بوتے پر زندہ رہتی ہیں نہ کہ سیم و زر پر۔ اُمتِ مسلمہ کی اس روش کو اغیار نے اپناتے ہوئے معرکتہ الآراء تحقیقی و تخریجی کام کئے مثلاً دنیا کی عربی زبان میں سب سے پہلی اور بڑی ڈکشنری ایک غیر مسلم لبنانی نے تالیف کی۔ المُعجم الفہرس لالفاظِ القرآن جرمن کے فلوجل المانی کی نا قابلِ یقین کاوش ہے۔ المُعجم الفہرس لالفاظِ الحدیث وِنسنٹ کا تحریر کردہ حدیث کی دنیا میں اَن مٹ کارنامہ ہے۔ اِنہی کوششوں کے اثناء میں عالمِ مغرب نے مذہب اسلام پر بھی تحقیقی نگاہ دوڑائی اور 16 جلدوں میں نیدرلینڈ اسلامک سنٹر سے اسلامک انسائیکلوپیڈیا 1960ء میں شائع کرایا جو پاکستان میں اُس کی تصحیح کے بعد اُردو زبان میں 1970ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ اسی طریق پر چلتے ہوئے 1980ء میں ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' کے نام سے چھ جلدیں نیدرلینڈ اسلامک سنٹر نے چھاپی ہیں۔ یہ تحسینِ عمل لاکھ سہی مگر غیر مسلم اسلام دشمنی اور قرآن دشمنی نہ چھپا سکے اور کئی زہر آلود تحریریں یکجا کر دیں۔

اُمتِ مسلمہ کے دردمند و باصلاحیت اہلِ علم نے اپنے تحقیقی ذوق کے ساتھ ریشِ قلم کو جنبش دی اور پہلی مرتبہ 1985ء میں سعودی عرب نے الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ عربی زبان میں شائع کیا مگر قرآنک انسائیکلوپیڈیا کا قرض تا دمِ تحریر باقی تھا کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے اپنے ایک ایسے بندے کا انتخاب کیا جو بظاہر وسائل سے محروم مگر جذبوں میں جواں تھا۔ میری مراد مؤلف ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' جناب پروفیسر حافظ اشفاق احمد خان صاحب ہیں

جن کے حصّے میں یہ لازوال سعادت آئی۔ نہ صرف پاکستانی قوم بلکہ پوری اُمّتِ مسلمہ کو اُن پر فخر ہے کہ بزرگی کے عالم میں پوری مسلم قوم کی طرف سے قرض چکا دیا۔ اس پر ربِّ جلیل کی جتنی حمد و ثنا کی جائے اور سجدۂ شکر ادا کیا جائے' کم ہے۔ سرکارِ ہر جہاں ﷺ کا یہ فرمانِ عالی برحق ہے کہ باری تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے' وہ اُس شخص کے لئے آسان کر دیتا ہے۔

''قرآنک انسائیکلو پیڈیا چھ جلدوں میں 6100 صفحات اور 300 سے زائد تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے جو انگریزی زبان میں آفسٹ غیر ملکی کاغذ اور دیدہ زیب طباعت سے مزیّن ہے جس میں ایک علمی بحرِ تلاطم ہے۔ علم کے متلاشیوں کے لئے ایک جانفزا تحقیقی سرمایہ ہے' محققین کی عرق ریزیوں کو جلا بخشنے والا ہے اور انگریزی ادب کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ مزید سونے پہ سہاگہ یہ کہ مؤلف نے احباب کے پُر زور مطالبے پر اسے اردو زبان میں ترجمہ کے ساتھ اور اس میں مزید معلومات کا اضافہ کر کے شائع کرنے کا بیڑا ابھی اٹھا لیا ہے جس کی چار جلدیں چھپ کر آ چکی ہیں اور بقایا جلدیں ابھی ترجمہ ہونے کے عمل میں ہیں۔

بلا شک وشبہ ''قرآنک انسائیکلو پیڈیا'' دنیائے علوم کا لازوال خزانہ ہے۔ مؤلف کی آرٹس کی شخصیت ہونے کے باوصف سائنسی میدان میں مہارتِ تامّہ کا گمان لگتا ہے۔ کہنے کو تو یہ قرآن کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے مگر سائنسی معلومات نے اُسے ایک علیحدہ تشخص دے دیا ہے اس لئے اس کا نام ''قرآنک سائنٹفک انسائیکلو پیڈیا'' (Qur'anic Scientific Encyclopaedia) ہونا چاہئے۔ اس بار آور ثمر کے بہت سے پہلو مطالعہ ہی سے منکشف ہوں گے اور انشاء اللہ یہ رفتہ رفتہ علمی حلقوں کی صدا بنتا جائے گا۔ اگر اس پورے انسائیکلو پیڈیا کو تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ کی تفسیر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بہر حال اس عظیم جُہدِ مسلسل کو جتنا خراجِ تحسین پیش کیا جائے' کم ہے۔ اب قوم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس علمی ورثہ کی حوصلہ افزائی کا عملی مظاہرہ کرے اور اربابِ اختیار سے یہ مطالبہ ہے کہ بلا توقف پروفیسر صاحب کے لئے Ph.D. کی اعزازی ڈگری جاری کی جائے تا کہ ایک فرد جو اپنی ذات میں انجمن ہے' کے جذبوں کو مزید جلا ملے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی یونیورسٹی یہ سعادت اپنے دامن میں سمیٹتی ہے!

مت سہل اِسے جانو پھرتا ہے فلک برسوں ‏ ‏ ‏ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے ‏ ‏ (میر تقی میر)

یہ ناچیز' مؤلف کے تعارف کا حق ادا کرنے اور ''قرآنک انسائیکلو پیڈیا'' کے محاسن بیان کرنے سے قاصر ہے البتہ جناب یوسف علیہ السلام کی خریدار بڑھیا کی مثل اس تحریر کو اپنے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں سمجھتا۔

احقر العباد

[signature]

خالد محمود

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی۔ ملتان

10 مارچ 2013ء

تعارف (جلد چہارم)

قرآنِ حکیم کے بارے میں سورۃ التکویر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ O یعنی جس طرح اس کتاب کو نازل کرنے والا ربُّ العالمین ہے اور وہ جس پر یہ نازل ہوئی' وہ رحمۃ للعالمین ہے' اسی طرح یہ کتاب بھی ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے۔ زمان ومکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے اور تمام عالمِ انسانیت کے لئے تا قیامت رُشد وہدایت کا تابندہ اور جگمگ جگمگ کرتا ہوا آفتاب ہے۔ اپنی اصل اور ماخذ کے لحاظ سے وہ سرتا سر حق ہی حق ہے کہ وہ حق کی طرف سے آیا ہے۔ آگے اسی سے متصل آیت میں فرمایا: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ کہ اس سے مستفید وہی ہوسکتا ہے جو خود اس سے فائدہ اٹھانا چاہے اور جس کے دل میں راہِ ہدایت پر گامزن ہونے کی خواہش ہو۔ یعنی حصولِ نفع کے لئے قصدِ انتفاع لازمی امر ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی استعداد یا چاہت پر منحصر ہے کہ وہ انتفاع کے اِس سفر میں محض صالحیت کے ادنیٰ اور کمتر مقام پر رہے یا ولایت کے بلندترین مقام پر پہنچ کر رشکِ جناں بن جائے۔ بالفاظِ دیگر اسلام' صالحیت اور ولایت کی منازلِ رفیعہ اسی قرآن کی بدولت ہی تو ملتی ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

افسوس صد افسوس کہ آج ہم عملی ونظری طور پر اپنی اس کتابِ عزیز سے اتنے دُور ہوگئے ہیں کہ اس میں ایسے اندازِ حیات کا سراغ تلاش کرتے ہیں جو ہمیں فرائض وعقیدہ صالحہ سے سبکدوشی کی لذّت عطا کرسکے۔ وہ قرآن جو حیاتِ جاوداں بخشنے والا نسخہِ کیمیا تھا' ہم نے اُسے یا تو محض جاں کنی کی سختیوں کو دُور کرنے کا وسیلہ سمجھ لیا ہے' یا اُسے پھولوں کے گجرے پہنا کر کسی بالائی جگہ پر خیر وبرکت کے لئے رکھ چھوڑا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم نے اس نسخہِ نایاب کا حق ادا کردیا ہے۔ کیا قرآن کی آمد کا یہی مقصد تھا کہ عمل سے عاری مسلمان اُسے اپنے طاقچے کی زینت بنا کر سو جائے؟

نوبت اگر یہیں تک ہوتی تو بھی کوئی بات تھی لیکن بات بڑھی تو دشمنِ اسلام کا پڑھایا ہوا سبق اپنوں کی زبان پر بے دھڑک آنے لگا۔ طہارت وپاکیزگی کے مبادیات تک سے ناواقف نام نہاد ''مسلمان'' دین کا ٹھیکیدار بن کر بانگِ دہل فتوے دینے لگا جس سے ناواقف طبقہ میں اپنے ہی مذہب سے بدظنی عام ہونے لگی۔ کبھی تو اُس نے سورۃ الاحقاف کی آیت نہم مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ کا حوالہ دے کر قرآن پر تو کیا' اپنے آپ پر ظلم کیا اور کہا کہ جس نبی کو اپنے انجام کی خبر نہیں' وہ ہمارے لئے کیا کرے گا؟ (العیاذ باللہ)۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی قرآن کی آیت لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا حوالہ دے کر اس سے اگلے حصّے کو نظر انداز کرکے نماز کا انکار کردے۔ بالکل اسی طرح اِن لوگوں نے بھی آیت مذکورہ نہم کا اگلا حصّہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ چھپا کر آیت کو خانہ ساز اور دُور اَز کار معنیٰ پہنا دیا اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ دوم یہ کہ اُنہیں درایت اور علم کے مابین فرق معلوم ہی نہیں کیونکہ آیت میں درایت سے مشتق لفظ آیا ہے نہ کہ علم یا اُس سے ماخوذ کوئی اور لفظ۔

ایسے خدا فراموشوں سے ذرا پوچھ کے دیکھئے کہ جسے اپنے انجام کا علم نہیں' تو وہ کیوں کبھی تو اپنے دس صحابہ (عشرہ مبشرہ) کو جنت کا سرٹیفکیٹ عنایت کررہا ہے' کبھی حسنین کریمین کو جنتی نوجوانوں کا سردار اور کبھی سیّدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا کو جنتی عورتوں کی سردار ہونے کا مژدہ سنا رہا ہے! اور جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا جا رہا ہے:
''کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم عزت و آرام سے زندگی بسر کرو' تمہیں شہادت کا شرف بخشا جائے اور تم جنت میں داخل ہو۔'' یہ وہی ثابت بن قیس ہیں جو خلافتِ صدیقی میں مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑتے ہوئے جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت نوش فرما کر جنت میں پہنچے اور پیغمبر علیہ السلام کا فرمانِ مبارک سچا ثابت ہوا۔ ابن جریر طبری' قرطبی' مظہری اور دیگر اکابرین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روزِ ازل سے اپنی نجات کا یقین تھا کہ آپ ہی کا تو یہ فرمان ہے:
اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخرَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخرَ وَآدَمُ وَمَا سِوَاہُ تَحتَ لِوَائِیْ وَلَا فَخرَ
''قیامت کے دن اولادِ آدم کا میں سردار ہوں گا' حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں میں فخر یہ طور پر نہیں کہہ رہا' اظہارِ حقیقت ہے۔''

ایسے ''مفتیانِ دین'' سے دوسرا سوال یہ کہ چونکہ سورہ کی ابتدا سے خطاب کفار و مشرکین سے ہے' یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دے کہ آپ کفار کو بتا دیں کہ مجھے اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں۔ کفار بڑی آسانی سے یہ کہہ کر آپ کی دعوت کو مسترد کر سکتے تھے کہ جب آپ کو اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں تو پھر ایک غیر یقینی چیز کی طرف آپ کا دعوت دینا چہ معنیٰ دارد؟ کیا صاحبِ قرآن ﷺ کے کسی معاصر کافر نے آپ سے کبھی یہ سوال کیا؟ تاریخ' علم تفسیر' علم الحدیث اور علم الآثار اس بارے میں بالکل خاموش ہیں کہ بات بات پر اُلجھنے والوں اور قرآن مجید پر اور صاحبِ قرآن ﷺ پر طرح طرح کے اعتراض کرنے والوں میں سے کسی نے کبھی کوئی ایسا سوال نہیں کیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عربی اُن کی مادری زبان تھی اور وہ درایت اور علم کے مابین فرق کو بخوبی سمجھتے تھے کہ درایت کا مفہوم یہ ہے کہ غور و فکر' ظن و تخمین اور ذاتی قیاس آرائی سے کسی چیز کا علم حاصل کیا جائے۔ یہ مفہوم ذہن نشین ہونے کے بعد اب مطلب واضح ہو گیا کہ آیت میں خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی عطا ہو' اُس کی نفی نہیں۔

معاصر کفار کی نگاہ آیت مذکورہ کے مابعد کے حصے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے) پر بھی تھی۔ اِن تمام حقائق کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اب مطلب بالکل صاف ہو گیا کہ اے محبوبِ مکرّم! ان کفار کو فرما دیجئے کہ اپنے اور اپنے پیروؤں کے انجام کو میں اپنی فہم و فراست سے نہیں جان سکتا۔ میرا علمی سرمایہ میری عقل و شعور کا اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اگر میں نے اپنے غور و فکر سے ان حقائق کو جانا ہوتا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی اور تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اسے جانچو اور اپنی کسوٹی پر پرکھو۔ لیکن میرا علم تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس میں شک و شبہ کا ذرا سا شائبہ بھی نہیں۔ مَا اَدْرِیْ میں درایت یعنی اپنے ذاتی قیاس اور ظن و تخمین کی نفی ہے لیکن مَا یُوْحٰی اِلَیَّ میں علمِ خداداد کا ثبوت ہے۔

آج اسلام کو اپنی جغرافیائی سرحدوں سے متعلق دشمن کی یلغار سے اتنا خطرہ لاحق نہیں جتنا کہ اُس کی نظریاتی سرحدوں کو ہے۔ پٹڑی سے ہٹانے والی بھانت بھانت کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں اور بیچارے مسلمان کو جسے پہلے ہی ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت مذہبی تعلیم سے دُور رکھا گیا' دُوراز کار طرزِ استدلال سے اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا جا رہا ہے۔ نام نہاد ''نیو لائٹ'' کے اِس دَور میں یہ صدائے بازگشت بھی اکثر سننے میں آتی ہے کہ غیر اللہ یعنی رسول کا

دامن تھامنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم براہِ راست رب تعالیٰ تک رسائی پالیں گے (العیاذ باللہ)۔

معزز قارئینِ ذی احتشام! یہ حقیقت خوب خوب ذہن نشین رہے کہ رب تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی بابت صحیح اور صالح عقیدہ ہی نجاتِ اُخروی کا ضامن ہے ورنہ فاسد عقیدہ کے ساتھ رب کی راہ میں گردن کٹوانا بھی مردود اور راندہِ بارگاہِ الٰہی ٹھہرے گا۔ حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے اسی لئے تو قرآن حکیم نے جگہ جگہ اپنے میں تدبّر و تفکّر اور تعمق و تفحص سے کام لینے پر زور دیا ہے۔ اس تدبّر و تفکّر کی ایک ہی مثال سے بات کھل کر سامنے آ جائے گی جس سے عقیدے کی بھی انشاء اللہ اصلاح ہو جائے گی۔

قرآنِ حکیم کی کل 6666 آیات میں سے 38 آیات میں اطاعت اللہ اور اطاعتِ رسول کا اکٹھا حکم دیا گیا ہے جبکہ اُن 38 آیات میں سے 20 آیات میں صرف اطاعتِ رسول کا حکم ہے' اطاعت اللہ کا ذکر نہیں مثلاً:

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النّساء : ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُس نے (فی الواقع) اللہ کی اطاعت کی۔'' (۸۰ : ۴)

(۲) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۝ (النّساء : ۱۱۵)

''اور جو کوئی بعد اس کے کہ اُس پر (راہِ) ہدایت کھل چکی' رسول کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ (کسی راہ کی) پیروی کرے گا' ہم اُسے کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور پھر ہم اُسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔'' (۱۱۵ : ۴)

(۳) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (النّور : ۵۶)

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

(۴) وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا (محمد : ۳۲)

''اور اُنہوں نے رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ راہِ راست اُن پر واضح ہو چکی تھی' یہ لوگ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔'' (۳۲ : ۴۷)

(۵) فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً۝ (الحآقّة : ۱۰)

''تو اُنہوں (فرعونیوں) نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے اُنہیں بہت سخت پکڑ لیا۔''

لیکن پورے قرآن حکیم میں ربِّ ذوالجلال والاکرام نے رسول کو چھوڑ کر صرف اپنی اطاعت کا ذکر کہیں بھی نہیں کیا اور اسی میں غور و فکر اور اصلاحِ عقیدہ کا نکتہ ہے۔ اس کی وجہ کو سمجھ لینے میں جہاں مقامِ نبوّت کا پتہ چلتا ہے' وہاں شرک کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔ وہ وجہ اور نکتہِ لطیفہ یہ ہے کہ اللہ خالق ہونے کے ناطے سے رسول سے بڑا ہے اور رسول کا مرتبہ و مقام مخلوق ہونے کے ناطے سے اللہ سے بہرحال کم ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب بڑے اور زیادہ

طاقتور کا سہارا مل جائے تو چھوٹے کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر کسی کا سہارا وزیرِ اعظم یا صدرِ مملکت بن جائے تو اُسے ڈپٹی کمشنر یا کمشنر کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے پورے قرآنِ پاک میں صرف اپنی اطاعت کا حکم کہیں بھی اس لئے نہیں دیا کہ رسول کی اطاعت سے منحرف ہونے والوں کو کہیں اس عذر کا موقع نہ ملے کہ چونکہ ہم نے اللہ جیسی بڑی ہستی کا سہارا لے لیا ہے تو اب اُس سے کم مرتبہ والی ذات یعنی رسول کا دامن تھامنے کی کیا ضرورت ہے! مطلب یہ کہ اللہ تک رسائی کا واحد ذریعہ رسول ہی ہے جس کا دامن تھامے بغیر رب نہیں ملتا۔

اللہ کے رسول ﷺ سے منحرف ہونا اور پہلو تہی کرنا منافق کی کج فطرتی ہے جسے قرآن مجید نے سورۃ النّساء کی آیت ۶۱ اور سورۃ المنافقون کی آیت ۵ میں بیان کیا اور فرمایا:

(۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا O (النّساء : ۶۱)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو (اے محبوبِ مکرّم!) آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی کر رہے ہیں۔''

(۲) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ O (المنافقون : ۵)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے بخشش طلب کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور (اے محبوبِ مکرّم!) آپ اُنہیں دیکھیں گے کہ تکبّر کرتے ہوئے بے رُخی کر رہے ہیں۔''

اِن آیات میں منافق کی علامت یہ بتائی کہ اللہ کی طرف آنے میں اُنہیں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی اور اُس کے طرف وہ دوڑے چلے آتے ہیں لیکن رسول کے دربار میں حاضر ہونے میں اُنہیں موت نظر آتی ہے۔ تو یہاں منافق کی علامت بتائی جا رہی ہے کہ اللہ کا نام آنے پر جس شخص کا چہرہ خوشی سے کھِل اُٹھے اور رسول کا نام آنے پر چہرے پر یبوست اور مُردنی چھا جائے تو سمجھ لو کہ وہ پکا منافق ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کو جب اُس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ عبداللہ! بہت ہو چکی۔ اب بھی وقت ہے' دربارِ رسول میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو۔ وہ رحمۃ للعالمین ہیں' تیری بخشش کی اپنے رب سے بھیک مانگیں گے تو تیری بدبختی خوش بختی سے بدل جائے گی' تو اُس نے ازراہِ تکبّر ونخوت نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا:

أَمَرْتُمُونِي أَنْ أُؤْمِنَ فَقَدْ آمَنْتُ وَأَنْ أُعْطِيَ زَكٰوةَ مَالِيْ فَقَدْ أَعْطَيْتُ فَمَا بَقِيَ إِلَّا أَنْ أَسْجُدَ لِمُحَمَّدٍ

''تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا' تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا کہا تو میں نے وہ بھی ادا کر دی۔ اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں' یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

ذرا غور فرمایئے کہ منافق کا ذہن کس طرح کجروی کا شکار رہتا ہے اور اُس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہِ نبوّت میں حاضری اور محبوبِ ربّ العالمین سے اپنی بخشش کی دعا کرانے میں اُسے صریح شرک نظر

آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال، نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ ربّ ذوالجلال والاکرام کے حبیب علیہ السلام کے درِکرم پر حاضر ہو کر اُس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔

اس ضمن یہ عرض کر دینا بھی برموقع ہے کہ دوسرے کفریات کی طرح خالی خولی توحید بھی دوزخ کا راستہ ہے۔ ابلیس صرف توحید (بدون الرسالۃ) کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا نہ کہ شرک کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو پیغمبر کی معرفت جاننے ہی میں ایمان کی حقیقت مضمر ہے۔ گویا نبوت کے آئینہ میں رب تعالیٰ کی الوہیت کو دیکھنا ایمان ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے کسی بھی جگہ توحید کا حکم نہیں دیا بلکہ ایمان کا حکم دیا اور ہمیں موحّد کہہ کر نہ پکارا بلکہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا (ایمان والے) کہہ کر پکارا۔ ہمارا نام موحّد نہ رکھا بلکہ مؤمن و مسلم رکھا (سورۃ الحج: ۷۸)۔ قرآن مجید میں توحید کا مصدر، اُس کے مشتقات، ماضی، مضارع، امر، اسم فاعل، اسم مفعول وارد نہ ہوئے بلکہ ایمان اور اس کے ماضی، مضارع وغیرہ آمَنَ یُؤْمِنُ، مؤمن، مؤمنات، آمِنُوا وغیرہ سب کچھ مذکور ہوئے۔ سورۃ النّساء کی ذیل کی آیات بھی ہماری خصوصی توجہ کی طالب ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًاO اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًاO وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاO (النساء: ۱۵۰ تا ۱۵۲)

"بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں ہم بعض رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور بعض رسولوں کا ہم انکار کرتے ہیں اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی (اور) راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو یہی لوگ حقیقت میں کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے (تمام) رسولوں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی کے ساتھ فرق نہیں کیا تو انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اُن کے اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔" (۱۵۰ تا ۱۵۲: ۴)

اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو ایمان ہو لیکن وحی و رسالت کا سرے سے منکر ہو۔ اب وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کے تو قائل ہیں لیکن اللہ کے رسول کی اطاعت سے گریزاں ہیں حالانکہ اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے، وہ ذرا غور کریں کہ وہ بھی کہیں اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ پھر اللہ رسول کو ملانے کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کو رسول یا رسول کو اللہ مان لیا جائے کہ یہ عین شرک ہے بلکہ نبوت و رسالت کو الوہیت کے ساتھ ایسے ملانا ضروری ہے جیسے لیمپ کے نور کے ساتھ چمنی کا رنگ ملا ہوتا ہے کہ جہاں لیمپ کی روشنی ہے وہاں چمنی کا رنگ یا جیسے کرنسی نوٹ کے کاغذ کے ساتھ سرکاری تحریر اور مُہر کہ اگر یہ تحریر مٹا دی جائے تو نوٹ کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ اگر نجات کے لئے توحید ہی کافی ہوتی تو قبر میں تیسرا سوال نبوّت کا نہ ہوتا۔

اصلاحِ عقیدہ پر گفتگو کرنے کے بعد ہم قرآن مجید کی تاریخ نگاری اور واقعہ نگاری (Topography) کے

ضمن میں سزا یافتہ اقوامِ ماضیہ کے عذاب کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے مختلف عذابات کی بابت مادیّت گزیدہ ذہن کیا کہتا ہے۔

حکیم محمد طارق محمود چغتائی لکھتے ہیں :

''ریاست کیلیفورنیا میں اب بھی 8 سے Live Faults 10 موجود ہیں۔ اُن میں سے ایک Big One کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ اس کا سنٹر سطح زمین سے چند میٹر نیچے ہے لہٰذا نقصان کا اندیشہ بے حد وحساب ہے۔ انجنیئرز کا Estimate بتاتا ہے کہ اگر Big One آ گیا تو ہالی وُڈ کے اداکاروں اور ہم جنس پرستوں کی آبادی کا یہ ٹکڑا زمین سے کٹ کر سمندر میں ڈوب جائے گا۔ قرآن شاہد ہے کہ پچھلی نافرمان قوموں پر بھی اسی طرح کے اچانک عذاب آئے۔ فقیر نے لاس اینجلس شہر کے چوراہوں پر کئی کئی میٹر لمبے چوڑے Metallic Board دیکھے جن پر OH GOD لکھا ہوا تھا۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ امریکی انتظامیہ کے ایماء پر یہ بینرز لگائے گئے تاکہ لوگ دعا کریں کہ Big One نہ آئے۔'' (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' جلد دوم' صفحہ 138)

''ہمارے لئے عبرت کا سبق سیکھنے کا وقت ہے۔ جب سپر پاور اپنے پروردگار کے سامنے صفر پاور بن جائے تو پھر ہمیں اپنے رب کے سامنے کتنی عاجزی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر وہی پروردگار ہماری مدد کرے، تو سپر پاور ہمارا تو بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔'' (ایضاً' صفحہ 139)

ماکولات ومشروبات کے ضمن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رات کے کھانے (ڈِنر) کی بڑی تاکید فرمائی ہے اگرچہ کھجور کے چند دانے ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عَشاء (رات کا کھانا) چھوڑ دینا بڑھاپے کو لاتا ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

اس سلسلے میں حکیم محمد طارق محمود چغتائی لکھتے ہیں کہ میرے پاس ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ میں نے رات کا کھانا کھانا چھوڑ دیا اور خالی پیٹ ہی سو جاتا۔ اس سے میں دل کا مریض بن گیا اور اب تک مسلسل زیرِ علاج ہوں۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس' جلد دوم' صفحہ ۱۴۸)

''مکمل اور سالم پھل کا استعمال ۔۔ سنتِ نبوی اور جدید سائنس : مرحب والیِ خیبر۔ نے کہا تھا کہ میں اتنی اور اتنی ڈھیروں طاقت کی غذائیں ایک وقت میں کھاتا ہوں جبکہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' نے فرمایا کہ میں جَو کی روٹی سے اپنا پیٹ بھرتا ہوں۔''

''جدید سائنس نے اسلامی غذاؤں کا غائر تجزیہ اور تحقیق کی ہے۔ سائنسدان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضور پاک ﷺ اور آپ کے جانشین تمام ایسی غذائیں استعمال کرتے تھے جو اپنی فطری حالت اور کیفیت پر ہوتی تھیں۔ وہ پھل استعمال کرتے تو اُسے جوس یا کسی مصنوعی شکل میں نہیں بلکہ اُن کا پینا اصل اور فطری تھا اور ان کا کھانا بھی

فطرت کی پیکنگ میں تھا۔ لہٰذا آج سائنسی رُجحانات' تحقیقات اور انکشافات اس بات کی کھلی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں کہ غذاؤں کو اُن کی اصلی اور حقیقی شکل میں استعمال کیا جائے اور اگر آپ اُن کے اندر موجود وٹامن اور فوائد سے بھرپور استفادہ چاہتے ہیں تو کبھی بھی اُنہیں کسی مصنوعی' غیر فطری شکل میں استعمال نہ کریں۔ آیئے سائنسی اور جدید تحقیق ملاحظہ فرمائیں:۔

''ایک وقت تھا کہ مغربی ملکوں میں گھاس پھوس کی طرح بھوسی اور چھان کو بھی جانوروں کی غذا سمجھا جاتا تھا لیکن اب ترقی یافتہ دنیا میں لوگ بڑے اہتمام سے اُسے حلق سے نیچے اتار رہے ہیں۔ یہ 1970ء کی بات ہے جب ایک معالج' ڈاکٹر ڈینس برکت نے بتایا کہ دنیا کی جو قومیں زیادہ مقدار میں ریشہ کھاتی ہیں' وہ سرطان' قولون اور مقعد کی بیماریوں سے زیادہ محفوظ رہتی ہیں۔ اسی طرح ریشے کا استعمال اُنہیں آنتوں کے امراض' بواسیر' ہپاٹائٹس' ہرنیا' اپنڈی سائٹس (قولنج)' دوالی وریدوں' پتّے کی پتھری اور قلب کی تکالیف سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔''

''مغربی دنیا میں یہی بات ڈاکٹر جان ہاروے کیلاگ نے 1920ء میں بڑے زور وشور سے کہی تھی بلکہ اس نام کی ریشے والی بہت سی ڈبہ بند غذائیں تیار ہونے لگی تھیں۔ یہ غذائیں آج بھی تیار ہو کر فروخت ہوتی ہیں۔ اُنہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ریشہ دار غذاؤں کے استعمال سے امریکی اپنی آنتوں کی صحت ٹھیک رکھ سکتے ہیں۔'' (ایضاً' ص ۲۰۱)

''ریشہ (Fibre) کیا ہے؟ تاریخِ طب کھنگالئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم طبوں میں اُسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جڑی بوٹیوں کے سفوف سے تیار ہونے والے معجون اور جوارش بھی اسی اصول کو پیشِ نظر رکھ کر تیار کئے جاتے تھے۔ جوارش کے مقابلے میں معجون کی دوائیں زیادہ باریک پیسی جاتی تھیں تو جوارش کی دوائیں ذرا موٹی ہوتی تھیں تاکہ یہ معدے سے جلد نکل کر آنتوں میں پہنچیں اور اپنے چوبی ریشے سے اُن کا فعل تیز کریں۔ اصولی دواسازی میں آج بھی یہ فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ گویا دَورِ قدیم ہی سے انسانی غذا میں ریشے کی اہمیت مسلّمہ چلی آرہی تھی۔''

''غذائی ریشے سے مراد غذا کے وہ اجزاء ہیں جو انسانی نظامِ ہضم کے خامرات (Enzymes) اور ہاضم رطوبات سے متاثر نہیں ہوتے یعنی گلتے گھلتے نہیں ہیں۔ یہ نباتاتی ریشے جو دراصل پودے کے خلیات کی دیواریں ہوتی ہیں' معدے اور آنتوں میں سے گزر کر بھی حل نہیں ہوتے۔ نباتاتی ریشے کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں:۔

(۱) وہ جو پانی میں گھل جاتے ہیں یا حل ہوسکتے ہیں مثلاً پھلوں کا گودا' گوند وغیرہ۔

(۲) پانی میں حل نہ ہونے والے ریشے مثلاً خلوی ریشے (سیکولوس)' چوبی مادہ (لگنین) اور نیم خلوی مادہ۔

''غذائی ریشے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دانتوں اور معدے سے لے کر بڑی آنت تک ہضم ہوئے بغیر گزر جاتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ بڑی آنت یا قولون میں پہنچنے کے بعد آنتوں کے بیکٹیریا کی وجہ سے اس میں سے نصف ریشے میں خمیر پیدا ہو کر گیس یا ریاح بنتی ہے۔''

<u>ملیّن اثر</u>: ''یہ بات صدیوں کے تجربات سے ثابت ہے کہ ریشے میں قبض دُور کرنے کی تاثیر ہوتی ہے۔

ریشے بڑی عمدگی سے آنتوں کی کارکردگی کو بہتر رکھتے ہیں۔ ریشے اپنے سے کئی گنا زیادہ پانی جذب کر کے بڑی آنت کو گیلے کپڑے کی طرح نرم اور گیلا رکھ کر اجابت کو سخت نہیں ہونے دیتے۔ ان سے فضلے کا حجم زیادہ اور نرم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔'' (سنتِ نبوی اور جدید سائنس' جلد دوم' صفحات ۲۰۰ تا ۲۰۲)

''عِشاء کے بعد جاگنے کی ممانعت ۔۔ سنت نبوی اور جدید سائنس : حضورِ اقدس ﷺ نے عِشاء کے بعد جاگنے اور گفتگو کرنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ عِشاء کے بعد وہی شخص جاگ سکتا ہے جس نے کوئی دینی گفتگو کرنی ہو یا گھر والوں سے ضرورت کی بات کرنی ہو۔ (''التَّرغیب والتَّرھیب ''۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ ھ)۔

''ڈاکٹر نکسن وزیٹر کی تحقیق : جو لوگ رات کو جلد نہیں سوتے' دیر گئے تک خلوت گاہ میں جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جب مریض بن کر میرے پاس آئے تو میں نے ان میں اعصابی اور نفسیاتی اَمراض کی کثرت پائی۔ وہ بکثرت الجھے ہوئے اور ڈیپریشن (مایوسی) کا شکار تھے۔ اُن میں سے بعض لوگوں کا رُجحان خودکشی کی طرف تھا۔ الغرض کائنات کا اصول دن کا کام اور رات کو آرام کا ہے۔ جب اس اصول کو توڑیں گے تو صحت اور شادمانی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔'' (ایضاً' صفحہ ۴۷)

'' گوشت کو دانتوں سے کاٹنا۔ سنت نبوی اور جدید سائنس : حضور ﷺ نے گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھانے کی ترغیب دی ہے کہ اس سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے اور بدن کو زیادہ موافق پڑتا ہے۔''

''اس میں حکمت یہ ہے کہ جب گوشت کو دانتوں سے کاٹا یا چبایا جائے گا' تو جتنا زیادہ اُسے چبایا جائے گا' اُتنا ہی اُس کے اندر ہمارا لعابِ دہن شامل ہو جائے گا جسے ہضم کرنے میں معدہ کو دقّت نہیں ہوگی اور معدہ کو کام زیادہ نہیں کرنا پڑے گا۔ اگر گوشت کو دانتوں کے درمیان زیادہ نہ چبایا جائے تو اس میں لعابِ دہن کم ہوگا جس سے معدہ کے ہضم کرنے میں مشکل ہوگی۔''

''دراصل گوشت کو دانتوں سے کاٹنے کی وجہ سے (Silivary Glands) کی رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے جو معدہ میں جا کر قوّتِ ہاضمہ کو قوی کرتی ہے جس سے انسان بے شمار بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔'' (ایضاً' ص ۱۴)

''مہمان کو کھانے پر اصرار۔ سنت نبوی اور جدید سائنس : نبی کریم ﷺ کے دسترخوان پر جب کوئی مہمان ہوتا تو آپ اُس سے بار بار فرماتے کہ کھایئے' کھایئے اور کھایئے۔ جب مہمان خوب سیر ہو جاتا اور بے حد انکار کرتا تب آپ اِصرار کرنا چھوڑ دیتے۔'' (مشکوٰۃ' زادالمعاد لابن القیم الجوزیہ)

''اسلام مہمانداری کے اصول وضع داری اور محبت سکھاتا ہے۔ اس ضمن میں فرائیڈ کا اصولِ مہمانی ملاحظہ ہو:

''مہمان ہمیشہ خلوص اور محبت ہی کے ناطے سے آتا ہے اور اگر اُسے وہ محبت اور مطلوبہ خلوص میسر نہ ہو تو

اُسے مہمان نہیں کہیں گے بلکہ بن بلایا مہمان کہنا زیادہ بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ چہرے پر مسکراہٹ سجایئے اور خوش ہو جائیں۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا خود کھلائیں' ساتھ بیٹھیں۔ اس سے محبت بڑھے گی۔ مہمانوں کی پسند کا بھی خیال رکھیں۔ میں نے بعض مہمانوں کو پُر تکلف دیکھا۔ جب اُنہیں بار بار کھانا کھانے پر اصرار کیا گیا تو اُنہوں نے واقعی کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔'' (سنتِ نبوی اور جدید سائنس' جلد دوم' صفحہ ۴۸)

''جب کسی سے ملنے جائیں۔۔سنت نبوی اور جدید سائنس: امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی سے ملنے جائیں تو اپنا لباس اور جوتے وغیرہ ٹھیک کر کے جائیں۔'' (سنن ابی داؤد' مسند احمد)

''اگر لباس صاف ستھرا نہ ہو اور بے ڈول ہو تو انسان کے معاشرتی وقار اور عزت و اکرام میں کمی ہو گی' لوگ اس سے نفرت کریں گے اور یہ نفرت و کراہت بے شمار نفسیاتی اَمراض کو جنم دیتی ہے۔ ان نفسیاتی اَمراض کی انتہا بعض اوقات انسان کو جرائم کی زندگی کی طرف لے جاتی ہے جس کی بے شمار معاشرتی مثالیں موجود ہیں یا پھر ایسا آدمی ڈیپریشن' فرسٹریشن جیسی پیچیدہ اَمراض میں مبتلا ہو سکتا ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۹۲)

''خواتین کی سخت گھریلو محنت۔۔سنت نبوی اور جدید سائنس: صحابیات اپنے گھروں کا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ وہ چکی پیستیں' پانی بھر کر لاتیں' سینے پرونے کا کام کرتیں اور محنت و مشقت کی زندگی گزارتیں۔ اس سے خواتین کی صحت بھی بنی رہتی ہے' اخلاق بھی صحت مند رہتے ہیں اور بچوں پر بھی اس کے اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں پسندیدہ بیوی وہ ہے جو گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہو اور جو شب و روز اس طرح اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں لگی ہوئی ہو کہ اُس کے چہرے بشرے سے محنت کی تکان بھی نمایاں رہے اور باورچی خانے کی سیاہی اور دھوئیں کا ملگجا پن بھی ظاہر ہو رہا ہو۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میں اور ملگجے چہرے والی عورت (یعنی جس کے چہرے پر گرد و غبار ہو) قیامت کے دن اس طرح ہوں گے (آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو ملاتے ہوئے بتایا)۔'' (آدابِ زندگی)

''جب محنت تھی' اَمراض نہیں تھے۔ محنت گئی تو امراض آ گئے۔ گھر کی محنت سے کنارہ کشی دراصل یورپ کا شیوہ ہے۔ لیکن آج وہی یورپ پھر سے گھر کی محنت اور توجہ کی طرف لوٹ رہا ہے۔''

''Arthur Wollaston کی مشہور کتاب Half Hour with Muhammad --- PBUH کے صفحہ نمبر 28 پر یہ بات لکھی ہے کہ اسلامی تعلیمات عورت کو گھر کی زندگی میں مصروف اور محنت کش دیکھنا چاہتی ہیں لیکن جب بھی عورت گھر کی آرائش سے ہٹ کر تعیش میں پڑ جاتی ہے تو وہ بیماریوں میں ایسی مبتلا ہوتی ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر اور ہسپتال اُس کے علاج سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ عورتوں کو گھر کی سخت محنت و مشقت کرنی چاہیے۔'' (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' جلد دوم' صفحات ۱۶۹' ۱۷۰)

''خیر خواہی کے جذبے کی اسلامی اور سائنسی طاقت: جذبے اور خیالات بہت طاقت رکھتے ہیں۔

اس کا سب سے بڑا مظاہرہ میدانِ بدر میں چشمِ فلک نے دیکھا۔ اللہ کے نام پر قربان ہونے کا جذبہ' اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کا جذبہ' اس خیال اور اس امید پر کہ اللہ اُن سے خوش ہوگا' دنیا میں بھی عزت اور راحت دے گا اور آخرت میں بھی کامیابی ملے گی اور اللہ اپنے مہمان خانہ یعنی جنت والی نعمتوں سے بھرپور زندگی عطا فرمائے گا۔ صحابہ کرام اپنے ہر عمل میں چاہے وہ خوشی ہو یا رنج والم' اس جذبے اور خیال کو مدِّ نظر رکھتے تھے۔''

''جذبے اور خیال کی طاقت: ذہن ہمارے جسم پر حکومت کرتا ہے۔ جسم پر ذہن کے اثرات کی تحقیق نے بالکل ایک نئی سائنس کو جنم دیا ہے جس کا نام سائیکو نیورو امیونولوجی (Psycho Neuro Immunology) رکھا گیا ہے۔ اس نئی سائنس نے سوشل سائنسدانوں اور بنیادی سائنسدانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے۔ نازک اور حسّاس آلات سے معلوم ہوا کہ ذہن وجسم حیرت انگیز حد تک ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہماری ذہنی کیفیت جسم کے غدودوں' خلیات اور اعضاء پر انتہائی پیچیدہ اور گہرے اثرات چھوڑتی ہے جس سے ہماری قوتِ حیات پر مثبت یا منفی اثر پڑتا ہے۔ جسم اور ذہن کے آپس میں عمل اور ردِّ عمل کی کیفیات کو سائنٹفک انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے بھی وسیع پیمانے پر ذہن کے جسم پر اثرات سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔'' (''سنت نبوی اور جدید سائنس''۔ حکیم محمد طارق محمود چغتائی)

قارئین ذی صدوقار! مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری یہ عاجزانہ کوشش حرفِ آخر نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ کوشش ایک سائنسی اور دینی انقلاب ضرور ہے۔ میں نے تو فرمودۂ الٰہی تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ کی صداقت میں اپنے ابنائے جنس کو ایک راہ دکھائی ہے جس کی منزلِ مقصود حدِّ نگاہ سے بہت ہی دُور ہے۔ اہلِ علم وفضل بہ صد شوق آئیں اور میرے چھوڑے ہوئے خلا کو پُر کریں۔ کیونکہ میرے ملک کی زرخیز زمین نے بہت سے مشاہیرِ فن اور سلاطینِ علم پیدا کئے ہیں جن کے علم کی چکا چوند کر دینے والی آب وتاب کے آگے میری حیثیت ٹمٹماتے چراغ کی سی ہے۔

اپنی اس عاجزانہ کاوش کی ستائش میں مجھے قارئین ولواحقین کی جانب سے نہ تو حرفِ سپاس کی ضرورت ہے اور نہ اُن پھولوں کی جو حسین تو ہیں اور فرحت وانبساط کے ساتھ لہلہا رہے ہیں لیکن اُن کے اندر بوئے نیاز نہیں بلکہ اُن کا ہر جھونکا نفرت اور حسد کی ہوائے ناپسند لاتا ہے۔ تحسین ونفریں کے جذبات سے ماورا میں نے یہ کام ربِّ محمد ﷺ کی توفیق وعنایت کے ساتھ صرف اُسی کی رضا کی خاطر کیا ہے۔

میں چل رہا ہوں اور انشاء اللہ چلتا رہوں گا اُس منزلِ مراد کی طرف جو میرے قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ نے مجھے دکھائی ہے اس دعا والتجا کے ساتھ:

اَللّٰھُمَّ اَحۡیِنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاَمِتۡنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاحۡشُرۡنِیۡ فِیۡ زُمۡرَۃِ الۡمَسَاکِیۡنِ

''اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھئے' مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمائیے۔''

خاکپائے صالحین
آئی۔اے۔خان

11 مارچ 2013ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

(۴۹) ماکولات ومشروبات (FOOD & DRINK)

اسلام میں ماکولات ومشروبات کو مذہبی اَخلاقیات کے حیات آفریں مرکزی حصّے کا درجہ حاصل ہے' جس کا ایک جزء تو مسلمانوں کا اللہ کی عبادت کرنے سے متعلق ہے اور دوسرا اجزء سماجی تعلق سے وابستہ ہے جس کے تحت مسلمان ماکولات کے ذریعے احکامِ الٰہی کی بہ دل و جان تعمیل کرتے ہیں جیسے محتاجوں' ضرورتمندوں اور قسمت کے ماروں کو محض رضائے الٰہی کی خاطر کھانا کھلانا (بحوالہ سورۃُ الدّھر' آیت ۸) اور کسی گناہ کی تلافی کے لئے بہ طورِ کفارہ غرباء ومساکین کو کھانا کھلانا (بحوالہ سورۃُ المائدۃ' آیت ۸۹ و سورۃُ المُجادلۃ' آیت ۴)۔

عام لوگوں کی طرح تمام انبیاء ورُسُل علیہم السلام کو بھی قرآن مجید میں ماکولات ومشروبات کا ضرورتمند دکھایا گیا ہے (بحوالہ سورۃُ الفُرقان' آیت ۲۰)۔

خوراک اور ماکولات کے معاملہ میں مناسب اور درست طور طریق کو سورۃُ الاعراف میں بیان کیا گیا ہے جو تمام معاملات میں اسلام کے اعتدالی رویّہ اور اعتدال (میانہ روی) کے اَخلاقی معیار کا مظہر ہے۔ کچھ صحابہ کرام کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃُ الاعراف کی آیت ۳۱ کے دوسرے نصف حصّہ میں تمام طب کو جمع کر دیا ہے:

وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (الاعراف : ۳۱)

''اور کھاؤ اور پیو لیکن اِسراف سے کام نہ لو' بے شک اللہ مُسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (۳۱ : ۷)

سورۃُ الفُرقان میں عِبادُ الرَّحمٰن کی جملہ صفات میں سے ایک صفت یہ بیان ہوئی :

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۝ (اَلْفُرْقان : ۶۷)

''اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بُخل کرتے ہیں اور اس کے درمیان اُن کا خرچ اعتدال پر رہتا ہے۔'' (۶۷ : ۲۵)

اِس مختصر سی آیت میں اسلام کی ملّی وانفرادی معاشیات کا صحیح اور اصلِ اُصول بیان کر دیا گیا ہے کہ مالی معاملات میں عبادُ الرَّحمٰن کا طریقہ میانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کہ معصیت (گناہ) کی راہ میں خرچ کرنے لگیں اور نہ ہی تفریط کہ طاعت وعبادات کے موقع پر بھی پیسہ خرچ کرنے سے بُخل کریں۔ حضرات عبداللہ ابنِ عباس' مجاہد' قتادہ اور ابن جریج وغیرہم رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا خواہ قلیل ہو' وہ اِسراف ہے اور اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اِقتار ہے۔

''اسلام میں اچھے کھانے اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے : یزید بن ابی حبیب نے کہا کہ اس آیت کے مصداق سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں جو حصولِ لذّت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ حصولِ جمال کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ وہ صرف اتنی مقدار میں کھانا کھاتے تھے جس سے اُن کی بھوک دُور ہو جائے اور جس کھانے سے اُنہیں اِتنی توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کرسکیں اور وہ اتنے کپڑے پہنتے تھے جس سے اُن کی شرم گاہ چھپ جائے اور وہ لباس اُنہیں سردی اور گرمی سے بچا سکے۔'' (معالم التنزیل' جلد ۳' ص ۴۵۶ بحوالہ ''تبیان القرآن'' از علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ۸' ص ۲۷۰)

''صحابہ کرام کا یہ عمل اُن کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے تھا' یا یہ اُس دَور کی بات ہے جب مسلمانوں پر تنگ دستی کا دَور تھا لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی کا دَور آیا تو وہ کھانے پینے کی چیزوں اور لباس میں عمدہ اور اچھی چیزوں کو اختیار کرتے تھے اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے میانہ روی برقرار رکھتے ہوئے کشادگی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزارے۔ اسلام میں کشادگی سے زندگی گزارنا ممنوع نہیں ہے جیسا کہ اِن آیات سے ظاہر ہے:۔

(۱) وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُه' وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُه' مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ : ۲۳۶)
''اور مطلّقہ عورتوں کو متاع میں کپڑے دو' فراخ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق دستور اور رواج کے اعتبار سے دے۔'' (۲ : ۲۳۶)

(۲) لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُه' فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتٰهُ اللّٰهُ (الطلاق : ۷)
''کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اُس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اُسے چاہئے کہ وہ اسی میں سے حسبِ حیثیت خرچ کرے۔'' (۶۵ : ۷)

اِن آیات میں دولتمندوں کو طعام اور لباس میں فراخی کے ساتھ خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اچھا لباس پہننے اور اچھے جوتے پہننے کی اسلام میں اجازت ہے۔

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ کے برابر بھی تکبر ہوگا' وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اُس کا لباس خوبصورت ہو اور اُس کے جوتے عمدہ ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔'' (صحیح مسلم: رقم الحدیث ۹۱ ؛ سنن الترمذی: رقم الحدیث ۱۹۹۹ ؛ سنن ابی داؤد: رقم الحدیث ۴۰۹۱ ؛ سنن ابن ماجہ : رقم الحدیث ۵۹)

<u>اسلام میں میانہ روی کی تاکید</u> : قرآن مجید کی ان آیات اور اِن احادیث سے واضح ہو گیا کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کی نعمت عطا کی ہے اُس کے کھانے پینے اور رہن سہن میں وہ نعمت نظر آنی چاہئے اور مالداری کے باوجود فقیروں اور تنگ دستوں کی طرح رہنا اسلام میں مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ البتہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے' قرض کے سہارے اَمارت جتلانے اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بے جا خرچ کرنے اور نمود ونمائش کی اسلام میں ممانعت ہے۔ اِقتصاد اور میانہ روی کے سنہرے اصول کو زندگی میں اپنایا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا : مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (جس نے میانہ روی سے کام لیا وہ کبھی تنگ دست نہ ہوگا) (مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۶۹ ؛ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۸)

''خوش حال لوگوں کے لئے اچھا کھانا اور اچھا پہننا جائز ہے لیکن اُن پر لازم ہے کہ وہ اس میں غرباء کا بھی خیال رکھیں اور اپنے طعام اور لباس میں اتنی مقدار غرباء کے لئے ضرور نکالیں جتنی نسبت سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور جب وہ اپنے کپڑوں اور دیگر اشیاء میں سے غریبوں کو دیتے رہیں گے تو اُمّید ہے کہ کھانے اور پہننے کی کشادگی اور فراخ دستی میں اُن سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔'' (تبیان القرآن۔۔علامہ غلام رسول سعیدیؒ جلد ۸' ص۲۷۲)

سورۂ یونُس میں فرمایا :

قُلْ أَرَءَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللهِ تَفْتَرُونَ ٥ (یُونُس : ۵۹)

''(اے رسولِ مکرّم!) فرمادیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا تو تم نے اُس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال قرار دے لیا۔ آپ کہئے کہ کیا اللہ نے تمہیں (اس بات کا) حکم دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان گھڑ رہے ہو؟'' (۱۰ : ۵۹)

مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام وحلال کے بارے میں بڑی گڑ بڑ کی ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعتِ الٰہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم خود سے گھڑ کر حرام ٹھہرا رہے ہو۔ اتنی دُوررَس اور باریک بین نگاہ جو غذاؤں کے قرب وبُعد' ظاہر ومخفی' سارے فوائد ونقصانات پر محیط ہو' شریعتِ الٰہی کے سوا اور کہیں ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات میں سے ایک صفت سورۃ الانعام وسورۃ الشُّعَراء میں بالترتیب یوں بیان ہوئی ہے:

(۱) وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (الانعام : ۱۴)

''وہ سب کو کھلاتا ہے اور اُسے کھلایا نہیں جاتا۔'' (۶: ۱۴)

(٢) هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ٥ (الشُّعراء : ٧٩)
''وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔'' (٧٩ : ٢٦)

سورۃ البَقَرۃ میں بنی اسرائیل نے اپنی صحرانوردی کے دوران اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ اپنے رب (گویا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا کچھ نہیں لگتا تھا) سے التجا کریں کہ اللہ اُن کے منّ وسلویٰ کے کھانے کے ساتھ ساتھ کسی اور کھانے کو بھی پیدا کردے :

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّاۤءِ هَاوَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (البقرة : ٦١)
'' کہ وہ ہمارے لئے اُن چیزوں کو (زمین میں سے) نکالے جو وہ اُگاتی ہے' ساگ' ککڑی' گیہوں' مسور اور پیاز'' (٦١ : ٢)

پھلوں کا مجموعی ذکر فَـواکِـہ کے لفظ میں (جس کا واحد فاکِھة'' ہے) کئی بار کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ المؤمنون کی آیت ١٩ میں اور سورۃ الرّحمٰن کی آیت ١١ وغیرہ میں۔ انار (رُمّان) کا ذکر سورۃ الانعام کی آیات ٩٩' ١٤١ میں' انجیر کا ذکر زیتون کے ساتھ (وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ)' انگوروں کا ذکر کھجور کے ساتھ (جَنَّة'' مِنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ سورہ بنی اسرائیل' آیت ٩١)' زیتون کا ذکر کھجور کے ساتھ (وَزَيْتُـوْنًـا وَّنَخْلاً ؛ سورہ عبَس' آیت ٢٩) ہوا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سورہ الرّحمٰن کی آیت ٦٨ میں کھجور اور انار کا ایک ساتھ ذکر ہونے میں اُن کے دوسرے پھلوں پر درجاتی لحاظ سے بہتر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کھانا پکانے میں عام استعمال ہونے والے دو مسالوں (خَردَل سورۃ الانبیاء: ٤٧ اور زَنجَبِیل سورۃ الدّھر: ١٧) کا ذکر یومِ حشر ونشر کے حوالے سے ہوا۔ جبکہ نمک (مِلْح) کا ذکر سورۃ الفُرقان کی آیت ٥٣ اور سورہ فاطِر کی آیت ١٢ میں کھارے سمندری پانی کے سلسلے میں ہوا۔ غلّے کی بالی یا اُس کے ڈنٹھل کا حوالہ سُنبُلت کے لفظ میں (جس کا واحد سُنبُل ہے) یوسف علیہ السلام کے اُس تعبیر نامہ میں ملتا ہے جو آپ نے عزیزِ مصر کے خواب کے سلسلے میں بتایا تھا (بحوالہ سورہ یـوسُف کی آیات ٤٣' ٤٦' ٤٧)۔ خُبز (روٹی) کا لفظ صرف سورہ یوسف کی آیت ٣٦ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھی قیدی کے خواب کے ضمن میں ہوا ہے۔

سورۃ النَّحل کی آیت ٦٦ میں مویشیوں سے حاصل شدہ دودھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نوازشات کی ایک اور علامت ہے۔ سورہ مُحمَّد کی آیت ١٥ کے مطابق جنّتی لوگ پانی' شرابِ طہور' دودھ اور شہد کے دریاؤں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس آیت (١٥) کی تفسیر میں ابنِ کثیر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اِن ربّانی غذائی ذرائع میں وہ کیفیت نہیں ہوگی جو زمینی ذرائع میں ہوتی ہے۔ شہد کی طرح پانی اور دودھ ایسی خالص خصوصیات کے ہوں گے جو شاید ہی کسی کے دامانِ خیال کو چھو کر گئے ہوں۔ شراب جنت کا ذائقہ اور بُو اس دنیا کی شراب کے ذائقے اور بُو کی طرح قابلِ نفرین نہیں ہوگی کیونکہ یہ اُن انگوروں سے تیار شدہ نہیں ہوگی جنہیں انسانی پاؤں لتاڑتے ہیں۔ سورۃ

المُطَفِّفِين کی آیت ۲۵ میں ایک اور لفظ رَحِیق (بمعنیٰ شرابِ طہور) تَسْنِیم کے چشمہ سے آمیزش کیا ہوا استعمال ہوا ہے جو اہلِ جنّت کو اُن کے اعمالِ صالحہ اور تقویٰ کے صلے میں عطا کیا جائے گا۔

بھیڑ بکریوں کا سورۃُ الانعام کی آیت ۱۴۳ میں صرف ایک جگہ حوالہ ہے۔ جانور کی چربی (شَحم جس کی جمع شُحُوم ہے) جو گائے یا بھیڑ بکری کی ہوسکتی ہے' بالعموم پکائی جاتی تھی جبکہ پکنے کے عمل میں دوسرے استعمال ہونے والی چیزوں مثلاً زیتون کا ذکر سورۃُ النور کی مشہور آیت ۳۵ میں اور دُھن کا ذکر سورۃ المؤمنون کی آیت ۲۰ میں ہوا۔ زیتون کا درخت طورِ سَیناء میں پیدا ہوتا ہے' وہ تیل (دُھن) لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔ بقَرة کا لفظ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۷ اور سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۴ میں استعمال ہوا۔ آیت ۶۷ میں استعمال ہونے والے لفظ بقَرة کی وجہ سے سورۃُ البقرۃ کا نام پڑا جو قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے۔ سورہ یوسُف کی آیت ۴۳ میں بقَرات کا لفظ (جو ''بقَرة'' کی جمع ہے) استعمال ہوا۔ گائے کے بچھڑے کے لئے لفظ ''عِجل'' کئی آیات میں استعمال ہوا بالخصوص اسرائیلیوں کی بچھڑے کی عبادت کے لئے جو غضبِ الٰہی کا موجب بنا (بحوالہ سورۃُ البقرۃ کی آیات ۵۱' ۵۴' ۹۳؛ سورۃ النِّساء کی آیت ۱۵۳ اور سورۃُ الاعراف کی آیت ۱۵۲)۔ پیغمبر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بُھنا ہوا بچھڑا (بحوالہ سورہ ھُود: ۶۹) اور موٹا تازہ بچھڑا (بحوالہ سورۃُ الذّاریٰت: ۲۶' ۲۷) پیش کیا۔ قرآن مجید کی یہ وہ واحد آیات ہیں جن میں گھر میں تیار شدہ کھانے کا حوالہ ہے۔ شکاریات (صَید بحوالہ سورۃُ المائدۃ کی آیت ۱' ۹۳' ۹۴) بہ شمول مچھلی (صَیدُ البَحر) کا ذکر سورۃُ المائدۃ کی آیت ۹۶' سورۃُ النّحل کی آیت ۱۴' سورۃ الکَہف کی آیت ۶۳ اور سورہ فاطِر کی آیت ۱۲ میں ہوا۔

''جنت کی لطف اندوزیوں کے حوالے سے سورۃ الواقِعة کی آیت ۲۱ میں دجاجی مرغوں (Fowls) کا ذکر اس طرح ہے جن سے جنتیوں کی تواضع کی جاتی رہے گی: وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ٥

حج کے موقع پر منٰی کے مقام پر ذبح شدہ اونٹوں کے استعمال کا ذکر سورۃ الحج کی آیات ۲۸' ۳۶ اور ۳۷ میں ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۴ میں اونٹ کو مویشیوں (Livestock) کی آٹھ قسموں (چاروں قسموں یعنی بھیڑ' بکری' بیل اور اونٹ کے نر اور مادو سمیت جانوروں) میں سے ایک قسم بیان کیا گیا ہے جسے انسانی استعمال کی رب تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

پینے والے پیالے (صُواع) کا ذکر سورہ یوسُف کی آیت ۷۲ میں ہوا جبکہ سورہ سَبا کی آیت ۱۳ میں جِفان (واحد جَفنة بمعنیٰ بڑا برتن) اور قُدُور (واحد قِدر بمعنیٰ کڑھاؤ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دیگر برتنوں میں کأس (بحوالہ سورۃ الواقعۃ: ۱۸؛ سورۃ النَّبا: ۳۴) جام (قواریر واحد قارورة بحوالہ سورۃ الدّھر:

۱۵۳۶ (ماکولات ومشروبات ۔۔۔ Food & Drink)

۱۵، ۱۶) پانی کے جگ (أباریق واحد إبریق) کاذکر سورۂ الواقعة کی آیت ۱۸ میں ہوا۔ ڈش اور برتن (آنیة واحد إناء") کاذکر سورۂ الدھر کی آیت ۱۵ میں ہوا۔ لفظ "تنُّور" بمعنیٰ "چھوٹی بھٹی" کا استعمال قرآن مجید میں دو جگہ ہوا ہے (سورہ ھُود کی آیت ۴۰ اور سورۂ المؤمنون کی آیت ۲۷ میں) ہوا اور دونوں ہی پیغمبر نوح علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ "تــنُّــور" کا استعمال بطور استعارہ ہوا ہے اور ابن کثیر نے اس کی تاویل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور سلف صالحین کے تتبع میں سورۂ القمر کی آیات ۱۱، ۱۲:

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍo وَّفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُوْنًا

"سو ہم نے بہ کثرت برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے
کھول دئے اور زمین میں چشمے پھوڑ دئے"

سے کی ہے۔ (ملخّص از "انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن" جلد ۲، صفحات ۲۱۶ تا ۲۲۱، ۲۲۳۔ مضمون نگار: ڈیوڈ ویئز)

قرآن مجید میں ممنوعہ ماکولات ومشروبات: قرآنی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے وضع کردہ قوانینِ خوراک کی پابندی بھی انسانی راہِ نجات کے لئے ایک عامل ہے۔ جنابِ آدم اور حوا علیہا السلام کی باغاتِ جنت میں قابلِ رشک اور پُر آرام زندگی میں صرف ایک پودے کے استعمال کی ممانعت تھی جس کے متعلق رب تعالیٰ نے اُنہیں یوں حکم دیا تھا:

يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَo (البقرة : ۳۵)

"اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور وہاں سے جہاں سے چاہو، خوب جی بھر کے کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے۔" (۳۵ : ۲)

"آیت سے معلوم ہوا کہ اُس وقت جنت دار الجزاء یا دار الخُلد نہ تھی جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ وہاں اُس وقت تکلیفاتِ شرعیہ تھیں، احکام تھے اور نواہی تھے۔ اور جب اُس وقت جنت کی ماہیت ایسی تھی تو وہاں وسوسۂ شیطانی کے پہنچ جانے یا وہاں سے کسی متنفّس کے نکالے جانے میں کوئی اِشکال باقی نہیں رہتا۔" (ماجدی اُردو، صفحہ ۱۷، نوٹ: ۱۳۱)

اپنے خالق کی حکم عدولی کرنے میں اُن کے دشمن شیطان نے اُنہیں شجرِ ممنوعہ کے کھانے پر ورغلایا جس کے نتیجہ میں اُن دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا (سورۂ البقرة : ۳۶)

اولادِ آدم پر خوراک کی ممانعت کے عائد ہونے کو سورۂ البقرة اور سورۂ الانعام میں بیان کردہ حکم کے تناظر میں دیکھا جائے:

۱۵۳۷ (ماکولات ومشروبات ۔۔۔ Food & Drink)

(۱) یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ٥ (البقرۃ : ۱۶۸)

''لوگو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے' اُس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔'' (۱۶۸ : ۲)

(۲) یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ٥

''مؤمنو! پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں' کھاؤ (پیو) اور اللہ کا شکرادا کرتے رہو اگر تم خالص اُسی کی بندگی کرنے والے ہو۔'' (۱۷۲ : ۲)

سورۃُ البقرۃ کی درج بالا آیت ۱۷۲ کی تفسیر میں علامہ طبری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود حلال وطیّب چیزوں کے استعمال کی اجازت دی۔ قبل از اسلام جاہلی دَور میں ممنوعہ ماکولات شیطان کی پیروی میں تھیں یا اُن کے آباءو اَجداد کی خود اختراعی ممنوعات تھیں۔ مثلاً جاہلی دَور کے لوگوں نے کچھ اونٹوں کے گوشت کھانے کو ممنوع قرار دے رکھا تھا جبکہ اسلامی ممنوعات اُنہیں تسلیم نہیں کرتیں جن کی فہرست سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۳' سورۃُ المائدۃ کی آیت ۳' سورۃُ الانعام کی آیات ۱۴۲ تا ۱۴۵ اورسورۃُ النّحل کی آیت ۱۱۵ میں دی گئی ہے۔

ممنوعہ ماکولات کے ضمن میں سورۃُ المائدۃ کی مندرجہ ذیل آیت ہماری راہ نمائی کرتی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِاللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَ الْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ'' (اَلْمَآئِدۃ : ۳)

''تم پر حرام کئے گئے ہیں مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور غیراللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو' اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو اونچائی سے گر کر مرجائے اور جو کسی کے سینگ سے مرجائے اور جس کو درندے کھالیں سوائے اِس صورت کے کہ تم اُسے ذبح کرڈالو اور جو جانور استھانوں پر بھینٹ چڑھایا جائے اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔'' (۳ : ۵)

اَزلام : ایک دستور اہلِ جاہلیت کا یہ تھا کہ تیروں پر اجازت وممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے اور بعض کو خالی چھوڑ دیتے تھے۔ سفر' تجارت اور جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ اِنہی تیروں سے جاکر فال نکالتے اور جو حکم نکل آتا' اُسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری' کتاب التفسیر میں ایک روایت اِسی مضمون کی ہے۔

مَیْتَۃ (مُردار) کا استعمال اِس کے انسانی صحت پر خطرناک اثرات کی وجہ سے ممنوع ہے کیونکہ گوشت کے

اندر خون جم جاتا ہے۔

(1) مَیتَة (مُردار) کے استعمال کی ممانعت میں الٰہی حکمت : آیت مذکورہ (۳) میں پہلی ممنوعہ چیز مُردار جانور یعنی مَیتَة ہے اوراس سے مراداُس کے گوشت کا استعمال ہے۔ مَیتَة ہر وہ جانور ہے جو ذبح کئے بغیر اپنی طبعی موت آپ مرجائے یا انسان کے شکار کرنے سے پہلے ختم ہو جائے۔اس ممانعت کی چند نمایاں وجوہ ہیں:۔

''(۱) مُردار جانور کا گوشت کھانا تہذیب وثقافت اور نفاست کے خلاف ہے۔تمام متمدّن اور مہذّب لوگوں کے نزدیک بھی اس کا کھانا انسانی حرمت و وقار کے خلاف ہے۔ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ تمام اہلِ کتاب کے نزدیک بھی یہ ممنوع ہے کیونکہ وہ ذبح شدہ جانور کا گوشت ہی کھاتے ہیں۔جانور کو ذبح کرنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔

(۲) اگر جانور اپنی طبعی موت مرجائے تو ممکن ہے کہ وہ کسی شدید یا پرانے مرض سے مرا ہو یا کوئی زہریلا پودا کھانے سے یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے مرا ہو' لہٰذا اُس کا گوشت کھانا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔یہی صورتِ حال بوڑھے یا بھوکے پیاسے جانور کی بھی ہو سکتی ہے۔

(۳) مُردار جانور کی انسانوں کے لئے ممانعت کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازراہِ رحمت جانوروں اور پرندوں کے لئے رزق کا سامان مہیا کر دیا ہے جو سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ کی رُو سے انسانوں ہی کی طرح کی قوم ہیں (اُمَم'' اَمثَالُکُم)۔ اس بات کا ثبوت یہ حقیقت ہے کہ مُردہ جانور کو کھلی فضا میں رکھنے سے پرندے اور جانور اُسے ہڑپ کر جاتے ہیں۔

(۴) یہ ممانعت جانور کے مالک کو اُسے ناقص غذا کھلانے کے ذریعے بیماریوں سے تحفظ کا حوصلہ دلاتی ہے کہ کہیں جانور اپنے مالک کی غفلت کی وجہ سے مر نہ جائے اور ضائع نہ ہو جائے۔جانور کے بیمار ہونے کی صورت میں وہ یا تو اس کے علاج معالجہ میں جلدی کرے گا وگرنہ اُسے جلدی سے ذبح کر ڈالے گا۔

(2) آیت میں دوسری ممانعت بہتے ہوئے خون سے متعلق ہے (یاد رہے کہ جانور کا پوری طرح خون بہہ جانے اور کوشش کے بعد بھی جو بچا کھچا خون اُس کے گوشت میں رہ جاتا ہے' اُس کے کھانے یا استعمال کرنے کی ممانعت نہیں ہے)۔حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے تلّی کی بابت معلوم کیا گیا تو اُنہوں نے اس کے کھانے کی اجازت دی۔پوچھا گیا کہ یہ بھی تو خون ہی ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صرف بہتے ہوئے خون (دَم'' مَسْفُوح'') کی ممانعت ہے۔اس ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ انسانی نفاست کے خلاف ہے اور دوسری وجہ حفظانِ صحت ہے۔

"جاہلی دور میں ایک بھوکا آدمی اپنے جانور کے گوشت میں ہڈی یا اسی قسم کی کوئی تیز نوکیلی چیز گھسیڑ دیتا اور اس سے بہتے ہوئے خون کو اکٹھا کر کے پی جاتا۔ کیونکہ زندہ جانور کے جسم میں کوئی چیز چبھونا اُس کی اذیت اور کمزوری کا موجب ہے' اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے طریقے کی ممانعت کر دی۔"

(3) خنزیر کا گوشت : یہ تیسری قسم کی ممانعت ہے۔ کیونکہ گندگی اور سڑی ہوئی بدبودار چیز سؤر کی مرغوبات ہیں' اس لئے اس کا گوشت نفیس ذوق کے لوگوں کی نفاست کے ناموافق ہے۔ علاوہ ازیں جدید طبی تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ تمام موسمی حالات بالخصوص گرم علاقوں میں اس کا استعمال انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ سائنسی تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ دوسرے خطرات کے ساتھ ساتھ خنزیر میں ایک مہلک قسم کا طفیلی (Trichina) نام کا کیڑا ہوتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل میں سائنس اس بارے میں کیا دریافت کرے جو اس ممانعت کی حکمت پر مزید روشنی ڈالے گی۔ اللہ قادرِ مطلق نے یہ بات بالکل سچ فرمائی کہ میرا یہ پیغمبر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے (اَعراف: ۱۵۷)

"کچھ علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ خنزیر کا گوشت اکثر کھانے سے آدمی کی شرم وحیا جاتی رہتی ہے اور یہ انسان کی نفاستِ طبع کے بھی خلاف ہے۔" ["الحلال والحرام فی الاسلام" از یوسف القرضاوی (انگریزی ترجمہ) صفحات ۴۲ تا ۴۴]

خنزیر کے گوشت سے ممانعت کے متعلق ڈاکٹر ذاکر نائیک کہتے ہیں:

"(الف) خنزیر پورے روئے زمین پر انتہائی بے حیا جانور ہے: خنزیر وہ واحد جانور ہے جو اپنی مادہ کے لئے خود نر مہیا کرتا ہے۔ امریکہ میں بیشتر لوگ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں اور اکثر اوقات رقص وسرود کی محفلوں کے اختتام پر وہ بیویوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہوئے کہ "تم میری بیوی کے ساتھ اور میں تمہاری بیوی کے ساتھ شب باشی کرتا ہوں"۔ خنزیر کھانے والوں کا ایسا رویہ خنزیر ہی کی طرح کا ہوگا (لَا حَـوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم)۔

"(ب) خنزیر پورے روئے زمین پر غلیظ ترین جانور ہے : یہ جانور فضلے' گوبر اور گندگی پر زندگی گزارتا اور وہیں پھلتا پھولتا ہے۔ مُردار خور ہے۔ دیہاتوں میں جدید طرز کے طہارت خانے نہیں ہوتے اور دیہاتی کھلی فضا میں ٹٹی پیشاب کرتے ہیں جسے اکثر خنزیر صاف کر جاتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں کہ ترقی یافتہ ممالک میں خنزیروں کی پرورش انتہائی صاف ستھرے ماحول میں

اور حفظانِ صحت کے مطابق کی جاتی ہے۔لیکن اِن حفظانِ صحت کے حالات میں بھی آپ اُنہیں صاف ستھرا رکھنے کی جتنی کوشش کریں وہ فطری طور پر غلیظ ہے۔وہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا خارج شدہ فضلہ کھانے میں حظ محسوس کرتا ہے۔''

''(ج) خنزیر کے گوشت میں چکنائی اور کولیسٹرول انتہا کے ہوتے ہیں : خنزیر کے گوشت میں تعمیرِ اعصاب کا مواد کم اور چکنائی انتہا کی ہوتی ہے۔یہ چکنائی خون کی نالیوں میں جمع ہوتی رہتی ہے اور دل کے حملے اور فشارِ خون (Hypertension) کا باعث بن سکتی ہے۔یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ 50% امریکی فشارِ خون کے شکار ہیں۔''

''(د) خنزیر کے گوشت (پورک) کا استعمال متعدّد بیماریوں کا موجب بنتا ہے: غیر مسلم اور ملحدین اس حقیقت سے تب اتفاق کریں گے جب اُنہیں معقولیت، منطق اور سائنسی حقائق کے ذریعے قائل کیا جائے۔خنزیر کے گوشت کا کھانا ستّر قسم کی مختلف بیماریوں سے کم کا باعث نہیں بنتا اور ایسا شخص کیچوؤں، سوئی جیسے باریک کیڑوں اور دودہِ خطافیہ (Hookworm) جیسے کیڑوں اور کدّو دانوں (Helminthes) وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ ان بیماریوں میں سے زیادہ خطرناک (Taenia Solium) نامی بیماری ہے جسے عوامی اصطلاح میں Tape-worm (کدو دانہ) کہا جاتا ہے۔یہ آنت میں پناہ گزیں ہوتا ہے اور طول میں کافی بڑا ہوتا ہے۔اس کا بیضہ (یعنی انڈے) خون کی نالی میں داخل ہوجاتا ہے اور تقریباً جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ سکتا ہے۔اگر یہ دماغ میں داخل ہوجائے تو قوّتِ یادداشت ضائع ہوسکتی ہے۔اگر یہ دل میں داخل ہوجائے تو دل کے حملے کا سبب بن سکتا ہے۔اگر آنکھ میں داخل ہوجائے تو اندھے پن کا باعث بن سکتا ہے۔اگر یہ جگر میں داخل ہوجائے تو جگر کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔غرضیکہ یہ جسم کے تقریباً تمام اعضاء کے بگاڑ کا باعث بن سکتا ہے۔ایک اور خطرناک کدو دانے سے متعلق بیماری کا نام (Trichura Tichurasis) ہے۔''

''خنزیر کے گوشت (پورک) سے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اگر اسے اچھی طرح پکایا جائے تو یہ بیضے مرجاتے ہیں۔امریکہ میں ایک تحقیقاتی پراجیکٹ میں یہ معلوم کیا گیا کہ (Trichura Tichurasis) کی بیماری میں مبتلا چوبیس مریضوں میں سے بائیس نے خنزیر کے گوشت کو اچھی طرح پکایا تھا۔یہ چیز اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ پورک میں موجود بیضے پکانے کے عام درجہ حرارت میں نہیں مرتے۔''

''خنزیر کے گوشت کی بائبل میں بھی ممانعت آئی ہے۔''

("Answers to the Non-Muslims' Common Questions about Islam"--- Dr. Zakir Naik, pp. 47, 48)

(4) ممانعت کی چوتھی قسم وہ جانور ہیں جو اللہ کے نام کی بجائے بتوں جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں

جانور کو ذبح کرتے وقت مشرکینِ عرب اپنے بتوں لات اور عزّٰی کے نام پکارتے تھے۔ غیر اللہ کو پکارنے کا ایسا عمل عبادت کی ایک قسم ہے جس میں اللہ کا بابرکت نام نہیں لیا جاتا اور ایسی صورت میں ممانعت کا سبب محض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے کے تحفظ، خالص اللہ کی عبادت اور شرک اور کثرت پرستی سے نبرد آزما ہونے سے متعلق ہے۔''

''فی الحقیقت یہ اللہ ہی ہے جس نے انسان کو پیدا کر کے اُسے روئے زمین پر کی ہر چیز کو اُس کے قابو میں رکھنے کی قوت عطا کی، جانور کو اُس کے تابع کیا اور انسان کو اپنی خوراک کے لئے جانور کی جان لینے کی اجازت دی اس شرط پر کہ بوقتِ ذبح اُس کا نام لیا جائے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس بات کا اعلان ہے کہ ذبح کرنے والا اس جانور کی جان اُس کے خالق کی اجازت سے لے رہا ہے اور اگر کوئی شخص اُس وقت کوئی اور نام لیتا ہے تو گویا اُس نے اس اجازت سے بدعہدی کی ہے اور اس لئے اُسے اُس جانور کے گوشت کے استعمال کی ممانعت ہے۔''

مُردار جانوروں کی اقسام : مندرجہ بالا ممنوعہ جانوروں کی چار بڑی اقسام ہیں۔ جیسا کہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں حکم نازل ہوا کہ ان چار اقسام میں پانچ مزید اقسام کا اضافہ کیا گیا ہے جو ''مُردار جانوروں'' کی مزید گروہ بندی سے متعلق ہیں :۔

''(5) جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے (اَلْمُنْخَنِقَةُ) : مثلاً گلے میں رسی کے تنگ ہونے کی وجہ سے یا دَم گھٹنے کی وجہ سے مثلاً اپنا سر کسی ایسی چیز میں دینے سے جو دَم گھٹنے کا سبب ہو۔

''(6) جو چوٹ کھا کر مر جائے: یہ چوٹ اور ضرب خواہ کسی سونٹے سے ہو یا اسی قسم کی کسی بھی چیز سے۔''

''(7) جو جانور اونچائی سے نیچے گر کر مر جائے (اَلْمُتَرَدِّيَةُ): بلند جگہ سے نیچے گر کر یا گہری نہر یا ندی میں گر کر۔

''(8) جو جانور سینگ لگنے سے مر جائے (اَلنَّطِيْحَةُ)

"(9) وہ جانور جسے جزوی طور پر جنگلی جانوروں نے کھالیا ہو: اور اس کے نتیجہ میں وہ مر گیا ہو۔

اِن اقسام کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک استثنائی صورت بتاتا ہے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی جسے تم ذبح

کرنے کے ذریعے جائز بنا ڈالو جس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی ایسے جانور کو جسے جزوی طور پر درندوں نے کھالیا ہو' اس حال میں پاتا ہے کہ ابھی وہ زندہ ہے تو اُسے اس حال میں ذبح کر لینا اُسے کھانے کے لئے جائز اور حلال بنا دیتا ہے۔ جناب علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجھہ' نے فرمایا کہ اگر تم چوٹ لگے ہوئے' سینگ لگے ہوئے' اونچائی سے نیچے گرے ہوئے جانور کو جبکہ وہ اپنے کھر یا ٹانگ کو ہلا رہا ہو' ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔''

''درج بالا اقسام میں ممانعت کی وجوہ: ایسے جانوروں کے گوشت کے استعمال میں انسانی صحت پر مضر اثرات کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے زبان جانوروں سے مہربانی سے پیش آئیں اور اُنہیں اذیّت دینے سے بچیں۔ اُن کا مالک اُن کا ہر وقت خیال رکھے کہ کہیں اُن کا گلا نہ گھٹ جائے' نہ ہی وہ کسی بلند مقام سے گر پڑیں' نہ ہی دوسرے جانور کا سینگ لگنے سے وہ مر جائیں اور نہ ہی وہ اُنہیں شدید پیٹنے سے اذیت پہنچائیں جس سے اُن کی موت واقع ہو جائے جیسا کہ بدذات گلہ بانوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بعض اوقات دو بیلوں یا بھیڑوں کو آپس میں لڑا کر ایک کو زخمی یا موت کی نیند سُلا دیتے ہیں۔''

''صرف یہی وجہ ہے کہ مسلم فقہاء نے ایسے جانور کے گوشت کھانے سے منع کیا ہے جو سینگ لگنے سے مر گیا ہو اگرچہ سینگ لگنے سے زخمی ہو کر اُس کا خون بھی بہنے لگا ہو۔ یہ ممانعت اُس صورت میں بھی ہے جب خون عام راستے یعنی حلق سے بہنے لگا ہو۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں اس کے پیچھے کارفرما مقصد جانور کے مالک کو سزا دینا ہے جس نے اُن جانوروں کو بغیر نگرانی کے چھوڑ دیا ہے کہ وہ لڑیں اور سینگ مار کر اپنے مدِّ مقابل کو ہلاک کر دیں۔ اپنی اس غفلت کی وجہ سے اُسے اس جانور کا گوشت نہ کھانے کی سزا دی گئی۔''

''اُن جانوروں کے گوشت سے ممانعت کی وجہ جسے درندے یا پرندے جزوی طور پر کھا جائیں' انسانی وقار کو قائم رکھنا ہے۔ جانوروں کے چھوڑے ہوئے گوشت کا کھانا مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ اِس میں اُس کی ذلّت ہے۔ قبل از اسلام کے جاہلی دَور میں لوگ درندوں کے چھوڑے ہوئے گوشت کھانے کے عادی تھے خواہ وہ گوشت بھیڑ' بکری یا گائے ہی کا کیوں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس کی ممانعت فرما دی۔''

''(10) بتوں کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنا : اس ممانعت میں دسویں قسم اُن جانوروں کی ہے جنہیں بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ جاہلی دَور میں کعبۃ اللہ کے گرد بتوں کے آگے پتھر سے بنائی گئی کچھ قربان گاہیں قائم تھیں اور مشرکین عرب اُن دیوی دیوتاؤں کا قرب حاصل کرنے کے لئے اُن قربان گاہوں پر یا اُن کے نزدیک جانور قربان کرتے تھے جن کے نام پر وہ قربان گاہیں قائم کی گئی تھیں۔''

''ایسی قربانی بالکل غیر اللہ کے نام پر کی گئی قربانی کے مشابہ ہے کیونکہ دونوں میں جھوٹے خداؤں کو عظمت و رِفعت دینا ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ غیر اللہ کے نام پر کی گئی قربانی بُت کے پاس اور اُس کے قریب نہیں کی گئی اور قربانی کے جانور پر صرف اُس بت کا نام پکارا گیا جبکہ مؤخر الذکر صورت میں قربانی بت کے سامنے یا اُس قربان گاہ پر کی گئی جس کے نام پر وہ قربان گاہ موسوم تھی اور اس لئے جانور پر نام لینا غیر ضروری تھا۔''

''چونکہ یہ قربان گاہیں کعبہ کے قرب میں تھیں تو ایسے خیال کا امکان تھا کہ جانوروں کو قربان کرنے کا مقصد اُس مقدس گھر کی تعظیم و تقدیس ہو۔ قرآن مجید نے ایک واضح اعلان کے ذریعے' اس عمل کو 'غیر اللہ کے نام پر قربان کئے گئے جانوروں' کے زمرے میں رکھتے ہوئے لوگوں کے ذہن سے اس اِمکان کو بھی دُور کر دیا۔''

[''الحلال والحرام فی الاسلام'' از یوسف القرضاوی' صفحات ۴۵ تا ۴۷ (انگریزی ترجمہ)]

سمندری / دریائی مخلوق اور ٹڈی کی استثنائی صورت: شریعتِ اسلامی نے وہیل مچھلی' مچھلی کی تمام اقسام اور دیگر بحری / دریائی مخلوقات کو مَیْتَة (مُردار) کے زمرہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جب نبیِ معظم ﷺ سے سمندری جانوروں کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا: ''سمندر کا پانی پاک اور اس کا مُردار حلال ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل)

- اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ' (اَلْمائِدة: ۹۶)

''تمہارے لئے دریائی شکار اور اُس کا کھانا جائز کیا گیا ہے۔'' (۵:۹۶)

صَیْد تو وہ ہے جو سمندر یا دریا سے پکڑا جائے اور طَعَام وہ ہے جو سمندر یا دریا سے باہر پھینک دیا جائے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس کا طعام اس کے مردہ جانور ہیں۔''

صَحِیْحَین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے کچھ صحابہ کو ایک جہادی مہم پر بھیجا۔ اُنہوں نے سمندر کے کنارے ایک مُردہ وہیل مچھلی پائی اور اُس پر بیس دن سے زیادہ گزارہ کیا۔ مدینہ منورہ کو واپسی پر اُنہوں نے نبی ﷺ کو اس کے متعلق بتایا تو آپ نے فرمایا: ''اُس کھانے کو کھاؤ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے لئے نکالا اور اگر اس میں سے کچھ بچ گیا ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔'' اس پر صحابہ کرام نے وہیل مچھلی کا کچھ گوشت آپ کو پیش کیا جو آپ نے تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

اسی طرح ٹڈی کو بھی مردار جانوروں سے مستثنیٰ کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مُردہ ٹڈی کے کھانے کی

اجازت مرحمت فرمائی کیونکہ اُن کے ذبح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ساعد بن ابی عوفاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ''ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سات مہمات میں گئے اور ہم نے آپ کے ساتھ ٹڈیاں کھائیں۔''

جانوروں کی کھال، ہڈیوں اور بالوں کا استعمال : مُردار جانور کی ممانعت اُس کے گوشت کے استعمال تک محدود ہے۔ اُس کی کھال، سینگوں، ہڈیوں اور بالوں کو استعمال میں لانا چاہئے کیونکہ اُنہیں بیکار سمجھ کر یونہی پھینک دینا اُنہیں ضائع کرنا ہے اور کسی چیز کے ضیاع کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اس بارے میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی کو ایک بھیڑ دی گئی جو مرگئی۔ نبی علیہ السلام کا گزر اُس کے مُردہ جسم کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کی کھال کو دباغت اور پھر استعمال کے لئے کیوں نہیں لیا؟ لونڈی نے جواب دیا: ''یہ تو مُردہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' (ابن ماجہ کے سوا حدیث کے تمام مستند ذخیروں میں اس کا حوالہ ہے)

''پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح کیا کہ مُردار جانور کی کھال کو پاک وصاف کرنے کا طریقہ اُس کا دباغت کرنا (رنگنا) ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''کھال کی دباغت کرنا جانور کو ذبح کرنے میں ہے'' (ابوداوُد، نسائی) جس کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح ذبح کرنے کا عمل بھیڑ، بکری یا گائے کے گوشت کھانے کو حلال کرتا ہے، اسی طرح اُس کی کھال کی دباغت کرنا اُس کے استعمال کو جائز کردیتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: ''دباغت کھال کی پلیدی کو دُور کردیتی ہے۔'' (مستدرک الحاکم) اور ''اگر کھال کی دباغت کرلی جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے۔'' (صحیح مسلم وغیرہ)

اِن مؤخر الذکر احادیث کا اِطلاق بالکل عمومی ہے اور کتے یا خنزیر کی کھالوں کو بھی شامل ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام شوکانی کی رائے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''ہماری ایک بھیڑ مرگئی تو ہم اُس کی کھال کی دباغت کرکے اُسے پانی کے مشکیزہ کے طور پر استعمال کرتی تھیں اور پانی کو میٹھا کرنے کے لئے اُس میں کھجوریں رکھتی تھیں یہاں تک کہ وہ مشکیزہ بوسیدہ ہوگیا۔''

ضرورت اور احتیاج مستثنیات کا نفاذ چاہتی ہے : مذکورہ بالا تمام ممانعتوں کا اِطلاق اُن صورتوں میں ہے جن میں آدمی کو اختیار حاصل ہے۔ تاہم ضرورت اور احتیاج کے وقت اس سے مختلف اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام: ۱۱۹)

''اللہ نے تمہیں اُن جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جنہیں اُس نے تم پر حرام کیا ہے۔'' (۶ : ۱۱۹)

مُردہ جانوروں کے گوشت اور خون وغیرہ کے استعمال کی ممانعت کا ذکر کرنے کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا:
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (اَلْبَقَرَة : ۱۷۳)
"پس جو شخص مجبور ہو جائے' نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ ہی حد سے نکل جانے والا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا' بڑی ہی رحمت والا ہے۔" (۲ : ۱۷۳)

زندگی کا بچانا اوّلیں فرائض میں سے ہے اور ایسے مجبوری (اضطراری) موقع پر نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ غَیْرَ بَاغٍ کا مطلب یہ کہ اُس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو اور وہ محض طالبِ لذّت نہ ہو۔ ضرورت واقعی ہو۔ یہ ہرگز نہ ہو کہ دل میں قانونِ الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذّت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ بَاغٍ کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: دوسرے پر ظلم کرنے والا اور طالبِ لذّت۔ لَا عَادٍ کا مطلب یہ کہ وہ حدودِ شرعی سے تجاوز کرنے والا نہ ہو یعنی مقدار میں بس محض بہ قدرِ ضرورت کھائے' نہ یہ کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔ وہ ایسا غَفُوْرٌ ہے کہ بعض حالات میں گرفت بھی نہیں کرتا بلکہ اُنہیں جرائم بھی باقی نہیں رہنے دیتا اور ایسی شفقت والا رَحِیْم ہے کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس اضطراری صورت میں بھوک مٹانے کے لئے خوراک و طعام کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ ممنوعہ طعام کے علاوہ کوئی دوسری خوراک میسّر نہ ہو۔ کچھ فقہاء کا خیال ہے کہ خوراک کے بغیر کم از کم ایک دن اور ایک رات گزر چکے ہوں (تو اُس پر اضطرار کا اطلاق ہوتا ہے)۔ ایسی صورت میں اُس آدمی کو اس قدر کھا لینا چاہئے جو اُس کی زندگی کو بچالے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کھانے کی مقدار اتنی ہو جس سے اُس کی بھوک کی تسکین ہو جائے اور اُسے زندہ رہنے کے لئے اس سے زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔ اور قرآن کے الفاظ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا یہی مطلب ہے۔ ظاہر ہے کہ بھوک ایک اضطراری کیفیت ہوتی ہے جسے سورۃ المائدۃ میں بیان کیا گیا:
فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (المائدۃ : ۳)
"جو کوئی بھوک کی شدّت سے بے قرار ہو جائے' گناہ کی طرف رغبت کئے بغیر' تو اللہ بڑی ہی بخشش والا' بڑا ہی رحمت فرمانے والا ہے۔" (۵ : ۳)

غَفُوْر کا لفظ لا کر یہ جتلا دیا کہ اگر قدرِ ضرورت سے کوئی ایک آدھ لُقمہ زیادہ کھا گیا تو بھی معاف کر دیا جائے گا اور صفت رَحِیْم میں یہ اشارہ ہے کہ دیکھو! ایسے موقع پر قانون کیسا نرم و آسان بنا دیا!

طبّی ضرورت: اس سوال کے متعلق کہ آیا کچھ ممنوعہ ماکولات کو دوا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے' فقہاء باہم مختلف الرائے ہیں۔ کچھ فقہاء دوا کو طعام کی طرح اضطراری ضرورت کی قسم میں نہیں سمجھتے اور اپنے موقف کی تائید میں وہ اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۱۵۴۶ (ماکولات ومشروبات۔۔۔ Food & Drink)

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً منع کردہ چیز میں تمہارے لئے شِفا/علاج نہیں رکھا۔'' (صحیح بخاری بہ روایت ابن مسعودؓ)

'' کچھ فقہائے کرام دوا کی ضرورت کو بھی خوراک کی ضرورت کی طرح سمجھتے ہیں کیونکہ حیات کی بقاء کے لئے دونوں ہی ضروری ہیں۔ اپنے اس نظریہ کی تائید میں کہ ممنوعہ غذائی اشیاء کو بطور دوا استعمال کیا جا سکتا ہے' وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی تھی کہ وہ دونوں قُرادی خارش (Scabies) کے مرض میں مبتلا تھے۔''

''شاید یہ آخری نظریہ روحِ اسلام کے قریب قریب ہے جس کا تعلق حیاتِ انسانی کے تحفظ سے ہے۔ تاہم اُن ادویات کے لینے کی جن میں کچھ ''حرام'' مواد شامل ہو' مندرجہ ذیل حالات میں اجازت ہے :۔

(۱) اگر مریض نے اُس دوا کو استعمال نہ کیا تو اُس کی زندگی کے خطرہ میں پڑ جانے کا امکان ہو۔
(۲) تمام تر ''حلال'' ذرائع سے تیار شدہ کوئی بھی متبادل دوا دستیاب نہ ہو۔
(۳) ادویات کا نسخہ خدا خوفی رکھنے والے (متقی)' ماہر مسلمان طبیب کا تجویز کردہ ہو۔

''ہم نے اس اصول کو اُس صورت میں بیان کر دیا ہے کہ ایک مسلمان مریض ایسی جگہ پر ہے جہاں وہ ''حرام'' ملی اشیاء کے علاوہ کوئی دوسری دوا نہیں پاتا۔'' [''الحلال والحرام فی الاسلام'' از یوسف القرضاوی' صفحات ۴۸ تا ۵۱ (انگریزی ترجمہ)]

سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۸ :

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ٥

''سو اُس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اُس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔'' (۶ : ۱۱۸)

کی تفسیر میں علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اُن اہلِ کتاب سے خطاب ہے جن کا توحیدِ الٰہی پر ایمان ہے یعنی یہود و نصاریٰ لیکن اس سے بت پرست اور مجوسی خارج ہیں جو اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ کچھ بت پرستوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ جب کوئی بھیڑ مر جاتی ہے تو اس کو موت کون دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ۔ اس کا بت پرستوں نے ردّ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا کہنا ہے کہ جسے آپ اور آپ کے صحابہ ذبح کریں (اور جان سے ماردیں) تو اس کا کھانا جائز ہے اور جسے اللہ مارے اُس کا کھانا ناجائز ہے۔ اس پر اس آیت مذکورہ (۱۱۸) کا نزول ہوا کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اُسے کھاؤ اور جسے اللہ نے مارا' اُسے مَیتۃ سمجھ کر نہ کھایا جائے۔

قرآنی لفظ ''خَمر'' جو سورۃ البَقرۃ کی آیت ۲۱۹ اور سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰' ۹۱ میں آیا ہے' علامہ طبری کے مطابق ایسا مشروب ہے جو دماغ کو ڈھانپ لے اور اسی سے خَمَّرَ (اُس نے ڈھانپ لیا) کا لفظ ہے۔ اور اس لحاظ سے ''خِمَار'' وہ اوڑھنی ہے جس سے عورت کے سر کو چھپایا جاتا ہے (تفسیر طبری' جلد ۴)۔ وہ گناہ جو دماغ کی اس ڈھانپی ہوئی صورت میں ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے خالق ومالک کی پہچان اور اُس کی یاد نسیان (بھول) کی نذر ہو جاتی ہے۔

''سوال نمبر (1) جانور کو جان سے مار دینا ایک ظالمانہ فعل ہے۔ تو پھر مسلمان جانور کے گوشت اور دیگر غیر سبزیاتی خوراک پر گزارہ کیوں کرتے ہیں؟

''جواب : اب تمام دنیا میں ''سبزی خوری پر اِصرار'' ایک تحریک بن گئی ہے۔ کچھ لوگ تو سبزی خوری کا تعلق حقوقِ حیوانات سے جوڑتے ہیں اور لوگوں کی اچھی خاصی تعداد گوشت اور دیگر غیر سبزیاتی پیداوار کو حقوقِ حیوانات کی خلاف ورزی سمجھتی ہے۔ اسلام تمام زندہ مخلوقات کے لئے رَحم اور شفقت کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس پر نباتات اور حیوانات (Flora and Fauna) نوعِ انسان کے مفاد کے لئے پیدا کئے ہیں۔ اب یہ نوعِ انسانی پر منحصر ہے کہ دنیا میں حاصل شدہ ہر نعمتِ الٰہی کو معقول طریقے سے اُسے اللہ کی ''نعمت'' اور ''امانت'' سمجھتے ہوئے استعمال کریں۔''

آیئے' اس دلیل کے کچھ اور پہلوؤں کا بھی جائزہ لیتے چلیں :

(ا) <u>مسلمان خالصتاً سبزی خور ہوسکتا ہے</u> : خالصتاً سبزی خور ہوتے ہوئے بھی مسلمان ایک اچھا مسلمان ہوسکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مسلمان غیر سبزیاتی خوراک ہی استعمال کرے۔

(۲) <u>قرآن شریف مسلمانوں کو غیر سبزیاتی خوراک وطعام (یعنی گوشت) کی اجازت دیتا ہے</u> : درجِ ذیل قرآنی آیات اس حقیقت کا ثبوت ہیں :

(i) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (المائدۃ : ۱)
''مؤمنو! (اپنے) وعدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے چوپائے مویشی جائز کئے گئے ہیں سوائے (اُن چیزوں کے) جن کا ذکر (آگے) تم سے کیا جاتا ہے۔'' (۵ : ۱)

(ii) وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (اَلنَّحل : ۵)
''اور اُسی نے چوپائے (بھی) بنائے' اُن میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے اور (اور) بھی فائدے ہیں اور اُن میں سے تم کھاتے بھی ہو۔'' (۵ : ۱۶)

فقہاء نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال' سینگوں اور اون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا زندہ اور مُردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ مَنَـافِع میں یہ ہے کہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے' کوئی سواری کے' کوئی بار برداری کے اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسری قسم کا چرمی سامان بنتا ہے۔ اونٹ کی کھال سے بنے ہوئے ملتان (پنجاب) کے برقی لیمپ مشہور ہیں۔ جانوروں کی تجارت بڑی نفع بخش تجارت ہے۔

(iii) وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ (المؤمنون : ۲۱)

''اور تمہارے لئے مویشیوں میں غور کا موقع ہے' ہم تمہیں اُن کے پیٹوں میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے فائدے ہیں اور اُن میں سے (بعض کو) تم کھاتے بھی ہو۔'' (۲۱ : ۲۳)

''(۳) دودھ مکمل لحمیات (Protein) کے ساتھ قوت بخش اور بھرپور غذا ہے : غیر سبزیاتی خوراک عمدہ ترین لحمیات کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ حیاتیاتی نقطہ نظر سے اس میں مکمل لحمیات ہوتے ہیں یعنی وہ تمام آٹھ ضروری امینوایسڈ جو جسم میں ترکیب نہیں پاتے اور اُنہیں خوراک میں فراہم کیا جانا چاہیے۔ گوشت میں فولاد' حیاتین بی 1 اور نکوٹین کی ایک قسم (Niacin) موجود ہوتے ہیں۔''

''(۴) نوعِ انسان کے دانت بہ یک وقت گوشت خور اور سبزی خور (Omnivorous) ہونے کی مناسبت سے بنائے گئے ہیں: گائے' بھیڑ' بکری جیسے سبزی خور (Herbivores) جانوروں کے دانتوں کا مشاہدہ کیجئے تو اُن تمام میں آپ کو نمایاں طور پر مشابہت نظر آئے گی۔ اِن تمام جانوروں کے دانت چپٹے اور لیٹواں ہوتے ہیں جو سبزیاتی خوراک کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ شیر یا چیتے جیسے گوشت خور (Carnivorous) جانوروں کے دانتوں کے چوکے (Sets) کو دیکھئے کہ وہ تمام کے تمام نوکدار بنائے گئے ہیں جو گوشت خوری کے لئے موزوں اور مناسب ہیں۔ اگر آپ انسانی دانتوں کے چوکوں کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چپٹے' لیٹواں اور نوکدار دونوں طرح کے ہیں جو سبزی خوری اور گوشت خوری دونوں طرح کی خوراک کے لئے موزوں اور مناسب ہیں یعنی وہ بہ یک وقت گوشت خور بھی ہیں اور سبزی خور بھی ہیں یعنی (Omnivorous) ہیں۔ کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف سبزی خور ہی بنانا چاہا ہوتا تو اُس نے اُس کے دانت نوکیلے کیوں بنائے؟ لہٰذا یہ بات عقل کے قرین ہے کہ اُس نے ہم میں سبزیات اور گوشت دونوں کے کھانے کی صلاحیت رکھی ہے۔

''(۵) انسان سبزیاتی اور غیر سبزیاتی دونوں طرح کی خوراک ہضم کر سکتا ہے: سبزی خور جانوروں

کا نظام انہضام صرف سبزیاں ہی ہضم کرسکتا ہے۔گوشت خور جانوروں کا نظام انہضام صرف گوشت ہی ہضم کرسکتا ہے۔لیکن انسانی نظامِ انہضام سبزیاتی اور غیر سبزیاتی دونوں طرح کی خوراک ہضم کرسکتا ہے۔اگر قادرِ مطلق اللہ نے ہمیں صرف سبزی خور ہی بنانا چاہا ہوتا تو اُس نے ہمیں ہاضمے کا ایسا نظام کیوں عطا کیا جو سبزیاتی اور غیر سبزیاتی دونوں طرح کی خوراکوں کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟''

''(۶) ہندوؤں کی مقدّس کتابیں اُنہیں غیر سبزیاتی خوراک کی اجازت دیتی ہیں: بہت سے ہندو ایسے ہیں جو شدید طور پر سبزی خور (Vegetarians) ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ غیر سبزیاتی خوراک کا استعمال اُن کے مذہب کے خلاف ہے۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہندوؤں کی مقدّس کتابیں اُنہیں گوشت خوری کی اجازت دیتی ہیں۔مثال کے طور پر اُن کی مقدّس کتابوں کے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:۔

(i) ''جو شخص اُن جانوروں کا گوشت کھاتا ہے جسے کھایا جانا چاہیے' وہ کوئی برا کام نہیں کرتا اگرچہ وہ اسے روز بروز کرے کیونکہ خدا نے خود کچھ کو کھانے والا اور کچھ کو کھایا جانے والا بنایا ہے۔''(منو سمرتی ۔۔ ہندوؤں کی کتاب قانون ۔۔ باب پنجم' شعر ۳۰)

(ii) ''گوشت خوری قربانی کے لئے درست ہے۔روایتی طور پر اسے دیوتاؤں کا قانون کہا جاتا ہے۔'' (ایضاً' شعر ۳۱)

(iii) ''خدا نے خود قربانی کے جانور قربان کرنے کے لئے بنائے ۔۔۔۔ لہٰذا قربان کرنے میں ایک جانور کو مارنا' مارنا نہیں ہے۔'' (ایضاً' اشعار ۳۹' ۴۰)

''(۷) ہندومت دوسرے مذاہب سے متاثر ہوا: اگرچہ ہندوؤں کی مقدّس کتابیں اپنے پیروکاروں کو غیر سبزیاتی خوراک کے استعمال کی اجازت دیتی ہیں' تاہم بہت سے ہندوؤں نے سبزیاتی نظام کو اپنا لیا کیونکہ وہ جین مت جیسے دوسرے مذاہب سے متاثر تھے۔''

''(۸) خالصتاً سبزی خور ہوتے ہوئے جانوروں کو ذبح نہ کرنے کی منطق پُرکشش نہیں ہے کیونکہ پودوں میں بھی زندگی ہے: کچھ مذاہب نے ''سبزی خوری کے اصول'' (Vegetarianism) کو غذائی قانون کے طور پر اختیار کیا ہے کیونکہ وہ جاندار مخلوق کے ہلاک کرنے کے قطعی طور پر خلاف ہیں۔زمانۂ ماضی میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پودے غیر جاندار ہیں۔آج یہ ایک ہمہ گیر اور آفاقی حقیقت بن چکی ہے کہ پودوں میں بھی زندگی ہے۔اس طرح جاندار مخلوقات کو ہلاک نہ کرنے کی اُن کی منطق خالصتاً سبزی خور ہوتے ہوئے بھی مکمل نہیں ہو پاتی۔''

''(۹) پودے بھی درد و الم محسوس کرتے ہیں: اُن کی دلیل یہ بھی ہے کہ پودے درد محسوس نہیں کرتے

لہٰذا پودے کا ہلاک کرنا جانور کے ہلاک کرنے کی نسبت کم جرم ہے۔ آج نباتاتی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پودے بھی درد و اَلم محسوس کرتے ہیں لیکن انسان اُن کی چیخ و پکار کو سن نہیں پاتے۔ یہ انسانی کانوں کی اُن آوازوں کو سننے کی نااہلی کی وجہ سے ہے جو قابلِ سماعت حدود میں نہیں آتیں یعنی بیس ہَرز (Hertz) ☆ سے بیس ہزار ہرز تک۔ اس حد سے کم یا زیادہ کسی بھی آواز کو انسان نہیں سن سکتے۔ کتا چالیس ہزار ہرز تک سن سکتا ہے۔ امریکہ میں ایک کسان نے تحقیق کی اور ایک آلہ ایجاد کیا جس میں پودے کی آواز کو اس طرح بند کیا کہ اُسے انسان سن سکیں۔ اُس کسان نے فوراً محسوس کیا جب پودے نے پانی کے لئے آواز دی۔ بعد کی تحقیقات ظاہر کرتی ہیں کہ پودے بھی خوشی اور اداسی کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ چیخ بھی سکتے ہیں۔''

''(۱۰) دو حواس کم والی مخلوق کو ہلاک کرنا کم جرم نہیں ہے: ایک دفعہ ایک سبزی خور نے اپنے نظریئے کو یہ کہتے ہوئے ثابت کیا کہ پودوں میں دو یا تین حواس ہوتے ہیں جبکہ جانوروں میں پانچ حواس ہوتے ہیں۔ لہٰذا پودے کو ہلاک کرنا جانور کو ہلاک کرنے کی نسبت کم جرم ہے۔ فرض کریں کہ آپ کا بھائی بہرا اور گونگا پیدا ہوا ہے اور اس طرح اس کے دو حواس دوسرے انسانوں کے حواس سے کم ہیں۔ اس کے بالغ ہونے پر کوئی اُسے قتل کر دے تو کیا آپ جج کو کہیں گے کہ وہ قاتل کو کم سزا دے کیونکہ تمہارے مقتول بھائی کے دو حواس کم تھے؟ بلکہ آپ یہی کہیں گے کہ قاتل نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کیا ہے اور قاتل کو بڑی سزا ملنی چاہئے۔''

''(۱۱) مویشیوں کی کثرتِ آبادی: اگر ہر انسان سبزی خور ہوتا اور گوشت کے قریب نہ جاتا تو یہ چیز دنیا میں مویشیوں کی کثرت کا سبب بن جاتی کیونکہ جانوروں کی بڑھوتری اور افزائش بہت تیز ہوا کرتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے بخوبی جانتا ہے کہ اپنی مخلوق کے توازن کو کیسے مناسب طور پر قائم رکھا جائے۔ ہمیں گوشت کھانے کی اجازت دینے میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔'' (ڈاکٹر ذاکر نائیک' صفحات ۳۱ تا ۳۷)

''سوال نمبر (2): سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے' اُس کا اثر اُس کے رویّے پر پڑتا ہے۔ پھر اسلام نے مسلمانوں کو غیر سبزیاتی خوراک کے کھانے کی اجازت کیوں دی کیونکہ گوشت کھانے سے انسان متشدّد اور خونخوار ہو سکتا ہے؟

جواب: (۱) صرف سبزی خور (Herbivores) جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت ہے۔
مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے' اُس کا اثر اُس کے رویّے پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شیر' ببر شیر اور چیتے جیسے گوشت خور جانوروں جو متشدد اور خونخوار ہیں' کا گوشت کھانے کی ممانعت کی ہے۔ ایسے جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان بھی متشدد اور خونخوار ہو جائے گا۔ اسلام گائے' بھیڑ' بکری وغیرہ جیسے سبزی خور

☆ تعدّدِ ارتعاش کی یہ بین الاقوامی اکائی ہے۔

جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے جو پُر امن اور بہ آسانی قابو میں آنے والے ہیں۔ مسلمان پُر امن اور بہ آسانی قابو میں آنے والے اطاعت شعار جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں کیونکہ وہ خود امن پسند اور غیر متشدد لوگ ہیں۔"

(۲) نبی اکرم ﷺ کی بابت قرآن شریف کہتا ہے :

(i) يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : ۱۵۷)

"وہ اُنہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور اُنہیں بُرائیوں سے روکتا ہے اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بناتا ہے اور اُن پر گندی چیزیں حرام کرتا ہے اور اُن سے بوجھ اور قیدیں جو (اب تک) اُن پر تھیں، اُتارے دیتا ہے۔" (۷ : ۱۵۷)

آیت سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ شریعت تمام رسوم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ اور اُن پر حاکم ہے اور دوسری یہ کہ شریعتِ اسلامی پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی اور پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔

(ii) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (اَلْحَشر : ۷)

"رسول تمہیں جو کچھ دے دیا کریں، وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رُک جایا کرو۔" (۵۹:۷)

"مسلمان کو حکمِ رسول اس بات کے قائل کرانے کے لئے کافی ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو ضرر رساں گوشت کھانے سے منع کرتا ہے اور اُس گوشت کے کھانے کی اجازت دیتا ہے جو اُن کی صحت و بقا کے لئے مفید ہے۔"

(ii) گوشت خور (Carnivorous) جانوروں کے گوشت کھانے کی ممانعت سے متعلق حدیث: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی مستند احادیث اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کی رُو سے نبی اکرم ﷺ نے اِن جانوروں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا :

(۱) نوکیلے دانتوں والے (Canine Teeth) یعنی گوشت خور جنگلی درندے۔ شیروں، ببر شیروں، بلّیوں، کتوں اور بھیڑیوں کی طرح یہ جانور بلّیوں کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۲) چوہوں، خرگوشوں وغیرہ کی طرح موش کے زمرے سے تعلق رکھنے والے جانور (Rodents) جن کے پنجے ہوتے ہیں۔ (۳) سانپوں اور مگرمچھوں وغیرہ کی طرح کے کچھ رینگنے والے جانور۔ (۴) پنجوں والے شکاری پرندے جیسے گِدھ، عُقاب، کوّے، اُلو وغیرہ۔"

''کوئی سائنسی شہادت ایسی موجود نہیں جس سے حتمی طور پر اور بلا شک وشبہ یہ ثابت ہو کہ غیر سبزیاتی خوراک اور گوشت کھانے سے آدمی خونخوار اور متشدّد ہو جاتا ہے۔'' (ڈاکٹر ذاکر نائیک' صفحات ۴۰' ۴۱)

سوال نمبر (3): مسلمان جانور کو اذیت دے کر ظالمانہ طریق سے کیوں ذبح کرتے ہیں؟

جواب: جانوروں کے ذبح کرنے کے اسلامی طریقہ (ذبیحہ) کو کافی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ درج ذیل نکات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ذبیحہ کا طریقہ نہ صرف کم آزار اور ہمدردانہ ہے بلکہ سائنسی لحاظ سے بھی بہترین ہے:

(۱) سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ کا لفظ ذَکَّیتُم فعل (Verb) ہے جو ذَکیٰ (بہ معنیٰ پاک وخالص کرنا) سے ہے۔ اس کا مصدر تزکیۃ ہے (بمعنیٰ خالص اور پاک کرنا)۔ جانور کو ذبح کرنے کا اسلامی ضابطہ مندرجہ ذیل شرائط کو چاہتا ہے:۔

''(الف) جانور کو تیز چھری اور تیزی سے ذبح کرنا چاہئے تاکہ اُسے کم سے کم تکلیف ہو۔
(ب) ذَبیحہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ذبح ہونے والا جانور کا ہے۔ ذبح کرنا نام ہے گلے' سانس کی نالی اور گردن میں خون کی نالیوں کو کاٹنے کا جس سے جانور کی موت واقع ہو جاتی ہے۔
(ج) سر کے جسم سے علیحدہ کرنے سے پہلے خون مکمل طور پر رِس رِس کر بہہ جاتا ہے۔ اس کا مقصد جسم سے زیادہ سے زیادہ خون کی نکاسی کرنا ہے تاکہ خون نالیوں میں جم کر نہ رہ جائے۔ یہ نکاسی حفظانِ صحت کے لئے ضروری اور نفاستِ طبع کی مظہر ہے۔''

''(۲) خون جراثیم' بیکٹیریا اور (نامی) جسم میں پیدا ہونے والے زہر کو دُور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لٰہذا جانور کو ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ زیادہ صاف ستھرا اور حفظانِ صحت کے عین مطابق ہے کیونکہ بیشتر خون کے ذریعے جراثیم' بیکٹیریا اور زہر کی جو کئی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں' نکاسی ہو جاتی ہے۔''

''(۳) اسلامی طریقے سے ذبح ہونے والے جانور کا گوشت ذبح کرنے کے دوسرے طریقوں کی نسبت زیادہ دیر تک تازہ رہتا ہے جس کی وجہ گوشت میں مقدارِ خون کی کمی ہے۔''

''(۴) <u>جانور کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی</u>: گردن کا تیزی سے کاٹنے کا عمل خون کے بہنے کا دماغ کی رگ سے

تعلق کو کاٹ دیتا ہے جو تکلیف اور درد کا سبب ہوتا ہے۔ اس طرح جانور کو بہ وقتِ ذبح کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ روح نکلتے وقت جانور کوشش کرتا ہے' تڑپتا ہے' جنبش کرتا ہے اور ٹانگیں مارتا ہے جس کی وجہ درد نہیں ہوتی بلکہ اعصاب کا سکڑنا' ڈھیلا پڑنا اور جسم سے خون کا اِخراج ہوتی ہے۔'' (ڈاکٹر ذاکر نائیک' صفحات ۳۸' ۳۹)

''سوال نمبر (4) جانور یا پرندے کا انڈہ بہرحال تولیدی معاملہ ہے کیونکہ کچھ عوامل طے ہونے کے بعد اس میں سے بچہ نکلتا ہے۔ لیکن مسلمان حلال سمجھ کر اُسے تناول کرتے ہیں۔ کیوں؟

جواب : ہر حلال پرندے کا گوشت کھانا جائز ہے جس کی سند میں احادیثِ نبویہ اور مسلم فقہائے کرام کا اِجماع موجود ہے۔ مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بُدْنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً (صحیح بخاری' ج ا' ص ۱۲۱ بحوالہ ''مقالاتِ سعیدی'' از علامہ غلام رسول سعیدی' ص ۵۴۴)

''غسلِ جنابت کرنے کے بعد جو کوئی نمازِ جمعہ کے لئے سب سے پہلے مسجد میں پہنچتا ہے' وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے اونٹ خیرات کیا' جو دوسرے نمبر پر مسجد میں پہنچتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اُس نے گائے خیرات کی' جو تیسرے نمبر پر پہنچتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اُس نے سینگ دار مینڈھا خیرات کیا اور جو چوتھے نمبر پر مسجد میں پہنچتا ہے' وہ ایسے ہے جیسے اُس نے مرغی خیرات کی اور جو پانچویں نمبر پر پہنچتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اُس نے انڈہ خیرات کیا۔'' (صحیح بخاری' جلد اوّل' ص ۱۲۱)

اگر شریعت میں انڈہ حرام ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اُس کا ذکر حلال جانوروں کے ساتھ نہ فرماتے۔ آپ نے اُس کا ذکر حلال جانوروں کے ساتھ یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اُس کا کھانا بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح کہ مذکورہ جانوروں کا کھانا جائز اور حلال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے دَورِ مبارک میں انڈے کا کھانا عام تھا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ مرغی کی طرح انڈہ بھی حلال ماکولات میں سے ہے۔ امام احمد حنبل نے اپنی مُسند میں سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہٗ کی روایت کردہ ایک حدیث کو بیان کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

أُتِيَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِبَيْضِ النَّعَامِ فَقَالَ : اِنَّا قَوْمٌ" حُرُمٌ" أَطْعِمُوْهُ أَهْلَ الْحِلِّ (نَیل الاوطار' ج ۵' ص ۲۳)

''نبی اکرم ﷺ کے پاس شترمرغ کے انڈے پیش کئے گئے تو آپ نے فرمایا: ہم لوگ اِحرام میں ہیں' یہ اُنہیں کھلاؤ جو اِحرام میں نہیں ہیں۔'' (نَیل الاوطار' جلد پنجم' صفحہ ۲۳)

شترمرغ کا انڈہ باقی تمام جانوروں کے انڈوں کی نسبت زیادہ بڑا ہوتا ہے اور جبکہ اس کے کھانے کا جواز حدیثِ نبوی سے ثابت ہے تو لازمی طور پر دوسرے پرندوں کے انڈوں کے کھانے کا جواز بہ طریقِ اولیٰ ثابت ہو گیا۔امام بیہقی نے ''سُبُل السَّلام'' میں ایک حدیث بیان کی ہے جو اِس طرح ہے :

اِنَّ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ شَکٰی اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلضُّعْفَ فَأَمَرَہٗ بِأَکْلِ الْبَیْضِ وَیُخْتَارُ مِنَ الْبَیْضِ الْحَدِیْثِ عَلَی الْعَتِیْقِ وَبَیْضَ الدَّجَاجَۃِ عَلٰی سَائِرِبَیْضِ الطَّیْرِ (زادالمعاد' ج۳' ص۱۵۸)

''ایک نبی نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے جسمانی کمزوری کی شکایت کی۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں انڈے کھانے کو کہا تازہ انڈوں کو باسی انڈوں پر اور مرغی کے انڈوں کو دوسرے پرندوں کے انڈوں پر ترجیح دی جائے۔''

فتاویٰ عالمگیری کی جلد پنجم کے صفحہ ۲۳۹ پر ہمیں یہ عبارت ملتی ہے :

اَلْبَیْضَۃُ اِذْخُرِجَتْ مِنْ دَجَاجَۃٍ اُکِلَتْ (بحوالہ ''مقالاتِ سعیدی'' ص ۵۴۵)

''مُردہ مرغی سے حاصل شدہ انڈہ حلال ہے۔''

امام ابنِ بزّار کردی لکھتے ہیں :

مَاتَتِ الدَّجَاجَۃُ وَفِیْ بَطْنِھَا بَیْضَۃ'' تُؤْکَلُ (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھند ج۶' ص ۳۶۵)

''اگر مُردہ مرغی کے پیٹ میں سے انڈہ نکالا جائے تو اُس انڈے کا کھانا جائز حلال اور جائز ہوتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ جب مردہ مرغی کے پیٹ سے نکلا ہوا انڈہ حلال ہے' تو زندہ مرغی کا انڈہ کیوں حلال نہ ہو؟ تو اس تمام بحث سے یہ بات طشت از بام ہوگئی کہ مرغی اور دوسرے حلال جانوروں / پرندوں کے انڈے کھانا جائز ہے۔

سوال نمبر (5): ہمارے دَور کے کچھ مذہبی علماء نے ہمارے ملک میں عام پائے جانے والے کوّے کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔اُن کی دلیل یہ ہے کہ یہ متعارف کوّا مرغی کی طرح ہوتا ہے اور مرغی کی طرح اس کی خوراک بھی دانے اور گندگی ہے۔مرغی سے مشابہت ہونے کے باوجود اُسے حرام کیوں کہا گیا جبکہ مرغی مسلّمہ طور پر حلال ہے؟

جواب: ہمارے ملک میں پائے جانے والا متعارف کوّے کی بڑی خوراک چڑیوں اور فاختاؤں کے شکار شدہ چھوٹے بچے ہوتے ہیں۔گندم اور مُردار کا گوشت بھی اس کی خوراک ہیں۔بعض اوقات وہ ننھے بچوں کے ہاتھوں سے روٹی کے ٹکڑے بھی چھین جاتا ہے۔اس کے کھانے کا عدمِ جواز احادیثِ مبارکہ' فقہاء کے اِجماع اور قیاسِ صحیح سے ثابت ہے۔

ملک میں پائے جانے عام متعارف کوّے کے علاوہ' کوّے (عربی لفظ: غُراب) کی دو مشہور اقسام ہیں یعنی

غُراب زرعہ اور غُرابِ عَقعَق ۔اوّل الذکر کوّا ہمارے متعارف کوّے سے جسم میں چھوٹا ہوتا ہے ۔اس کی چونچ اور ٹانگیں سرخ ہوتی ہیں ۔ یہ نہ تو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے اور نہ ہی گندگی اور مُردار کھاتا ہے ۔ متفقہ طور پر یہ حلال ہے ۔ عَقعَق کوّا جسم اور جسامت میں کبوتر جتنا ہوتا ہے اور اس کی گزر بسر گندگی اور دانوں دونوں پر ہوتی ہے ۔ یہ اپنے پنجوں سے شکار نہیں کرتا اور اس کا کھانا ایک متنازعہ مسئلہ ہے ۔ یہ دونوں مذکورہ کوّے ہمارے ملک میں نہیں پائے جاتے ۔

ہمارے ملک میں پائے جانے والے متعارف کوّے کے کھانے کے عدمِ جواز پر چند دلائل حسبِ ذیل ہیں :

(۱) یہ متعارف کوّا ایک خبیث پرندہ ہے اور خبائث سے اس کا تعلق ہے ۔ قرآنِ مجید نبی علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے : وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (آپ خبیث چیزوں کو اُن پر حرام فرماتے ہیں) اور کوّے کی خباثت پر سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی مندرجہ ذیل حدیث ہے جس میں نبیِ معظم ﷺ نے فرمایا :

خَمس" مِّنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِق "يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ : اَلْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ (صحیح بخاری ج ۱ ' ص ۲۴۶ ؛ صحیح مسلم ج ۱ ' ص ۴۰۱)

''پانچ جانور کلی طور پر ''فاسق'' ہیں : کوّا ' چیل ' بچھو ' چوہا اور پاگل کتا ۔ اگر وہ حدودِ حرم میں بھی پائے جائیں تو اُنہیں مار دیا جائے ۔''

(متعارف) کوّے کو اپنی بدفطرتی (خُبث) کی وجہ سے ''فِسق'' کی طرف نسبت دی گئی ہے جس کی وضاحت ذیل کے بیانات میں ملتی ہے :

(i) أَرَادَ بِفِسْقِهِنَّ خُبْثَهُنَّ (مرقاۃ المفاتیح ' ج ۵ ' ص ۳۸۸)

''اُن کے فِسق سے مراد اُن کا خبیث ہونا ہے ۔''

(ii) وَسُمِّيَتْ فَوَاسِقُ اِسْتِعَارَةً لِخُبْثِهِنَّ (عنایۃ شرح ھدایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۲ ' ص ۵۵)

''اُن کے فاسق ہونے میں اُن کے خبیث ہونے کا استعارہ ہے ۔''

(iii) اِنَّهُ حَيَوَان" خَبِيْثُ الْفِعْلِ خَبِيْثُ الْمَطْعَمِ وَلِذَا أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِقَتْلِهِ فِي الْحِلِّ وَ الْحَرَمِ (حیوۃ الحیوان الکبریٰ لکمال الدین محمد بن موسی الدمیری ' جلد ۲ ' ص ۱۰۵)

''دراصل کوّا قابلِ نفرت کاموں کا پرندہ ہے ' اس کا گوشت بدذائقہ ہوتا ہے ۔ اسی وجہ سے نبیِ اکرم ﷺ نے حدودِ حرم کے اندر اور حدودِ حرم کے باہر اُس کے مارنے کا حکم دیا ہے ۔''

(۲) امام المحدّثین اور علمِ حدیث پر معتبر شخصیت حافظ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں :

وَأَمَّا الْمَعْنٰى فِيْ وَصْفِ الدَّوَابِّ الْمَذْكُوْرَةِ بِالْفِسْقِ فَقُيِّدَ لِخُرُوْجِهَا عَنْ حُكْمِ غَيْرِهَا مِنَ الْحَيَوَانِ فِيْ تَحْرِيْمِ قَتْلِهِ وَقِيْلَ فِيْ حِلِّ أَكْلِهِ (فتح الباری : شرح صحیح البخاری ' ج ۴ ' ص ۴۰۸)

"نبی اکرم ﷺ نے کوّے کو فاسق اس لئے کہا کیونکہ یہ حلال پرندوں کی قسم سے خارج ہے۔ حدودِ حرم میں اس کا مار دینا حلال جبکہ اس کا کھانا حرام ہے۔" (فتح الباری: شرح صحیح بخاری، جلد چہارم، صفحہ ۴۰۸)

(۳) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن پرندوں کو حرام قرار دیا جو اپنے شکار کو پنجوں سے پھاڑتے ہیں۔ حدیث کا متن یہ ہے :

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ (صحیح مسلم، جلد دوم، صفحہ ۱۵۵)

"جنگِ خیبر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اُن پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنی ڈاڑھوں (Molar Teeth) کے ذریعے شکار کو پھاڑتے ہیں اور اُن پرندوں کے کھانے سے بھی منع فرمایا جو اپنے پنجوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔" (صحیح مسلم، جلد دوم، صفحہ ۱۵۵)

(۴) عقل اور قیاسِ صحیح کی رُو سے بھی کوّے کی حُرمت ثابت ہے کیونکہ اُس کی حرمت کا سبب یا تو اُس کا خُبث ہے یا اُس کا اپنے شکار کو اذیّت پہنچانا ہے اور یہ دونوں خصلتیں کوّے میں موجود ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :-

وَالْمُؤَثِّرُ فِى الْحُرْمَةِ الْاِيْذَاءِ وَهُوَ طَوْرًا يَّكُوْنُ بِالنَّابِ وَتَارَةً يَكُوْنُ بِالْمِخْلَبِ اَوِالْخُبْثِ وَهُوَقَدْيَكُوْنُ خِلْقَةً كَمَا فِى الْحَشَرَاتِ وَالْهَوَامِّ وَقَدْيَكُوْنُ بِعَارِضٍ كَمَا فِى الْجَلَالَةِ (ردّالمُحتار، ج۵، ص ۲۶۵)

"حُرمت کا سبب یا تو ایذاء ہے اور وہ دانتوں سے پھاڑنے یا پنجے سے چیرنے سے ہوتی ہے اور یا خُبث ہے اور وہ کبھی فطری ہوتا ہے جیسے حشرات الارض میں اور کبھی طاری جیسے گندگی کھانے والے جانوروں میں اور کوّے میں ایذا کا وصف بھی ہے کیونکہ وہ چیرتا پھاڑتا ہے اور بچوں سے روٹی جھپٹ کر لے جاتا ہے اور خُبث بھی ہے کیونکہ وہ گندگی اور مُردار بھی کھالیتا ہے۔ اس لئے عقلاً اور قیاساً بھی حرام قرار پایا۔"

ازالہ شبہات : بعض معاصر علمائے دین کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ مرغی گندی اور صاف ستھری دونوں چیزیں کھالیتی ہے پس جب مرغی حلال ہے تو کوّا بھی حلال ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حرمت کے دلائل سے صَرفِ نظر کر کے صرف مرغی پر قیاس کرنا مقصود ہے تو پھر کتا، چیل اور گِدھ بھی حلال ہونے چاہئیں کیونکہ یہ جانور بھی گندگی اور مُردار کے علاوہ پاک چیزیں مثلاً روٹی وغیرہ بھی کھالیتے ہیں اور اگر دوسرے دلائل کی وجہ سے یہ جانور حرام ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان دلائل کی وجہ سے کوّا حرام نہ ہو۔ نیز اگر غور کیا جائے تو کوّے اور مرغی میں فرق واضح ہے: (۱) کوّے کو حضور علیہ السلام نے فاسق فرمایا جبکہ مرغی کو آپ نے خود تناول فرمایا۔ (۲) کوّا چیر پھاڑ کر شکار کرتا ہے اور مرغی ایسا نہیں کرتی۔ (۳) کوّے کو آپ نے حرم وغیرِ حرم میں مار دینے کا حکم فرمایا ہے، مرغی کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ اصل

بات یہ ہے کہ کوا مرغی کی طرح نہیں، چیل اور گدھ کی طرح ہے۔ جس طرح وہ حرام ہیں، یہ بھی حرام ہے۔''

حلّتِ زاغ کے سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کوے کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو صرف مُردار کھائے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ دوسرا وہ جو صرف دانہ دُنکا کھائے، یہ بالاتفاق حلال ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو گندگی اور مُردار بھی کھائے اور دانہ دُنکا بھی۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور امامِ اعظم کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ یہ دلیل سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے۔ امامِ اعظم اور امام ابو یوسف کا اختلاف معروف کوّے کے بارے میں نہیں، عَقعَق کے بارے میں ہے اور عَقعَق معروف کوّے کے علاوہ ایک اور پرندہ ہے۔''

علامہ محمد بن حسین بن علی حنفی فرماتے ہیں:

وَالْغُرَابُ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: نَوعٌ" يَأْكُلُ الْجِيَفَ فحسب فَإِنَّه، لَا يُؤْكَلُ وَنَوعٌ" يَأْكُلُ الْحَبَّ فحسب فَإِنَّه، يُؤْكَلُ وَنَوعٌ "يَخْلِطُ بَيْنَهُمَا وَهُوَ أَيْضًا يُؤْكَلُ عِندَ الْإِمَامِ وَهُوَالْعَقْعَقُ لِاَنَّه، يَأْكُلُ كَالدَّجَاجِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّه، يكرَهُ أَكْلُه، لِاَنَّ غَالِبَ أَكْلِهِ الْجِيَفُ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ

(تکملة البحر الرائق، جلد اوّل، ص ۱۷۲)

''کوّے کی تین قسمیں ہیں: اوّل وہ جو صرف گندگی کھاتا ہے، یہ حرام ہے۔ دوم وہ جو صرف دانہ کھاتا ہے، یہ حلال ہے۔ اور سوم وہ جو مُردار اور دانہ دونوں کھانے والا ہے جس کا نام عَقعَق ہے۔ امامِ اعظم کے نزدیک یہ بھی حلال ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے۔''

اسی طرح هِدایة میں ہے:

وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْعَقْعَقِ لِأَنَّه، يَخْلِطُ فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إِنَّه، يَكْرَهُ لِاَنَّ غَالِبُ أَكْلِهِ الْجِيَفُ

''امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عَقعَق کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ گندگی کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے، لہٰذا وہ مرغی کے مشابہ ہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عَقعَق کی غالب خوراک چونکہ مُردار ہے اس لئے وہ مکروہ ہے۔''

''اِن دو حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امامِ اعظم اور امام ابو یوسُف کا یہ اختلاف معروف اور زیرِ بحث کوّے میں نہیں، عَقعَق میں ہے۔''

گندگی کھانے کے بارے میں عَقعَق کی عادت بیان کرتے ہوئے امام قاضی خان لکھتے ہیں:

۱۵۵۸(ماکولات ومشروبات۔۔۔ (Food & Drink

عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنِ الْعَقْعَقِ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهٖ فَقُلْتُ: اِنَّهٗ یَأْکُلُ النَّجَاسَاتِ فَقَالَ: اِنَّهٗ یَخْلِطُ النَّجَاسَةَ بِشَیْءٍ آخَرَ ثُمَّ یَأْکُلُ (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة جلد ۳' ص ۳۵۷)

''امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے عق عق کے بارے میں پوچھا۔ اُنھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ میں نے عرض کیا: وہ نجاست کھاتا ہے۔ فرمایا: وہ نجاست کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے۔''
(حاشیہ طحطاوی' فتاویٰ عالمگیری میں بھی یہ عبارت پیش کی گئی ہے بحوالہ ''مقالاتِ سعیدی'' ص ص ۵۲۳۔۲۵)

''خلاصہ یہ ہے کہ عق عق کی جسامت زاغِ معروف سے چھوٹی اور کم ہوتی ہے۔ اس میں دو رنگ ہوتے ہیں جبکہ زاغِ معروف میں صرف ایک سیاہ رنگ ہوتا ہے۔ اُس کی دُم لمبی اور پَر بڑے ہوتے ہیں۔ اُس کی آواز ''عق عق'' ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف کوّا کائیں کائیں کی آواز نکالتا ہے جسے اہلِ عرب بدفالی کی علامت قرار دیتے ہیں جبکہ عام کوّے کا یہ حکم نہیں ہے۔ نیز یہ گندگی کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے جبکہ عام کوّا یہ احتیاط نہیں کرتا۔ پس روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ عق عق اور پرندہ ہے اور کوّا اور پرندہ ہے اور امام ابو یوسف اور امامِ اعظم کا اختلاف عَقعَق میں ہے' کوّے میں نہیں اور یہ معروف کوّا بہرحال حرام ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۵۲۵)

''<u>ماکولات ومشروبات کے اسلامی آداب واَخلاق</u>: مسلمان کا مقصدِ حیات کھانا پینا نہیں ہوتا۔ وہ رشتۂ حیات کو قائم رکھنے کے لئے کھاتا پیتا ہے تاکہ وہ اپنے خالق کے احکامات کی تعمیل زیادہ لگن اور خوش اسلوبی سے کرنے کے قابل ہو۔ کھانے پینے کی اشیاء بقائے حیات کا ذریعہ ہیں جو جسم کو غذائیت فراہم کرتی ہیں جس سے اُس شہنشاہِ مقتدر کے احکامات کی تعمیل آسان ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ بندۂ خدا اپنے خالق کی عبادت کرنے اور اُسے خوش کرنے کے لئے کھاتا پیتا ہے جبکہ دُشمنِ خدا اپنی سفلی خواہشات کی تسکین کے لئے کھاتا پیتا ہے۔

(الف) <u>کھانے سے قبل کے آداب</u>: (۱) بھوک لگنے سے پہلے کھانا ضروری نہیں۔ جدید طبّی تحقیق بھی بتاتی ہے کہ صحت کو قائم رکھنے کے لئے حفظانِ صحت کا یہ نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

(۲) جائز اور حلال ذرائع سے حاصل شدہ طعام پر اسلام بہت زور دیتا ہے جس کے بغیر کوئی بھی عبادت اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو یہ حکم دیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ''O (البقرۃ: ۱۶۸)

''لوگو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے' اُس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔'' (۱۶۸ : ۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ناجائز اور حرام ذرائع سے کمایا ہوا طعام انسان کے ازلی دشمن یعنی شیطان کو خوش کرنا ہے جو اپنے خالق کا راندہِ درگاہ اور لعنتی ہے۔(سورۃ الحِجر: ۳۴، ۳۵ ؛ سورہ صٓ : ۷۷، ۷۸)

(۳) کھانا گیلے ہاتھوں سے شروع کیا جائے یعنی کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لئے جائیں اور کسی تولیے اور کپڑے سے پونچھے بغیر گیلے رہنے چاہئیں۔ ہاتھ دھونے میں صفائی اور پاکیزگی کا سبق ملتا ہے۔

(۴) کھانا سادہ کپڑے پر چُنا جانا چاہیئے کہ اسی میں تواضع (انکساری) کا اظہار اور فخر وغرور کی نفی ہے۔ میز اور قیمتی پلیٹوں کا استعمال سنتِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا أَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى خِوَانٍ وَّلاَ فِيْ سُكُرُجَةٍ (صحیح بخاری)

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی میز (ڈائننگ ٹیبل) پر اور پلیٹ میں کھانا نہیں کھایا۔''

''امام ترمذی نے بیان کیا کہ خوان عجمیوں کی ایجاد کردہ ایک نئی چیز ہے۔ نبی علیہ السلام سُفرہ پر کھانا کھاتے تھے جو چمڑے کا دسترخوان ہوتا ہے جسے کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے۔ آپ نے کبھی پائے والی میز پر کھانا نہیں کھایا۔ کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان پایوں والی چوکی یا میز کو کہتے ہیں۔ حسن نے کہا کہ میز پر کھانا کھانا بادشاہوں کا فعل ہے، کپڑے کے دسترخوان پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سُفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنتِ رسول ہے۔'' (الجامع لاحکام القرآن، جز۶، ص ۲۸۸۔۸۷ بہ حوالہ ''تبیان القرآن''، ج ۳، ص ۳۷۴)

(۵) سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا گناہ ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لَاتَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوْا فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''ریشم اور دیباج کے کپڑے نہ پہنو، سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ہی سونے چاندی کی پلیٹوں میں کھاؤ کیونکہ یہ (اُن) کفّار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔''

(۶) بیٹھ کر کھانا کھانا سنتِ رسول ہے۔ آپ ﷺ نے کبھی ٹیک لگا کر یا کھڑے ہو کر یا لیٹ کر کھانا نہیں کھایا۔ گھٹنے اٹھا کر یا ایک گھٹنا لِٹا کر اور دوسرا اُٹھا کر آپ نے کھانا تناول فرمایا ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

لَا آكُلُ مُتَّكِأً اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ (صحیح بخاری)

''میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ میں تو اپنے خالق و مالک کا بندہ ہوں اور ایسے ہی کھانا کھاتا ہوں جیسے ایک بندے کو کھانا کھانا چاہئے اور ایسے ہی بیٹھتا ہوں جیسے ایک بندے کو بیٹھنا چاہئے۔''

''غذائیت پر اٹلی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا کہ کھڑے ہوکر کھانا نفسیاتی بیماریوں' تلی اور اَمراضِ قلب کا موجب بنتا ہے اور بعض اوقات ایسا شخص یوں مفقو دالحواس ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لواحقین اور جاننے والوں کو بہ مشکل ہی پہچان پاتا ہے۔'' (''آدابِ طعام'' ۔۔۔ محمد الیاس قادری' صفحہ ۵۴)

(۷) حاضر طعام میں نقص یا عیب نکالنا سنتِ رسول نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے طعام' کھانے والے کو پسند نہیں ہے تو اُسے کھانا چھوڑ دینا چاہیئے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَ وَاِنْ كَرِهَه' تَرَكَ (سنن ابی داؤد)

''نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی کھانے میں نقص نہیں نکالا۔ اگر پسند ہوتا تو تناول فرما لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔''

(۸) مہمان یا خادم یا اہلِ خانہ کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ فرمانِ نبوی ہے:

(i) اِجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ تَبَارَكَ لَكُمْ فِيْهِ (سنن ابی داؤد' ترمذی)

''کھانا اکٹھے مل کر کھایا کرو' اِس سے تمہارے رزق میں برکت ہوگی۔''

(ii) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: كُلُوْا جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ (ابن ماجه)

''عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکٹھے مل کر کھانا کھایا کرو' اکیلے نہیں کھایا کرو کیونکہ برکت مل کر (اور اکٹھے) کھانے سے حاصل ہوتی ہے۔''

(ب) کھانے کے دوران کے آداب: (۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ لینا چاہیئے۔ اگر کوئی شروع طعام میں تسمیہ پڑھنا بھول جائے تو اُسے کھانے کے دوران جب یاد آجائے تو بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَه' وَآخِرَه' کہہ کر ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ کہ آپ نے فرمایا:

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰى فَاِنْ نَسِیَ اَنْ يُّذْكَرَ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰى فِىْ اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَه' وَآخِرَه' (ابوداؤد' ترمذی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کھانے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام نہ لیا جائے' اُس میں شیطان شامل ہو جاتا ہے۔

(۲) دو لقموں کے دوران بِسْمِ اللّٰہِ يَا وَاجِدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی عادت بنا لینا رحمتِ الٰہی اور اُس کی طرف سے برکت کو دعوت دیتا ہے۔ رسالہ ''روح العلاج'' کے صفحہ ۱۱ پر بیان ہوا ہے کہ جو شخص ہر لقمے پر یَا وَاجِدُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے پیٹ کو نور سے بھر دیتا ہے جو اُس کی تمام بیماریوں کے لئے تریاق کا کام دیتا ہے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت (Index finger) کی مدد سے کھانے سے منع فرمایا بلکہ آپ نے دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں یعنی انگوٹھے، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی مدد سے کھانے کو فرمایا ہے۔ آپ نے ہاتھ کی تمام انگلیوں کی مدد سے بھی کھانے کو منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اُجڈ اور غیر مہذب لوگوں کا طریقہ ہے (کنز العمال، جلد پنجم، صفحہ ۱۱۵، حدیث : ۱۰۸۷۲)۔ کھانے والے کو اپنے سامنے کی چیز سے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے۔ جیسا کہ اِن احادیث سے ظاہر ہے :۔

(i) عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ : كُنْتُ غُلَامًا فِيْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ كَانَتْ يَدِيْ تَطِيْشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِيْ بَعْدُ (مُتَّفَق" عَلَيْهِ)

"حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں لڑکپن میں رسول اللہ ﷺ کے زیر کفالت تھا۔ (آپ کے ساتھ کھانا کھاتے وقت) میرا ہاتھ پیالے میں ہر طرف چلتا رہتا تھا۔ (ایک مرتبہ جب میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا : برخوردار! بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔ اس کے بعد میں اسی طریقے سے کھاتا ہوں۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(ii) اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهٖ (صحيح بخاری)

"برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے، لہٰذا کھانے کو اُس کی اطراف سے کھایا کرو اور اُس کے درمیان سے نہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ایک پلیٹ میں ثرید لائے اور فرمایا: اس کی اطراف سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت اس کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔" (ترمذی، جلد دوم، صفحہ ۲۱۶، حدیث نمبر: ۱۸۱۲)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"پلیٹ کی اوپر کی جگہ سے نہ کھاؤ بلکہ اس کی زیریں جگہ سے کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی برکات کا نزول اس کی اوپر کی جگہ سے ہوتا ہے۔" (ابو داؤد)

نہ تو پلیٹ کے درمیان میں ہاتھ ڈالا جائے اور نہ ہی اُس جگہ سے کھایا جائے جو دوسرے کھانے والوں کے قریب ہو۔

(۴) لقمے نہ ہی چھوٹے اور نہ ہی بڑے ہونے چاہئیں۔ اُنہیں خوب چبانا چاہئے اور تیز تسلسل کے ساتھ نہیں لینا چاہئے۔ دو دفعہ کے لقموں کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ضروری ہے تاکہ ہر لقمہ مناسب طور پر چبا کر نگل لیا جائے۔ یہ طریقہ حفظانِ صحت کے بالکل مطابق ہے اور نظامِ انہضام کی صحتمندانہ کارکردگی کے موافق ہے۔

(۵) اگر کھانے والے کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اُسے اُس کو اٹھا کر صاف کرنے کے بعد کھا لینا چاہیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَاْخُذْهَا وَلْيُمِطْ (يُنَحِّ) عَنْهَا الْاَذٰى وَلْيَاْكُلْهَا (صحیح مسلم)

''جب تمہارے کسی آدمی کا لقمہ نیچے گر جائے تو اُسے اُس کو اٹھا کر صاف کرنے کے بعد کھا لینا چاہیے اور اُسے شیطان کے لئے چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔''

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

''جو کوئی دستر خوان پر پڑے ہوئے ٹکڑوں / ریزوں کو اٹھا کر کھالے تو یہ اُس کی خوشحالی اور اُس کی اولاد کی دیوانگی سے تحفظ کی ضمانت ہوگا۔'' (کنز العمال' جلد ۱۵' ص ۱۱۱' حدیث: ۴۰۸۱۵)

(۶) کھانے میں دایاں ہاتھ استعمال کیا جائے' چمچہ نہیں۔ یہ بات جدید سائنسی تحقیق کے بالکل موافق ہے کہ جو لوگ چمچے کی بجائے ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں وہ صحت کے لحاظ سے فائدہ میں رہتے ہیں کیونکہ اُن کی انگلیوں سے خارج ہونے والی ایک خاص قسم کی سیال شے کھانے میں مل جاتی ہے جو جسم میں انسولین کی شرح مقدار کو کم نہیں ہونے دیتی۔ ذیابیطس (شوگر) کے مریض بھی ایسے عمل سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (آداب الطعام' ص ۷۱)

ہاں ضرورت کے تحت چمچہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہاتھ زخمی اور گندا ہو اور پانی نا قابلِ رسائی ہو' یا کھانا دہی کی طرح پتلا ہو جو انگلیوں کے ذریعے نہ لیا جا سکتا ہو اور نہ ہی اُسے پیا جا سکتا ہو۔ اسی طرح بھنے ہوئے یا پکائے ہوئے گوشت کے بڑے ٹکڑے کو کاٹنے کے لئے چاقو کے استعمال کی اجازت ہے۔ (ایضاً' ص ۷۰)

(۷) اسلام میں بسیار خوری (جوع البقر Gluttony) قابلِ نفرت اور انتہائی قابلِ مذمّت چیز ہے۔ مؤمن کو اُس وقت کھانا چاہیے جب اُسے خوب بھوک لگی ہو اور جب کچھ بھوک ابھی باقی ہو تو اُسے کھانا چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس ضمن میں ایک حدیث یوں ہے :

مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ'' وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ'' يُقِمْنَ صُلْبَهُ' فَاِنْ كَانَ لَامَحَالَةَ فَثُلُثٌ'' لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ'' لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ'' لِنَفَسِهِ (ترمذی' ابن ماجہ)

''انسان نے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن نہیں بھرا۔ انسان کے لئے چند لقمے کھانا کافی ہے جو اُس کی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں۔ اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو (پیٹ کے تین حصّے کرے) ایک تہائی کھانے کے لئے' ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے رکھے۔''

(۸) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت گرم' دھواں چھوڑتا ہوا یا اُبلا ہوا کھانا پسند نہیں تھا۔ ایسی صورت میں آپ

کھانے کے ٹھنڈے ہونے تک انتظار فرما لیتے ۔گرم کھانے کی بابت آپ فرمایا کرتے تھے:

(i) ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ کھانے کے لئے نہیں دی۔'' (ابوداؤد)

(ii) ''گرم طعام میں کوئی ربانی بات نہیں۔'' (ابوداؤد)

(۹) گرم پانی یا چائے یا گرم کھانے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس میں پھونک نہ مارے بلکہ برتن منہ سے الگ کر کے سانس لے اور تین بار ایسا کرے۔ اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین بار سانس لیتے تھے:

(i) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْفَخُ فِیْ طَعَامٍ وَلَا شَرَابٍ وَلَا یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ (ابن ماجه و احمد)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نہ تو کھانے اور پانی میں پھونک مارتے تھے اور نہ ہی برتن میں سانس لیتے تھے۔''

(ii) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا: اَلنَّفْخُ فِی الطَّعَامِ یَذْهَبُ بِالْبَرَکَةِ (المِنهَج السَّوِیّ مِن الحدیثِ النبوی''---پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صفحہ ۸۳۱)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کھانے میں پھونک مارنا اُس کی برکت کو ختم کر دیتا ہے۔''

(۱۰) اُنگلیوں کا روٹی یا اُس کے ٹکڑوں سے پونچھنا پسندیدہ عمل نہیں ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

(۱۱) ہاتھ دھونے سے پہلے برتنوں اور انگلیوں کو نبی علیہ السلام کے اِس حکم کی تعمیل میں پوری طرح صاف کر لینا چاہئے جس میں آپ نے فرمایا:

اِذَا أَکَلَ أَحَدُکُمْ طَعَامًا فَلَا یَمْسَحْ أَصَابِعَهُ، حَتّٰی یَلْعَقَهَا أَوْ یُلْعِقَهَا (ابوداؤد، ترمذی)

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھالے تو وہ اپنی انگلیوں کو خود چاٹنے یا چٹانے سے پہلے نہ دھوئے۔''

''اُنگلیاں چاٹنے کا یہ عمل نگاہ، نظامِ انہضام، امراضِ قلب، معدہ اور دماغی امراض کے لئے بھی بہت مفید ہے۔'' (''آداب الطعام''---محمد الیاس قادری، صفحہ ۱۷)

(۱۲) اجتماعی دعوت میں بڑے بوڑھوں کو سب سے پہلے کھانا پیش کیا جائے، اُن کے بعد دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے لوگوں کو پیش کیا جائے۔ خدمتگار سب سے آخر میں کھائے۔ یہ بات نبی علیہ السلام کے اس فرمان کی تعمیل میں ہے: ''کَبِّرْ کَبِّرْ وَالْاَیْمَنِ فِی الْاَیْمَنِ وَسَاقِیُ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ (منهاج المسلم---ابوبکر عبد الرحمٰن الجزائری، صفحات ۲۱۳، ۲۱۴)

(۱۳) ''مجلس میں عمر یا فضیلت میں بڑے کی موجودگی میں تناولِ طعام میں پہل نہ کرے' اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا حرص کی مذموم صفت سے متصف سمجھا جائے گا۔''

(۱۴) ''ضرورت کے مطابق کسی جھجک یا تکلّف کے بغیر کھانا کھائے اور میزبان یا اُس کے ساتھی کو یہ کہنا نہ پڑے کہ اور کھاؤ۔ ایک تو یہ اُس کے میزبان کو تنگ کرنے والی بات ہے اور دوسرا یہ کہ یہ ایک قسم کا دکھلاوا اور ریا بھی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔''

(۱۵) ''کھانے میں شریک ساتھی کا لحاظ کرے اور اس سے زیادہ کھانا کھانے کی کوشش نہ کرے بالخصوص جبکہ کھانا تھوڑا ہو کہ اس میں دوسروں کی حق تلفی ہوگی۔''

(۱۶) ''کھانے کے دوران دوسرے ساتھیوں کو نہ دیکھے اور نہ ہی اُن کی طرف توجہ دے کہ وہ اس وجہ سے شرم محسوس کریں گے بلکہ اپنے اِردگرد کھانے والوں سے صَرفِ نظر کر کے کھانا کھاتا رہے۔ اسی طرح اُس دوران اُن کی طرف تانک جھانک بھی نہ کرے کہ اس طرح اُنہیں تکلیف ہوگی جو گناہ کی بات ہے۔''

(۱۷) ''ایسا کوئی کام نہ کرے جو دوسروں کی نظر میں معیوب ہو مثلاً پلیٹ میں ہاتھ نہ ڈالے' کھانا کھاتے وقت سر برتن کے قریب نہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ منہ میں سے لعاب وغیرہ گر جائے۔ روٹی کا ٹکڑا اگر دانتوں سے توڑا ہے تو اُسے سالن کے برتن میں نہ ڈبوئے اور اسی طرح بیہودہ اور گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرے کیونکہ اس سے کوئی بھی ساتھی ایذا اور تکلیف محسوس کرسکتا ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔''

(۱۸) ''تنگ دست کے ساتھ کھانا کھانا ایثار پر مبنی ہوتا ہے۔ ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھانا انبساط وخوش طبعی کے رُوپ میں اور مرتبہ و شان والے بزرگوں کے ساتھ اُن کے ادب و احترام کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کھانا کھائے۔'' (منہاج المسلم ۔۔۔ ابوبکر عبدالرحمٰن الجزائری' صفحات ۲۱۳' ۲۱۴)

(۱۹) جب تک دوسرے ساتھی کھانا کھانے سے رک نہ جائیں' کھانے سے رکنا نہیں چاہئے اور آہستہ آہستہ کھانے کے تسلسل کو جاری رکھنا چاہئے اگرچہ سیری ہو چکی ہو۔ یہ عمل ساتھیوں کو پیٹو ہونے کی شرمندگی سے بچائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کھانے سے رک جانے سے دوسرے ساتھی بھی اُس کی پیروی میں رک جائیں اگرچہ اُنہیں کھانے کی مزید احتیاج اور ضرورت ہو۔

(۲۰) نبی علیہ السلام نے پانی غٹاغٹ پینے سے منع فرمایا ہے بلکہ آپ نے فرمایا :

لَاتَشْرَبُوْا وَاحِدًا کَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰکِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰی وَثُلَاثَ (ترمذی، طبرانی)
''اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں (پانی) مت پیو بلکہ دو یا تین مرتبہ (سانس لے کر) پیو۔''

(۲۱) اگر کھانا اور پھل سُفرہ پر دونوں موجود ہوں تو پہلے پھل کھانے چاہئیں کہ غفور و رحیم رب اہلِ جنت کو طعام سے پہلے پھل پیش فرمائے گا۔ اس لحاظ سے یہ سنت الٰہی ہے جیسا کہ سورۃ الواقعۃ میں پھلوں کا ذکر پہلے ہے اور بعدہ طعام کا ذکر ہے :۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ٥ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ٥ (الواقعة : ۲۰، ۲۱)
''اور میوے جنہیں وہ (اہلِ جنت) پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہو۔'' (۲۰، ۲۱ : ۵۶)

(ج) <u>کھانے کے بعد کے آداب</u> :(۱) سیر ہونے سے پہلے کھانے سے رک جانا حفظانِ صحت کے اُصولوں کے عین مطابق ہے۔ یہ نبیِ معظم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہونے کے لحاظ سے بدہضمی اور پیٹ کی بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور اس سے ذہنی استعداد بھی درست رہتی ہے۔

(۲) کھانا کھانے کے بعد شکرانے کے طور پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حمد و ثنا ہے اُس رزّاق کی جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا) پڑھا جائے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اِن الفاظ کو کھانا کھانے کے بعد ادا کرے گا، سُفرہ اُٹھنے سے پہلے اللہ اُس کے تمام گناہ فرما دے گا۔ حدیثِ مبارکہ کا متن یہ ہے:۔

مَنْ أَكَلَ طَعَامًا وَقَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
''جو شخص کھانا کھانے کے بعد یہ الفاظ کہے: تمام تر تعریف اُس اللہ کی ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور کسی حرکت و قوّت کے بغیر مجھے عطا فرمایا، تو اُس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

(۳) دودھ یا کوئی مشروب پینے کے بعد یہ الفاظ کہے :
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَزِدْنَا مِنْهُ
''اے اللہ! اِس روزی میں جو تو نے ہمیں دی ہے، برکت عطا فرما اور مزید عطا فرما۔''

کسی کے پاس روزہ افطار کیا ہے تو یہ دعا مانگے :

وأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ (سنن ابی داؤد)
''روزہ دار تمہارے پاس روزہ افطار کریں' نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دعا کریں۔''

(۴) ''کھانے کھانے کے بعد کسی لکڑی کے ڈنٹھل سے دانتوں کا خلال کرنا اور کلی کرنا سنتِ نبوی ہے کہ اسی سے ذکرِ الٰہی ہوتا ہے اور ساتھیوں سے ہم کلام ہوا جاتا ہے۔ منہ کی یہ صفائی دانتوں کی تندرستی کے لئے بھی ضروری ہے۔ دیا سلائی کا مسالہ اتارنے کے بعد خلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں کیمیکل (مسالے) کا ضیاع ہے۔''

''حضرت اَنس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کھانا کھانے کے بعد دانتوں کے درمیان کھانے کے جو ریزے رہ جاتے ہیں اگر تم اُنہیں tooth picking کے ذریعے نکال لو تو اُنہیں تھوک دو۔ اگر تم اُسے اپنی زبان کے ذریعے نکالو تو اُنہیں نگل جاؤ۔'' (ابوداؤد' ج۳' ص۴۶)

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں جو ریزے رہ جاتے ہیں وہ مسوڑھوں کو کمزور کردیتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:
''جب مسلمان نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اپنا منہ اُس نمازی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ نمازی جو کچھ نماز میں پڑھتا ہے' وہ اُچھل کر اُس فرشتے کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اگر منہ میں کھانے کے کچھ ریزے رہ جائیں تو فرشتے کو اُن سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جو کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔'' (آداب الطعام' ص۱۱۱)

(۵) ''ہاتھ کی انگلیاں چاٹنے کے بعد کپڑے یا ٹشو پیپر سے صاف کرلی جائیں یا دھولی جائیں جبکہ دھونا بہتر ہے۔''

(۶) ''کھانا کھانے کے دوران گرے ہوئے ٹکڑے چُن کر اُنہیں صاف کرنے کے بعد کھالیا جائے۔ اس کی ''حدیث'' میں ترغیب آئی ہے اور یہ نعمت پر اظہارِ تشکر ہے۔'' (منہاج المسلم ۔۔ عبدالرحمن الجزائری' ص ۲۱۵)

منہ کی بد بو کو دُور کرنے کا علاج: درج ذیل درودِ پاک مختلف اوقات میں ایک ہی سانس میں گیارہ مرتبہ پڑھنے سے انشاء اللہ العزیز منہ کی بد بو جلد ہی جاتی رہے گی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی النَّبِیِّ الطَّاھِرِ

(''آداب الطعام'' ۔۔۔ محمد الیاس قادری' صفحہ ۱۲۱)

(۵۰) پابندیِ قانون و مذہب (FORMALISM)

عزمِ صمیم' صبر و استقلال اور ہمت و حوصلہ' پابندیِ مذہب و قانون کے طغرائے امتیاز ہیں اور یہ عمدہ اوصاف اسلام کو زینت و آرائش بخشتے ہیں جسے ہمارے نبی معظم آخری' جامع اور آفاقی دین کے طور پر اپنے خالق و مالک کی طرف سے لائے جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

دراصل اسلام آرام و آسائش کی گود میں پل کر ہم تک طاؤس و رُباب کے ذریعے نہیں پہنچا بلکہ روزِ ازل سے تا امروز اس کی تاریخ شمشیر و سناں سے پُر رہی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفر و باطل کی جانب سے ستیزہ کاری کی تاریخ بڑی ہی دل دوز اور روح فرسا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں کو انتہائی اذیت ناک اور اعصاب شکن آمائشوں سے دوچار رہنا پڑا۔ اُن پر سنگ باری کی گئی' بے رحمی سے اُنہیں قتل کیا گیا' اُنہیں زندہ جلایا گیا' اُن کے جسموں کو آرے سے چیرا گیا اور اُنہیں بھیڑ بکریوں کی کھالوں میں بند کیا گیا۔ اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی میں اُنہوں نے جان کی بازی تو ہار دی لیکن حوصلہ نہیں ہارا۔ نبی علیہ السلام کے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید نے اُن کے اس قابلِ داد وصف کی تحسین یوں کی ہے:

(۱) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ'' O (البقرة: ۲۱۴)

" کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ (ابھی) تم پر اُن لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اُنہیں تنگی اور سختی پیش آئی اور اُنہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ اُن کے ہمراہ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد (آخر) کب آئے گی۔ سن رکھو اللہ کی مدد (یقیناً) قریب ہی ہے۔'' (۲۱۴ : ۲)

(۲) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ O وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ O (العنكبوت: ۲' ۳)

" کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے' چھوٹ جائیں گے اور اُنہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور ہم تو اُنہیں بھی آزما چکے ہیں جو اُن سے قبل گزرے ہیں' سو اللہ اُنہیں بھی جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔'' (۲' ۳ : ۲۹)

اسلام زبانی جمع خرچ کا نام نہیں ہے۔ عملی دین ہونے کے لحاظ سے وہ اپنے پیرو کاروں سے ہر شعبہ حیات

حقیقی عمل چاہتا ہے (بحوالہ سورہ الصّفّ : ۲، ۳)۔ جنّت میں داخل ہونے کا راستہ کچھ تکالیف اور کانٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کچھ آزمائشوں میں ڈالتا ہے کہ آیا وہ اُس کی ذاتِ مقدّسہ کو زندگی کی سخت جدّ وجُہد میں اپنی ذات سے بالا سمجھتے ہیں یا نہیں۔ رنج والم، دکھ اور غم، ایثار و قربانی اور نفس کُشی کی ضرورت اپنی عمدگی اور اچھائی کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ہماری صفائی اور تطہیر کے لئے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح سُنار کی کُٹھالی کی آگ دھات کے کچرے اور میل کو جلا دینے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ کعبۃ اللہ کے سائے میں تکیہ کے سہارے تشریف رکھتے تھے تو ہم نے کہا : اے اللہ کے رسول! ہم پر ظلم وتشدد کی انتہا ہوگئی ہے تو کیا ازراہِ کرم آپ ہمارے لئے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''اِن مصائب وتکالیف سے دوچار ہونے والے محض تم ہی نہیں ہو، تم سے پہلے کافر لوگ مؤمن کو پکڑ لیتے تھے، اُس کے لئے ایک گڑھا کھودا جاتا تھا جس میں اُسے اُس کی کمر تک دھنسا دیا جاتا تھا، پھر آرے سے اُس کے جسم کو چیر دیا جاتا تھا اور اس طرح اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ کچھ مسلمانوں پر فولادی کنگھیوں سے ظلم کیا جاتا تھا اور اس طرح اُن کا گوشت اور ہڈیاں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی تھیں۔ اِن مظالم کے باوجود مؤمن اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہتے تھے۔ اے خباب! بخدا یہ دین ہر چار دانگ عالم میں پھیل کر رہے گا اور اس کے امن وامان کے سائے تلے ایک آدمی صنعاء کے علاقے سے حضر موت تک اس حال میں سفر کرے گا کہ اُسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر اور خوف نہیں ہوگا۔'' (ضیاء القرآن ---کرم شاہ الازہری، جلد سوم، صفحات ۵۱۰، ۵۱۱)

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : بَیْنَمَا أَنَا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ إِذْ أَتَاہُ رَجُل'' فَشَکَا إِلَیْہِ الْفَاقَۃَ ثُمَّ أَتَاہُ آخَرُ فَشَکَا إِلَیْہِ قَطْعَ السَّبِیْلِ فَقَالَ : '' یَا عَدِیُّ ! ھَلْ رَأَیْتَ الْحِیْرَۃَ؟'' فَقُلْتُ : لَمْ أَرَھَا وَقَدْ أُنْبِئْتُ عَنْھَا قَالَ : فَإِنْ طَالَتْ بِکَ حَیَاۃ'' لَتَرَیَنَّ الظَّعِیْنَۃَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِیْرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْکَعْبَۃِ لَاتَخَافُ أَحَدًا إِلَّااللّٰہَ قُلْتُ فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ نَفْسِیْ : فَأَیْنَ دُعَّارُ طَیِّءٍ الَّذِیْنَ قَدْسَعَرُوْا الْبِلَادَ؟ ''وَلَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیَاۃ'' لَتُفْتَحَنَّ کُنُوْزُ کِسْرٰی'' قُلْتُ : کُنُوْزُ کِسْرَی بْنِ ھُرْمُزَ؟ قَالَ :'' کِسْرَی بْنِ ھُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیَاۃ'' لَتَرَیَنَّ الرَّجُلَ یُخْرِجُ مِلْءَ کَفِّہٖ مِنْ ذَھَبٍ أَوْفِضَّۃٍ یَطْلُبُ مَنْ یَّقْبَلُہٗ مِنْہُ فَلَا یَجِدُ أَحَدًا یَقْبَلُہٗ مِنْہُ قَالَ عَدِیّ'' : فَرَأَیْتُ الظَّعِیْنَۃَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِیْرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْکَعْبَۃِ لَاتَخَافُ أَحَدًا إِلَّااللّٰہَ وَکُنْتُ فِیْمَنْ اِفْتَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرَی بْنِ ھُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیَاۃ'' لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِیُّ أَبُوالْقَاسِمِ ﷺ یُخْرِجُ مِلْءَ کَفِّہٖ

(صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب: علامات النبوۃ فی الاسلام؛ شرح السنۃ للامام البغوی، کتاب الفتن باب: ما یکون من کثرۃ المال والفتوح)

''عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابی غربت اور

بھوک کی شکایت کرتے ہوئے آیا۔ ایک اور شخص قزاقوں کے مظالم کی شکایت لے کر آیا۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کبھی حیرہ گئے ہو؟ میں نے کہا: نہیں' البتہ میں نے لوگوں سے اس کی بابت سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! زندگی بخیر تو تم ایک عورت کو اپنی اونٹنی پر حیرہ کے مقام سے سفر کرتا ہوا اور پھر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے اس حال میں دیکھو گے کہ اُسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ جنابِ عدی بیان کرتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ قبیلہ طی کے اُن قزاقوں اور راہزنوں کا کیا بنے گا جنہوں نے شہری زندگی کو مشکل بنا دیا ہے؟ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے عدی! تم (شہنشاہ) خسرو کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا: آپ کا مطلب ہرمز کے بیٹے خسرو سے ہے یعنی سلطنتِ فارس سے؟ نبی علیہ السلام نے ''ہاں'' میں جواب دیتے ہوئے مزید یہ فرمایا: ''تم خوشحال مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں میں سونا اور چاندی لئے کسی مفلس و کنگال کی تلاش میں دیکھو گے لیکن اسلامی حکومت کے اندر وہ کسی محروم القسمت شخص کو نہیں پائیں۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے (فی الواقع) ایک عورت کو اپنی اونٹنی پر حیرہ کے مقام سے سفر کرتے اور کعبہ کا طواف کرتے اس حال میں دیکھا کہ اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ میں اُن لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے خسرو بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کیا۔ (اے مخاطب!) اگر تمہاری زندگی نے وفا کی تو تم ضرور نبی علیہ السلام کے فرمان کی صداقت کو بھی دیکھو گے کہ خوشحال مسلمان کو زکوۃ دینے کے لئے مفلس و کنگال شخص کی تلاش ہوگی لیکن کوئی ضرورت منداُسے نہیں ملے گا۔''

<u>آزمائش و امتحانات کے میدان</u> : ہماری سہولت اور آرام کے لئے قرآن مجید نے وہ مضامین و میادین ہمیں بتا دئے ہیں جن میں ہمارا اس دنیوی زندگی میں امتحان ہونا ہے تاکہ ہم اس کے لئے تیار رہیں۔ سورۃ البقرۃ میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے :

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرۃ:۱۵۵)

''اور ہم ضرور بالضرور تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے نقصان سے۔'' (۲ : ۱۵۵)

''مؤمنین صادقین سے کہا جا رہا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی آئیں گی لیکن بہ طورِ سزا و عذاب نہیں بلکہ ابتلاء اور امتحان کے رنگ میں۔ اس ارشاد سے اُن کی تسلی و تسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائشِ خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو یہ علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بِشَیْءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ملک کے جزِ قلیل ہی سے متعلق ہوگا' کُل سے متعلق نہیں ہوگا۔ خَوْف کا لفظ جامع ہے۔ جان' مال' عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ و ہراس کے اندر آ گیا۔ اَلْجُوع بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مالِ حرام سے بچے اور روزہ سے نہ ہچکچائے اور نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ اَلْاَمْوَال رشوت' سود' خیانت' بیع فاسد غرض ہر غیر شرعی معاملت سے دستبردار ہو جائے اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں' چوری ہو جائے' آگ لگ جائے' ان سب پر صبر سے کام لے۔ اَلْاَنْفُس موت' بیماری' جہاد کے

حادثوں میں صبر سے کام لے۔ الثَّمَرَاتِ سے اولاد بھی مراد ہوسکتی ہے اور تجارت، زراعت وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی اور ناموری کے مواقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندے کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرکِ جلی سے متعلق ہوتا ہے اور خواص کا شرکِ خفی سے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۵۹، نوٹ: ۵٦۸)

تاریخ اسلام سے پابندیِ مذہب سے متعلق چند واقعات

وحدانیتِ الٰہی کی تاریخ سے یہاں کچھ رُوح پرور اور روح افزا واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو بے لوچ (اٹل) عزمِ صمیم اور روح کی پاکیزہ تاریخ کی بہترین مثالیں ہیں اور جو ''پابندیِ مذہب'' کی مضبوط اور غیر متزلزل عمارت کی تزئین و آرائش کا سبب ہیں :۔

(۱) اصحابِ کہف : اصحابِ کہف کے بیان میں اُن اصحاب کی شناخت اور پہچان کرانے کی بجائے قرآن مجید حسبِ معمول واقعہ کے اَخلاقی سبق پر زور دیتا ہے۔ اسی طرح سورہ کہف کی آیت ۲۲ یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اُن کی تعداد یا غار میں اُن کے گزرے ہوئے وقت کی تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسلمان ماہرینِ دینیات کی عام رائے یہ ہے کہ اصحابِ کہف ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل و راسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنوں میں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کے پیروکار تھے نہ کہ پولوسی (Pauline Variety) و تثلیثی نام نہاد ''مسیحیت'' کے۔ ڈی سیس (Decius 249-151 A.D.) (دقیانوس) روم کے زمانہ میں موحّد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر و ستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ اصحابِ کہف ایفیسس (Ephesus) کے علاقے کے ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والے نوجوان تھے۔ اُنہوں نے ظالم و سنگدل رومی بادشاہ دقیانوس نامی جو بے انصافی اور ظلم و تشدد کی علامت بن چکا ہے، کے مظالم سے بچنے کے لئے شہر کو چھوڑ دیا اور قریب کے ایک پہاڑ میں واقع غار میں چھپ گئے، جہاں وہ گہری نیند سو گئے جو معجزانہ طور پر لمبی ہوگئی۔ وہ وہاں کچھ نسلوں کے وقت تک یا کچھ صدیاں سوئے رہے۔

قرآن مجید کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ مظلوم مسلمان موحّد اور ایک اللہ کو ماننے والے نوجوان تھے۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار تھے اور مشرک عیسائیت کے ماننے والے نہیں تھے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو الوہیت کا درجہ دیا گیا تھا۔ قرآن مجید اصحابِ کہف کی بابت فرماتا ہے :

''یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے اُن کے دل مضبوط کر دئے تھے۔ جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے تو بولے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، ہم تو اُس کے علاوہ کسی معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بے جا بات کے مرتکب ہوں گے۔'' (سورۃ الکہف : ۱۳، ۱۴)

اصحابِ کہف کے متعلق عیسائیت کا مکمل حوالہ حسبِ ذیل ہے :

'' ایفیسس (Ephesus) کے علاقے کے رہنے والے غار میں اِن سات سونے والوں کے نام یہ ہیں:
Serapion, Constantine, Dionysius, John, Maximiam, Malchus, Martinian
یہ سات نوجوان عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دینِ توحید کے ماننے والے تھے۔ اُنہوں نے دقیانوس نامی بادشاہ کے موحّد عیسائیوں پرظلم وتشدّد کے زمانہ میں 250 عیسوی میں اُس بُت کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کردیا تھا جو دقیانوس نے ایفیسس کے علاقے میں نصب کیا تھا۔ کہانی اس طرح ہے کہ وہ Celion نامی پہاڑ میں واقع ایک غار میں چھپ گئے اور دقیانوس بادشاہ نے غضبناک ہوتے ہوئے اُس پہاڑ میں واقع تمام غاروں کو سربہ مُہر کرنے کا حکم دے دیا۔ 230 سالوں تک اُن کے بارے میں کچھ بھی نہ سنا گیا۔ اس عرصہ کے بعد کچھ مزدوروں نے کھدائی کے دوران اُنہیں معلوم کیا۔ ایک طول طویل عرصے کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اُنہوں نے اپنے قدیم زمانے کے سکے شہر میں کھانا خریدنے کے سلسلے میں پیش کئے تو اربابِ اختیار کی توجہ اُن کی طرف مبذول ہوئی۔ وہ زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہے اور اُن کی میّتیں ایک بڑے پتھریلے کفن میں ڈھانپ کر مارسیلز میں واقع سینٹ وکٹر کے گرجا گھر میں دفن کردی گئیں۔'' (تفسیر ماجدی انگریزی' ص ۷۷ ۔۲۷ ۔اے: نوٹ: ۳۰۱)

اپنے خالق و مالک پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ نوجوان غار میں چھپ گئے۔ اپنی گہری نیند کے دوران وہ خارجی دنیا سے مکمل طور پر کٹ گئے (بحوالہ سورۃ الکہف: ۱۱)۔ اپنے خالق و مالک رب پر مکمل جاں نثاری اوراعلیٰ اخلاقی اَقدار وضوابط کو مضبوطی سے تھامنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن پر اس قدر مہربان ہوا کہ اُنہیں ہر قسم کی راحت وآسائش مہیا کی یہاں تک کہ اُس نے اُن کی خاطر اپنے قانونِ فطرت کو بھی بدل کے رکھ دیا جیسا کہ سورۃ الکھف میں بیان ہوا:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (الكهف: ۱۷)

''اور جب دھوپ نکلتی ہے تو (اے مخاطب!) تو اُسے دیکھتا ہے کہ وہ اُن کے غار سے دائیں جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ اُن سے بائیں جانب کو کترا جاتی ہے جبکہ وہ اس (غار) کے ایک کشادہ موقع میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے' جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کردیتا ہے تو آپ اُس کے لئے کوئی مددگار' راہ بتانے والا نہ پائیں گے۔''

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ یعنی نہ وہ ہوا سے محروم تھے اور نہ ہی روشنی سے۔ کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دُور تک چلے جاتے ہیں' کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ وہ جگہ جہاں یہ اصحابِ کہف اہلِ توحید مقیم تھے' تنگ نہ تھی بلکہ خوب کشادہ تھی۔ (تفسیر ماجدی اردو' ص ۶۰۴' نوٹ : ۲۰)

نیند سے بیدار ہونے کے بعد اُنہوں نے اپنے آپ کو اُسی دنیا میں خیال کیا جس دنیا میں وہ غار میں داخل ہونے سے پہلے تھے لیکن جب اُن میں سے ایک آدمی کھانا لانے کے لئے بازار کو گیا تو اُس نے تمام ماحول بدلا ہوا پایا۔ توحید پر مبنی مذہبِ عیسائیت حکومتی مذہب بن چکا تھا اور اب عیسائی ظلم و تشدّد سے محفوظ تھے۔ بازار میں پہنچے ہوئے اس شخص کی زبان اور لباس اور اُس کے پاس غیر مروّجہ رقم تمام کے تمام قدیم زمانے کے تھے اور اِن سب چیزوں نے اُنہیں لوگوں اور حکومت کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔

اصحابِ کہف کے واقعہ میں چند مفید نکات : (۱) ''وقت کی اضافیت اور وقت کے متعلق ہمارے خیالات سب کے سب ناقص ہیں۔ اگر اصحابِ کہف غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے اور سہ پہر کو جاگے تو اُن کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ وہ چند گھنٹے یا دن کا کچھ حصّہ سوئے ہیں۔ وقت کے اِس اضافی یا مغالطہ آمیز تصوّر میں ہمیں اُس صورت کا اشارہ ملتا ہے جب ''وقت'' کا وجود نہیں ہوگا یعنی یومِ حشر میں جب اس دنیاوی زندگی کے تمام معمولی تاثرات حقیقتِ اخروی سے درست کر دئے جائیں گے۔ وقت کے اِس راز نے کئی تدبر و فکر کرنے والے ذہنوں کو پریشان کر دیا ہے۔'' (عبداللہ یوسف علیؒ نوٹ : ۲۳۵۲)

(۲) ظالم و مظلوم کی حیثیتیں غیر حقیقی ہیں کیونکہ بالآخر سب نے فنا ہونا ہے۔ (ایضاً نوٹ : ۲۳۳۴)

(۳) ایمان کی مضبوطی اور صراطِ مستقیم پر پابند رہنا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

(۴) اصحابِ کہف کے ایمان و یقین نے اُنہیں حق و صداقت کے ارفع اور بلند ترین مقام تک پہنچا دیا جیسا کہ قرآنی الفاظ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (ہم نے اُنہیں ہدایت میں ترقی دی تھی) ظاہر کر رہے ہیں۔ نیز یہ بھی کہ عبادت، ریاضت، تقویٰ اور طہارت سے بندے میں ہمت، قوت، بے خوفی، دلیری، جرأت، اطمینان، خوشی اور صحت و تندرستی پیدا ہوتے ہیں جبکہ گناہوں سے بزدلی، کمزوری، خوف، غم، فکر، بے اطمینانی اور قسم قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۵) اِن نوجوانوں کی حیران کن لمبی نیند اور اُن کے اتنے طویل عرصے کے بعد نیند سے بیدار ہونے میں بعث بعد الموت (مُردوں کا مرنے کے بعد جی اٹھنے) کی یاد ہے۔

(۶) ربِّ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں اولیاء اللہ کی بہت شان ہے۔ وہ اپنے اولیاء کی خاطر اپنا نظامِ قانون تبدیل فرما دیتا ہے جیسا کہ محوّلہ بالا آیت ۱۷ سے ثابت ہے۔

(۷) جب بندہ نفسِ امّارہ کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اپنے رب کا کامل بندہ بن جاتا ہے تو رب تعالیٰ بھی اُسی کا ہو جاتا ہے اور ہر موقع پر اُس کی دستگیری فرماتا ہے۔ یہ نکتہ اس سے اگلی آیت ۱۸ کے لفظ نُقَلِّبُهُمْ (ہم اُن کی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے ہیں) سے حاصل ہوا۔

(۸) اولیاء اللہ کے اجسام ہمیشہ تر و تازہ اور سدا بہار رہتے ہیں جیسا کہ آیت ۱۸ کے ابتدائی الفاظ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْد'' (اور تم اُنہیں جاگتا سمجھتے ہو جبکہ وہ سو رہے ہیں) کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اُن کی شکل و شباہت کی تازگی اور اُن کے چہروں کی چمک دمک اور تابندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جاگ رہے ہیں۔

(۹) مؤمن، مخلص، متقی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا رُعب عطا ہوتا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ یہ نکتہ آیت کے آخری الفاظ وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (اور تمہارے اندر اُن کا رُعب سما جائے) سے ملا۔

(۱۰) ''آیت کے آخری الفاظ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (اگر تم اُنہیں جھانک کر دیکھو تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگو اور تمہارے اندر اُن کا رُعب سما جائے) سے غار پر جانے کی ممانعت اشارۃ النص سے معلوم ہو رہی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب ملکِ روم فتح کیا اور شہر طرطوس میں قیام کیا تو اصحابِ کہف کو دیکھنے کے شوق میں پانچ آدمیوں کو غار کی طرف بھیجا جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت سنا کر اُنہیں منع بھی فرمایا۔ جب وہ لوگ ابھی غار کے منہ کے پاس پہنچے ہی تھے اور ابھی اوپر سے جھانکنے ہی لگے تھے کہ ایک دَم قدرتی سخت گرم ہوا نے اُنہیں وہیں جلا کر خاکِ سیاہ کر کے ہلاک کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت دراصل وہاں جانے کی ممانعت فرما رہی ہے۔'' (تفسیر نعیمی ۔۔ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی گجراتی' جلد ۱۵' صفحات ۵۲۴' ۵۲۵)

(۱۱) حیاتِ دُنیوی میں اچھی بُری صحبت میں بہت اثر ہوتا ہے۔ اچھی سنگت کا فائدہ اور بُری صحبت کا نقصان ضرور ہوتا ہے۔ دیکھئے اصحابِ کہف کی صحبت کی وجہ سے ناپاک اور پلید کُتے کو کتنا شرف حاصل ہوا کہ غار میں تا قیامت اولیاء اللہ کے ساتھ سے شرف یاب ہوا۔ جو انعامات و اکرامات اصحابِ کہف پر جاری ہیں' وہی کتے پر جاری ہیں۔ ابدالآباد تک قرآن مجید میں اس کا ذکر ہوتا رہے گا نیز جنت میں ہمیشگی کی رہائش اُسے نصیب ہو گئی۔

نـــوٹ :ایک روایت کی رُو سے چار جانور جنت میں جائیں گے: (۱) اصحابِ کہف کا کُتا (۲) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی (۳) بلعام کا گدھا اور (۴) آقا علیہ السلام کا بُراق۔ (ایضاً' صفحات ۵۲۳' ۵۲۴)

(۲) <u>فرعون کے مصری جادوگر</u> : اپنی شہنشاہیت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو سخت خطرہ محسوس کرتے ہوئے مصر کے فرعون نے اپنی مملکت کے ماہر جادوگروں کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو عبرتناک شکست دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کیونکہ اُن دنوں مُلکِ مصر ہر قسم کے جادو کا مانا ہوا گڑھ تھا۔ فرعون نے جادوگروں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون (علیہما السلام) کو شکست دے دیں تو وہ اُنہیں اپنا قرب بخشے گا (بحوالہ سورۃ الاعـــراف: ۱۱۴؛ سورۃ الشُّــعـراء : ۴۲) لیکن مصر کے ماہرانہ جادو کو شکست ہوئی اور پیغمبرانِ الٰہی یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ہاتھوں اُسے ذلّت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں مصری جادوگروں نے سجدہ میں گرتے ہوئے اپنی ہار مان لی اور کہنے لگے کہ ''ہم عالمین اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے'' (سورۃ الاعراف: ۱۲۰' ۱۲۱)۔ جادوگروں کی جانب سے اسے اپنے خلاف سوچی سمجھی بغاوت کا منصوبہ سمجھتے ہوئے فرعونِ مصر سیخ پا ہو گیا اور اُنہیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دینے کی اور بعدہٗ اُنہیں سولی پر چڑھا دینے کی دھمکی دی (سورۃ الاعراف: ۱۲۳' ۱۲۴)۔ گناہ سے تائب ہونے والے جادوگر اب جادوگر نہیں رہے تھے' اس لئے اُنہوں نے دوٹوک الفاظ میں فرعون کی دھمکی کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا :

إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ○ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ○ (الاعراف: ۱۲۵' ۱۲۶)

''ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لَوٹیں گے اور تو آخر ہمیں کیوں سزا دے رہا ہے سوائے اسکے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے او پر صبر (کے مشکیزے) اُنڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکالنا۔'' (۱۲۵، ۱۲۶: ۷)

اللہ اللہ! دیکھیے تو سہی کہ جب بندۂ خدا اپنی ایمان و ایقان کی شیرینی اور حلاوت کا مزہ اپنے دل کی گہرائیوں میں چکھ لیتا ہے تو وہ کیسا بے باک اور نڈر ہو جاتا ہے! ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے! یہ جادوگر وہی تو ہیں کہ ابھی وہ اپنا کمالِ فن دکھانے کے لئے مال وجاہ' انعام و اِکرام کے طالب تھے لیکن جلوۂ ایمان دیکھتے ہی اب سرفروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے ہیں! آیت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے رہنا خاص شیوۂ مؤمنین ہے اور باجود کمالِ عزم و ہمت اپنے عزم و ہمت پر بھروسہ نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے رہنا خاص شعارِ مؤمنین ہے۔ عبداللہ یوسف علی اپنی تفسیرِ قرآن کے نوٹ ۱۰۸۳ میں لکھتے ہیں :

''اُنہوں نے اپنے ایمان وایقان پر شہادت پائی اور اُن کی شہادت نے اُن کی قوم پر دو طرح کے اثرات چھوڑے: اوّل تو یہ کہ چونکہ وہ جادوگر مصر میں غلط کاروں کے آلۂ کار اور چہیتے تھے' اُن کے قبولِ اسلام اور (منظر نامہ سے) غائب ہونے نے مصریوں کے تمام باطل نظام پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا اور دوم یہ کہ عوام الناس پر اُن کی شہادت کا بالواسطہ اثر اس سے کہیں زیادہ تھا کہ اُسے ہندسوں سے ناپا جا سکے۔''

(۳) نبی علیہ السلام کی اُمت کے پہلے شہید : ابوجہل نے حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا کو اپنی گرفت میں لے کر اُنہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں ابوجہل نے اُن کی ایک ٹانگ کو ایک اونٹ کی ٹانگ کے ساتھ اور دوسری ٹانگ کو دوسرے اونٹ کی ٹانگ کے ساتھ باندھ دیا اور دونوں جانوروں کو مخالف سمتوں میں ہانک دیا۔ اُن کا جسم چر کر پارہ پارہ ہو گیا اور اس طرح وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت کی پہلی خاتون شہیدہ ہیں۔ اُن کے خاوند جنابِ یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی ایسی ہیبت ناک سزا کی دھمکی دی گئی لیکن اُنہوں نے بھی شہادت کو ترجیح دی اور اُن کا بھی وہی انجام ہوا اور اس طرح آپ مَردوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت کے پہلے شہید ہیں۔ (ضیاء القرآن --- کرم شاہ الازہری' جلد دوم' صفحہ ۶۰۵)

(۴) وہ تین صحابہ جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا کہ آیا اُنہیں معاف کر دیا جائے یا نہیں۔ وہ انصار کے تین آدمی تھے یعنی کعب بن مالک' ہلال بن اُمیّہ اور مرارہ بن ربیعہ جو صرف تقاضائے بشریت کے باعث غزوہ تبوک (۹ ہجری/۶۳۰ عیسوی) جسے جیش العُسرۃ بھی کہا جاتا ہے' میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں جا سکے تھے۔ اس غزوہ میں مسلم فوج کو ناقابلِ بیان تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حد درجہ تمازتِ آفتاب کے علاوہ سامانِ رسد اور پانی اس قدر کمیاب تھے کہ دو آدمیوں کو ایک کھجور پر گزارہ کرنا پڑا اور کئی مجاہدین نے اپنی پیاس اونٹوں کی کوہانوں میں جمع شدہ پانی سے بجھائی۔

۱۵۷۵ (پابندیِ قانون و مذہب ۔۔ Formalism)

اس سخت وقت کوش مہم سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فاتحانہ واپسی پر مذکورہ تینوں صحابہ نے آپ ﷺ سے کھلے طور پر اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ اُنہیں نزولِ وحی تک کے لئے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ حکمِ نبوی کے تحت اُنہیں معاشرتی مقاطعہ کی سزا دی گئی اور کسی بھی آدمی نے اُن سے لین دین کرنے' یا سلام کرنے یا اُن سے بات تک کرنے کی جرأت نہیں کی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں :

''ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچازاد بھائی ابو قادہ کے پاس چلا گیا جو اُس وقت اپنے باغ میں تھا۔ مجھے اُس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام کہا لیکن اُس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا: اے بھائی! کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں؟ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔ وہ بولا تک نہیں۔ آخر جب چوتھی بار میں نے اُسے یہی بات کہی تو اُس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اُس وقت بے اختیار میرے آنسو بہہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اُسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے ہو۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا جو غستان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آ جا' دیکھ میں کس طرح تیری قدردانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور میں نے اُس خط کو نذرِ آتش کر دیا اور اُسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا کہ اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا: میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی جرأت ہو رہی ہے۔ اس رنج و غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اُس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لئے مسجدِ نبوی میں جاتا تھا اور حضور ﷺ کو سلام عرض کیا کرتا اور پھر یہ دیکھا کرتا کہ کیا لب مبارک کو جنبش ہوئی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بیکس نواز آقا اپنی نگاہِ لُطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو رخِ انور موڑ لیتے۔ یہ لمحے میرے لئے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے اعلان فرمایا۔ صحابہ دوڑتے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدۂ جانفزا سنایا وہ حمزہ الاسلمی تھے۔ میں نے فرطِ مسرت میں اپنے دونوں کپڑے اُتار کر اُنہیں دے دئے۔ پھر میں بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لئے آ رہے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا کہ جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے' یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے' مبارک ہو۔

<u>واقعہ مذکورہ میں چند نکات</u> : (۱) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیائے کرام کے مظہر ہیں کہ جیسے رب تعالیٰ نے حضرت آدم' نوح اور داؤد علیہم السلام کی خطاؤں کی معافی کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا' ایسے ہی صحابہ کرام کی معافی کا اعلان اپنی کتاب میں فرمایا۔ اُن کی یہ معاف شدہ خطائیں ہماری اُن عبادات سے افضل ہیں

جن کی قبولیت کی ہمیں کوئی خبر نہیں۔(۲) انبیائے کرام کی خطاؤں کی طرح صحابہ کرام کی خطائیں بھی رب تعالیٰ کے اِذن سے ہوتی ہیں جن میں صد ہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ سورۃ التّوبۃ کی آیت ۱۱۸ کا لفظ خُلِّفُوۡا فعل مجہول ہے جس کا یہی مطلب ہے کہ یہ تین حضرات خود پیچھے نہ رہے بلکہ رب کی طرف سے پیچھے رکھے گئے تاکہ تا قیامت مسلمانوں کو اس واقعہ سے بہت سے دینی اور ایمانی مسائل معلوم ہوں۔ ہمارے گناہ شیطانی ہیں اور اُن کی خطائیں ربّانی۔ آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کی بہاریں آج بھی دیکھی جا رہی ہیں۔(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات صحابہ میں وہ تنظیم واتحاد پیدا فرما دیا تھا جس کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی کہ ایک فرمانِ عالی سے کہ کعب کا بائیکاٹ کر دو' اُن کے بیوی بچے' بھائی' لواحقین غرض کہ سارا جہان غیر ہو گیا۔(۴) مسلمان کے تمام جسمانی رشتے حضور علیہ السلام کے دَم سے وابستہ ہیں۔ جو آپ ﷺ کا غیر ہو گیا' وہ اپنے ماں باپ اور قرابتداروں سے غیر ہو گیا۔ یہ نکتہ حضرت کعبؓ کے بائیکاٹ سے حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کی نگاہِ کرم پھیرنے پر حضرت کعب کا کوئی عزیز' عزیز نہ رہا۔(۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ربِّ جلیل نے احکامِ شرعیہ کا مالک بنایا ہے اور حلال وحرام آپ کے اختیار میں دئے ہیں (بحوالہ سورۃ الاعراف: آیت ۱۵۷)۔ ذرا غور تو کیجئے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا بحکم سورۃُ النِّساء: آیت: ۸۶' فرض ہے مگر حضرت کعب وغیرہ تین صحابہ کے سلام کا جواب نہ دینا بائیکاٹ کے زمانہ میں ممنوع فرما دیا گیا۔(۶) ربِّ جلیل نے اپنے محبوب علیہ السلام کو مسلمانوں کے جان و مال اور ایمان کا مالک بنا دیا اور آپ ہمارے مالک ہیں۔ دیکھئے مولیٰ اپنے غلام کی بیوی اُس پر حرام نہیں کر سکتا مگر حضورِ انور علیہ السلام نے بائیکاٹ کے کچھ دنوں میں ان تینوں حضرات کی بیویاں اُن پر حرام فرما دیں کہ بیوی نکاح میں تو رہی لیکن حرام ہو گئی۔ یہ ہے سلطنتِ مصطفیٰ ﷺ۔ (۷) خطاکار بندوں کی اصلاح کے لئے اُن کا بائیکاٹ کرنا سنت ہے۔ ان تین حضرات کا پچاس دن مکمل بائیکاٹ رہا۔ رب فرماتا ہے کہ اپنی نافرمان بیویوں کو اُن کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ۲۹ دن اپنی ازواجِ پاک سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے تین سو سال کلام وسلام نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بائیکاٹ اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔(۸) اپنی جان سے بیزار ہونا اور اپنی زندگی گراں معلوم ہونا اگر دینی وجہ سے ہو تو اعلیٰ درجے کا ایمان ہے اور اگر دنیاوی وجہ سے ہو تو بےکار ہے۔ یہ نکتہ سورۃ التّوبۃ کی آیت ۱۱۸ کی عبارت وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ (وہ خود ہی اپنی جانوں سے تنگ آ گئے) سے حاصل ہوا۔ (۹) خدا رسی کے لئے بہترین ذریعہ دو چیزیں ہیں: دردِ دل اور بےقراریِ دل۔ یہ دو چیزیں مختلف ذریعوں سے ملتی ہیں۔ حضرت کعبؓ اور اُن کے دونوں ساتھیوں کو اولاً غزوۂ تبوک سے روکا گیا' پھر محبوب سے اُن کا بائیکاٹ کرایا گیا' پھر اُنہیں تڑپایا گیا' اُنہیں تمام مؤمنین سے اجنبی بنایا گیا اور اُنہیں مدینہ منوّرہ کے گلی کوچوں میں بےقرار پھرایا گیا۔ آیت مذکورہ ۱۱۸ میں خُلِّفُوۡا؛ ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ؛ ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اور لَا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ کی عبارتیں قابلِ غور ہیں۔ یہ سب بےقراریِ دل' تڑپ اور سوز کا سامان تھا جس کا مزہ تو کوئی دل والا ہی جانتا ہے۔ غرضکہ اِن تینوں حضرات کے دلوں کا زخم' پھر اس زخم پر نمک پاشی' اُن کا تڑپنا سب رب کی طرف سے تھا۔ جب یہ چیزیں حد کو پہنچ گئیں تب دریائے رحمت جوش میں آیا کہ فرمایا: ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ (پھر رب نے اُن کی طرف رحمت سے توجہ فرمائی)۔ اُن کا درجہ اس قدر بڑھایا کہ اپنے محبوب سے سفارش کی کہ اُنہیں بلا کر سینے سے لگاؤ تو اُن کی بےچینی اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہ آیت ان تینوں حضرات کی مدح سرائی میں ہے۔ جب تک بچہ کھلونوں

سے کھیلتا رہتا ہے، ماں بے پرواہ رہتی ہے مگر جب اُن سے بے تعلق ہو کر روتا اور رو رو کر ماں سے فریاد کرتا ہے کہ اب میرا تیرے سوا کوئی نہیں تو ماں سینے سے لگا لیتی ہے۔ جب تک بندہ اسباب میں لگا رہتا ہے، رب تعالیٰ اظہارِ بے نیازی فرماتا ہے مگر جب اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظَنُّوْا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ کہ مولیٰ میرا تیرے سوا کوئی نہیں اور میرا کہیں ٹھکانہ نہیں تب ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (پھر رب نے اُن کی طرف رحمت سے توجہ فرمائی) کی جلوہ گری ہوتی ہے
(تفسیر نعیمی -- مفتی احمد یار خاں نعیمی، جلد ۱۱، صفحات ۱۱۰، ۱۱۱)

(۵) امام حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے رُفقاء کی شہادت : اگرچہ ۶۱ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا یہ روح فرسا واقعہ اپنی فطرت میں انتہائی المناک ہے لیکن یہ قوتِ ایمان و ایقان کا غیر متزلزل نمونہ کمال ہے اور اسلام کی مضبوط عمارت کے لئے زینت و آرائش کا سبب ہے۔ پابندیِ مذہب کی ایسی انوکھی مثال آج تک چشمِ فلک نے نہیں دیکھی کہ امامِ عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ نے دین کی بقا اور تحفظ کی خاطر اپنا تن، من، دھن، اہل و عیال سب راہِ خدا میں قربان کر دیئے لیکن دینِ اسلام پر آنچ تک نہیں آنے دی۔ واقعہ کربلا کا ایک روشن اور تابندہ پہلو یہ بھی ہے کہ جاں نثاری اور حُبّ اللہ کے ایسے فقید المثال واقعہ نے کتنے ہی دشمنانِ اسلام کو اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کیا اور بھولی بھٹکی انسانیت کو راہِ مستقیم دکھانے کا سبب بن گیا۔

(۶) غازی علم الدین شہید : یہ مستانہ رسول گزشتہ صدی کا قابلِ رشک اور قابلِ فخر سپوت ہے اور ہمارے زیرِ نظر موضوع کی ایک اور مثال ہے۔ ''عشقِ رسول'' کے والہانہ جذبہ سے مخمور اِس عاشقِ رسول نے ایک ہندو راج گوپال نامی کو واصلِ جہنم کیا تھا جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں نازیبا اور گستاخی پر محمول ایک کتاب شائع کی تھی۔ محمد علی جناح اور علامہ اقبال جیسی نامور اور قدآور شخصیات کی جانب سے بار بار کی ترغیبات بھی علم الدین کو اپنے حقیقی اور سچے بیان سے باز نہ رکھ سکیں اور غازی موصوف سزائے موت سے بچنے پر رضامند نہیں ہوئے بلکہ پھانسی کو بخوشی قبول کر لیا۔

ایسے ہی بندوں کے بارے میں قرآن مجید اِن الفاظ میں یہ مژدۂ جانفزا سناتا ہے:
أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ '' مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ '' وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ O (البقرۃ : ۱۵۷)
''یہی وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے نوازشیں اور رحمت ہوں گی اور یہی لوگ ہی راہ یاب ہیں۔'' (۲ : ۱۵۷)

''عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ'' مِّنْ رَّبِّهِمْ یعنی یہی لوگ اللہ کی عنایتِ خاصّہ کے اہل اور مورد ہوں گے اور ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے متناسب حصّہ پائے گا۔ وَرَحْمَةٌ '' یعنی یہ لوگ رحمتِ عامّہ کے مورد ہوں گے۔ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ دنیا میں اُن کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی بھی چیز اپنی نہیں یہاں تک کہ خود اُن کے جسم و جان، نفس و روح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ جب یہ اُس کے پاس پہنچیں گے تو سب ہی کچھ پا لیں گے۔ جس نے اللہ کی رحمت و خاصّہ کو پا لیا، اُس سے دنیا اور آخرت کی کون سی نعمت بچ گئی!!'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۵۹، ۶۰ نوٹ: ۵۷۲)

(۵۱) اَولیاءاللہ (FRIENDS OF ALLAH)

وَلی کا لغوی معنیٰ : (۱) ''ولی کا معنیٰ قرب ہے خواہ یہ قرب جگہ کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے اعتبار سے یا دین کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یا اعتقاد کے اعتبار سے یا نصرت کے اعتبار سے۔ ولایت کا معنیٰ کسی چیز کا انتظام کرنا بھی ہے اور ولی بہ معنی فاعل بھی ہے یعنی منتظم اور متصرّف۔ اور مفعول کے معنی میں بھی ہے یعنی جو کسی کے زیرِ انتظام اور زیرِ تصرّف ہو۔ وہ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرنے کے لئے ہر وقت اپنے اعضاء میں متولی اور متصرف رہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ اور سورہ آل عمران کی آیت ۶۸ میں ہے کہ اللہ مؤمنین کا ولی ہے بہ ایں معنیٰ کہ اُن کے ہدایت پر قائم رہنے کا اللہ تعالیٰ متولی ہے۔'' (المفردات القرآن لا امام راغب اصفہانی)

(۲) مجد الدین فیروز آبادی نے ''قَامُوسُ المُحِیط'' کی جلد چہارم کے صفحہ ۴۰۱ پر لفظ ''ولی'' کی تعریف یوں بیان کی ہے :

اَلْوَلْیُ اَلْقُرْبُ وَالدُّنُوُّ وَالْوَلِیُّ اَلاِسْمُ مِنْہُ بِمَعْنَی الْقَرِیْبُ وَالْمُحِبُّ وَالصَّدِّیْقُ وَالنَّصِیْرُ

''وَلْی'' کا معنیٰ قرب اور نزدیکی کا ہے اور ولی کا لفظ وَلْی'' کا اسم ہے جس کا معنیٰ قریب، محبت کرنے والا، دوست اور مددگار کا ہے۔''

قُرب دو طرح کا ہوتا ہے : (۱) قُرب کی پہلی قسم وہ ہے جو حیوانات اور انسانوں سمیت کائنات کے ہر ہر ذرّے کو اپنے خالق سے حاصل ہے جس کے بغیر کسی چیز کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ قُرب کی اس قسم کو سورہ قٓ کی آیت ۱۶ میں بہ الفاظ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ o (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں) بیان کیا گیا ہے۔ (۲) خالق سے قُرب کی دوسری قسم جس کا نام ''قربِ محبت'' ہے، صرف اللہ کے منتخب شدہ مخصوص بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور جس کی کئی قسمیں ہیں اور ان سب اقسام میں اخلاقِ فاضلہ اور ایمان وایقان میں جذبہ مسابقت ناگزیر شرط ہوتے ہیں۔ مؤمنین میں یہ خوش بخت لوگ اپنے فرائض میں باوفا، مستعد اور چوکس ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے پُر جوش محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ غیر منقطع تسلسل کے ساتھ روحانیت کے اعلیٰ وارفع ترین درجات کو طے کرتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ وہ اُس قابلِ رشک مقام کو حاصل کر لیتے ہیں جس کی طرف نبیِ اکرم ﷺ نے ایک حدیثِ قدسی میں اشارہ کیا جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے :

لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحْبِبْتُہ، فَاِذَا أُحْبِبْتُہ، کُنْتُ سَمْعُہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرُہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدُہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَاوَرِجْلُہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا (بخاری عن ابی ہریرۃ)

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اُسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔'' (صحیح بخاری بہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''اللہ اپنے محبوب بندے کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہے'' کی توجیہ: ''بندہ جب عبادات پر دوام کرتا ہے تو وہ اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اُس کے کان ہو جاتا ہوں۔ پس جب اللہ کا نورِ جلال اُس کے کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دُور سے سن لیتا ہے اور جب اُس کا نورِ جلال اُس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب اُس کا نور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں پر اور قریب اور بعید کی چیزوں کے تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔'' (تفسیر کبیر ج ۷' ص ۴۳۶ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

''خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا ولی فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے لیکن بندہ' بندہ ہی رہتا ہے' الٰہ نہیں ہو جاتا جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا بلکہ اس کی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ بلاتشبیہ و تمثیل جب بندۂ کامل کی اپنی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔'' (تبیان القرآن' ج ۵' ص ۴۱۸)

شیخ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:
''پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو اُنہیں میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ تمام جہانوں کا پروردگار ہوں۔'' (القصص: ۳۰)

''دکھائی یہ دے رہا تھا کہ درخت کلام کر رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے اُس درخت میں تجلی فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے وہ درخت واسطہ بن گیا تھا تو جس میں تجلی کی گئی تھی' اُس نے تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا اور تجلی میں صرف صورت نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت کی وجہ سے آگ میں (یا درخت میں) تجلی فرمائی تھی اور جب تجلی کا معنی سمجھ میں آ گیا تو سنو جب درخت کے لئے یہ جائز ہے کہ اُس میں یہ ندا کی جائے کہ بے شک میں اللہ ہوں تو جو بندہ نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے وہ اللہ کی سمع اور بصر کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہ ابنِ آدم جو صورتِ رحمان پر پیدا کیا گیا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں ہے یعنی جب شجرِ موسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا مظہر ہو سکتا ہے تو سیّدنا محمد ﷺ کی اُمّت کا ولی جو اللہ کا محبوب ہو جائے' وہ اللہ کی صفتِ سمع اور بصر کا مظہر کیوں نہیں ہو سکتا؟'' (فیض الباری' ج ۴' ص ۴۲۹ مطبوعہ مجلس علمی ہند ۱۳۵۷ھ)

(۳) ''وَلی کا لفظ فَعِیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہو اور ایک لحظہ کے لئے بھی اُسے اُس کے نفس کے سپرد نہ کرتا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۶) یعنی ''اللہ نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔'' اس معنی کے اعتبار سے ولی کو مراد (مطلوب) اور مجذوب سالک کہتے ہیں اور یا یہ لفظ فاعل کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی مسلسل حفاظت کرتا ہو اور اُس کی زندگی میں کبھی گناہ شامل نہ ہو۔'' (''مرقاۃ'' مُلّا علی القاری م ۱۰۱۴ھ)

ولی کا اصطلاحی معنی: (۱) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ولی اللہ وہ ہے جو شرعی فرائض سے اللہ کا قرب اور اُس کی اطاعت سے اللہ کا نور حاصل کرے' اُس کا دل معرفتِ الٰہی میں ڈوبا رہے کہ جب دیکھے تو دلائلِ قدرت دیکھے' جب سنے تو آیاتِ الٰہیہ سنے' جب بولے تو رب کی حمد وثنا سے شروع کرے' جب حرکت کرے تو اطاعتِ الٰہی میں حرکت کرے۔ جب بندہ اس حال پر پہنچتا ہے تو رب تعالیٰ اُس کا مددگار ہو جاتا ہے۔ (تفسیر نعیمی' ج ۱۱' ص ۳۹۳)

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کی کسی سے محبت یا نفرت اللہ کی خاطر ہو اور جس کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہو (خزائن العرفان)۔

(۳) ''ولی وہ لوگ ہیں جو تقدیر پر راضی رہتے ہیں' مصائب پر صبر کرتے ہیں' نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں' اُن کے کام ہمیشہ حق کی موافقت میں ہوتے ہیں اور جو محض اللہ کے لئے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔'' (النکت و العیون ۔ علامہ ابوالحسن الماوردی م ۴۵۰ھ بحوالہ ''تبیان القرآن'' از علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۵' ص ۴۱۷)

ولی اللہ کی پہچان و فضیلت: (۱) امام ابن جریر طبری م ۳۱۰ھ بہ روایت سعید بن جُبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ دکھائی دیں تو اللہ یاد آجائے۔ (جامع البیان' جزء ۱۱' ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۲) بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اللہ کی پہچان آسان ہے کہ ہر ذرّہ اور ہر قطرۂ کائنات جمالِ رب کا آئینہ ہے مگر ولی کی پہچان مشکل ہے کہ وہ ہم میں رہیں' ہماری طرح کھائیں پیئیں' سوئیں جاگیں لیکن اُن کے دل قندیلِ نورانی ہوں۔ ظاہر میں شریعت سے موصوف ہوں لیکن باطن فقر کے انوار سے روشن ہو۔ وہ اُن دلہنوں کی طرح ہیں جن تک اُن کے محبوب کے سوا کوئی نہیں پہنچتا۔ حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے (روح البیان' بحوالہ تفسیر نعیمی' ج ۱۱' ص ۳۹۴)

(۳) اولیاء اللہ کی آسان پہچان وہ ہے جو سورہ یونس کی آیت ۶۳ میں بیان ہوئی کہ اُن کے دل میں ایمان' ظاہر میں تقویٰ ہو۔ عام مخلوق اُنہیں ولی کہے' اُن کی طرف دل کھچیں اور اُنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ (تفسیر نعیمی)

(۴) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بعض بندوں میں ایسے بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید (لیکن) اللہ کے نزدیک اُن کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی اُن کی تحسین کریں گے۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں خبر دیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ نہ اُن کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور نہ اُنہیں اُن سے کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اُن کے چہرے منوّر ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر فائز ہوں گے اور جب (روزِ حساب) لوگ خوف زدہ

ہوں گے تو اُنہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم زدہ ہوں گے تو اُنہیں غم نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَـآءَ اللّٰهِ لَا خَـوْفٌ عَـلَيْهِـمْ وَلَا هُـمْ يَحْـزَنُوْنَ O (سنن ابی داؤد' رقم الحدیث ۳۵۲۸؛ الترغیب و الترہیب' ج ۴' ص ۲۱؛ شعب الایمان' رقم الحدیث ۸۹۹۸؛ سنن الترمذی' رقم الحدیث ۲۳۹۰)

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَد آذَنْتُه' بِالْحَرْبِ

''جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی' میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔''

<u>ولایت کی قسمیں</u>: (۱) <u>ولایتِ کسبی</u>: جو تقویٰ' عبادات' مجاہدات اور مراقبات سے حاصل ہو۔

(۲) <u>ولایتِ فطری</u> یعنی مادر زاد ولی جیسے حضرت مریم سلام اللہ علیہا مادرزاد ولیہ تھیں یا امام الاولیاء سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے رمضان المبارک کے دن میں ماں کا دودھ نہیں پیا۔

(۳) <u>ولایتِ عطائی</u> جو کسی ولی یا نبی کی نظرِ کرم سے آناً فاناً ولی بن جائے جیسے فرعونی جادوگر نگاہِ موسوی سے اور حبیب نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگاہ سے یکدم ولی ہو گئے۔ (تفسیر نعیمی' جلد ۱۱' ص ص ۳۹۴' ۳۹۵)

بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ ولی اللہ دو قسم کے ہیں: (i) <u>ولی تشریعی</u>: یہ وہ مسلمان متقی ہے جسے اُس کے تقویٰ کی وجہ سے قربِ الٰہی حاصل ہو جائے۔ (ii) <u>ولی تکوینی</u>: وہ مسلمان متقی ہے جسے عالم میں تصرّف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ آقا علیہ السلام انہی کی بابت فرماتے ہیں: بِهِـمْ يُـمْـطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ (اُن کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں اور لوگوں کو رزق ملتے ہیں)۔

''اولیائے کرام میں دو قسم کی قوّتیں ہوتی ہیں: اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہِ الٰہی سے فیض و تجلّی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوّت سے وہ اُن ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا اُن سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہوکر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اُن کے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔''

''جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید' حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اُسے متزلزل نہیں کرسکتی اور اُن کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ اُن تمام اعمال اور اَخلاق سے اُن کا دامن یکسر مبرّا ہوتا ہے جو اُن کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرکِ جلی' شرکِ خفی' حسد' کینہ' غرور و تکبّر اور ہوا و ہوس غرضیکہ تمام اخلاقِ ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے

جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اُسے خلعتِ ولایت سے مشرّف کیا جاتا ہے اور اس پیکرِ عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے دُنیا رشک بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔ اسی ضمن میں سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس کا حوالہ صفحہ ۱۵۸۰ کے آخر میں نمبر (۴) کے تحت دیا جا چکا ہے۔'' (''ضیاء القرآن''۔۔ کرم شاہ الازہری، ج ۲، ص ص ۳۱۴، ۳۱۵)

خلافِ عادت کاموں کی حسبِ ذیل اَقسام ہیں :۔

(۱) اِرہاص : اعلانِ نبوّت سے پہلے نبی سے جو خلافِ عادت امور صادر ہوں، اُنہیں ارہاص کہا جاتا ہے جیسے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں اُس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو میرے اعلانِ نبوّت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

(۲) معجزہ : اعلانِ نبوّت کے بعد نبی سے جو خلافِ عادت امور صادر ہوں اور وہ اُس کے دعوائے نبوّت کی تائید کرتے ہوں جیسے معجزہ شق القمر اور حضور علیہ السلام کا اللہ کے کلام کو اِس چیلنج کے ساتھ پیش کرنا کہ کوئی شخص اس کلام کی نظیر نہیں لاسکتا۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے بہ کثرت معجزات ہیں۔

(۳) کرامت : وہ کامل مسلمان جو کسی نبی کی شریعت کا پیروکار اور مبلّغ ہو، اُس سے ایسے خلافِ عادت امور ظاہر ہوں جن سے اُس کے مرتبہ اور مقام کا علم ہو اور وہ امور اُس کے نبی کی تائید کرنے والے ہوں اور وہ از خود مدعیِ نبوّت نہ ہو۔

(۴) معونت : کسی عام مسلمان سے کسی خلافِ عادت کام کا ظاہر ہونا ''معونت'' کہلاتا ہے۔

(۵) اِستدراج : کافر سے کسی خلافِ عادت کام کا ظہور ''اِستدراج'' کہلاتا ہے۔ اِنہیں برحق ماننا کفر ہے

(۶) اہانت : جھوٹے نبی سے خلافِ عادت کام کا ظہور ہو اور وہ اُس کے دعویٰ کا مکذّب (جھٹلانے والا) ہو جیسے مسیلمہ کذّاب سے کسی کانے نے کہا: آپ نبی ہیں تو دعا کریں میری آنکھ ٹھیک ہو جائے۔ اُس نے دعا کی تو اُس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اسی طرح اُس نے ایک کنویں میں تھوک پھینکا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا پانی میٹھا ہو جائے گا لیکن اُس کا پانی کڑوا ہو گیا۔ یا جیسے غلام احمد قادیانی ملعون و مغضوب نے دعویٰ کیا کہ محمدی بیگم سے اُس کا نکاح ہو کر رہے گا لیکن اُس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر اُس نے دوبارہ دعویٰ کیا کہ شادی کے اڑھائی سال بعد مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم اُس کے نکاح میں آجائے گی لیکن خود مرزا غلام محمد واصلِ جہنم ہو گیا اور اُس کے مرنے کے بعد دیر تک مرزا سلطان محمد زندہ رہا۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے پیش گوئی کی کہ عیسائی پادری آتھم ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو مر جائے گا لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اُس کا جلوس نکالا۔ مرزا قادیانی نے

۱۵اپریل ۱۹۰۷ءکوایک اشتہار شائع کیا جس میں مولانا ثناءاللہ امرتسری کو مخاطب کر کے لکھا: اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مُفتری ہوں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں میں ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں، آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہو سکیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی نہیں۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مولانا ثناءاللہ امرتسری کی زندگی میں مرزا غلام احمد قادیانی ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا اور وہ اس کے بعد دیر تک زندہ رہے اور مرزا غلام احمد کی تمام پیش گوئیاں اُلٹ گئیں اور اُس کے دعویٰ کو جھٹلا گئیں اور اسی کا نام ''اہانت'' ہے۔'' (''تبیان القرآن'، جلد پنجم، صفحات ۴۳۴، ۴۳۵)

''کرامات اولیاء: جیسا کہ بیان ہوا کہ جو عجیب وغریب اور عقل سے ماوراء کام اللہ کے نبی یا رسول کے ہاتھ پر ظاہر ہو، اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ جو کسی نبی کے سچے اور نیک پیروکار کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ کرامت ہے اور جو کافر وفاسقِ معلن کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ استدراج کہلاتا ہے جیسے دجّال قربِ قیامت میں بڑے بڑے کرشمے دکھائے گا۔ بعض سادھو اور شرابی، جواری فقیر انوکھے کام کر دکھاتے ہیں، یہ سب استدراج ہیں۔ جیسے نبی کے معجزے برحق ہوتے ہیں اور اُن کا انکار کفر ہے ایسے ہی کفار وفسّاق کے استدراج کو برحق ماننا کفر ہے۔ ایسے ہی اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اور اُن کا انکار کفر ہے۔ سورۃ النّمل میں ہے کہ آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے ہی تختِ بلقیس ملک یمن سے فلسطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے۔ حضرت مریم لڑکپن میں بے موسم کے غیبی پھل کھاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ منجانب اللہ ہیں (بحوالہ سورہ آلِ عمران، آیت ۳۷)۔ اصحابِ کہف صدہا سال سے زندہ ہی سو رہے ہیں اور اُن کے ساتھ اُن کا کتا بھی زندہ ہے۔ یہ تمام حضرات اولیائے بنی اسرائیل ہیں۔ صحابہ کرام کی کرامات سے کتبِ احادیث پُر ہیں۔ اب بھی اولیاء اللہ کی کرامات دیکھی جاتی ہیں۔ کرامت کی پہچان یہ ہے کہ وہ کسی بھی طرح خلافِ شریعت نہ ہو اور نہ وہ کسی دوسرے بزرگ کی گستاخی کرے۔'' (تفسیر نعیمی، ج ۱۱، ص ۳۹۷)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ مریم علیہا السلام کو بے موسمی پھلوں کا ملنا جس کا ذکر سورہ آلِ عمران کی آیت ۳۷ میں ہوا، اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز پر دلیل ہے۔

نوٹ: اولیاء اللہ اور حضرات ہیں جو مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں جبکہ أولیاء من دُون اللہ دوسرے لوگ ہیں جنہیں لوگوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا تھا جو مَردُود ین ہیں۔ یہ نکتہ أولیاء اللہ کو اللہ کی طرف مضاف فرمانے سے حاصل ہوا۔

سورہ یونُس کی آیات ۶۲ تا ۶۴ میں اولیاء اللہ کے اعلیٰ وارفع مقام کو یوں بیان کیا گیا ہے:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○

''سنو سنو اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے۔ اُن کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی میں خوشخبری ہے، اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔'' (۶۲ تا ۶۴ : ۱۰)

اولیاء اللہ کے اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ اِن حقائق سے لگایا جا سکتا ہے کہ (۱) آیت ۶۲ مذکورہ کلمہ تنبیہ اَلَا سے شروع ہو رہی ہے اور یہ تنبیہ و وعید اُن لوگوں کے لئے ہے جو اولیاء اللہ کے خداداد اعلیٰ مقام کو نہیں مانتے اور (۲) اوپر کی خط کشیدہ عبارت جس میں خالق و مالک کے ایفائے عہد پر زور ہے' اولیاء اللہ کی خداداد عزت و تعظیم' دوستی اور محبت کو چار چاند لگا رہی ہے۔

سورۃ الکھف (۱۸) کی ذیل کی آیت ۲۸ میں ہمارے زیرِ بحث عنوان کے لئے خاصا اشارہ ملتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه' وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکھف : ۲۸)

''اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ مقیّد رکھا کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام محض اُس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو دُنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اُن سے نہ ہٹائیے۔''

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه' (جو اپنے پروردگار کو صبح و شام محض اُس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں) میں اشارہ اولیاء اللہ کی طرف ہے جن کا تمام تر وقت اپنے خالق و مالک کی یاد میں گزرتا ہے۔☆ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ناقابلِ جدا تعلق ہونے کے لحاظ سے وہ درِ رسول سے خداداد فیوض و برکات کا حصول کرتے ہیں اور پھر اُن فیوض و برکات کو مؤمنین میں تقسیم کر دیتے ہیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ایک فرمودہ اس حقیقت کا مؤیّد ہے جس میں آپ نے فرمایا: اَللّٰہُ مُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِم'' (صحیح بخاری) یعنی عطا کرنے والا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔

''رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ کے جوش و انہماک میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسائے قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اُمّت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ اُمّت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامانِ دُنیوی اور مال و جاہِ ماڈی سے نہیں بلکہ وہ اخلاص و اطاعتِ کاملہ سے ہے خواہ اُس اخلاص و اطاعت کا وجود فقراء و غرباء اور عوام الناس ہی میں ہو۔'' (تفسیر ماجدی اُردو' ص ۶۰۷' نوٹ :۴۴)

مقناطیس کیسے بنایا جاتا ہے؟ علمِ طبیعیات (فزکس) ہمیں بتاتا ہے کہ لوہے کو مقیانے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا اور پائیدار طریقہ یہ ہے کہ لوہے کے ٹکڑے میں سے برقی رَو گزاری جائے۔ اس عمل کے ذریعے حاصل شدہ مقناطیس کو برقایا ہوا مقناطیس (Electric-charged Magnet) کہا جاتا ہے۔

محوّلہ بالا آیت ۲۸ کے دوسرے خط کشیدہ حصّے کے مطابق اولیاء اللہ برقایا ہوا (Electric-charged) مقناطیس ہیں جن کا تمام وقت جُہدِ محض' نفس کُشی' تزکیہِ نفس' اپنے خالق کی مسلسل عبادت اور اُس کے حضور محاسبے کے

☆ یاد رہے کہ مؤمن کے دنیاوی کام از قسم تجارت اور اہل و عیال کی پرورش وغیرہ حکمِ الٰہی کے تحت کرنا بھی عبادت اور ذکرِ الٰہی میں شامل ہے۔

خوف کی شکل میں یادِ الٰہی میں گزرتا ہے۔ یہ سب کچھ اُنہیں ایک پائیدار روحانی برقی قوّت عطا کرتا ہے۔ اس طرح سے حاصل شدہ روحانی مقناطیس تمام دنیا میں پھیلا دیئے جاتے ہیں تاکہ خاتم النبیّین ﷺ کی وساطت سے حاصل شدہ الٰہی نوازشات وانعامات سیہون (سندھ) کے لال شہباز قلندر، ملتان (پنجاب) کے بہاء الدین زکریا، رکن عالم اور حافظ جمال اللہ، لاہور (پنجاب) کے علی ہجویری، بغداد کے عبدالقادر جیلانی، اجمیر (انڈیا) کے خواجہ معین الدین چشتی اور عراق کے فخر الدین عراقی وغیرہ کی صورت میں تقسیم کر دیئے جائیں۔''

''مقناطیس بنانے کے دوسرے طریقے کی بنیاد جو (Stroke Method) کہلاتا ہے، اس اصول پر ہے کہ فولادی ٹکڑے کو مقناطیس کی مسلسل ہمراہی میں رکھا جاتا ہے۔ وہ فولادی ٹکڑا مقناطیس کے ساتھ رگڑ کھاتا ہے اور اس طرح مقناطیسی قوّت اُس میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس تعلق اور غیر منقطع ہمراہی سے وہ لوہے کا ٹکڑا مقناطیس بن جاتا ہے اور اُس میں دوسرے عام لوہے کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔''

''روحانی مقناطیسوں کی دنیا میں یہ قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے، خوشدلی سے عبادت کرنے اور تزکیہ نفس کرنے میں کمزور اور سُست ہیں۔ وہ سخت کوشش نہیں کر سکتے تاہم اُن میں رضائے الٰہی کی جستجو میں تزکیہ نفس اور اپنے کو تمام برائیوں سے پاک کرنے کی چنگاری ضرور موجود ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کا ذکر آیت مذکورہ کے ابتدائی حصے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ (اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ پابند رکھئے جو۔۔۔) میں ہوا جو اپنا کچھ وقت اولیاء اللہ کی صحبت میں گزارتے ہیں، اُن سے روحانی برقی کرنٹ اخذ کرتے ہیں اور اس طرح وہ مذکورہ آیت کی رُو سے دوسری قسم کے مقناطیس بن جاتے ہیں۔''

''آیتِ مذکورہ ۲۸ میں حق وصداقت کے اُن متلاشیوں کا ذکر ہے جو اولیاء اللہ کی ہمراہی میں رہ کر اپنے اندر رضائے الٰہی کے جوہر کو پروان چڑھاتے ہیں اور اُن کا منتہائے مقصد صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے وہ گویا رابطی طریقے سے حاصل شدہ روحانی مقناطیس ہیں۔'' ("Spiritualism and Magnetism".. Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 117)

<u>روحانی مقناطیسیت کی حیرت انگیز مثال</u> : جیسا کہ بیان ہوا کہ خاتم النبیّین علیہ الصلوٰۃ والسلام فیوضاتِ الٰہیہ کو اُس کی مخلوق میں تقسیم فرماتے ہیں اور آپ نے خود اپنے صحابہ میں تزکیہ کے ذریعے (روحانی) برقی رَوگزاری۔ نبی علیہ السلام کی قریبی صحبت اور ہمراہی کی وجہ سے وہ روحانیت کی برقی رَوگزارنے کے اعلیٰ ترین مقناطیس تھے۔ <u>مادّی وسائل کے بغیر وہ روحانی طور پر</u> حالات کا جائزہ لینے، غیر مسلمین کے خلاف جنگ کرنے کی کارروائی پر نظر رکھنے اور دُور دراز واقع میدان ہائے کارزار میں سپہ سالاروں کو احکامات صادر کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک جنگ میں لشکرِ اسلام کے سالار حضرت ساریہ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجی دستوں کو دشمن کے خلاف صف بستہ کھڑا کر دیا تھا۔ عین جنگ کے وقت دشمن نے اپنی حکمتِ عملی بدل ڈالی اور

مسلمان فوج کا محاصرہ کرلیا جس کی مسلمانوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُس وقت مدینہ منورہ میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اپنی روحانی قوت کے ذریعے اُنہوں نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا' طرفین کی دونوں جنگی جماعتوں کی حیثیت کو دیکھا اور لشکرِ اسلامی کے سالار کو ان الفاظ سے پکارا: یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلْ (اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جاؤ) (مشکوٰۃ المصابیح --خطیب التبریزی بحوالہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

''اس حکم کے صادر کرنے کے بعد آپ نے اپنا خطبہ دوبارہ دینا شروع کیا۔ ذرا غور تو کیجئے' اُن کے پاس راڈار نام کا کوئی آلہ نہ تھا اور نہ ہی ایسی دُور دراز فاصلے پر واقع کارروائی کی تکمیل کے لئے کوئی ٹیلیویژن چینل تھا۔ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں خطبہ کے دوران آپ نے سالارِ لشکر کو ہدایت جاری کی۔ یہ آپ کی روحانی مقناطیسی قوت اور آپ کی اندرونی بصیرت تھی جو ہر چیز کا معائنہ کر رہی تھی۔ سالارِ لشکر حضرت ساریہ نے خلیفۃ الرسول کا پیغام وصول کیا اور حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہاڑ کی پناہ لی۔ وہ بالآخر فتح یاب ہوئے اور دشمن کو شکستِ فاش ہوئی ("Spiritualism and Magnetism".. Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 120,121)

<u>روحانی قوّت پیدا کرنے والے مقناطیسوں کی خصوصیت</u> : پہلی قسم کے مقناطیسوں یعنی اولیاءاللہ میں ایک یقینی طریقِ کار کے ذریعے روحانی قوّت پیدا کرنے کی خداداد صلاحیت ہوتی ہے۔ ''برقی قوّت کو مشینی قوت میں منتقل کرنے سے چیزوں کی ماہیت بدل جاتی ہے اور مُردہ اجسام حرکت کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً پلاسٹک کی ایک گڑیا کو بیٹری سے چارج کرنے سے وہ حرکت کرنے لگتی ہے اور ریکارڈ شدہ کئی آوازیں نکالتی ہے۔ جب تک وہ بیٹری سَیل سے چارجنگ پاتی رہتی ہے تو وہ حرکت کرتی رہتی ہے۔ یہی حال مادّی دُنیا کا ہے کہ بیٹری سَیل کا نظام غیر جاندار چیزوں میں زندگی کی رمق ڈال کر اُنہیں حرکت میں رکھتا ہے۔ اسی مثال سے سمجھ لیجئے کہ روحانی دُنیا میں اولیائے کرام بے جان دلوں میں جان ڈال کر اُنہیں مائل بہ عمل کر دیتے ہیں۔ اولیاءاللہ کی صحبت سے مستفید ہونے والے لوگ حیاتِ حقیقی کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ایک نئی زندگی پا کر اپنے قلوب وارواح کو اُن کے فیوض وبرکات سے بھر لیتے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید کے اس واقعہ سے بھی ثابت ہے جس میں موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی باہمی ملاقات کا بیان ہوا ہے۔ خضر علیہ السلام کی جائے سکونت یعنی مجمع البحرین میں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ دان میں پکی ہوئی مچھلی زندہ ہو گئی اور چھلانگ لگا کر پانی میں کود گئی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی رہائش گاہ کی آب وہوا مُردوں کو زندہ کرنے کے بالکل موافق ومناسب تھی۔ سورۃ الکہف کی اِس آیت پر غور کیجئے:۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًاO (الکہف: ۶۱)

''جب وہ دونوں (یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اُن کا ساتھی یوشع بن نون) دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے' سو اُس مچھلی نے سرنگ بنائی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی۔'' (۱۸ : ۶۱)

اولیائے کرام اس طرح (بہ اذنِ الٰہی) مُردہ لوگوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ اُن کے ذمّے کام ہی یہی ہے کہ وہ اُنہیں اپنی جان دار اور گرم خیز روحانی بیٹری سے چارج کر کے اُنہیں نئی زندگی کی طرف لے آئیں۔

موجودہ برقی نظام اور صحبتِ اولیاء کے مابین تمثیلی مشابہت : دنیا میں موجودہ برقی نظام تمثیلی طور پر اولیاءاللہ یا صوفیائے کرام کے چینل کو خوب واضح کرتا ہے۔ اِن اولیاء سے فیوض و برکات کا حاصل کرنا آدمی کی اپنی قابلیت واہلیت پر منحصر ہے کہ ڈیم سے براہِ راست برقی رَو کا حصول مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ برقی قوت کی فراہمی کا اپنا ایک نظام ہے جس کے انحراف سے بجلی کا حصول ناممکن ہے۔ تربیلا ڈیم سے سفر کر کے بجلی پاور ہاؤسوں تک' پھر وہاں سے پاور سٹیشنوں تک اور وہاں سے سفر کر کے ٹرانسفارمروں اور پھر ہمارے گھروں تک ایک خاص مقدار میں پہنچتی ہے۔ ٹرانسفارمر سے کنکشن لینے کے بعد ہم برقی تنصیبات کی حفاظت کے لئے سٹیبلائزرز اور فیوز استعمال کرتے ہیں۔ ہم یہ حفاظتی تدابیر اس لئے اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارے گھروں میں برقی پوائنٹ اونچی وولٹیج کو سہارنے کے لئے اتنے مضبوط نہیں ہوتے۔ ایسے نظام کو 'سلسلہ چینل' کہا جاتا ہے۔''

''برقی قوت کی فراہمی کے اس نظام کی مشابہت میں ہم روحانی چینلز اور اُن کی افادیت اور فعالیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ ربُّ العزت نے کائنات کو روحانی خزانے (ڈیم) سے نوازا ہے جو زمین کی گہرائیوں سے لے کر آسمانوں کے اُس پار سے ہوتا ہوا لامکاں اور عرشِ الٰہی تک جا پہنچتا ہے۔ اِس ڈیم سے رحم وتلطف' خاص توجہ' دوستانہ وابستگی اور تمام عالم میں پھیلے ہوئے فیوض ونوازشات کی تکمیل بڑی مہارت سے منظم کئے ہوئے مختلف چینلز کے ذریعے ہوتی رہتی ہے۔ روحانی نوازشات' رحم وتلطف' دردمندی اور محبت وشفقت کا یہ سرچشمہ محمدرَّسول اللہ ﷺ کی انتہائی محترم ومعظم ذاتِ مقدّس میں ملتا ہے جن کا ثناخواں خود اُن کا خالق ومالک ہے۔ اس فیض ونوازش کو تمام مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے اولیاءاللہ کے متعدد چینل ہیں جو ترسیلِ وتقسیمِ قوت کے نظام کا سا کام کرتے ہیں۔ اولیائے کرام یہ فراہمی طالب کی استعداد واہلیت کے مطابق کرتے ہیں۔ یہ نظام تا قیامت مائل بہ عمل رہے گا۔''

''اُولیاءاللہ کے چینلز میں جاں بخش قوّت اور مضبوطی ہمارے پیارے اور ربّ العالمین کے آخری پیغمبر حضرت محمد رّسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹوٹ انگ تعلق اور ناقابلِ جدا رابطے سے پیدا ہوتی ہے۔ انتہائی جُہدِ مسلسل' غیر معمولی روحانی ریاضت اور نفس کُشی کے ذریعے اُولیاءاللہ اُس سرچشمہِ نبوی سے فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص اُس ڈیم سے براہِ راست تعلق قائم نہیں کرسکتا' اسلئے عوام الناس کو تاکیداً یہ نصیحت کی گئی کہ وہ اولیائے کرام کی صحبت کو لازم پکڑیں اور اُن کے ساتھ تعلق کو مضبوط کریں۔ صرف اِسی طریق سے وہ روحانی سربلندی اور معراج کا حصول کرسکتے ہیں۔''

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے روحانی چینلز کے اس نظام کو قائم کیا ہوا ہے۔ نورِ ہدایت کا یہ ایک سیلِ رواں ہے جو بندگانِ خدا پر الٰہی نوازشات کا فیضان کررہا ہے۔ اس روحانی چینلز کے نظام سے انکار کا مطلب معقولیت' آگہی اور اُس رزّاقِ عالم کی رزّاقیتِ عامّہ کا انکار ہے۔'' (ایضاً' صفحات ۱۲۳ تا ۱۲۵)

اولیاءاللہ کے خلاف بُغض وعداوت رکھنا اللہ تبارک وتعالیٰ سے جنگ مول لینا ہے: حدیثِ قدسی ہے جس میں رب تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ
''جس شخص نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی' میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ جیسے بجلی کا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے' ایسے ہی اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے والا حکومتِ ربانیہ کا مجرم ہے۔ ہم اللہ کے غیظ وغضب سے ڈرتے ہوئے اُس بیکس پناہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

لہٰذا اپنے اردگرد پھیلی ہوئی ابدی صداقت سے تعلق توڑتے ہوئے اور خلوت وتنہائی میں اللہ اللہ کا وِرد کرنے کی بجائے ہم کیوں نہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اولیاء اللہ کی سنگت اختیار کریں اور اس طرح اُس کے آخری پیغمبر ﷺ کی طرف سے دکھائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چل پڑیں!! قربِ الٰہی کو حاصل کرنے کا اوّل الذکر طریقہ بڑا ہی صبر آزما اور وقت طلب ہے جبکہ مؤخر الذکر طریقہ (یعنی اولیاء کی صحبت) انتہائی آسان اور جلد حاصل ہونے والا ہے۔

اولیاء اللہ کی ضرورت: روحانیت کی فنائیت کے اِس دَور میں کچھ لوگوں کو یہ سوال کرتے سنا گیا ہے کہ خلوت اور تنہائی میں ''اللہ اللہ'' کا وِرد کرنے کی بجائے اولیاء اللہ کی ہم نشینی اور مصاحبت کیوں ضروری ہے۔ اُن کے خیال کے مطابق کسی فانی انسان کو وسیلہ بنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی مسلمان کی زندگی کا ماحصل اور منتہائے مقصد ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اسلام کے تعارف کردہ روحانی نظام کا نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ ہی اُس کی کوئی تاریخی اہمیت ہے۔

جب ہم ایسے سوالات کے جوابات کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ ہمیں واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے اولیاء کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان راہ نما کے طور پر مقرر کیا ہے۔ قرآن مجید کے محوّلہ بالا الفاظ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ' (اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ پابند کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام اُس کی رضاجوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں) اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ صحیح راہ نمائی کے لئے اِن متقی اور نیک ہستیوں کو بہ طورِ واسطہ پکڑنے میں کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔ اُن سے باقاعدہ ہم نشینی' مصاحبت اور رفاقت راہِ الٰہی کا دروازہ کھول دے گی۔ اب جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر بابِ نبوّت بند ہو چکا ہے' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولیائے کرام کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کے نائب کے طور پر مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ اُس کے بندوں کی راہ نمائی کریں اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات اُن تک پہنچائیں۔

وہ مُہرِ نبوّت جسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سردارانِ قبائل اور اُس وقت کے بادشاہوں کے نام خطوط پر لگایا کرتے تھے' اِسی حقیقت کا مظہر تھی۔ اُس پر مُحَمَّد' رَسُوْل اور اَللّٰہ کے الفاظ عموداً ثبت تھے یعنی سب سے نیچے مُحَمَّد کا لفظ' اُس سے اوپر وسط میں رَسُوْل اور اَللّٰہ کا لفظ سب سے اوپر تھا اور اس طرح مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا جملہ بن جاتا تھا۔ یہ عمودی ترتیب اس بات کی مظہر تھی کہ اللہ تک رسائی کے لئے سب سے پہلے اُس کے رسول ﷺ کی دہلیز پر حاضری دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اولیاءاللہ کی ضرورت واہمیت کے بارے میں مفتی احمد یار خاں گجراتی رقم طراز ہیں :

(۱) ''اولیاءاللہ اور اُن کی کرامات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ جاوید معجزہ ہیں۔ اُن کے کمالات سے کمالِ مصطفوی کا پتہ چلتا ہے کہ جب اُس شہنشاہِ کونین کے غلاموں میں ہمہ قسم کمالات ہیں تو اُن کے منبع اور سردار کے کمالات کیسے ہوں گے!''

(۲) ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمّت کو دو قسم کے فیض دیئے: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فیوض علمائے دین سے امت تک پہنچ رہے ہیں اور باطنی فیوض اولیاءاللہ کے ذریعے سے اُمّت تک پہنچ رہے ہیں۔''

(۳) ''جیسے دل کا فیض اعضائے بدن تک رگوں کے ذریعے پہنچتا ہے کہ اگر رگیں کٹ جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی حضورِ انور کا فیض ساری امت کو اولیاءاللہ کے ذریعے پہنچتا ہے کہ اگر ولایت درمیان میں نہ رہے تو امت کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے۔''

(۴) ''بجلی کی پاور' پاور ہاؤس میں بنتی ہے اور گھروں' دکانوں اور کارخانوں میں استعمال ہوتی ہے مگر پہنچتی ہے درمیان کے کھمبوں اور تاروں کے ذریعے۔ ایمان بنتا ہے مدینہ منورہ کے پاور ہاؤس میں' لیکن ہم گنہگاروں کو درمیان کے کھمبوں اور اولیاء کی تاروں کے ذریعے سے ملتا ہے۔

(۵) ''بجلی کی روشنی قمقموں سے ملتی ہے۔ اولیائے کرام فیضانِ نبوّت کے بلب ہیں جو حضور علیہ السلام سے چمکتے ہیں اور ہم گنہگاروں کو روشنی دیتے ہیں۔ پھر جس بلب کی جتنی طاقت' ویسی ہی اُس کی روشنی۔ جیسا بلب کا رنگ' ویسی ہی اُس کی روشنی۔'' (تفسیر نعیمی ۔۔۔ مفتی احمد یار خان گجراتی' جلد ۱۱' صفحہ ۳۹۶)

نوٹ : (۱) نبوّت و رسالت کا چھن جانا ناممکن ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے۔ انبیاء اور رسول اللہ کے منتخب شدہ ہوتے ہیں اور اُس کے انتخاب میں کوئی جھول اور خامی ہو ہی نہیں سکتی۔ البتہ ولایت کا چھن جانا ممکن ہے کہ اگر ولی عمداً کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا وہ صغیرہ گناہوں کو مسلسل کرتا چلا جائے اور اپنے کیے پر تائب نہ ہو تو اُس سے ولایت چھین لی جاتی ہے۔ (۲) حقیقت میں ولی وہی ہے جو شریعتِ اسلامی کا صحیح معنوں میں پابند ہو۔ لہٰذا ولایت کی شیخیاں بکھیرنے والے اور اپنی خوش کن کذب بیانیوں سے لوگوں کو متاثر کرنے والے ولایت کے زمرہ سے خارج ہیں۔ نیز وہ لوگ بھی ولی نہیں ہو سکتے جو سچے اولیاءاللہ اور علمائے حق کی گستاخی کے مرتکب ہوں کیونکہ اُن کا یہ عمل سورہ یونس کی مذکورہ آیت ۶۳ کے خلاف ہوگا۔ (۳) منکوں' گنڈھوں یا جھاڑ پھونک اور منتروں میں اُن کی اثر پذیری اُن کی ولایت کی معقول دلیل نہیں ہو سکتی۔ (۴) اولیاءاللہ چھپی ہوئی ہستیاں ہوتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ اُن کا اور اُن سے کرامات کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رضا پر منحصر ہوتا ہے۔ (۵) نبی کے معجزہ کے برعکس ولی کا کرامت کو چھپانا فرض ہے جبکہ نبی یا رسول کے لئے معجزہ کا ظاہر کرنا فرض ہے۔

(۵۲) بنیاد پرستی (Fundamentalism)

''ویبسٹر (Webster) کی ڈکشنری کے مطابق فنڈامینٹلزم بیسویں صدی کے آغاز میں امریکہ کے پروٹسٹنٹ فرقہ کی جانب سے اُٹھائی گئی ایک تحریک کا نام ہے۔ یہ جدیدیت کے خلاف ایک ردِّعمل تھا اور اُس کا زور بائبل کے معصوم عن الخطا ہونے پر تھا' نہ صرف عقیدہ اور اخلاقیات میں بلکہ لفظ بہ لفظ تاریخی ریکارڈ میں بھی۔ اس کا زور اس عقیدے پر تھا کہ بائبل لفظ بہ لفظ کلام اللہ ہے۔ اس طرح ''فنڈامینٹلزم'' کا لفظ شروع میں عیسائیوں کے اُس طبقہ کے لئے استعمال کیا گیا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ بائبل غلطیوں سے پاک' ہو بہو اور لفظ بہ لفظ اللہ کا کلام ہے۔''

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ''فنڈامینٹلزم'' کا مطلب کسی مذہب اور بالخصوص اسلام کے قدیم اور بنیادی اصولوں کو قائم رکھنا ہے۔

آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری کے مطابق: فنڈامینٹلزم اِس عقیدے کا نام ہے کہ بائبل میں ہر چیز حق اور صحیح ہے اور اسے مذہبی فکر و عمل کی بنیاد بننا چاہئے۔

آج جب کوئی آدمی Fundamentalist کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے اُس کی مراد مسلمان ہوتا ہے جو اُس کے خیال کے مطابق دہشت گرد ہے۔

''یہ سوال کہ ''بیشتر مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہیں؟'' بحث مباحثہ کے دوران اکثر بالواسطہ یا بلاواسطہ مذہب یا دنیاوی معاملات پر کیا جاتا ہے۔ روایتی انداز کے حامل لوگ اکثر میڈیا کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ہمیشہ غلط معلومات فراہم کرتے ہیں۔ درحقیقت ایسی غلط معلومات اور جھوٹا پروپیگنڈا مسلمانوں کے خلاف اکثر تفریق اور متشدد کارروائیوں کا سبب بنتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف مہم کے حوالہ سے اکلوہاما بم بلاسٹ کو امریکی میڈیا نے مشرقِ وسطیٰ کی سازش قرار دیا اور اسے خوب اچھالا۔ مجرم کی بعد میں شناخت کی گئی تو وہ امریکی مسلح افواج کا ایک سپاہی نکلا۔''

آیئے اب اس ''بنیاد پرستی'' اور ''دہشت گردی'' کا تجزیہ کریں:۔

ڈکشنریوں میں بنیاد پرستی کی دی گئی تعریف سے قطع نظر' بنیاد پرست وہ ہوتا ہے جو کسی اصول یا نظریہ کے مبادیات کی تعمیل اور پابندی کرتا ہے۔ ایک اچھا ڈاکٹر بننے کے لئے اُسے طب کی مبادیات اور اُن کے استعمال کے طریقوں کی معلومات حاصل ہونی چاہئیں اور مریضوں پر اُن کے برموقع استعمال کی مہارت بھی ہونی چاہئے۔ بہ الفاظِ دیگر اُسے طب کے میدان میں بنیاد پرست ہونا چاہئے۔ ایک اچھا ریاضی دان ہونے کے لئے اُسے ریاضی کی

مبادیات کا علم ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کے فارمولوں کے برموقع استعمال کی مہارت بھی حاصل ہونی چاہئے۔اچھا سائنسدان ہونے کے لئے اُسے سائنس کی مبادیات کا علم ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کے اصولوں کے استعمال اور ہر قسم کے اطلاق کا بھی ماہر ہونا چاہئے۔اس طرح اُسے سائنس کے میدان میں بنیاد پرست ہونا چاہئے۔''

''تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں ہوتے: تمام بنیاد پرستوں کو ایک ہی رنگ سے نہیں رنگنا چاہئے اور تمام بنیاد پرستوں کو اچھے یا بُرے زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔کسی بنیاد پرست کی ایسی تقسیم اُس کے اُس میدان یا کار گزاری پر منحصر ہوتی ہے جس میں وہ کام کررہا ہے۔ایک بنیاد پرست ڈاکو یا چور معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے' اس لئے وہ ناپسندیدہ ہے۔اس کے برعکس ایک بنیاد پرست ڈاکٹر سماج کے لئے مفید ہے تو وہ کافی عزت کا حامل ہے۔''

''مجھے مسلمان بنیاد پرست ہونے پر فخر ہے: میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں جو بحمدہٖ تعالیٰ اسلام کے مبادیات کو جانتا بھی ہے اور اُن کی پیروی کی ہر ممکن کوشش بھی کرتا ہے۔ایک سچا اور سچا مسلمان بنیاد پرست کہلانے سے نہیں شرماتا۔مجھے بنیاد پرست مسلمان ہونے پر فخر ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اسلام کے مبادی اصول نوعِ انسانی اور تمام دنیا کے لئے مفید ہیں۔اسلام کا کوئی ایک بنیادی اصول بھی تو ایسا نہیں جو ضرر رساں ہو یا مجموعی طور پر نسلِ انسانی کے مفادات کے خلاف ہو۔'' خودنمائی' انانیت پسندی' نمود و نمائش یا غرور و تکبر کے بغیر ایک بنیاد پرست مسلمان کو بجا طور پر اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہوتا ہے۔قرآن مجید اُس کے بروں بیں (معروضیت پسند یعنی اپنی ذات سے باہر مظاہر سے رغبت رکھنے والا) اور انکساری کے کردار کو یوں بیان کرتا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدة:۳۳)

''اور اُس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔'' (۴۱ : ۳۳)

یعنی دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ ضرورت خود بھی حُسنِ عمل کی ہے بلکہ اس قید نے یہ اشارہ کر دیا کہ عالمِ بےعمل اور واعظِ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔آیت کا آخری حصہ بتا رہا ہے کہ مؤمن کو چاہئے کہ اپنی بندگی پر عاجزانہ طور پر فخر کرے اور اس میں کوئی عار نہ سمجھے۔

''یہ کہ اُس کی بات کا اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہونے کا ثبوت تین باتوں میں ہے: (۱) یہ کہ وہ تمام لوگوں کو الٰہی صداقت کی طرف بلانے میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود بیں نہیں۔(۲) اُس کا ہر عمل نیک اور صالح ہوتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی تبلیغ اور رویہ کے مابین کوئی فرق نہیں۔(۳) وہ اپنے سراپا کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسلام کا مکمل مجسمہ ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ:۴۵۰۳)

''کئی لوگوں کو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں ہیں اور وہ اسلام کی کئی تعلیمات کو غیر موزوں اور نامناسب سمجھتے

ہیں۔ یہ بات اسلام کے متعلق ناکافی اور غلط معلومات کی وجہ سے ہے۔ اگر کھلے ذہن کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت سے فرار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے مفادات سے پُر مذہب ہے۔''

''ہر مسلمان کو غیر اسلامی عناصر کے خلاف شدّت پسند ہونا چاہیئے: دہشت گرد وہ ہوتا ہے جو خوف و ہراس پھیلائے۔ ڈاکو پولیس والے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے اس طرح پولیس والا اُس ڈاکو کے لئے دہشت کا سبب ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو بُرائیوں اور چوروں' ڈاکوؤں' راہزنوں اور زانیوں جیسے غیر سماجی عناصر کے لئے دہشت گرد ہونا چاہیئے۔ جب کبھی ایسا غیر سماجی عنصر کسی مسلمان کو دیکھے تو وہ خوفزدہ ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ ''دہشت گرد'' کا لفظ بالعموم اُس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عوام میں خوف و ہراس کا سبب بنے۔ لیکن ایک سچے مسلمان کو کچھ مخصوص لوگوں کے لئے دہشت کا سبب بننا چاہیئے یعنی غیر سماجی عناصر کے لئے' لیکن اُسے عوام اور بے گناہ لوگوں کے لئے دہشت کا سبب نہیں ہونا چاہیئے۔ دراصل مسلمان کو بے گناہ لوگوں کے لئے امن و آشتی کا منبع ہونا چاہیئے۔ قرآنِ حکیم مسلمان کے کردار کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے: اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (سورۃ الفتح: ۲۹) یعنی ''وہ (مسلمان) کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (لیکن) آپس میں مہربان ہیں۔'' یعنی مومن کفار سے صفتِ جلال کے اور مومن بھائیوں سے صفتِ جمال کے جامع ہوتے ہیں۔''

اُمّتِ مسلمہ کو فی الحقیقت الٰہی نظام میں خَیْرَ اُمَّۃٍ (بہترین امت) کا لقبِ عالی دیا گیا ہے (سورہ آلِ عمران: ۱۱۰) اس شرط کے ساتھ کہ وہ برائی کو اُس کی جڑ سے مکمل طور پر اُکھیڑ دینے کے لئے مستعد اور چوکس رہیں گے۔ اپنی نظروں کے سامنے برائی ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ خاموش تماشائی نہیں رہ سکیں گے۔ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ میں اُن کے خَیْرَ اُمَّۃٍ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے:

> کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ
> ''تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (۳ : ۱۱۰)

''ایک ہی طرح کا کام کرنے والے فرد کے لئے مختلف ٹائٹل یعنی دہشت گرد اور محبِّ وطن: برطانوی راج سے آزادی ملنے سے پہلے آزادی کی خاطر لڑنے والے بھارت کے اُن سپاہیوں پر برطانوی حکومت نے دہشت گرد ہونے کا لیبل لگا دیا جنہوں نے کبھی بھی تشدّد اور دہشت گردی نہیں کی تھی۔ اب اُنہی جیسی سرگرمیوں میں مصروف اُنہی افراد کو بھارتیوں کی جانب سے سراہا جا رہا ہے اور اُنہیں ''محبِ وطن'' کا نام دے کر اُن کی پذیرائی کی جا رہی ہے۔ یعنی اُنہی افراد کو ویسی ہی سرگرمیوں کی بدولت پہلے ''دہشت گرد'' اور پھر ''محبِّ وطن'' کے دو مختلف القابات دیئے گئے۔ اُن لوگوں نے جن کے نزدیک ہندوستان پر برطانوی راج برطانیہ کا حق تھا'

آزادی کی خاطر اِن لڑنے والوں کو ''دہشت گرد'' کہا اور اُن لوگوں نے جو اِس نظریہ کے مخالف تھے' اُنہیں ''محبِّ وطن'' اور ''مجاہدینِ آزادی'' کا نام دیا۔

''لہٰذا یہ بات اہم ہے کہ کسی کے متعلق حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اُسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے جو اُس کا جائز حق بھی ہے۔ طرفین میں سے ہر فریق کا موقف اور اُن کے دلائل کھلے دل سے سنے جائیں' صورتِ حال کا تجزیہ کیا جائے' متعلق فریق کا مقصد اور اُس کی وجوہ بھی سامنے رکھی جائیں اور پھر کسی خاص نتیجے پر پہنچا جائے۔ اصل الاصول یہی ہے نہ کہ جذبات کی رَو میں بہہ کر الل ٹپ یک طرفہ ڈگری دے دی جائے۔''
("Answers to the non-Muslims' Common Questions about Islam" ... Dr. Zakir Naik, pp. 27-30)

اسلام کا معنیٰ و مفہوم ہی امن و سلامتی ہے: لفظ ''اَلسَّلام'' کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابو عبداللہ بن احمد الانصاری القرطبی بروایت حضرت قتادہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

اَلسَّلَامُ هُوَاللّٰهُ وَدَارُهُ الْجَنَّةُ وَسُمِّيَتِ الْجَنَّةُ دَارُالسَّلَامِ لِأَنَّ مَنْ دَخَلَهَا سَلِمَ مِنَ الْاٰفَاتِ

''اَلسَّلَام اللہ تعالیٰ خود ہے جس کا مسکن جنت ہے' اور جنت کو دارالسلام اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا وہ تمام آفات و مصائب سے مامون و محفوظ ہو گیا۔'' (الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر قرطبی' ج ۴' ص ۳۲۸' مطبوعہ مصر ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)

قرآن حکیم کا نازل فرمانے والا اللہ خود ''سَـــــلام'' (بہ معنی سلامتی والا اور محافظ) ہے (بحوالہ سورۃ الحشر: آیت ۲۳) جس ذاتِ مقدس پر اُس نے یہ کتاب نازل کی' وہ رَحْمَة لِّلعالَمین ہے (بحوالہ سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۷)۔ وہ رَحْمَة لِّلعالَمین جس نے بے زبان جانوروں تک کے حقوق کی پاسداری کی تاکیدی نصیحت کر دی' وہ کیسے اشرف المخلوقات یعنی حضرتِ انسان پر ظلم و تشدّد' بربریت اور دہشت گردی کی تعلیم دے سکتا ہے؟ ایں محال است و محال است وجنوں! جس رات (لیلۃُ القدر) کو وہ نازل کی گئی وہ رات امن و آشتی اور تحفظ کی نقیب (پیش خیمہ) ہے (بحوالہ سورۃُ القدر: آیت ۵)۔ تو اِن سب حقائق کے پیشِ نظر یہ بات معمولی سی عقل رکھنے والے کی سمجھ میں بھی نہیں آتی کہ اُس رحیم و کریم اللہ کی تعلیمات ظلم و تشدّد' خوں ریزی' جبر و استبداد اور دہشت گردی پر مبنی ہوں!! وہ نازل شدہ کتاب یعنی قرآن حکیم انتہائی مہربان و مشفق ذات کی طرف سے آیا ہے جو صراطِ مستقیم کو لے جانے کا ابدی ہدایت نامہ ہے جس کی جاں بخش اور روح پرور لہریں جس جگہ سے بھی گزرتی ہیں' تو نوعِ انسانی کے لئے فلاح و بہبود کی کلیاں کھل اُٹھتی ہیں اور حیاتِ انسانی کے تمام گوشے اُن موجزن لہروں کی تابندگی و درخشانی سے چمک اٹھتے ہیں۔

(۵۳) فرنیچر اور کمرے کا ساز و سامان (Furniture & Furnishings)

قرآن حکیم میں ''مَتَــــاع'' (سورہ آلِ عمران: ۱۹۷؛ سورۃ النساء: ۷۷؛ سورۃ النحل: ۸۰) اور ''اَثَــاث'' (سورۃ النحل: ۸۰) کے دو لفظ اِس فانی دنیا کے بے ثبات وجود کی بحث سے متعلق مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ دو مشہور آیتوں یعنی آیۃ الکرسی (سورۃ البقرۃ: ۲۵۵) اور آیتِ نور (سورۃ النور: ۳۵) میں بالترتیب کُرسی اور مِصباح (بمعنی لیمپ یا فانوس) کے لفظ آئے ہیں جنہیں انسان کمرے کی زینت و آرائش کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کُرسی کا لفظ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و رفعتِ شان کے اظہار کے لئے تمثیلی طور پر آیا ہے اور اس سے ہمارے ہاں کی چار ٹانگوں والی معروف کرسی ہرگز مراد نہیں۔☆

قرآن حکیم میں لفظ ''مَتَــاع'' (جمع اَمْتِــعَة) پینتیس (۳۵) بار آیا ہے جن میں سے اٹھارہ مرتبہ وہ دنیاوی لذات اور اُن کی حدود کے متعلق آیا ہے جیسے سورۃ النساء کی یہ آیت ۷۷: مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" وَالاٰخِرَةُ خَيْرٌ" لِّمَنِ اتَّقٰى (دنیا کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے اور آخرت اُس کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرے)۔

ایسے بیانات کے ذریعے قرآن مجید اپنے سامعین کے ذہنوں پر یہ تاثر ثبت کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کی لذات کو منتہائے مقصد ہرگز نہ سمجھیں بلکہ اُنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں اور اپنی تمام کوششوں کو اُخروی فلاح میں اور مقدر کے بہتر بنانے میں مرکوز کر دیں۔

قرآن مجید کے کچھ مقامات پر لفظ ''مَتاع'' عام گھریلو سامان کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے سورہ النُّور کی

☆ کرسی کے متعلق حافظ جلال الدین السیوطیؒ نے بہت سی احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر حسبِ ذیل ہے:۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو بچھا دیا جائے تب بھی وہ کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جس طرح ایک انگشتری وسیع میدان میں پڑی ہو۔ (۲) ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابو ذر! سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا چھلہ پڑا ہو اور عرش کی کرسی پر فضیلت اس طرح ہے جیسے جنگل کی فضیلت اُس انگوٹھی کے چھلے پر ہے۔ (۳) امام ابو الشیخ نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ ایران)
امام رازی کا مختار یہ ہے کہ کرسی ایک عظیم جسم ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے۔ وہ فرماتے ہیں بغیر کسی دلیل کے ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ص ۳۱۲، ۳۱۳ طبع بیروت)
علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: کرسی کا معنی ہے: جس پر کوئی شخص بیٹھے اور بیٹھنے کے بعد اُس میں جگہ نہ بچے۔ یہاں یہ کلام بطورِ تمثیل ہے ورنہ نہ کوئی کرسی ہے اور نہ کوئی بیٹھنے والا۔ اکثر متاخرین نے یہی کہا ہے تا کہ اللہ کے لئے جسم ہونا لازم نہ آئے اور حق وہی ہے جو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور جسمیت کے وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار لازم آئے گا۔ متقدمین نے کہا کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور حقیقت میں اس سے کیا مراد ہے، اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (روح المعانی، ج ۳، ص ۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ذیل کی آیت ۲۹ میں : لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ " أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ " لَّكُمْ
" تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اُن مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی
نہ رہتا ہو اور اُن میں تمہارا کچھ مال ہو۔" (۲۴ : ۲۹)

ایسی آسائشیں اور ساز و سامان (''مَتَاع'' اور ''أَثَاث'') اگر چہ چند روزہ اور عارضی ہیں' تاہم بلا شک وشبہ وہ رزّاقِ حقیقی کی جانب سے نوعِ انسان پر نعمتوں کی حیثیت کی حامل ہیں (بحوالہ سورۃ النّحل :۸۰و۸۳)

معروف ومتعارف قسم کے سامان کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے جیسے کرسی کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۵ میں اور سلیمان علیہ السلام کی کرسی کا ذکر سورہ صٓ کی آیت ۳۴ میں ہوا۔ سِرَاج (بمعنیٰ لیمپ اور فانوس) کا لفظ نبی علیہ السلام کے لئے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۶ میں آیا۔ پھر اسی طرح یہ لفظ سورۃ الفرقان کی آیت ۶۱ اور سورہ نوح کی آیت ۱۶ میں سورج کے معنیٰ میں آیا۔ مِصْبَاح کا لفظ نورِ الٰہی کے لئے سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں بہ طور استعارہ آیا۔ اجرامِ فلکی کے لئے مَصَابِيح کا لفظ سورۃ المُلك کی آیت ۵ میں استعمال ہوا۔ وسیع وعریض زمین کو بہ طور قالین بچھائے جانے کا ذکر سورہ نوح کی آیات ۱۹' ۲۰ میں ہوا تاکہ لوگ اس پر چلیں اور سفر کریں۔

دیگر گھریلو ساز و سامان میں ''مَضَاجِع'' (خواب گاہ اور بستر) کا ذکر سورہ الٓمّٓ السجدۃ کی آیت ۱۶ میں ہوا جن سے یادِ خدا میں بندگانِ خدا کے پہلو جُدا رہتے ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں ''مَضَاجِع'' کا لفظ اُن بستروں کے حوالے سے آیا ہے جن میں نافرمان بیویوں کو اپنے خاوندوں کی نافرمانی کی سزا کے طور پر علیحدہ سونے پر پابند کیا گیا ہے۔ مائدہ (دسترخوان) کا ذکر سورۃ المائدۃ کی آیات ۱۱۲' ۱۱۴ میں آیا۔ پنگوڑے (مَهْد) کا ذکر جس میں شیر خوار عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی' سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۶ ' سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۱۰ اور سورہ مریم کی آیت ۲۹ میں ہوا۔ خواتین کے پردے (حِجَاب) کا ذکر سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں ہے۔ اُس آڑ (حِجَاب) کا ذکر جو جنت اور جہنم کے درمیان حائل ہے' سورۃ الاعراف کی آیت ۴۶ میں ہے اور جو پیغمبر ﷺ اور اُن کے دشمن سامعین کے درمیان ہے' کا ذکر سورہ فُصِّلَتْ کی آیت ۵ میں اور جو (ظاہری) حجاب اللہ اور پیغمبر علیہ السلام کے مابین ہے' اُس کا ذکر سورۃ الشُّوریٰ کی آیت ۵۱ میں ہے۔

تاہم مذکورہ اشیاء کا ذکر بعد الموت اور احوالِ حشر ونشر میں بھی ہوا ہے۔ مثلاً قبر آرام کا بستر (مَرْقَد) ہے جہاں سے مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (سورہ یٰسٓ :۵۲)۔ مردود اور ملعون لوگ انتہائی بُرے اور رنج والم کے بستر (مِهَاد) کو لے جائے جائیں گے (سورہ آلِ عمران :۱۲' ۱۹۷ ؛ سورۃ الاعراف :۴۱) جبکہ انعام یافتہ متقی لوگ گاؤ تکیوں پر ٹیک لگائے ہوئے مزے میں ہوں گے (عَبْقَرِي :سورہ الرحمٰن :۷۶ ؛ زَرَابِي :سورۃ الغاشیۃ : ۱۶)' اُن کے لئے پُرآسائش صوفے (سُرُر :سورۃ الحِجر :۴۷؛ سورۃ الواقعۃ :۱۵ ؛ سورۃ الغاشیۃ :۱۳ آرام دہ تکیے (أَرَائِك :سورۃ الکہف :۳۱ ؛ سورۃ الدھر :۱۳)' ریشمی صوفے (رَفْرَف :سورہ الرَّحمٰن :۷۶ ؛ نَمَارِق : سورۃ الغاشیۃ : ۱۵) اور بستر (فُرُش :سورہ الرحمٰن :۵۴ ؛ سورۃ الواقعۃ : ۳۴) ہوں گے۔ ہمیشہ جوان رہنے والے نوخیز لڑکے جن کی تر و تازگی' لطافت ورعنائی لافانی اور ابدالآباد تک رہے گی (سورۃ الواقعۃ :۱۷) اور حسین وجمیل

حوران ☆ جنّت جو اللہ کے مخلص اور وفادار بندوں کے نکاح میں دی جائیں گی' جنتی طعام جو سنہرے پیالوں (صِحاف: سورۃ الزُّخرُف: ۷۱) میں پیش ہوگا' اُنہیں جنتی آبخوروں (اَکْواب: سورۃ الزُّخرُف: ۷۱ ؛ سورۃ الغاشِیۃ: ۱۴)' چاندی کے برتنوں (آنِیَۃٍ مِّنْ فِضَّۃٍ: سورۃ الدھر: ۱۵)' شرابِ طہور کے پیالوں (کَأس: سورۃ الواقعۃ: ۱۸) اور دیگر پینے کے پیالوں (اَباریق : سورۃ الواقعۃ : ۱۸ ؛ قواریر: سورۃ الدھر: ۱۶) میں مشروباتِ جنت پیش کئے جائیں گے۔

''مُصحفِ قرآن کو تعلیمی مقاصد کی تقویت اور برکاتِ الٰہیہ کے حصول کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے تاکہ شرٗ بدی اور بدنصیبی سے محفوظ رہا جائے نیز وہ زیب و زینت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور ہی سے اسے نمایاں طور پر مسجدوں کی دیواروں پر لکھا جاتا رہا ہے' وہاں وہ قاری کی تلاوت کے لئے رِحلوں پر بھی رکھا جاتا ہے۔ اسلامی پرائمری سکولوں (مکاتب) میں بھی قرآن مجید عمومی آرائش کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں طباعت کدوں (پرنٹنگ پریسوں) کے وجود میں آنے سے مسلمان عام طور پر مصحف خرید کر لے جاتے ہیں اور اُنہیں اپنے گھروں' کارخانوں' تجارت گاہوں' موٹر کاروں اور نقل و حمل کی گاڑیوں میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ تلاوت کے لئے اور برکت کے لئے رکھتے ہیں۔''

''مسلمانوں کی ملکیہ صنعتوں میں تیار کردہ مصنوعات پر تحریروں کا پتہ چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی سے ملتا ہے لیکن اِن اشیاء پر قرآنی آیات کا لکھا جانا بالخصوص ممتاز طبقے میں بارھویں صدی عیسوی کے آخر تک واضح نہیں ہے۔ اس کے بعد کے زمانوں میں ہمیں بڑی مہارت سے تیار شدہ قرآنی ڈبے ملتے ہیں جن کے اندر آیت الکرسی' اللہ اور قرآن سے متعلق آیات (سورہ آلِ عمران کی آیات ۱۸' ۱۹)' اللہ کی قدرتِ کاملہ سے متعلق آیات (سورہ آلِ عمران: آیات ۲۶' ۲۷)' عظمتِ قرآن سے متعلق آیات (سورۃ الواقعۃ: آیات ۷۷ تا ۸۰)' اللہ کے اسمائے حُسنیٰ (سورۃ الحشر: آیات ۲۳' ۲۴) اور لٹکتی ہوئی قندیلوں اور فانوسوں پر سورۃ النور کی آیتِ نور ۳۵: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) کندہ شدہ ملتی ہیں۔ قلم کے ڈبوں' سیرامک پلیٹوں' پیالوں' ٹائیلوں اور پارچوں پر بھی قرآنی آیات تحریر شدہ ملتی ہیں جس طرح ایرانی اور ترکی کی بعض جائے نمازوں پر دسویں صدی ہجری / سولھویں صدی عیسوی میں قرآنی تحریریں ملتی ہیں۔ اِن دنوں مسلمان رواجی طور پر بڑی ماہرانہ کاریگری سے تیار شدہ قرآنی آیات کے فریم' پوسٹر' کیلنڈر اور دوسری اشیاء جن پر قرآنی آیات تحریر ہوتی ہیں' گھروں' مدرسوں' مسجدوں' خانقاہوں اور مقبروں میں سجانے کے لئے خرید کر لے جاتے ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' جلد دوم' صفحات ۲۷۵' ۲۷۶ : بوسٹن ۲۰۰۲ ۔۔ مضمون نگار: Juan Eduardo Campo)

☆ عربی زبان میں حَورَ یَحْوَرُ کا معنی آنکھ کے سفید حصے کا بہت زیادہ سفید ہونا اور سیاہ حصے کا بہت زیادہ سیاہ ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی آنکھ حسین و جمیل ہوتی ہے۔ اسی سے لفظ حُور ہے۔ گویا کہ جسم کے جزء (یعنی آنکھ کی خوبصورتی) کو کُل پر محمول کر کے انتہائی خوبصورت عورت کو حُور کا نام دیا گیا جو جنتی مخلوق ہیں اور حسن و جمال میں ایسی بے مثل ہیں کہ از روئے حدیث اگر ایک حور اپنے دوپٹے کے آنچل کو آسمانِ دنیا پر لہرا دے تو شمس و قمر بے نور ہو جائیں۔

(۵۴) علم الانساب (GENEALOGY)

''آباءواجداد کا شجرۂ نسب یا اُن کی فہرست یا اُن کے خاندان کی تاریخ کا ریکارڈ ''نسب نامہ'' کہلاتا ہے۔Genealogy یونانی لفظ ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا بری ٹینیکا' جلد دہم' صفحہ ۱۰۱) یو ایس اے ۱۹۵۴ء۔

''علم الانساب ابتداءاً ایک ذہنی ضابطہ ہے جو خاندانوں کی تواریخ کو محفوظ کرنے اور اُنہیں ایک بامقصد اور باقاعدہ نظم وترتیب میں رکھنے سے متعلق ہے۔علم الانساب کا موضوع آباءواجداد کی فہرست کی فراہمی سے کہیں ماوراء ہے۔یہ اُن قوتوں اور پیدائشی ذرائع کی شناخت اور امتیاز کرتا ہے جو تمام کائناتی حیات کی تشکیل اور تحدید کرتے ہیں۔''

''علم الانساب کے ضابطے کا روزمرّہ زندگی میں بڑا ہی اثر ہے کیونکہ یہ اخلاقیات اور نظم وترتیب کے اُن اصولوں کا منبع اور سرچشمہ ہے جو نسلِ انسانی کے سلسلہ نسب کو قبیلوں' میراثوں اور اس طرح کے دوسرے گروہوں سے منسلک کرتے ہیں۔'' (دی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین' جلد پنجم' صفحہ ۵۰۲)

<u>علم الانساب کی اہمیت از روئے قرآن حکیم</u> : اسلام میں علم الانساب کی اہمیت اس حقیقت سے واضح ہے کہ قرآن مجید اپنے پیروکاروں کو تاکیدی نصیحت کرتا ہے کہ وہ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے حقیقی والدوں کے نام سے پکاریں' نہ کہ اُن کے ناموں سے جنہوں نے اُنہیں متبنّٰی بنایا ہے۔آیات ملاحظہ ہوں:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ O اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِ هِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ (الاحزاب : ۴' ۵)

''اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی وصُلبی) بیٹا نہیں بنایا' یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔اُنہیں اُن کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی راستی کی بات ہے' اور اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے تو بھائی اور دوست ہیں۔'' (۴' ۵ : ۳۳)

''ہر جاہلی قوم کی طرح عرب جاہلی بھی طرح طرح کی وہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔یہاں اُن کی خانگی زندگی سے متعلق دو (۲) رِیت رسموں کا ذکر ہے: ایک تو یہ کہ وہ منہ بولے لڑکے (متبنّٰی) کو اپنے حقیقی یا صُلبی فرزند کی طرح سمجھنے لگتے اور اُس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح میں اُن کے ہاں ایسی بدنامی ہوتی جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے میں۔اسلام نے اس رسم پر ضربِ کاری لگائی اور بتایا کہ متبنّٰی کی بیوی کو صُلبی بیٹے کی بیوی پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں اور نہ اُس سے نکاح کرنا موجب طعن ہے۔دوسرا رواج ''ظہار'' کا تھا جس کی تفصیل جلد دوم کے

صفحات ۹۳۸، ۹۳۹ پر موجود ہے۔ ''چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد شدہ غلام جنہیں اب تک عرب رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت و مرحمت دیکھ کر زید بن محمد کہتے تھے، اب زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ کے جملے میں یہ بتا دیا کہ وہ تمہارے بھائی دینی اعتبار سے ہوں گے، نسبی لحاظ سے نہیں کہ میراث وغیرہ جاری ہو سکے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا کہ کسی سے بھائی کا رشتہ لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن باپ کا رشتہ لینے میں تا وقتیکہ نسب ہی مقصود نہ ہو، مضائقہ ہے۔ (تفسیر ماجدی اُردو، صفحہ ۸۴۰، نوٹ : ۷ تا ۹)

''خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے پر وعید: (۱) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اُسے علم تھا کہ وہ اُس کا باپ نہیں ہے، تو اُس پر جنت حرام ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۷۶۶ : صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۲؛ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۱۱۳ ؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۶۱۰ ؛ مسند احمد، رقم الحدیث : ۱۵۹۷ ؛ المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۱۹۹ ؛ سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۵۳۳)

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے باپوں سے اِعراض نہ کرو، تو جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو یہ کفر ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۷۶۸ ؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۳)

(۳) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا، اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کا نہ کوئی فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۷۰ ؛ سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۲۰ ؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۷۱۲ ؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۸۱ ؛ سنن دارقطنی، ج ۳، ص ۴۱ ؛ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۵۳۷ ؛ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۹۸ ؛ کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۲۹۱۶ بحوالہ ''تبیان القرآن''۔ علامہ غلام رسول سعیدی، ج ۹، ص ۳۷۹)

ابراہیم علیہ السلام کا مختصر نسب نامہ: (بہ مطابق Genesis، باب : ۴، ۵، ۱۱، ۲۱، ۲۵)

	تخلیقِ آدم کے بعد تاریخِ پیدائش	عرصۂ حیات	تخلیقِ آدم کے بعد تاریخِ وفات
آدم علیہ السلام		۹۳۰	۹۳۰
شیث علیہ السلام	۱۳۰	۹۱۲	۱۰۴۲
کنعان	۳۲۵	۹۱۰	۱۲۳۵
لامخ	۸۷۴	۷۷۷	۱۶۵۱
نوح علیہ السلام	۱۰۵۶	۹۵۰	۲۰۰۶
سام بن نوح علیہ السلام	۱۵۵۶	۶۰۰	۲۱۵۶
ابراہیم علیہ السلام	۱۹۴۸	۱۷۵	۲۱۲۳

("The Bible, the Qur'an and Science" .. Maurice Bucaille, pp. 30, 31)

قرآنِ حکیم میں بعض پیغمبروں کے سلسلہ نسب کے واضح اشارات موجود ہیں مثلاً یہ آیات :

(۱) وَوَصّٰی بِهَا اِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَآئِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحَاقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (البقرة : ۱۳۲، ۱۳۳)

"اور ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اسی (توحید) کی وصیت کر گئے اور اسی طرح یعقوب بھی اپنے بیٹوں کو کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے' سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت سوائے مسلم کے کچھ اور ہو۔ بھلا اُس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوب کا وقتِ آخر آیا اور اُس وقت اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ وہ بولے: ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم' اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی (اُس) معبودِ واحد کی عبادت کریں گے اور ہم تو اُس کے حکم بردار ہیں۔" (۲:۱۳۳'۱۳۲)

(۲) وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (الانعام : ۸۴)

"اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہم زمانہ قبل میں ہدایت دے چکے تھے اور اُن کی نسل میں سے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ اور ہارون کو بھی (۸۴ : ۶)

اسحاق علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو حضرت سارہؓ کے بطنِ پاک سے ہیں (۲۰۶۰ تا ۱۸۸۰ ق م)۔ ''ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے'' ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر۔ یعقوب علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں (۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۰ ق م)۔ اُن کا دوسرا نام اسرائیل تھا اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ نوح بن لمک' ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں۔ توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے' اُس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نوح علیہ السلام کی گیارھویں پشت میں ہیں۔ آپ کا زمانہ قیاسی طور پر ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۹۸ ق م سمجھا گیا ہے۔ داؤد علیہ السلام نبی برحق اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ تھے (م ۹۶۲ ق م)۔ سلیمان بن داؤد علیہ السلام طبقہ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ ہیں (م ۹۳۲ ق م)۔ ایوب علیہ السلام کا شمار پیمبرانِ عرب میں ہے۔ مسکن شمالی عرب میں علاقہ فلسطین کی مشرقی سرحد تھا۔ اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان ہوئی ہے۔ یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی پیدائش ملکِ کنعان فلسطین میں ہوئی۔ بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے (۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ ق م)۔ موسیٰ بن عمران علیہ السلام' صاحبِ تورات' اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ہیں (۱۵۴۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م)۔

ہارون بن عمران، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی عمر میں تین سال بڑے تھے۔ ان سب میں مشترک چیز یہ ہے کہ نبوّت کے ساتھ ساتھ دولت، حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہتِ دُنیوی سے بھی مشرّف تھے۔ (ماجدی اردو، صفحہ ۲۹۹، نوٹ: ۱۲۴، ۱۲۵)

(۳) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا O (الفرقان: ۵۴)
''وہ وہی تو ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اُسے خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا۔'' (۲۵:۵۴)

کہ کیسی بہ ظاہر بے حقیقت چیز سے کتنے عظیم الشان اور دُور دراز کے تعلقات قائم کر دئے۔ کہاں وہ قطرۂ آب اور کہاں یہ حسین وجمیل سراپا۔ یہ تبدیلی اور یہ تدریجی ارتقاء کس کی حکمتِ کاملہ کی شہادت دے رہا ہے؟ ذرا مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ہی صنف (مرد یا عورت) پیدا نہیں کی بلکہ دونوں کو پیدا فرمایا۔ دونوں کے ظاہری اعضاء میں واضح فرق ہے، اُن کے ذہنی رجحانات اور قلبی احساسات وجذبات میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن اس بیّن تفاوت کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے لئے جزوِ لاینفک ہیں۔ مرد اپنی تمام تر قوّتوں کے باوجود نامکمل ہے اور عورت اپنی تمام تر لطافتوں کے باوجود ادھوری ہے۔ دونوں مل کر ایک مکمل وحدت بنتے ہیں۔ یہ وحدت بانجھ نہیں بلکہ کثیر التعداد وحدتوں کا سرچشمہ ہے۔ اُن کے ہاں بچیاں بھی ہوں گی اور بچے بھی۔ کسی کے یہ سسرال بنیں گے اور کوئی ان کے بچوں کے سسرال ہوں گے۔ باہمی رشتے ہوں گے، قرابتیں بڑھیں گی اور اس طرح ایک انسانی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان پر ہی رکھی ہے اور سسرال کو بھی خاندان کا ایک جزو ٹھہرایا ہے۔ عقدِ نکاح کی پوری اہمیت جبھی ذہن نشین ہوگی جب پہلے اجتماعی زندگی میں خاندان کی اہمیت ذہن نشین کر لی جائے۔ اوپر خط کشیدہ جملہ علم الانساب اور اس کے ارتقاء کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے۔

(۴) وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ O (صٓ: ۳۰)
''اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، وہ کیا ہی خوب بندہ تھا اور بہت رجوع (الی اللہ) کرنے والا تھا۔'' (۳۸:۳۰)

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ: ''ابوالقاسم محمد (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبۃ الحمد) بن ہاشم (عَمرو) بن عبدمناف (=المُغیرۃ) بن قُصَیّ (زید) بن کلاب بن مُرّۃ بن کعب بن لُؤَیّ بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن النَّضر (قیس) بن کنانہ بن خُزیمہ بن مُدرِکۃ (عامر) بن اِلیاس بن مُضَر بن نزار بن معد بن عدنان [مُدرکۃ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ جَمْهَرۃُ أنساب العرب لابن حزم، ص ۱۰ پر اُسے عامر لکھا گیا ہے مگر ابن سعد کی طبقات ۱: ۵۵، البلاذری کی أنسابُ الاشراف ۱: ۳۵ اور ابن کثیر کی اَلسِّیرۃُ النَّبویّۃ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء میں عمرو نقل کیا گیا ہے۔''

''اس حد تک تو نسب خود رسولِ اکرم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مروی ہے اور اس سے اوپر کے
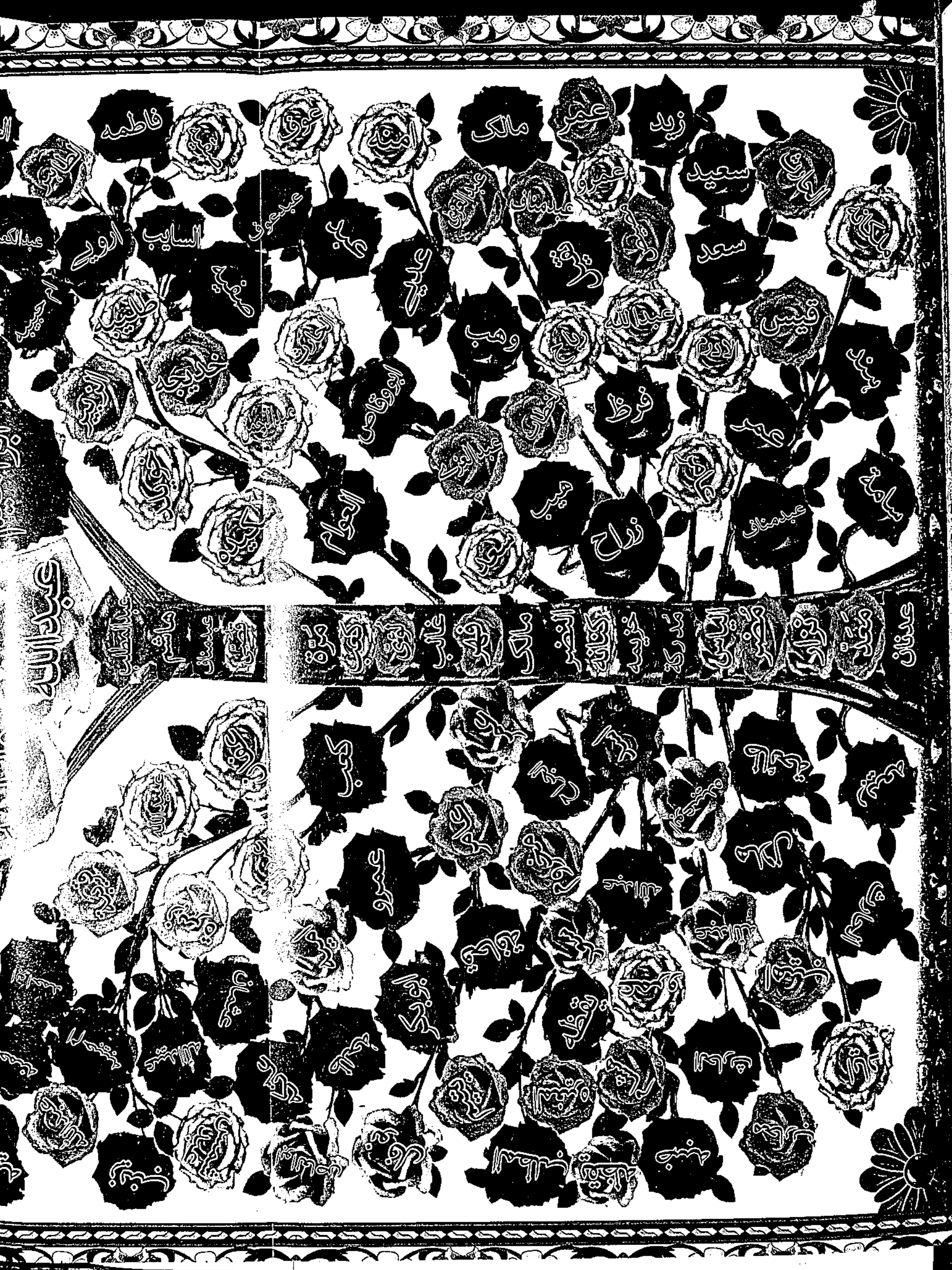
فاطمہ
عوف
مالک
عمر
زید
سعید
السایب
اروی
عبدعوف
عباد
عبد مناف
سعد
صفیہ
خدیجہ
وہب
قیس
ابو وقاص
فرظ
عمر
ہبیر
زراح
عبد مناف
العوام
عبداللہ
مالک
النضر
کنانہ
خزیمہ
مدرکہ
عدنان
ہاشم
عبدالمطلب
کعب
عمرو

متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ یعنی نسب بتانے والے جھوٹے ہیں (اَلرَّوض الانف: السہیلی ۱ : ۱۱ ؛ طبقات ابن سعد ۱ : ۵۶)

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نسب کے سلسلے میں عدنان تک تو سب متفق ہیں لیکن اس سے اوپر اسمٰعیل علیہ السلام تک ماہرینِ انساب میں اختلاف ہے کہ کتنی پشتیں ہیں۔اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ بعض نسّاب نسبت کے وقت اوپر کے صرف نامور اور مشہور آباء واَجداد کا ذکر کر دیتے ہیں اور کم مشہور افراد کو درمیان سے حذف کر دیتے ہیں۔اس کی مثالیں کتب اَسماء الرجال میں بھی موجود ہیں چنانچہ جن لوگوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اجداد کا استقصا کیا' اُن کے ہاں اُن کی تعداد زیادہ ہے اور جن حضرات نے صرف نامور اور جیّد آباء واَجداد شمار کیئے' اُن کے نزدیک تعداد کم ہوگئی۔ ماہرینِ اَنساب کا اس پر اتفاق ہے کہ عدنان کا نسب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک صحیح ہے' البتہ درمیان کے آباء واجداد کی تعداد میں اختلاف ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا زمانہ بہت بعید ہے اور اتنے دُور تک کے سلسلۂ نسب میں اَسماء کی تعداد میں اختلاف رونما ہو جانا کوئی بعید نہیں۔''

''یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سلسلہ نسب کی ایک ایک کڑی جس سے آپ کا سلسلہ پیدائش مربوط ہے' نجابت وشرافت اور عزت ونیک نامی کا پیکر تھی۔آپ کے سب آباء و اجداد اور اُمّہات یعنی والدہ ماجدہ' نانیاں اور دادیاں نہایت پاکدامن' نیک اور باوقار خواتین تھیں۔آپ کے تمام بزرگ شرعی نکاح سے پیدا ہوئے تھے۔آپ کے سارے خاندان میں کبھی کوئی شخص زنا اور بدکاری کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔آپ کا سارا سلسلہ نسب محترم اور نامور بزرگوں پر مشتمل ہے۔وہ سب کے سب سردار اور قائد تھے اور شرافتِ نسبی آپ کی امتیازی خصوصیت ہے۔آپ کے حسب ونسب اور خاندان کی شرافت وعظمت کی شہادت ابوسفیان جیسے مخالف نے بھی سرِ عام ہرقل کے دربارِ شاہی میں دی تھی (بحوالہ صحیح البخاری ۱: ۷ تا ۸)۔آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔'' (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' زیرِ اہتمام: دانش گاہ پنجاب لاہور' جلد ۱۹' صفحات ۳' ۴ مطبوعہ لاہور ۲۰۰۸ء)

<u>انسانی نسلوں کی فنا وبقا:</u> قرآن مجید میں لفظ ''قَرن'' (جمع قُرُوْن) تقریباً پچیس مرتبہ اُن قوموں کے لئے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنے باغیانہ رویّے اور اُس کی نافرمانی کے نتیجہ میں صفحۂ ہستی سے نابود کر دیۓ گئے (سورۃ الانعام: ۶ ؛ یونُس : ۱۳ ؛ ھُود : ۱۱۶ ؛ الاسراء : ۱۷ ؛ مریم : ۷۴ ؛ المؤمنون: ۳۱؛ صٓ :۳ ؛ قٓ : ۳۶)۔''قَــرن'' ہی کا لفظ اُن لوگوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جو تباہ شدہ نسلوں کے جانشیں ہوۓ (مثلاً ذیل میں سورۃ الانعام کی آیت ۶ کا اختتامی لفظ)۔اِن تباہ شدہ لوگوں کا حوالہ اُن کی بدعملیوں کی بدولت بطورِ مثال دیا گیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے بطورِ تنبیہ بھی کہ وہ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے اُن کے مذموم طریقوں کو نہ اپنائیں۔اِن تباہ شدہ نسلوں کا ذکر بالعموم اُن کے معاصر پیغمبروں کے تعارف کے ساتھ ہوا ہے جیسے نوح' لُوط' ھود علیہم السلام کا ذکر قومِ عاد کے ساتھ' شعیب علیہ السلام کا اہلِ مدین کے ساتھ اور صالح علیہ السلام کا ذکر قومِ ثمود کے ساتھ ہوا ہے۔اُن کے

وجود کے نشانات، خواہ وہ انسانی حافظے میں محفوظ ہوں یا آثاریات میں، اپنے اندر نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بدنتیجہ کی وعید اور تنبیہ لئے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں نسلوں کی قسموں کی تقسیم قرآنی استدلال کے طول طویل میدان کا ایک جزء ہے کہ تمام تاریخ اقوام بنی نوعِ انسان کے لئے ایک عبرت اور سبق کا سامان رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات ونشانیوں کا ایک جزوِ قلیل ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام کی یہ آیت :

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْھِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْھٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِھِمْ قَرْنًا آخَرِیْنَ O (الانعام : ۶)

''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم اُن سے قبل کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جنہیں ہم نے روئے زمین میں وہ قوّت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں۔ پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے باعث ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔'' (۶ : ۶)

اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اُس کی ظاہری خوشحالی اور مادّی فارغ البالی اُسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی اور غضبِ الٰہی کے مقابل اُن کی مرفہ الحالی اُن کے ذرّہ بھر بھی کام نہیں آتی (سورۃ الدُّخان : آیات ۲۵ تا ۲۹)۔ یہ ضروری نہیں کہ وسیلہ نجات کے امکان کے بغیر تمام سرکشوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے حضرت یونُس علیہ السلام جن کا لقب ''ذوالنُّون'' ہے، کی قوم کا قصہ بیان کیا ہے جو توبہ اور تلافیٔ مافات کی بدولت ہلاکت سے بچ گئے (سورہ یونس : ۹۸)۔ نوح علیہ السلام کے واقعہ میں اُن خوش نصیب لوگوں کی تعداد ستّر (۷۰) ہے جو اُس مہیب سیلاب سے بچ گئے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن، جلد دوم، صفحات ۲۹۲، ۲۹۳)۔

<u>حسب ونسب کی حفاظت</u> : بچہ اپنے باپ کا توسیعی اضافہ اور اُس کی عادات وخصائل کا مظہر ہوتا ہے۔ باپ کی زندگی میں وہ اُس کا نورِ نظر اور اُس کی وفات کے بعد وہ اُس کے وجود کے تسلسل کا نمائندہ اور اُس کے لافانی ہونے کی تصویر ہوتا ہے۔ اُسے اپنے باپ کے خدّ وخال، قد وقامت اور اچھی بُری، حسین وجمیل یا بھدّی دماغی خصوصیات ورثے میں ملتی ہیں۔ بچہ اپنے باپ کے دل کا ٹکڑا اور اُس کا گوشۂ جگر ہوتا ہے۔

''اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے نکاح وازدواج کا حکم دیا ہے اور زنا سے روکا ہے تاکہ بغیر کسی ابہام اور شک کے پدریّت کو قائم رکھا جائے اور یہ کہ بچے کو اپنے باپ کی طرف اور باپ کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ نکاح کے ذریعے عورت صرف ایک مرد کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے اور اُس کے لئے خاوند کی بے وفا ہونا یا

کسی اور سے تعلق قائم کرنا بالکل حرام ہے۔ اس طرح رشتۂ اِزدواج میں منسلک ہوتے ہوئے وہ جو بھی بچہ جنے گی، وہ اُس کے خاوند کا بچہ ہوگا اور اس کے لئے عوامی اعلان کی ضرورت نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
''بچہ اُسی مرد کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''<u>پدریت سے اُنکار کرنے کی مذمت</u>: جب تک میاں بیوی رشتۂ نکاح میں باہم منسلک ہیں تو خاوند کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جو بچہ اُس کی بیوی نے جنا ہے، اُس کے باپ ہونے سے انکار کرے۔ ایسا انکار بیوی اور بچے دونوں کے لئے بدترین بدنامی کا موجب بنے گا۔ اس لئے اُسے محض شک یا جذبات یا کسی افواہ کی بنیاد پر ایسا قدم اٹھانے کی اجازت نہیں۔ تاہم اگر کسی ایسے ثبوت کی بنیاد پر جس سے وہ اپنی بیوی کی بے وفائی کا قائل ہو جائے، شریعتِ اسلامی نے اُسے اُس بچے کے اپنانے یا اپنا وارث بنانے پر مجبور نہیں کیا جس کے متعلق اُسے یقین ہو چکا ہے کہ وہ اُس کا بچہ نہیں ہے کہ کہیں وہ تمام زندگی شک اور تردّد میں گُھٹتا نہ رہے۔''

''تعطّل کی اِس صورت سے باہر نکلنے کا راستہ اسلامی فقہ میں ''لعان'' کہلاتا ہے جسے شریعتِ اسلامی نے مقرر کیا ہے۔ اگر آدمی اس بات کا قائل ہو گیا ہے یا اُسے پختہ یقین ہے کہ اُس کی بیوی کے کسی اور آدمی سے جنسی تعلقات ہیں تو وہ مقدمہ کو مسلمان قاضی (جج) کے پاس لے جا سکتا ہے۔ قاضی اُس آدمی اور اُس کی بیوی کو کہے گا کہ وہ سورۃ النّور میں بیان کردہ طریقے کے مطابق بیان حلفی میں ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت بھیجیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (اَلنُّور: ٦ تا ٩)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور اُن کے پاس سوائے اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو اُن کی گواہی یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اور عورت سے سزا اِس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے۔'' (٦ تا ٩: ٢٤)

''اس کے بعد قاضی اُن کے درمیان تفریق کرا دے گا اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گا جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کو سچا ماننے والا نہ ہو جائے۔'' (تفسیر ماجدی اُردو، ص ۷۱۲، نوٹ: ۱۴)

''<u>قانونی تبنّیت کی ممانعت</u>: جس طرح مرد کے لئے اُس بچے کا باپ ہونے سے انکار کرنا حرام ہے جو اُس کی منکوحہ بیوی نے (اُس سے) جنا ہے، اُسی طرح اُس کے لئے اُس بچے کو قانونی طور پر متبنّٰی بنانا بھی حرام

ہے جس کا وہ حقیقی باپ نہیں ہے۔ جاہلی زمانہ کے عرب دوسرے معاشروں کی طرح ہر اُس بچے کو جسے وہ چاہتے' متبنیٰ بنا لیتے تھے۔ وہ اس کا عوام میں اعلان کرتے اور بچہ حقیقی بیٹے کی طرح اُس کا بیٹا بن جاتا۔ بچہ اپنے منہ بولے باپ کے نام سے پکارا جاتا اور اس طرح وہ پورے (غیر) خاندان کی ذمہ داریوں اور حقوق میں شریک ہو جاتا۔ تبنّیت کا یہ طریقہ اس حقیقت کے باوجود باا ثر تھا کہ متبنیٰ لڑکے کا والد بھی اور اُس کا سلسلۂ نسب بھی معلوم ہوتا تھا۔''

''طلوعِ اسلام کے وقت تبنّیت کا یہ طریقہ عرب معاشرے میں عام تھا۔ بعثت سے پہلے حضور ﷺ نے خود زید بن حارثہ کو جنہیں اُن کے بچپن میں اُن کے قبیلے پر حملے کے دوران جو زمانہ جاہلیت میں روزمرّہ کا معمول بن گئے تھے' قیدی بنا لیا گیا تھا۔ حکیم بن حزام نے اُنہیں اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لئے خرید لیا اور نبیِ اکرم سے شادی کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا نے زید کو آپ ﷺ کی تحویل میں دے دیا۔ جب حضرت زید کے والد اور چچا کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نبی ﷺ کے پاس زید کی واپسی کا مطالبہ لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے زید کو اختیار دیا تو زید نے اپنے والد اور چچا کی بجائے حضور ﷺ کے ہاں رہنے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے زید کو آزاد کر دیا اور لوگوں کی موجودگی میں اُنہیں اپنا متبنّٰی بنا لیا جس کے بعد زید کو ''زید بن محمد'' کہا جانے لگا۔ آزاد شدہ غلاموں میں وہ اسلام قبول کرنے والے پہلے آدمی ہیں۔''

''تبنّیت کا ایسا نظام بجا طور پر اسلام کے فطری نظام اور حق و صداقت کی تکذیب تھی۔ ایک اجنبی کو خاندان میں اُس کے فرد کی حیثیت سے شامل کرنا اور گھر کی مستورات کے ساتھ اُس کا خلط ملط حقیقی بیٹے کی طرح بے تکلفانہ اور بے حجابانہ ہوتا۔ یہ قبیح رسم طرح طرح کی حق تلفیوں اور اخلاقی قباحتوں کا سبب بن کر رہ گئی تھی۔ متوفی کے حقیقی وارث جدّی جائیداد سے محروم ہو جاتے اور ایک اجنبی لے پالک سب کچھ ہڑپ کر جاتا۔ ایسی صورتِ حال حقیقی رشتہ داروں کے غیظ و غضب کو اُس بیچ میں گھس آنے والے کے خلاف بھڑکاتی تھی جو اُن پر غاصبانہ حملہ کر کے اُنہیں اپنے جائز حقوق سے محرومی کا سبب بن جاتا تھا اور اُنہیں پورا ورثہ نہیں مل پاتا تھا۔ ایسی صورتِ حال سے جھگڑے پیدا ہوتے اور رشتہ داریاں کٹ جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے اس جاہلی رسم کو منسوخ کر دیا اور اس کی کلی طور پر ممانعت کر کے اس کے تمام بدنتائج کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَ كُمْ أَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ أُدْعُوهُمْ لِآبَآءِ هِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوٓا آبَآءَ هُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيكُمْ (الاحزاب: ۴' ۵)

''اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی و صُلبی) بیٹا نہیں بنایا' یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اُنہیں اُن کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی راستی کی بات ہے' اور اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے تو بھائی اور دوست ہیں۔'' (۴' ۵ : ۳۳)

آیئے ذرا قرآن کے اِن الفاظ پر غور کریں: ''اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا نہیں

بنایا' یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تبنیت کا اعلان ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جن کی کوئی معروضی حقیقت نہیں ہے۔ محض اعلان حقیقتوں کو تبدیل نہیں کیا کرتا یا ایک اجنبی کو رشتہ دار یا ایک منہ بولے فرد کو بیٹا نہیں بنا دیا کرتا۔ محض زبانی اظہار یا زبان سے نکلے ہوئے کلمات آدمی کے خون کو متبنّٰی کی رگوں میں نہیں دوڑا سکتے۔ نہ تو پدری شفقت ومحبت کے احساسات منہ بولے باپ میں اور نہ ہی فرزندانہ جذبات منہ بولے بیٹے میں پیدا ہوسکتے ہیں اور نہ ہی جینیاتی خصوصیات یا جسمانی' ذہنی یا نفسیاتی اوصاف ایک دوسرے میں منتقل ہوسکتے ہیں۔''

''اسلام نے تبنیت کے اس نظام کے اثرات کوختم کردیا جن کا تعلق میراث یا متبنّٰی کی بیوہ یا اُس کی مطلّقہ سے شادی کرنے کی ممانعت سے تھا۔ وراثت کے معاملات میں قرآن مجید خون اور نکاح پر مبنی رشتوں کے علاوہ اور کسی رشتے کو تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ سورۃ الانفال کے آخر میں ارشادِ پاک ہوا :

وَأُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِى كِتٰبِ اللهِ (الانفال : ۷۵)

''اور کتاب اللہ کے نوشتہ میں قرابت دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ مستحق ہیں۔'' (۸:۷۵)

''شادی اور نکاح کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویوں (سورۃ النساء:۲۳)' [نہ کہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کی بیویاں] سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کا اپنے متبنّٰی کی مطلّقہ سے نکاح کی اجازت ہے کیونکہ وہ ایک ''اجنبی'' کی بیوی رہی ہے اور اس کے ساتھ خونی رشتہ بھی نہیں ہے۔''

''قانونی تبنیت کی منسوخی کی عملی مثال : تبنیت کی رسم قبل از اسلام کے معاشرہ میں گہری جڑیں پکڑ چکی تھی اور لوگوں کے لئے اس کا چھوڑنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے اور اس کے اثرات کو لفظاً نہیں بلکہ عملاً جڑ سے اُکھیڑنا چاہتا تھا۔ تبنیت کے معاملہ میں تمام شکوک وشبہات کو دور کرنے اور یہ کہ مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلّقہ بیویوں سے اطمینانِ قلبی کے ساتھ شادی کریں اور سب سے اہم بات یہ کہ اُنہیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جس کی اللہ ہی نے ممانعت کردی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کے لئے اپنے نبی ﷺ کا انتخاب فرمایا۔''

''اب زید بن حارثہ نے جو زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے' نبی علیہ السلام کی چچا زاد' حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ زید اور زینب اس رشتۂ ازدواج سے خوش نہیں تھے۔ زید اپنی بیوی سے غیر مطمئن سے رہنے لگے اور اکثر اوقات اس کی شکایت نبی علیہ السلام سے کرنے لگے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بذریعہ وحی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ زید' زینب کو طلاق دے دیں گے جس کے بعد وہ خود زینب سے نکاح کرلیں گے لیکن آپ کو لوگوں کا سامنے کرنے سے ڈر تھا۔ اس طرح زید جب بھی نبی علیہ السلام سے اپنی بیوی کی شکایت کرتے تو آپ اُن سے فرماتے: اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ (سورۃ الاحزاب:۳۷) یعنی ''اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر''۔ اللہ تعالیٰ نے اِس قدیم رسم کی باقیات کو ختم کرنے اور نبی علیہ السلام کے عزم کو پختہ کرنے

کے لئے کچھ آیات کا نزول کیا۔ چنانچہ اُس مستحکم رواج کو جس کے تحت آدمی کو اپنے (اجنبی) متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی، مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔

دشمنانِ رسول (بالخصوص عیسائی سکالر ولیم میور) نے نبی علیہ السلام کی اس شادی پر بڑی لے دے کی ہے اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ کی ذاتی تاویل کے ذریعے حقائق کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی اور اپنی بد باطنی کا پورا ثبوت دیا ہے۔ مؤلف انسائیکلو پیڈیا ہٰذا سمجھتا ہے کہ اُس خبیر اور علیم" بذاتِ الصُّدور کو دشمنان کی طرف سے ایسی ہرزہ سرائیوں کا پہلے ہی سے علم تھا لیکن اُسے یہ کیسے برداشت تھا کہ اُس کے محبوب کے چاند سے بھی زیادہ روشن اور بے داغ کردار پر ذرا سی بھی آنچ آئے۔ چنانچہ اُنہیں خاموش کرنے کے لئے ربّ محمد نے اُسی آیت میں زَوَّجۡنٰکَهَا (پیارے! ہم نے خود زینب کا نکاح آپ سے کر دیا) کے عالی مرتبت الفاظ نازل کر کے اپنے محبوب کی عصمت کی حفاظت فرمادی کہ جو نکاح خالق و مالک کی طرف سے اور اُس کی چاہت اور مشیت سے ہوا ہو، تو مخالفین کے لئے لب کشائی کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے! سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی فخریہ کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح تو خود ربُّ العالمین نے پڑھایا ہے اگر چہ ظاہراً "یہ نکاح سیّدہ زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے پڑھایا تھا۔" (ماجدی اردو، ص ۸۵۰، نوٹ: ۸۲)

قرآن مجید نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں، آپ کے اِس اقدام کے جواز میں اور ہر اُس ممکنہ اعتراض کو دُور کرتے ہوئے جس سے نبی کی عظمت اور رفعتِ شان میں ذرا سا بھی فرق آئے، فرماتا ہے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنۡ حَرَجٍ فِيۡمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا۟ ۙ○ الَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا○ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا○ (الاحزاب: ۳۸ تا ۴۰)

"نبی کے لئے اللہ نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا، اُن پر اس باب میں کوئی الزام نہیں، اللہ کا اُن پیغمبروں کے بارہ میں (یہی) معمول رہا ہے جو (آپ سے) پہلے ہو چکے ہیں اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور صرف اُسی سے ڈرتے تھے اور اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے۔ محمد علیہ السلام تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔" (۳۸ تا ۴۰: ۳۳)

یعنی انبیائے سابقین کا یہی دستور رہا ہے کہ اُنہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، اُسے بلا تامّل کر گزرتے ہیں اور اس میں وہ موردِ طعن نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ آج جو آپ پر طعن کرنے والے ہیں، وہ بھی کل حساب سے بچ نہیں پائیں گے۔ اُن کی ہرزہ سرائی کو قرآنِ حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے میرا محبوب کسی مرد کا باپ نہیں۔ جب باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا۔ وہ اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ تمہارا یہ اعتراض محض تمہارے خبثِ باطن کی پیداوار ہے اور حقیقت سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

''باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بے شک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی اُمت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے' اُس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں' اولاد کی جسمانی اور مادّی دُنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہِ کرم سے اُمتی کا جسم اور رُوح' ظاہر اور باطن' دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روزِ حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اُس دن ٹوٹ جائیں گے (سورہ عَبَس: آیات ۳۴ تا ۳۷) لیکن رسول کے لطف وعنایت سے دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کا اُمتی شاد کام ہوتا ہے۔''

آیت ۴۰ میں ''حضور علیہ السلام کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر آپ کے بعد بھی نبوّت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور علیہ السلام اتنی تن دہی سے اُمت کے سامنے دینِ اسلام کے سارے گوشے آشکار کرنے کی شاید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوّت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور حضور علیہ السلام ہی اِس سلسلہ ذھبیہ کی آخری کڑی ہیں' تو آپ کی محبت اور اُلفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی چیز ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بُری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دَورِ جاہلیت کی قبیح رسموں کو مٹایا نہ گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو اُنہیں مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت' اتنی جامعیت اور اتنا تقدّس کہاں پایا جائے گا تاکہ دُنیا اُس کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔'' (ضیاء القرآن۔۔ کرم شاہ الازہری' جلد چہارم' صفحات ۶۵' ۶۶)

<u>بچے کو اُس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے لے پالک بنانا</u>: جیسا کہ اوپر بیان ہوا' متبنّیٰ بنانے کی وہ قسم جسے اسلام نے منسوخ کیا' وہ ہے جو بچے کو خاندان کا رکن بنا دیتی ہے جس میں اُسے وراثت کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں اور اُس کا خاندان کے دیگر افراد سے آزادانہ میل جول ہوتا ہے' وغیرہ۔''

''لیکن ''لے پالک (Adoption)'' کا ایک اور معنیٰ بھی ہے جس کی اسلام میں کوئی ممانعت نہیں اور وہ یہ کہ جب آدمی کسی یتیم یا لاوارث (گرے پڑے) بچے کی پرورش کرنے' اُسے تعلیم دلانے اور اُسے اپنے بچے جیسا پیار و محبت دینے کے لئے گھر پر لاتا ہے۔ وہ اُس کا تحفظ کرتا ہے' اُس کے خورونوش' لباس اور تعلیم کا خیال رکھتا ہے اور اُسے اپنے بچوں کی طرح پیار و محبت دیتا ہے لیکن وہ بچے کی پدریت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اُسے وہ حقوق دیتا ہے جو شریعتِ اسلامی نے اُس کے حقیقی بچوں کے لئے مخصوص کئے ہیں تو یہ دینِ اسلام میں قابلِ تحسین فعل ہے اور ایسا کام کرنے والا از روئے فرمانِ رسول جنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى

''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا اِس طرح (قریب) ہوں گے جس طرح
یہ انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی قریب قریب ہیں۔''

''اگر آدمی کی اپنی کوئی اولاد نہیں اور وہ کسی یتیم یا لاوارث (گرے پڑے) بچے کو اپنی دولت یا کمائی سے فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو وہ اُسے اپنی زندگی میں جو کچھ دینا چاہے' دے سکتا ہے اور اپنی وفات سے پہلے اُسے اپنی جائداد کا تہائی حصّہ ورثے میں دینے کی وصیت کر سکتا ہے۔''

''مصنوعی تخم ریزی (Artificial Insemination): زنا اور قانونی تبنّیت کی ممانعت کر کے اسلام نے حسب ونسب کا تحفّظ کر دیا ہے اور اس طرح خاندان کو کسی بیرونی عنصر کی مداخلت کے بغیر پاک وصاف اور خالص رکھا ہے۔ بالکل اسی طرح وہ مصنوعی تخم ریزی کی بھی ممانعت کرتا ہے اگر مادہ منویہ خاوند کے علاوہ کسی اور مرد کا ہو۔ ایسی صورت کے متعلق شیخ شلتوت نامی ایک معروف ومشہور پروفیسر کہتے ہیں:۔

''مصنوعی تخم ریزی قابلِ نفرت جرم اور گناہِ کبیرہ ہے اور اسے زنا کے زمرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ زنا اور خاوند کے علاوہ کسی اور مرد کی تخم ریزی دونوں ہی اپنی فطرت اور اثرات کے لحاظ سے ایک ہی چیز ہیں یعنی وہ کھیتی جو بلا شرکتِ غیرے صرف خاوند کی ہے' اُس میں ارادتاً ایک اجنبی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس قسم کا جرم کمتر درجے کا تو ہے نہیں لہٰذا اس کی سزا بھی شریعتِ اسلامی میں زناکاری کی سزا کی طرح ''حد'' کے تحت ہی ہے۔'' ☆

''تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی اور کی تخم ریزی قانونی تبنّیت سے زیادہ گھناؤنا' قابلِ نفرت جرم ہے کیونکہ مصنوعی تخم ریزی کے نتیجے میں پیدا شدہ بچہ اپنے حسب ونسب میں غیر عنصر کو لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح اُس میں قانونی تبنّیت کا بھی اثر ہوتا ہے' مزید برآں یہ کہ مصنوعی تخم ریزی میں زِناکاری کا بھی عنصر شامل ہے جو شریعتِ اسلامی اور فطرتِ سلیمہ دونوں کے نزدیک قابلِ نفرت فعل ہے۔ ایسے عمل سے اشرف المخلوق حضرتِ انسان کی جانور کی سطح تک تذلیل ہوتی ہے جس میں اَخلاقیات اور حسب ونسب کا وہ احساس ہوتا ہی نہیں جو انسانی معاشرے میں ہوتا ہے۔'' ("Al-Fatawa" --- Islamic Legal Decisions, p. 300)

''بچے کو اپنے حقیقی باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرنا: جس طرح اسلام ایک والد کو بغیر کسی جائز وجہ کے اپنے بچے کی پدریت کے انکار سے روکتا ہے' اُسی طرح وہ بچے کو بھی اپنے حسب ونسب کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف منسوب ہونے یا کسی ایسے کو اپنا باپ بنانے سے روکتا ہے جو اُس کا حقیقی باپ نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کو قابلِ نفرت بُرائیوں میں شمار کیا ہے اور ایسا شخص اللہ اور اُس کی تمام مخلوقات کی لعنت کا مستحق ہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' سے ایک حدیث مروی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی اور سے اپنا نسب جوڑتا ہے اور وہ غلام جو اپنے حقیقی مولیٰ کی بجائے کسی اور کو اپنا مولیٰ بناتا ہے' اُس پر اللہ' اُس کے فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو اُس کی توبہ

☆ ''حد'' اور ''تعزیر'' کی تعریفات کے لئے ملاحظہ ہو جلد دوم کے صفحہ ۵۹۳ کا ذیلی نوٹ (footnote)

قبول فرمائے گا اور نہ ہی روزِ قیامت اُس سے کوئی فدیہ (یا تاوان) قبول کیا جائے گا۔'' (بخاری، مسلم)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جو شخص کسی ایسے آدمی کو اپنا والد بناتا ہے جو اُس کا والد نہیں ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اُس کا والد نہیں ہے، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'' (بخاری، مسلم)

''اسلام میں حسب ونسب پر فخر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا: امام بخاری اپنی صحیح میں بیان کرتے ہیں کہ ابو ذر غِفاری اور بلال حبشی رضی اللہ عنہما جو دونوں سابقون الاوّلون (پہلے اسلام لانے والوں) میں سے ہیں کسی بات پر آپس میں جھگڑ پڑے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا۔ غصہ سے بے قابو ہوتے ہوئے ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جنابِ بلال رضی اللہ عنہ کو کالی کلوٹی عورت کا بیٹا ہونے کا طعنہ دیا۔ جنابِ بلال نے اِس بات کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی جنہوں نے ابوذرؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:
''کیا تم نے بلال کو اُس کی ماں کا طعنہ دیا؟ تم میں ابھی تک زمانہ جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں کسی گورے اور کالے پر اُس وقت تک کوئی فوقیت حاصل نہیں جب تک تم خدا خوفی (تقویٰ) میں سبقت نہ لے جاؤ۔''

نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:
''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔'' (مسند احمد)

''اس طرح اسلام نے مسلمان کے لئے اپنے حسب ونسب اور رشتہ داری کی شیخی بکھیرنے کو حرام قرار دیا ہے کہ جس میں آباء و اجداد کے ذکر میں یہ کہا جاتا ہو کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں' یا یہ کہ میں گورا ہوں اور تم کالے ہو اور یا یہ کہ میں عرب ہوں اور تم عجمی ہو۔ جب تمام لوگ کی اصل ایک ہی ہے تو رشتہ داری اور نسب نامہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اگر نسب نامہ کی کوئی حیثیت اور قدر رہے بھی' تو یہ چیز آدمی کی عزت اور ذلت میں کیا اضافہ کر سکتی ہے کہ وہ اِس کا یا اُس کا بیٹا ہے؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:
''یہ تمہارے نسب نامے کسی کی مذمت کرنے کا سبب نہیں ہیں۔ تم تمام آدم کی اولاد ہو۔ کسی کو دوسرے پر مذہب اور تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ نوعِ انسان آدم اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں۔ حشر و نشر کے دن اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری رشتہ داریوں اور نسب ناموں کے متعلق نہیں پوچھے گا۔ اللہ کی نظر میں تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ کا بہت زیادہ خوف رکھنے والا ہے۔''

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن لوگوں پر شدید حملہ کیا جو اپنے باپ دادا پر گھمنڈ کرتے ہیں:

۱۶۱۰ (علم الانساب ---Genealogy)

''لوگوں کو اپنے اُن وفات یافتہ آباء واجداد پر فخر کرنے سے رُک جانا چاہیے جو جہنم کا ایندھن ہیں یا اُن کی حیثیت اُس بھونرے سے بھی کم ہے جو گوبر کو اپنے ناک سے سمیٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے غرور اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو دُور کر دیا ہے۔ آدمی یا تو خدا خوفی رکھنے والا مسلمان ہو سکتا ہے یا ایک کمینہ گنہگار۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔'' (ابوداؤد' ترمذی)

''اُن لوگوں کو جو اپنے دُور کے آباء واجداد مثلاً فرعون یا خسرو یا اس قسم کے دوسرے اشخاص کی شیخی بکھیرتے ہیں' اس حدیث سے سبق لینا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ خواہ وہ عرب ہیں یا عجمی' یا زمانہ جاہلیت کے وقت کے لوگ ہیں' صرف جہنم ہی کا ایندھن ہیں۔'' [''الحلال و الحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ) یوسف القرضاوی' صفحات ۲۲۱ تا ۲۲۸' ۲۴۹' ۲۵۰]

(الف) نسلِ انسانی کی مخصوص وحدت: قرآن مجید نے اس حقیقت کو خوب واضح کر دیا ہے کہ تمام نسلِ انسانی ایک ہی اور مشترک باپ یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئی ہے اور اس طرح اُس نے مخصوص وحدتِ انسانی کو ظاہر کیا ہے چنانچہ فرمایا:

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء : ۱)
''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔'' (۴ : ۱)

(۲) هُوَالَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الاعراف : ۱۸۹ اَلزُّمَر : ۶)
''وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔'' (۳۹ : ۶)

''نفسِ واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سیاہ ترین سے لے کر سفید ترین' انتہائی وزندہ صفت سے لے کر انتہائی تہذیب یافتہ غرض لوگوں کے تمام قبائل کے مابین اپنی جسمانی ساخت اور ذہنوں کی کارکردگی میں عمومی مشابہت ہے' اگرچہ اُن کا زمانہ بُعدِ بعید کا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُن کا جدِّ اعلیٰ ایک ہی ہے اور وہ اس لحاظ سے ایک ہی بزرگ کی اولاد ہیں۔'' (E.B. Taylor in the Hastings' Encyclopaedia of Religion & Ethics, Vol. V, p. 522)

تو اس پر رونا اور واویلا کرنا کیسا کہ ''تہذیب کی ترقی کو نسلی آویزش (کشمکش) سے سخت خطرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ بُرائی بین النسلی اور رنگ کے تعصب کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اخلاقی بگاڑ کی ہے'' (انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا' جلد ششم' صفحہ ۱۷۵)۔ کاش کہ عالمِ جدید نے صرف اِسی بنیادی صداقت کو ہی ذہن نشین کر لیا ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی نوع سے ہیں اور یہ کہ آدمی اور آدمی کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے!!

''وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ بات غیر معقول معلوم ہوگی کہ فرانسیسیوں اور جرمنوں' امریکیوں اور

جاپانیوں، فرانسیسیوں اور برطانویوں کو خیالی مزاحمتوں اور رکاوٹوں سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔'' ("The Illusion of National Character" --- Fyfe.

''آج سمندروں کا طول وعرض یا پہاڑوں کی بلندیاں مختلف انسانی آبادیوں کو اکیلا اور تن تنہا نہیں رہنے دیتیں۔نقل وحمل، سفر اور باہمی مواصلات حرکت پذیر ہیں اور اُنہوں نے مسافتوں اور فاصلوں کو سکیڑ کر رکھ دیا ہے۔مختلف آبادیوں کے مابین شادیاں ہونے سے اِن آبادیوں کے جینیاتی پول (Gene pools) آپس کی باہمی عدمِ موافقت کو ترک کرتے جارہے ہیں۔'' ("Divine Philosophy and Modern Day Science" ... Dr. A. Rashid Seyal, p. 123)

(ب) نظریہ وحدتِ اصل (Monogenism) بمقابل مخلوط النسلی (Polygenism) کا نظریہ

جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ ذات پات، دولت اور رنگ ونسل، عظمت و وقار اور سماجی حیثیت کا معیار نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (اَلْحُجُرات: ١٣)

''لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنادیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگارتر اللہ کے نزدیک معززتر ہے۔'' (۱۳ : ۴۹)

''یہاں قرآن نے نوعِ انسان کی بنیادی وحدت پر مثبت انداز میں زور دیا ہے اور مخلوط النسلی کے نظریہ کو رَدّ کردیا ہے جس میں نوعِ انسان کو کثیر التعداد آباء واجداد سے منسوب کیا گیا ہے۔قرآن، ذاتوں اور گروہوں کے نظریہ کو بھی فی الواقع مسترد کرتا ہے جو انسان کو انسان کے قریب لانے میں رکاوٹ بنا ہے۔اس کا موازنہ ہندو نظریہ سے کیجئے جس کے مطابق برہمن کی ذات دیوتاؤں سے اخذ شدہ ہے۔'' (Hastings' Encyclopaedia of Religion & Ethics" ... Vol. XI, p. 915)

سورۃ الحُجرات کی مذکورہ آیت ۱۳ آقاؤں کی نسل کے بدروایتی قصّے کو شروع ہی سے دبادیتی ہے اور اس سائنسی تحقیق کے مکمل حق میں ہے کہ حیاتیاتی حقیقت میں نسلی امتیاز کی کوئی بنیاد نہیں۔ایک غیر مسلم فلسفی کے الفاظ میں: ''جلد کے رنگ کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ دل کا وصف ہی ہر نتیجہ ہوا کرتا ہے۔نسلی یا قومی لیبل کسی کام کے نہیں بلکہ کردار ہی سب کچھ ہے'' اور یہ بات پیغمبرِ اسلام کے اس فرمان کے عین مطابق ہے جس میں آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ

''بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری شکلوں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہارے مال و دولت کو بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔''

۱۶۱۲ (علم الانساب ---Genealogy)

مزید برآں آیت مذکورہ ۱۳ میں شرافت ونجابت کے ایک نئے نظام کا اعلان بھی ہے۔نوعِ انسانی کی تقسیم کھاتے پیتے لوگوں اور محروم القسمت لوگوں کے مابین نہیں' اور نہ ہی وہ مراعات یافتہ طبقے اور مفلوک الحال (غریب ونادار) طبقے کے مابین ہے بلکہ وہ تقسیم پارسا اور غیر پارسا کے مابین ہے۔ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار یوں کیا ہے :

''طبقاتی تعصب کی عدم موجودگی نے ہندوستان میں اسلام کی حقیقی قوت کی تشکیل کی ہے اور اتنے کثیر التعداد ہندوؤں کو اسلام کی طرف لانے کے قابل بنایا ہے۔'' ("Preaching of Islam" ... T. W. Arnold, p. 291)

ایک اور مغربی مفکر نے یوں کہا ہے :

''پیدائش' رنگ ونسل یا دولت کا کوئی بھی لحاظ آدمی کو اُس عہدے پر پہنچنے سے رکاوٹ نہیں بنا جس کا وہ مسلمہ طور پر اہل ہے۔آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ نے اپنی فوجوں کی کمان کی۔عثمانی ترکوں کے مصر کو فتح کرنے سے پہلے خاندانِ غلاماں نے ایک صدی تک اُس پر حکومت کی اور کہا جاتا ہے کہ کاکیسس کے عیسائی مصر کو بطور غلام لے جائے جانے پر خوش تھے کیونکہ اُن میں سے ہر ایک کو یہ اُمید موہوم تھی کہ شاید اُسے بادشاہت کا عہدہ مل جائے۔'' ("Muhammad and Muhammadanism" ... Bosworth Smith, p. 250)

''یہ بات ذات پات کے نظام پر ضربِ کاری لگاتی ہے جو اس بات کی پرچارک ہے کہ تمام لوگ برابر پیدا نہیں ہوئے بلکہ روحانی ترقی کے مختلف درجات میں پیدا ہوئے ہیں۔روایت پسند ہندو کا یہ عقیدہ ہے کہ اُس کے دیوتاؤں نے ایک سماجی کیفیت کو قائم کیا ہوا ہے جس کی چوٹی پر برہمن مستقل طور پر براجمان ہے اور اُسے تمام مراعات حاصل ہیں۔ برہمن کے نیچے درجہ بدرجہ تقریباً تین سے چار ہزار نچلی اور ذیلی ذاتیں ہیں جن میں سے ہر ایک ناگزیر طور پر اپنے اپنے کام میں ایک دوسرے سے لگا بندھا اور پابند ہے۔اُن تمام سے نیچے سارے گندے' گھٹیا' بے یارومددگار اور لاکھوں بے خانماں لوگ ہیں کہ وہ انسان ہونے کے اتنے پست درجے میں ہیں کہ اُنہیں کوئی حقوق حاصل نہیں اور اُن کا سایہ جس چیز پر بھی پڑتا ہے' اُسے ناپاک اور پلید کر دیتا ہے۔''

چارلس ڈارون نے اپنی کتاب Descent of Man کے صفحات ۲۷۶' ۲۷۷ پر لکھا ہے :

''اگرچہ آدمی کی موجودہ نسلیں کئی لحاظ سے باہم مختلف ہیں ------ تاہم اگر اُن کی مجموعی ہیئت کو مدِّ نظر رکھا جائے تو وہ کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ----۔اب جب فطرت پسند لوگ دو یا دو سے زائد گروہوں کے مابین کی عادات' ذوق اور مزاجوں کی موافقت اور ہم آہنگی کو پاتے ہیں تو وہ اِس حقیقت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اُن سب کا مورثِ اعلیٰ مشترک اور صرف ایک ہی ہے' لہٰذا اُن سب کو ایک ہی نوع میں رکھا جانا چاہیے۔''

(۵۵) جغرافیہ (GEOGRAPHY)

لفظِ جغرافیہ انگریزی زبان کے لفظ جیوگرافی (Geography) سے لیا گیا ہے جو دو الفاظ یعنی جیو Geo اور گرافی Graphy کا مجموعہ ہے۔ لفظ جیو Geo یونانی ہے جس کا معنیٰ ''زمین'' ہے اور لفظ گرافی ''گرافین'' سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہیں بیان کرنا۔ پس پورے لفظ جیوگرافی (Geography) کا لغوی معنیٰ ہوا ''روئے زمین کا مطالعہ یا علم الارض۔''

''سطحِ زمین پر وسعتِ فضائی میں ہونے والے تغیرات اور انسان کے اپنے ماحول سے تعلق کے مطالعے کا نام جغرافیہ ہے۔ فضائے بسیط کی ترتیب و تنظیم، آب و ہوا، روئے زمین کی بناوٹ اور اس کے خدّ و خال، نباتات، بالائی پرتِ زمین (Soil)، آبادی، اقتصادی سرگرمیاں، سیاسی وحدتیں خواہ وہ عالمی سطح پر ہوں یا محدود ہوں، جغرافیہ دان کے اہم موضوع ہوتے ہیں۔ اس طرح جغرافیہ نظم کو قائم رکھنے کا ایک ایسا انتہائی پیچیدہ ضابطہ ہے جسے متعدّد خصوصی حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جغرافیہ دان کا کام ماحولیات میں واقع مختلف عناصر کی وضاحت کرنا اور اُن کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے بڑا ذریعہ نقشہ ہوتا ہے جو ایک جغرافیہ دان کے لئے تحقیق کا ناگزیر ذریعہ بھی ہوتا ہے اور بصری (Visual) نمائندگی بھی کرتا ہے۔'' (Grolier Academic Encyclopedia, Vol, 9, p. 100)

علمِ جغرافیہ کی وسعت (Scope): روئے زمین کی بناوٹ اور اس میں شامل نامیاتی اجزاء کا تجزیہ جن سے مل کر ہماری زمین کا ٹھوس حصّہ وجود میں آیا ہے، علمِ جغرافیہ کا اہم جزو ہیں۔ اس کے بعد روئے زمین کے نقش و نگار، خدّ و خال اور اُن کے اثرات کا جائزہ اور روئے زمین پر دیگر مظاہرِ قدرت کی کارگزاریوں کا مطالعہ بھی علمِ جغرافیہ کا لازمی جزو سمجھے جاتے ہیں مثلاً صبح و شام کی تبدیلیاں، دن رات کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا، موسموں کا تغیر و تبدّل، سورج و چاند گرہن، مدّ و جزر، روئے زمین کے اردگرد پھیلے ہوئے کرہ ہوا کا تفصیلی مطالعہ بھی اِس علم کا اہم حصّہ ہے۔ اس حصّہ میں موسم، آب و ہوا کا فرق، آب و ہوا کے عناصر، درجہ حرارت کی تقسیم، ہوا کا دباؤ، دنیا میں مختلف ہواؤں کے چلنے کے اسباب و اثرات، ہوا میں موجود نمی اور اس کے کرشموں وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

علمِ جغرافیہ کی شاخیں: Funk & Wagnalls Encyclopedia of New Science نے جلد نہم کے صفحہ ۷۰۶، ۷۰۷ پر علمِ جغرافیہ کی حسبِ ذیل تقسیم کی ہے:

(1) **طبعی جغرافیہ (Physical Geography)**: اس قسم کو علمِ جغرافیہ کی بنیاد تصوّر کیا جاتا ہے جس کے مطالعہ کے بغیر جغرافیہ کی دیگر شاخوں کا مطالعہ نامکمل تصوّر رہتا ہے۔ چنانچہ اس حصّہ کے مطالعہ کو مندرجہ ذیل حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلے حصّے کے مطالعہ کو کرہ حجری (Lithosphere) کہا جاتا ہے جس میں کرّۂ ارض کا وجود، اُس کی ساخت و بناوٹ، اس میں شامل نامیاتی و غیر نامیاتی اجزاء کا تجزیہ اور اس حصّہ پر پائے جانے والے نقش و نگار، خدّ و خال اور اُن کے اثرات وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ دوسرے حصّہ کے مطالعہ کو کرّہ ہوا (Atmosphere) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۱۶۱۴ (جغرافیہ۔۔۔Geography)

اس حصے میں موسم اور آب وہوا کا فرق، آب وہوا کے عناصر، درجہ حرارت کی تقسیم، ہوا کا دباؤ، مختلف ہواؤں کے چلنے کے اسباب واثرات اور ہوا میں نمی اور اس کے کرشموں کا مطالعہ ہوتا ہے۔ تیسرے حصّہ کے مطالعہ کو کرہ آب کہا جاتا ہے اور اس حصّہ میں آبی اجسام، سمندری اجزاء، سمندری حرکات اور اُن کے اسباب واثرات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ روئے زمین پر نباتات، حیوانات وانسانی مطالعہ کو کرہ حیاتیات (Biosphere) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
قرآن مجید طبعی جغرافیہ کے متعلق ہمیں معلومات یوں فراہم کرتا ہے :۔

(۱) اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (البقرۃ : ۲۲)

''وہ وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا۔'' (۲۲ : ۲)

(۲) وَفِی الْاَرْضِ آیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ (اَلذّٰریٰت : ۲۰)

''اور زمین میں یقین لانے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (۲۰ : ۵۱)

(۳) وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمٰھِدُوْنَ ○ (اَلذّٰریٰت : ۴۸)

''اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا، سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں!'' (۴۸ : ۵۱)

یعنی سطحِ زمین کو تمام انسانوں کے بیٹھنے، کھڑا ہونے، لیٹنے اور چلنے پھرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اُس کی سطح نہ تو اتنی ملائم اور نرم ہے کہ اُس پر چلنے والے اُس میں دھنس جائیں اور نہ ہی اتنی سخت ہے کہ کھیتی باڑی، باغبانی اور مُردوں کو دفن کرنے کے لئے کھودا ہی نہ جا سکے۔ خلاقِ عالم کی یہ تخلیق ایسی باعثِ صد ستائش ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا اصلاح کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ پھیلایا ہوا قالین زمین کا بالائی پرت (Crust) ہے اور ایک ٹھوس سیپ (صدف) ہے جس پر انسان رہ سکتا ہے کیونکہ کرۂ زمین کی زیریں سطح بہت گرم، غیر محکم اور مسلسل تغیّر پذیر اور کسی قسم کی زندگی گزارنے کے لائق نہیں ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

ھُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ (اَلْمُلْك : ۱۵)

''وہ وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ پیو۔'' (۱۵ : ۶۷)

یعنی زمین میں تمہارے لئے ہر قسم کے تصرّفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے اور تم خود اس پر حاکم اور متصرّف ہو۔ لٰہذا زمین سے جو چاہو کام لو اور جس طرح چاہو، رہو۔ چنانچہ انسان نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذہنی استعداد سے صحراؤں اور پہاڑوں پر، دریاؤں اور سمندروں میں بحری جہازوں اور دخانی کشتیوں کے ذریعے اور فضا میں ہوائی جہاز کے ذریعے راستے بنا لئے ہیں اور پُل، سرنگیں اور دوسرے ذرائع مواصلات بنا لئے ہیں۔ یہ سب انعامات و نوازشات صرف اسی لئے ہوئے کہ انسان کو بس اتنا یاد رہے کہ وہ بندہ ہے، خدا نہیں، خود مختار اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اللہ کے قانون کا محکوم اور پابند ہے اور اُسی کے سامنے اپنے ہر عمل کا جوابدہ ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ○ لِّتَسْلُکُوْا مِنْھَا سُبُلًا فِجَاجًا ○ (نوح : ۱۹، ۲۰)

''اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اُس کے کھلے راستوں میں چلو پھرو۔'' (۱۹، ۲۰:۷۱)

(2) موسمیاتی (Climatological) جغرافیہ :اس شاخ کے ذریعے کرۂ ہوا کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ کرۂ ہوا میں درجہ حرارت کی تقسیم' ہوا کا دباؤ' اُس کے اثرات اور وہاں موجود نمی اور اس کے کرشموں مثلاً بارش' برف' دُھند' کُہر وغیرہ کا تفصیلی مطالعہ اور روزانہ کے موسمی حالات کو نقشوں کے ذریعے مختلف محکموں کو مطلع کیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس شعبہ کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے کیونکہ پیشگی معلومات کے ذریعے بعض اوقات شدید آفات سے بچا جا سکتا ہے۔ جغرافیہ کی اس شاخ کے متعلق قرآن مجید یوں فرماتا ہے :۔

(۱) هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَ جَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْابِھَاجَآءَ تْھَا رِیْحٌ "عَاصِفٌ" وَّجَآءَ ھُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ ھٰذِہٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ O (یونس:۲۲)

"وہ وہی (اللہ ہی) تو ہے جو تمہیں سمندر اور خشکی میں لئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) ہوا کا ایک تھپیڑا آتا ہے اور اُن کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے' (تو اُس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ اعتقاد کو (بالکل) خالص کر کے پکارتے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دی تو ہم یقیناً بڑے شکر گزاروں میں ہوں گے۔" (۲۲ : ۱۰)

ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبّب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے اور جو بدنصیب ایسے وقت میں بھی رجوع الی اللہ کی توفیق نہیں پاتے' اُن کے دل نورِ انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ آیت کے آخری حصّے کے پیشِ نظر فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرارِ مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دینِ توحید قبول کر لوں گا' شریعت میں معتبر نہیں۔ (ماجدی' ص ۴۳۷' نوٹ:۳۹)

(۲) وَ اِذَا غَشِیَھُمْ مَّوْجٌ "کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ" وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَا اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍO (لُقمٰن : ۳۲)

"جب اُنہیں موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ اُنہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو اُن میں سے کچھ اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے منکر تو بس وہی ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں۔" (۳۲ : ۳۱)

(3) تشکلی جغرافیہ (Geomorphology): علم جغرافیہ کی اس شاخ میں کرۂ ارض کے معرضِ وجود میں آنے اور اس پر موجود مختلف خدّ و خال کے پیدا ہونے اور دنیا میں مختلف عوامل کے باعث تبدیلیاں وغیرہ ہونے کے اسباب و اثرات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس شاخ کے مطالعہ کو بھی موجودہ دَور میں اہم مقام حاصل ہے اور طبعی جغرافیہ کا مطالعہ اس شاخ کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔ زمین کے پھیلاؤ (Landscape) ہونے میں توانائی کی دو قسموں کو بڑا دخل ہے: ایک اندرونی قوّتیں اور دوسرے بیرونی عوامل۔

۱۶۔۱۶ (جغرافیہ۔۔۔Geography)

''اندرونی توانائیاں زمین کے اندر ہی سے پیدا ہوتی ہیں جن سے زلزلے' آتش فشاں پہاڑ اور زمین میں طویل دراڑیں پیدا ہوتی ہیں۔ پہاڑوں کے سلسلہ مدارج کا بلند ہونا اور اُن پلیٹوں (تہوں) کی حرکت جن سے زمین کے بالائی پرت کی تشکیل ہوئی ہے' انہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بیرونی عوامل سطحِ زمین کے اوپر یا اُس کی بالائی سطح کے قریب قریب اثر انداز ہوتے ہیں اور عملِ فرسودگی یا عریاں کاری (Erosion) کا سبب بنتے ہیں۔ ان عوامل میں آندھی' بارش اور طوفان شامل ہیں۔''

''اندرونی قوتوں کی بابت جن کا تعلق تشکلی جغرافیہ سے ہے' قرآن میں سدوم کی آبادی کے حوالے سے یہ اشارہ ملتا ہے:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ O (اَلْحِجر: ۷۴)

''تو ہم نے اُس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور اُن لوگوں پر کنکر کے پتھر برسائے۔'' (۱۵:۷۴)

بیرونی عوامل میں بادل اور بارش اہم کردار ادا کرتے ہیں جن کے اشارات قرآن مجید میں جابجا ملتے ہیں مثلاً:

(۱) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ (اَلنّور: ۴۳)

''(اے مخاطب!) کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے' پھر اُسے باہم ملا دیتا ہے پھر اُسے تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے' پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے بیچ میں سے نکل کر آتی ہے۔'' (۲۴:۴۳)

''مشہور یہ ہے کہ جب بخارات اوپر چلے جاتے ہیں اور حرارت سے تحلیل نہیں ہوتے تو وہ سخت ٹھنڈک والی ہوا کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر درجہ حرارت منفی 50 درجہ سینٹی گریڈ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں پر وہ بخارات منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر اگر وہاں زیادہ ٹھنڈک نہ ہو تو وہ بادل قطرہ قطرہ ہو کر گرنے لگتے ہیں اور یوں بارش ہوتی ہے اور اگر ٹھنڈک اجزائے بخاریہ کے جمع ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو پھر برفباری ہو جاتی ہے اور اگر اجزائے بخاریہ کے جمع ہونے کے بعد ٹھنڈک پہنچے تو پھر ژالہ باری ہوتی ہے۔'' (تبیان القرآن ۔۔۔علامہ غلام رسول سعیدی' ج ہشتم' ص ۱۶۱)

ایک مناسب وقت پر مناسب موسم میں بادل کو پیدا کرنا' ایک مناسب بلندی پر لے جانا' ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا' بادل کے منتشر ٹکڑوں کو اوپر نیچے جمع کر کے اُنہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا' پھر ایک مناسب مقدار میں مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا' یہ سب کام اُسی صانع مطلق و حکیم برحق کے ہیں۔

(۲) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ O (المؤمنون: ۱۸)

''اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی اتارا اور اُسے زمین میں ٹھہرا دیا۔ اور یقیناً ہم اُسے بالکل ناپید کر دینے پر پوری طرح قادر ہیں۔'' (۲۳ : ۱۸)

اندازے کے مطابق بارش اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا زیادہ کہ تمام زمین والے سیلاب اور طوفان کی زد میں آ جائیں اور نہ اتنا کم کہ وہ زمین کی پیداوار اور دیگر ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔ زمین پر ٹھہرانے کا مطلب یہ کہ جو پانی انسانی ضروریات سے بچ جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہم اُسے اپنے مخفی خزانوں میں جمع کر لیتے ہیں اور تم ہر وقت اُن سے مستفید ہوتے رہتے ہو۔ یہ کنویں، یہ ٹیوب ویل، یہ دریا، یہ چشمے جن سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے ہو، اُن میں ہمارے انہی مخفی آبی ذخیروں سے ہی تو پانی آ رہا ہے۔ میدانوں اور صحراؤں کو تو رہنے دو، ذرا پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر جا کر دیکھو کہ ہم نے کس طرح پانی کی بہم رسانی کا وہاں مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں انسان کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل لگا کر زمین کے شکم سے پانی نہیں نکال سکتا اور کوئی نہر جاری نہیں کر سکتا۔ اگر کائنات کے خالق نے یہ انتظام نہ کیا ہوتا تو وہاں پانی مفقود ہوتا اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کسی بھی حیات کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ یہ ہماری حکمت اور علم کا کتنا بڑا کرشمہ ہے کہ پانی جو ہمیشہ نشیب وپستی کی طرف بہتا ہے (بحوالہ سورۃ الملک 'آیتِ آخر'، ہزاروں فٹ کی بلندی پر ہماری واٹر سپلائی سکیم کے ماتحت نصب کیے ہوئے فوّاروں سے کس زور شور اور کثرت سے اُبل رہا ہے کہ وہاں کی ضروریات پوری ہونے کے بعد وہ دریاؤں کی شکل اختیار کر کے میدانی علاقوں میں بہتا ہوا آ نکلتا ہے اور جہاں جہاں سے یہ دریا گزرتے ہیں، لاکھوں ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا چلا جاتا ہے۔

''آیت کے آخری حصے میں بتا دیا کہ یہ نہ سمجھنا کہ نظام عالم کو پیدا کرنے کے بعد اب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ جو بن گیا سو بن گیا کہ اب ہم اُس میں اپنے اختیار سے کوئی ردّ وبدل نہیں کر سکتے۔ اگر تمہاری نگاہ حقیقت آشنا ہے تو تمہیں صاف نظر آ جائے گا کہ ہماری قدرت اور ہماری حکیمانہ تدبیر آج بھی کائنات کی زلفِ برہم اور گیسوئے پریشاں کو درست کر رہی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو پانی کو اس طرح ناپید کر دیں کہ تم اُس کی ایک ایک بوند کو ترس جاؤ اور تمہاری آب رسانی کی ساری سکیمیں دھری کی دھری رہ جائیں۔'' (ضیاء القرآن، جلد سوم، ص ۲۴۹)

(۳) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًاO لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّ أَنَاسِيَّ كَثِيْرًاO وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا (الفرقان : ۴۸ تا ۵۰)

''اور آسمان سے ہم نے پاک کرنے والا پانی پیدا کیا تاکہ ہم اُس سے مُردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں۔ اور ہم بارش کو لوگوں کے درمیان بانٹتے رہتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' (۴۸ تا ۵۰ : ۲۵)

رب تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں پانی کی بہم رسانی کے لئے بارش کا جو انتظام کیا ہوا ہے، یہ انتظام ہی اللہ کے واحد رب العالمین ہونے کی دلیل ہے۔ تمام جہانوں کے پالنہار ہونے کے ناطے سے اُس نے تمام جہانوں کو رزق پہنچانا ہے۔ اس لئے وہ صرف ایک علاقے میں بارش نازل نہیں کرتا بلکہ وقفہ وقفہ سے تمام علاقوں میں بارش نازل فرماتا ہے۔ پھر اس میں یہ حکمت بھی کارفرما ہے کہ جن علاقوں کی زمین میں جس جنس کی پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے اور اُسے جتنی بارش کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں پر اُتنی ہی بارش نازل فرماتا ہے۔ پھر بارش کے ذکر میں حشر ونشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال جب بارشیں ہوتی ہیں تو اسی زمین سے برساتی مینڈک اور دوسرے برساتی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ بارشیں ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ اسی زمین میں مر کھپ جاتے ہیں اور

دوسرے سال برسات کے موسم میں پھر پیدا ہو جاتے ہیں اور موت کے بعد حیات' اور حیات کے بعد موت کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان برساتی جانوروں کو ہر موسم میں موت کے بعد زندہ کرتا ہے' اُسی طرح وہ انسانوں کو بھی موت کے بعد زندہ فرمائے گا۔

(4) ریاضیاتی (Mathematical) جغرافیہ: نقشہ کشی کے فن اور زمین کی گردش و دیگر موقعوں پر اس شاخ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ پیمانے اور پروجیکشنز کی بناوٹ میں بھی یہ شاخ مددگار ثابت ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس کے اشارات حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ O (اَلْحِجْر : ۱۹)

''اور ہم نے اُس (زمین) میں ہر قسم کی چیز ایک موزوں مقدار سے اُگائی۔'' (۱۹ : ۱۵)

اشارہ جنسِ نباتات کی طرف ہے۔ ہر قسم کی چیز موزوں مقدار سے اُگانے کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر چیز لوگوں کی ضروریات کے اندازہ سے پیدا فرمائی کیونکہ اُسے علم تھا کہ لوگوں کو کس چیز کی ضرورت ہوگی اور وہ کس چیز سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور اسی میں ریاضیاتی عمل ہے۔

(۲) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا O (الفرقان : ۲)

''اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا' پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔'' (۲ : ۲۵)

یعنی جو چیز جس مرتبہ کے لائق تھی اور جس چیز میں جیسی استعداد تھی' اُس چیز کو اُسی مرتبہ اور اُسی وصف پر رکھا

(5) نباتاتی و حیاتیاتی (Biogeography) جغرافیہ: اس شاخ میں ہمیں دنیا میں پیدا ہونے والے مختلف اقسام کے پودوں اور حیوانات کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ پودوں کی نشوونما میں مٹی اور آب و ہوا کا عمل دخل ایک مقام رکھتا ہے۔ اس شاخ میں لوگوں اور اُن کی ماحولیاتی ضروریات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ پودوں اور انسانوں کے متعلق اکٹھا اشارہ اس آیتِ قرآنی میں ملتا ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖO اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاO ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاO فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّاO وَّعِنَبًا وَّ قَضْبًاO وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًاO وَّحَدَآئِقَ غُلْبًاO وَّفَاكِهَةً وَّ اَبًّاO مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْO (عَبَس : ۲۴ تا ۳۲)

''سو انسان ذرا اپنے کھانے کی طرف تو دیکھے' ہم نے خوب پانی برسایا' پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا' پھر ہم نے اُس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے اُگائے' تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔'' (۲۴ تا ۳۲ : ۸۰)

ایجاد و تخلیق کے ذکر کے بعد اِن آیات میں انسان کو اُس کے سامانِ پرورش و بقاء اور احوالِ معاش کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اُن میں کیسے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اَن گنت نوازشات کے جلوے دمک رہے ہیں۔

انسان اپنے دسترخوان پر لگائے گئے قسما قسم کے کھانوں کو ہڑپ کر جاتا ہے اور یہ سوچتا تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے اُنہیں پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے' بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک بالیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں' پھر وہ اُگتے ہیں' نشو ونما پاتے ہیں۔ کسی کھیت میں انسان کے لئے اناج کے ذخیرے تیار کئے جا رہے ہیں تو کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر بل کھاتی نشو ونما پا رہی ہیں۔ کہیں اُس کے جانوروں کے لئے چارہ اُگ رہا ہے تو کہیں زیتون اور کھجور کے درخت بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں' کہیں گھاس اُگ رہی ہے جو اُس کے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنی رحمت وقدرت سے حضرتِ انسان کے لئے اور اُس کے مویشیوں کے لئے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔ گویا نباتیات کا یہ سارا نظام انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لئے ہے۔ ربوبیت اور رزّاقیت کی اتنی زبردست مشینری کے مشاہدہ کے بعد بھی اِعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے!!

(6) سیاسی جغرافیہ : اِس شاخ میں اُن تمام جغرافیائی عناصر کا جائزہ لیا جاتا ہے جو کسی ملک کے سیاسی حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ معاشی ترقی سیاسی حالات پر اس لئے اثر انداز ہوتی ہے کہ پسماندہ قومیں ہمیشہ دوسروں کے غلام رہتی ہیں۔

سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے متعلق بیان کردہ واقعہ میں سیاسی جغرافیہ کی عمدہ مثال ملتی ہے کہ ملکِ مصر کے جغرافیائی حالات کا نتیجہ قحط سالی کی صورت میں نمودار ہوا' سیاسی حالات بدلے' یوسف علیہ السلام نے زمامِ اقتدار سنبھال کر ملک کی سیاسی صورتِ حال کو یکسر بدل دیا جس کا اثر ملک کے جغرافیائی حالات پر بھی ہوا۔ اُن کے بھائی اسی قحط سالی اور اشیائے ضرورت کی کمیابی سے تنگ آ کر اُن سے راشن لینے آئے (بحوالہ سورہ یوسف کی آیات ۴۷ تا ۴۹ ؛ ۵۸ تا ۷۶) اور اس تمام واقعہ میں یہی عنصر کارفرما نظر آتا ہے کہ جغرافیائی عوامل کا اثر سیاست پر لازماً پڑتا ہے۔

(7) ماحولیاتی (Ecological) جغرافیہ : یہ حیاتیات کی وہ شاخ ہے جو اجسامِ نامیہ (Organisms) یعنی پودوں اور دوسری جاندار مخلوقات کے باہمی تعلق نیز قدرتی ماحول سے اُن کے تعلق کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس نظام کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی اَرضی زندگی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے بنایا ہے۔

''ایکوسسٹم کی تعریف میں حجم یا فاصلے کی کوئی حد اور قید نہیں۔ یہ صحرا اور جنگل کا ایک مربع کلومیٹر بھی ہو سکتا ہے۔ تالاب اور جوہڑ' شہر' کھیت اور چھوٹے چھوٹے نامیوں کا ایک بند ظرف خانہ (Container) مثلاً زندہ آبی پودوں یا جانوروں کے مطالعہ یا نمائش کے لئے بنایا ہوا مصنوعی شیشہ دار حوض (Aquarium) بھی ہو سکتا ہے۔ ایکو سسٹم (Biosphere) وسیع ترین ہے یعنی زمین کے بالائی پرت میں واقع علاقے جن میں زندہ وجود پائے جاتے ہیں' اور تمام حیاتِ عالم اور اس سے مربوط کرۂ زمین کی ٹھوس سطح (Geosphere) اس میں شامل ہے۔''

۱۶۲۰ (جغرافیہ---Geography)

''اس کائنات میں ہر چیز ایک متعیّن اور محدود وقت کے لئے اور ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جب وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو فنا اور عدم اُس چیز کا مقدر بن کے رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَل'' فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ٥ (الاعراف : ۳۴)

''اور ہر اُمّت کے لئے ایک میعاد مقرر ہے' سو جب اُن کی میعادِ مقررہ آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' (۷ : ۳۴)

قرآن مجید ہماری توجّہ اُس ماحولیاتی نظام (ایکوسسٹم) کی طرف مبذول کرتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کرۂ ارضی پر ہمارے خوش آئند اور خوشگوار وجود کے لئے تخلیق کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ٥ (آلِ عمران : ۱۹۱)

''یہ (اہلِ عقل و دانش) ایسے ہیں جو اللہ کو کھڑے' بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہمارے پالنہار! تو نے یہ سب لایعنی پیدا نہیں کیا ہے' تو (ہر عیب سے) پاک ہے' سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔'' (۳ : ۱۹۱)

''حقیقت تو یہ ہے کہ عذابِ الٰہی سے نجات کی فکرمندی اور تشویش و خوف ہی اِن تمام مناجات و حمد کا تعلق انسان سے جوڑتی ہے ورنہ انسان قدرت کے عجائبات اور حسن و جمال کے درمیان ایک خستہ حال مخلوق بن کے رہ جاتا ہے۔ قادرِ مطلق کے فضل و کرم سے اُس کی اُمیدِ نجات کی قطعیّت کی بدولت انسان کا مقام اِن ارفع و اعلیٰ تجمّلات سے بلند و بالا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ٥ فَلَا تَعْلَمُ نَفْس'' مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْ يَعْمَلُوْنَ٥ (السجدة : ۱۶' ۱۷)

''اپنے پالنہار کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہوئے اُن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دے رکھا ہے' اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ سو کسی کو علم نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا (سامان) اُن کے لئے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے۔ یہ اُن کے نیک اعمال کا صلہ ہے۔'' (۳۲:۱۶'۱۷)

ماحولیات کے حوالہ سے پرندوں کا انسانوں کے ساتھ تعلق کو قرآن نے اس طرح پیش کیا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَم'' أَمْثَالُكُمْ (الانعام : ۳۸)

''اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرندا اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والا ہے' وہ سب تمہاری ہی طرح کے گروہ ہیں۔'' (۶ : ۳۸)

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ :ملاحظہ ہوں صفحات ۲۷۶ ‘۲۷۷ (جلد اوّل)

چند جغرافیائی / ارضیاتی اصطلاحات کا تعارف

(۱) چٹانیں (Rocks) : ہماری زمین جس پر ہم رہتے ہیں' مختلف چٹانوں سے مل کر بنی ہے۔ یہ چٹانیں اُس مواد کا حصہ ہیں جس میں سے سطحِ زمین کے دوسرے نقوش ابھرتے رہتے ہیں۔ دراصل یہی چٹانیں سطحِ زمین کہلاتی ہیں۔ دنیا کے بعض حصوں میں چٹانیں ایک ہی معدنی شے سے بنی ہوتی ہیں اور بعض مقامات پر اُن میں ایک سے زیادہ معدنیات شامل ہوتی ہیں۔

عام لوگوں کی رائے میں سطحِ زمین کے کسی بھی سخت ٹھوس پتھریلے حصے کو ''چٹان'' کا نام دیا جاتا ہے۔ مگر طبعی جغرافیہ کی اصطلاح میں لفظ ''چٹان'' ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے یعنی چٹان ہر اُس قدرتی مادّی شے کا نام ہے جس سے ہماری زمین معرضِ وجود میں آئی ہے۔ مادّی شے میں ریت' کنکر' پتھر' مٹی وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ ان تمام مادّی اشیاء کو ہم چٹان یا چٹانوں کے اجزاء کہتے ہیں جن سے مل کر ہماری زمین بنی ہوئی ہے۔ دراصل چٹانیں اُس مواد کا حصہ ہیں جن کے منجمد ہونے سے ہماری زمین بنی۔ شروع میں یہ مواد مختلف گیسوں کے جمع ہونے یا گرم پگھلے ہوئے مواد کے ٹھنڈا ہونے سے وجود میں آیا۔ سخت اور مضبوط چٹانیں قدرتی عوامل کے اثرات کا مقابلہ سختی یا پوری قوّت سے کرتی ہیں مگر کمزور چٹانیں قدرتی عوامل کے اثرات سے بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔

عربی زبان میں چٹان کو صَخْرَة کہتے ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ اِجمالاً آیا ہے: ایک سورۃ الکھف کی آیت ۶۳ میں موسیٰ اور خضر علیہ السلام کی باہمی ملاقات کے ضمن میں اور دوسرا سورہ لُقمان کی آیت ۱۶ میں۔ اور صَخْر کا لفظ سورۃُ الفَجر کی آیت ۹ میں ''پتھر'' اور ''چٹان'' کے معنی میں آیا۔

(۲) پہاڑ (Mountains): پہاڑوں کا شمار کرہ ارض کے اہم ترین خدّ وخال میں کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کے مطابق پہاڑ سطحِ زمین کے کسی ایسے حصے کو کہتے ہیں جو عام زمین کی سطح سے قدرے بلند ہو لیکن ماہرین کے مطابق پہاڑ سطحِ زمین کے کسی ایسے حصے کو کہتے ہیں جو سطحِ سمندر سے کم از کم دو ہزار فٹ بلند ہو اور اس کی کم از کم نصف سطح سیدھی ڈھلان ہو۔ پہاڑ بے شمار خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اونٹ' آسمان اور زمین کی ندرت اور عجیب الخلقت ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے عجیب ہونے کی طرف یوں توجہ دلائی ہے :

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ O وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ O وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ O ۔۔۔۔۔۔۔ (الغاشیۃ : ۱۷ تا ۱۹)

''یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے کہ وہ (کیسی) عجیب طرح پیدا کیا گیا ہے' اور آسمان پر کہ (کیسی) عجیب طرح بلند کیا گیا ہے' اور پہاڑوں پر کہ (کیسی) عجیب طرح گاڑ دیئے گئے ہیں!'' (۱۷ تا ۱۹ : ۸۸)

پہاڑ نہ اِدھر اُدھر ہلتے ہیں اور نہ جھکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر

رکھے ہیں جن میں سونا' چاندی' لوہا' تانبا' کوئلہ اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا :

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ O (فاطر : ۲۷)

''اور پہاڑوں میں بھی رنگ برنگے ٹکڑے ہیں' کوئی سفید' کوئی سرخ' اُن کے رنگ مختلف ہیں اور کوئی بہت گہرے سیاہ۔'' (۲۷ : ۳۵)

''پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کر کے اُن معدنیات کا کھوج لگانے کی ترغیب دی گئی ہے جو اُن کے شکموں میں موجود ہیں اور مدّت سے کسی جوانمرد اور باہمت انسان کی ضرب خاراشگاف کے لئے چشم براہ ہیں اور پہاڑوں کی یہ مختلف رنگتیں اُن مدفون خزانوں کا پتہ دے رہی ہیں۔ افسوس وہ قوم جسے قرآن کریم جیسی کتابِ منیر عطا کی گئی' وہ اُسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر سو گئی اور یورپ کی وحشی قومیں اس چشمہ صافی سے اپنی کشتِ حیات کو سیراب کرنے میں سبقت لے گئیں۔'' (ضیاء القرآن۔۔ کرم شاہ الازہری' ج ۴' ص ۱۵۴)

(۳) عملِ فرسودگی (Erosion): اس سے مراد چٹانوں کا اُن طبعی عوامل سے ٹوٹنا ہے جن کا تعلق براہِ راست موسم سے ہوتا ہے مثلاً گرمی' سردی' بارش وغیرہ۔ عملِ فرسودگی عام طور پر دو طریقوں سے رونما ہوتا ہے : (۱) میکانکی عملِ فرسودگی جو عموماً سورج کی حرارت یا گرمی' سردی اور کسی حد تک پودوں اور درختوں کی وجہ سے عمل پذیر ہوتا ہے۔ (۲) کیمیاوی عملِ فرسودگی جو اکثر بارش کے پانی اور کرہ ہوا کی مختلف گیسوں کی وجہ سے نمودار ہوتا ہے۔

عملِ فرسودگی قدرت کا اٹل اور ناقابلِ تردید قانون ہے یعنی وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز کو زوال ہے خواہ وہ چیز ایک وقت میں اپنے انتہائی کمال اور قوّت میں کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید نے اس قانون کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

(i) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ O (النَّحل : ۷۰)

''اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا' پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔'' (۷۰ : ۱۶)

(ii) وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ (یٰس : ۶۸)

''اور ہم جس کی عمر (بہت) زیادہ کر دیتے ہیں' تو اُسے (اُس کی) خلقت میں الٹا کر دیتے ہیں۔''

قویٰ کے اُلٹا دینے سے مراد جسمانی قویٰ' رنگ و روغن اور حُسن و جمال وغیرہ کا انقلاب' کامل سے ناقص اور اعلیٰ و اشرف سے اَرذَل و اَسفل کی طرف ہے۔

(iii) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ O وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ O فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O (الرَّحمٰن: ۲۶ تا ۲۸)

''زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور صرف آپ کے رب کی عظمت و احسان والی ذات باقی رہنے والی ہے' سو تم (اے جن و انس!) اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (۲۶ تا ۲۸ : ۵۵)

"زندگی اگر نعمت ہے تو موت اور فنا بھی نعمت ہے۔ اُن سے پوچھئے جو کسی اذیّت ناک بیماری میں مبتلا ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ اُن بوڑھوں سے پوچھئے جن کی لمبی عمر وبالِ جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ ہاتھ ہلتے ہیں، نہ ٹانگیں چلتی ہیں۔ معدہ کمزور، جگر بے کار اور دل بیمار ہے۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل وعیال کے لئے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابلِ برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا اُن کے لئے موت کی آغوش اُمید افزا اور راحت بخش نہیں؟ نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر مومن مصائب وآلام کی اِس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالمِ آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اہلِ محبت سچ ہی تو کہتے ہیں کہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ (موت ایک پُل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے)" ["ضیاء القرآن"---جسٹس کرم شاہ الازہری، جلد پنجم، ص ۳۷]

(۴) **گلیشیئر (Glaciers)**: یہ برف کے بھاری بھرکم تودے ہوتے ہیں۔ برفانی میدان موٹے حجم کے اور نہ پگھلنے والی برف کے بے حرکت اور ساکت تودوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ سورۃ النُّور میں ان کا ذکر یوں ہوا

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (آیت: ۴۳)

"اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصّوں میں سے وہ اولے برساتا ہے، پھر اُنہیں جس پر چاہتا ہے، گراتا ہے اور جس سے وہ چاہتا ہے، ہٹا دیتا ہے۔"

"زمین پر پانی کے منجمد ہونے اور ٹھوس بن جانے کا ایک اور مظہر اس لحاظ سے معجزاتی ہے کہ جب پانی منجمد ہوتا ہے تو اس کی کثافت ہلکی ہونے سے وہ پھیل جاتا ہے اور اس طرح سے بننے والی برف پانی کی سطح پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ اس قدر کثیف اور بھاری نہیں ہوتی کہ ڈوب جائے۔ اللہ تعالیٰ توازن کو قائم رکھتا ہے اور اُس کی بنائی ہوئی ہر چیز میں ایک مقررہ اندازہ ہے۔ وہی روزی رساں اور تمام مخلوقات کا محافظ ہے (سورۃ الانبیاء: ۴۲) اور تمام موسموں میں زمین پر آبی زندگی کی حفاظت فرماتا ہے۔ سطح آب پر برف کا تیرنا اُسے سورج کی کرنوں سے گرمائش لینے کے قابل بناتا ہے اور یہ چیز برف سے نیچے کے پانی کو گرم رکھتی ہے جس سے آبی زندگی قائم رہتی ہے اور تمام پانی منجمد ہونے سے بچا رہتا ہے کیونکہ اُس صورت میں آبی زندگی ناممکن سی ہو جاتی۔" ("God, Universe and Man, the Holy Quran and the Hereafter" .... Engr. Fatehullah Khan, p. 188)

(۵) **محورِ معیّن (Axis)** (کسی چیز کے مرکز سے گزرتا ہوا خط جس کے گرد وہ چیز گھومتی ہے): کوئی شک نہیں کہ تمام مخلوقاتِ الٰہیہ اپنے اللہ کی محتاج ہے اور وہی سب کا ملجا وماویٰ ہے۔ اپنی تمام ضروریات کی تسکین کے لئے وہ اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ تمام کائنات کا مرکز ومحور ہے۔ اس حقیقت کو سورۃُ الاِخلاص کی آیت دوم میں صَمَد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا یعنی وہ ذات جس کی ضرورت سب کو ہو اور اُسے کسی کی ضرورت نہ ہو۔

(۶) **تقویم (Calendaring)**: (سال کی تقسیم کا نظام) اِن آیاتِ قرآنی سے تقویم کا پتہ چلتا ہے جو علمِ جغرافیہ کا اہم جزو ہے:۔

(i) اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَاعَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار کتابِ الٰہی میں بارہ ہی مہینے ہیں (اُس روز سے) جس روز اُس نے آسمان اور زمین (کے نظام کو) پیدا فرمایا۔'' (۹ : ۳۶)

یعنی سب میں عزت والے مہینے اسلامی (قمری) ہیں کہ اسلامی احکام انہی سے جاری ہیں۔ تمام مہینوں کی جنتری زمین پر ہے مگر اسلامی مہینوں کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند یہ تاریخیں بتاتا ہے۔ روزہ، حج اور بعض صورتوں میں طلاق اور وفات کی عدت انہی سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ سب باتیں عِنْدَاللّٰهِ کے لفظ سے معلوم ہوئیں۔

(ii) هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ (یونس : ۵)
''وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کیا اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو۔ اللہ نے یہ نشانیاں بے مقصد پیدا نہیں کیں۔''

ضِیاء اور نور دونوں کا معنیٰ چمک اور روشنی کا ہے۔ مگر نور عام ہے اور ہر ہلکی و عارضی روشنی کو نور کہہ دیتے ہیں مگر ضیاء بالعموم تیز اور اصل روشنی کو کہتے ہیں۔ چونکہ سورج کی روشنی تمام چاند تاروں سے تیز بھی ہے اور اصل بھی کہ اس میں روشنی کسی دوسرے تارے سے نہیں آتی، اس لئے اسے ضیاء فرمایا گیا (تفسیر کبیر)۔ زمین و آسمان میں سورج کا فیض تمام تاروں سے زیادہ ہے کہ آسمان کے ہر تارے میں نور سورج کا ہے اور زمین میں تمام نباتات اور حیوانات کی زندگی کی بقا اسی سے ہے۔ جو دانہ یا پھل پیدا ہوتا ہے، وہ سورج کے فیض سے اور اُن میں جو لذتیں ہیں، وہ سورج کے فیض ہی سے ہیں۔ البتہ اُن کے رنگ و بو چاند سے ہیں۔

سورج اور چاند دونوں ہی نور ہیں مگر اُن میں چند طرح کا فرق ہے: (۱) سورج کی روشنی خود اپنی ہے جبکہ چاند کی روشنی اپنی نہیں بلکہ سورج کے ذریعہ سے ہے۔ (۲) سورج کی روشنی میں گرمی اور جلال ہے جبکہ چاند کی روشنی میں ٹھنڈک اور جمال ہے۔ (۳) سورج رات کو دُور کر کے دن لے آتا ہے جبکہ چاند رات کو دُور نہیں کرتا بلکہ اُسے روشن کر دیتا ہے۔ (۴) سورج آسمان کے تاروں اور زمین کے چراغوں کو بجھا دیتا ہے جبکہ چاند میں یہ بات نہیں ہے۔ (۵) سورج سے شمسی مہینے اور سال، چاند سے قمری مہینے اور سال بنتے ہیں۔ (۶) سورج سے نمازوں کے اوقات، روزے کے سحر و افطار معلوم ہوتے ہیں جبکہ چاند سے روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ (۷) سورج کی بارہ منزلیں ہیں جنہیں وہ ایک سال میں اپنی رفتار سے طے کرتا ہے، اس سے موسم وغیرہ بنتے ہیں۔ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں جنہیں وہ قریبًا ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ (۸) چاند کا گھٹنا بڑھنا تاریخ کا پتہ دیتا ہے، شمسی مہینوں میں یہ بات نہیں ہے۔ (۹) دنیاوی کاموں کا حساب شمسی مہینوں سے لگانا بالکل جائز ہے۔

(iii) وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (بنی اسرائیل : ۱۲)
''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے' سو ہم نے رات والی نشانی کو دُھندلا بنایا اور ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا تا کہ تم اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو اور تا کہ برسوں کا شمار اور (دوسرے) حساب معلوم کرلیا کرو۔'' (۱۲ : ۱۷)

رات کی نشانی اندھیرا ہے اور دن کی نشانی روشنی ہے۔ اللہ نے رات کی نشانی کو چھپا اور مٹا ہوا کر دیا اور دن کی نشانی کو ظاہر' روشنی اور بصارت والا بنا دیا تا کہ انسان دینی' دُنیوی' ایمانی' روحانی اور جسمانی ہر طرح سے اپنے پالنہار کا فضل حاصل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا اور نظامِ کائنات کے لئے تقویم بنا دی تا کہ وہ روزہ دار کے لئے علامت بن جائیں کہ وہ کب سے کب تک روزہ رکھے' وہ عورت کی عدّت کا معیار اور پیمانہ بننے کے ساتھ ساتھ نماز اور حج کے اوقات کی تعیین کی معرفت کا بھی ذریعہ ہو گئے' اسی طرح وہ قرض ادا کرنے اور وصول کرنے کی حد کا بھی ذریعہ بنے وغیرہ وغیرہ۔ غرض اُس رحیم وکریم کو بندوں کی ضروریات کا پورا پورا خیال ہے۔

(۷) **Equinox** : سال میں دو دن ایسے ہوتے ہیں جب آفتاب دوپہر کے وقت عین خطِ استوا کے اوپر ہوتا ہے۔ Equinox عموماً ۲۱ ستمبر اور ۲۱ مارچ کو واقع ہوتے ہیں۔ اِن دونوں تاریخوں میں تمام دنیا میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر (۲۱ ستمبر) کو Autumnal Equinox اور مؤخر الذکر (۲۱ مارچ) کو Spring Equinox کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی یہ قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے کہ کبھی رات کے اپنا حصّہ چھوڑنے سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی دن کے اپنا حصّہ چھوڑنے سے رات لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن اور رات دونوں برابر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اِس معجزاتی کیفیت کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے اور فرمایا ہے:

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِوَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ (فاطر : ۱۳)
''وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' یہی تمہارا پالنہار ہے' حکومت اُسی کی ہے۔'' (۱۳ : ۳۵)

(۸) <u>شمسی اور قمری سال (Solar and Lunar Year)</u>: سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف کے ذکر میں قرآن مجید نے فرمایا:

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًاO (الکہف : ۲۵)
''اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔'' (۲۵ : ۱۸)

شمسی تقویم کے اعتبار سے اُن کے قیام کی مدّت تین سو سال ہے اور قمری تقویم کے اعتبار سے اُن کے غار میں قیام کی مدت تین سو نو سال ہے۔ شمسی اور قمری سالوں کے درمیان ہر صدی میں تین سال کا فرق ہو جایا کرتا ہے۔

(تفسیر ابنِ کثیر) لہٰذا ۳ x ۳ = نو (۹) کا عدد علیحدہ بیان کرنے میں قمری حساب کی طرف اشارہ ہے۔ اگر قولِ اکثر کے مطابق غار نشینی کا زمانہ ۲۴۹ء فرض کیا جائے تو اُس پر ۳۰۰ سالِ شمسی اضافہ کرنے سے ۵۴۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلادِ رسول ﷺ (۵۷۰ء) سے ۲۱ سال اور ہجرتِ نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۲ سال قبل کا یہ واقعہ ہے۔

(۹) کوہ پیمائی (Mountaineering): کا اشارہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۱ میں ہوا :

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ أَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلاً لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ O

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اُن میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں۔'' (۳۱ : ۲۱)

گویا پہاڑ زمین کا توازن برابر رکھنے کا کام دے رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک طرف کو جھک جائے۔ یہ الفاظِ دیگر وہ زمین کا لنگر بٹھانے کے لئے اور اُس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ نفی یہاں زمین کی اضطرابی کیفیت کی ہو رہی ہے نہ کہ مطلق حرکت کی۔ آیت کا آخری (خط کشیدہ) حصّہ کوہ پیمائی کا محرّک ثابت ہو رہا ہے۔

(۱۰) پہاڑ بطور صحت افزا مقام (Sanitorium) : سورۃ النّحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا (النَّحل : ۳۱)

''اُس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں۔'' (۳۱ : ۱۶)

(۱۱) مقام نگاری (Topography) : اس میں کسی علاقے یا شہر وغیرہ کی جغرافیائی نقشہ نگاری کی جاتی ہے۔ سورہ سَبا میں اہلِ سبا کے مسکن اور اس کی جغرافیائی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ O فَأَعْرَضُوْا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ O ---وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِیَ وَأَيَّامًا آمِنِيْنَ O فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹)

''سباوالوں کے لئے اُن کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا' دائیں بائیں باغ کی دو قطاریں تھیں۔ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو' عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار! سواُنہوں نے سرتابی کی تو ہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے اُن کے دو رویہ باغوں کے عوض دو باغ اور دیئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے۔۔۔ اور ہم نے اُن کے اور اُن کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی' (دُور سے) نظر آنے والی بستیاں آباد کر رکھی تھیں اور ہم نے اُس میں سفر ٹھہرا دیا تھا' اُن میں رات دن بے کھٹکے سفر کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور اُنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے اُنہیں افسانہ بنا دیا اور اُنہیں بالکل تتر بتر کر دیا۔''

''یہ ملکِ سبا وہی ہے جو عرب کے جنوب میں اب ملکِ یمن کہلاتا ہے جو نہایت ہی سرسبز و شاداب اور زرخیز خطہ تھا۔ علاقہ میں دو طرفہ باغات کا سلسلہ متصل چلا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ میل مربع تھی اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔ آیۃ کے لفظ میں اللہ کے کمالِ قدرت اور صناعی کی طرف اشارہ ہے۔ سدِّ مارب ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ مارب ملکِ سبا کا دارالسلطنت تھا۔ موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ساٹھ میل مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند تھا۔ قومِ سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ کئی میل لمبا چوڑا بند سبا کے انجینیروں کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ یہ عظیم الشان بند ظہورِ اسلام سے کچھ عرصہ قبل تخمیناً ۵۴۲ء میں ٹوٹا۔ اس کی تباہ کاریوں کے آثار صدیوں بعد تک قائم رہے چنانچہ ایک سیاح نے ۱۸۴۸ء میں معائنہ کئے۔ طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ اور عرض میں ۵۰ فٹ تھا۔ اتنی دُنیاوی نعمتوں کے اجتماع میں مطالبہ صرف ادائے حقوق کا تھا۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعتِ الٰہی کو دُنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اُس کے زوال میں بڑا دخل ہے۔'' (ماجدی' ص ۸۶۲)

اہلِ سبا کتنے خوش نصیب تھے کہ اُنہیں ایسا ملک عطا ہوا جو آب و ہوا کے لحاظ سے بڑا پاکیزہ تھا' زمین زرخیز اور پانی وافر تھا۔ باغ خوب پھلے پھولے تھے' ہوا اتنی لطیف کہ اُس کا ہر جھونکا نسیمِ بہار کی طرح غنچہ دل کو شگفتہ کر دیتا' مچھر مکھی وغیرہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مزید برآں یہ کہ رب بڑی ہی بخشش کرنے والا ہے۔ اگر بھولے سے کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو فوراً پکڑ نہیں لیتا۔ توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کی دیر ہے تو وہ خوش ہو کر سارے گناہ بخش دیتا ہے۔

کچھ عرصہ تو وہ عنایاتِ ربّانی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور شکر بجا لاتے رہے لیکن جب عرصہِ دراز اس لطف و تنعم میں گزارا تو اُن میں سرکشی اور بے راہروی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف نبی مبعوث فرمائے جنہوں نے اُنہیں بہتیرا سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ بنو۔ یہ عیش و نشاط' یہ دولت کی فراوانی اور غلّوں اور پھلوں کی بہتات تمہاری کسی ذاتی قابلیت کا نتیجہ نہیں بلکہ تمہارے پروردگار کی دین ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم لگاتار گناہ کرتے رہو اور ناشکر گزار بنے رہو اور وہ تمہیں ان نعمتوں سے محروم کر دے۔ لیکن شیطان نے اُنہیں ایسا ورغلایا تھا کہ اُنہوں نے اپنے مخلص ناصحین کے وعظ و نصیحت کو سننے سے انکار کر دیا۔ جب اُن کے فسق و فجور کی انتہا ہو گئی تو مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ غضبِ الٰہی موسلا دھار بارشوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس نے اتنے خوفناک سیلاب کی صورت اختیار کر لی کہ جب اُس کی موجیں اس چٹانوں سے بنے ہوئے بند سے جا ٹکرائیں تو اُسے لرزا کر رکھ دیا۔ چند جھٹکوں کے بعد وہ بند جس کی پختگی پر اُنہیں بڑا ہی ناز تھا' اس میں دراڑیں نمودار ہونے لگیں۔ کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تُند ریلا اس کے بھاری بھرکم پتھروں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ کئی روز سے موسلا دھار بارش کے باعث سارے علاقے میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ اوپر سے بند ٹوٹنے سے اُس کا پانی بھی آ گیا۔ جب یہ سارا پانی بلندی سے پستی کی طرف بجلی کی تیزی سے روانہ ہوا تو راستے میں جتنے شہر تھے' ملیا میٹ ہو گئے' باغات اجڑ گئے' درخت اکھڑ گئے اور لہلہاتے کھیتوں کا تو نام و نشان تک کہیں باقی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن ناشکروں اور فاسقوں کو تباہی و بربادی کی چکّی میں پیس ڈالا۔

’’کچھ عرصہ پہلے جہاں جنت نظیر وادیاں دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں‘ جس ملک کا ہر گوشہ فردوس بر روئے زمین ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا‘ وہاں اُلّو بولنے لگے‘ وہاں تباہی و بربادی نے اپنے پنجے گاڑ دئے۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ سنسان ویرانے دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے‘ پھل دار درختوں کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ وہ شہر اور گاؤں جہاں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ محوِ خرام تھی‘ وہاں خاک اڑنے لگی۔ یوں دکھائی دیتا جیسے یہاں کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔ وہ چمن بندیاں‘ وہ روِشیں‘ وہ خیاباں اور پھولوں سے لدی ہوئی کیاریاں سب قصّہ ماضی بن چکی تھیں۔ اب خودرَو بوٹے‘ خاردار جھاڑیاں اور کہیں کہیں جنگلی گھاس اُگی ہوئی نظر آتی تھی۔ جہاں سیب‘ انار اور انگور تھے‘ وہاں کڑوے اور ترش پھل‘ جھاؤ کے درخت اور چند بیری کے درخت اور بے رونق پودے نظر آ رہے تھے۔‘‘

’’یہ تو اُن کے باغات کا حال ہوا۔ اُن ناشکروں اور مئے پندار سے سرشار مغروروں پر کیا بیتی‘ اس کا کیا پوچھنا! ایک کثیر تعداد تو سیلاب میں بہہ گئی۔ جو بچ گئے وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں تتّر بتّر ہو گئے۔ اُن کا شیرازہ بکھر گیا۔ جہاں گئے‘ وہاں کی آبادی میں جذب ہو کر رہ گئے۔ نہ وطن رہا‘ نہ وقار رہا۔ باقی تھا قوم کا نام‘ وہ بھی مٹ کر رہ گیا۔‘‘

’’جب وہ خوشحالی اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے‘ اُس وقت اُس علاقہ کی چہل پہل کا یہ حال تھا کہ یمن سے لے کر شام و فلسطین تک سارا راستہ آباد تھا۔ جگہ جگہ پُر رونق بستیاں تھیں۔ ایک شہر سے نکلے تو دوسرے شہر کے اونچے اونچے مکانوں کی منڈیریں دکھائی دینے لگتیں۔ ابھی ایک شہر کی چہل پہل ختم نہ ہوتی تو دوسری بستی کی دلچسپیاں مسافروں کی توجّہ کو جذب کرنے لگتیں۔ قُرًى ظَاهِرَةً سے مراد وہ گاؤں اور بستیاں ہیں جو کسی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے مسافروں کو دُور سے نظر آنے لگتی ہیں یا وہ شہر جن میں اونچے اونچے محلات اور ایوان راہگیروں کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اُن میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ کوئی شب باشی کے لئے‘ کوئی دوپہر کا قیلولہ کرنے کے لئے۔ ہر جگہ ہر طرح کا سامانِ راحت میسّر‘ آرام دہ سرائیں اور شاندار ہوٹل اپنے مہمانوں کے لئے چشم براہ تھے۔ یہاں سفر کے لئے ضروری نہیں تھا کہ دن کے اجالے میں ہی ہو۔ رات ہو یا دن‘ ہر مسافر امن و امان سے اپنا سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ نہ دن کو کسی قزّاق کا خدشہ اور نہ رات کو لُٹ جانے کا خوف۔ لیکن اس آرام دہ زندگی سے کچھ مدت کے بعد وہ اُکتا گئے اور اللہ سے دعا کرنے لگے کہ ہماری مسافتوں کو طویل کر دے۔ ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دُور ہو۔ اُن کے درمیان وسیع و عریض سنسان صحرا ہوں‘ غیر آباد ویرانے ہوں‘ اُنہیں چلچلاتی دھوپ جلائے‘ گرم لُو جھلس ڈالے‘ پیاس کی شدت سے ہونٹ خشک ہوں‘ سفر کا مزا تو تب ہے۔ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی بجائے اُنھوں نے نافرمانی کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ قوم جو فارغ البالی اور خوشحالی کے باعث آفاقِ عالم میں رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی‘ جس کا آفتابِ اقبال بڑی بلندی پر چمک رہا تھا‘ جب ہم نے اُسے پکڑا تو اُسے داستانِ پارینہ بنا کر رکھ دیا۔ اب محض اُن کی کہانیاں باقی رہ گئی ہیں اور اُن کا نام و نشان تک مٹ گیا اور جو بچ گئے‘ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں تتّر بتّر ہو گئے اور اس طرح اُن کا شیرازہ بکھر گیا۔‘‘ (ضیاء القرآن‘ ج ۴)

''علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ قبیلہ غسان' شام چلا گیا۔ انمار یثرب میں' جُذام تہامہ میں اور قبیلہ ازد عمان میں جا کر آباد ہوئے (کشاف لزمخشری بحوالہ ضیاء القرآن' ج ۴' ص ص ۱۱۸ تا ۱۲۱)

(ii) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نوزائیدہ بچے اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرّمہ کی بے آب و گیاہ وادی میں بہ اذنِ الٰہی ٹھہراتے وقت اُس جگہ کی یوں مقام نگاری کی ہے:

رَبَّنَا اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ (ابراھیم : ۳۷)

''اے ہمارے پالنہار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت وادی میں تیرے عزت والے گھر کے قریب آباد کر دیا ہے۔'' (۳۷ : ۱۴)

(۱۲) زمین کی مقناطیسیت (Gravitational Force) : یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زمین بھی کشش رکھتی ہے اور زمین سے اوپر کی ہر چیز اپنی جسامت اور حجم کے لحاظ سے زمین کی طرف گرتی ہے مثلاً ایک پتھر کو اوپر سے نیچے زمین کی طرف جانے میں اتنا وقت نہیں لگے گا جتنا کاغذ کے ایک ٹکڑے کو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اس قانون کششِ ثقل کا تعارف کرانے والا سائنس دان نیوٹن تھا کیونکہ قرآن مجید نے نیوٹن سے صدہا سال پہلے فضا میں پرندوں کی پرواز اور آسمانوں کا فضا میں معلّق ہونے کی حقیقت بیان کر کے قانونِ کششِ ثقل (Gravitat- ional Law) کو بے نقاب کر دیا تھا۔ چنانچہ سورہ فاطر کی آیت ۴۱ اور سورۃ المُلك کی آیت ۱۹ میں فرمایا:

(i) اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ

''بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں (اپنے محور سے ہٹ نہ جائیں) اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو اللہ کے سوا اُنہیں کوئی بھی نہیں تھام سکتا۔'' (۴۱ : ۳۵)

(ii) اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ مَا یُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ (المُلك : ۱۹)

''کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں' اُنہیں خدائے رحمٰن کے سوا اور کوئی نہیں تھامے رکھتا۔'' (۱۹ : ۶۷)

یہ بھی رب تعالٰی کی حکمتِ بالغہ ہے کہ ''کششِ ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار بھی سطح زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے'' (''تبیان القرآن'' - علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۷' ص ۵۵۶)۔ پرندوں کی قوّتِ پرواز' اُن کا ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے اُڑنا' اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا' یہ سب مشاہدات انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز ہیں اور اُن سے حق تعالٰی کی صنّاعی کا کیسا سبق ملتا ہے!!

''زمین کی کشش نے چاند کو پکڑ رکھا ہے کہ چاند زمین کی طرف گرا چاہتا ہے مگر اس کی خاص رفتار کی وجہ سے اُس کا ہر لحہ جھکاؤ زمین کے چاند کی اونچائی پر دائرے کے مطابق ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا بلکہ اس کے گرد گردش میں مصروف ہے۔ اسی طرح زمین یا دیگر سیارے سورج کی کششِ ثقل کی وجہ سے اس کے گرد مصروف گردش ہیں (ایضاً)۔

علمِ جغرافیہ کی افادیت اور اہمیت : مسلمانوں کو تجارت، جہاد، اپنی وسیع و عریض سلطنت کے انتظام اور دوسرے مقاصد کے لئے قصبوں، شہروں، صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ طلوعِ اسلام سے ایک صدی کے اندر اندر اُن کی سلطنت مشرق میں عرب سے ہندوستان تک، مغرب میں مراکش اور سپین تک، اور شمال میں دریائے آکسس تک پھیل چکی تھی۔ دسویں صدی میں اسلامی سلطنت ان علاقوں پر مشتمل تھی: عرب، مصر بہ شمول افریقہ کا تمام شمالی ساحلی علاقہ، تقریباً تمام ملکِ سپین، جزائر سسلی اور یونان، اٹلی کے کچھ شہر، شام، آرمینیہ، کاکیشیا (کوہ قاف) کا جنوب مشرقی حصہ، میسوپوٹامیا، عراق، تمام کا تمام جدید ملکِ فارس، افغانستان، خوارزم کا ڈیلٹائی علاقہ، وادیِ فرغانہ اور اس کا پہاڑی علاقہ اور سندھ کے زیریں علاقے۔ ("The Legacy of Islam".... Arnold and Guillaume, p. 79, Edition 1949)
چنانچہ ان وسیع و عریض علاقوں میں سفر کرنے اور وہاں کا انتظام کرنے کے لئے وہاں کی معلومات کا ہونا ازبس ضروری تھا۔

''علمِ جغرافیہ کا کسی حد تک علمِ فلکیات (Astronomy) سے بھی تعلق ہے۔ اس لئے جغرافیہ کے مطالعہ کو بھی اُسی شوق نے تحریک دی جس شوق نے علمِ فلکیات کے مطالعہ کو تحریک دی۔ وہ شوق اور اشتیاق مسجد کے تعین کے لئے سمتِ کعبہ کا معلوم کرنا تھا کہ نماز کے وقت نمازی اُس کی صحیح سمت کی طرف رخ کر سکیں۔ کعبہ سے متعلق یہ معلومات اُن علاقوں کے طول بلد اور عرض بلد معلوم ہونے ہی پر منحصر تھیں جہاں مسلمان رہتے تھے۔''

''علمِ جغرافیہ کی ترقی کا بڑا عامل مکّہ مکرّمہ کا حج تھا۔ حج کو نکلنے سے پہلے حُجاجِ کرام بالعموم اُن علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے جو مکہ کی راہ میں پڑتے تھے۔ ایسی معلومات کی فراہمی کے لئے متعدّد ہدایت نامہ ہائے مسافران (Itineraries) تالیف کئے گئے جن میں مختلف ممالک سے مکہ کو جانے والی سڑکیں اور قیام گاہیں دکھائی گئیں۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں مختلف علاقوں اور لوگوں کے متعلق معلومات زیادہ تر تاجروں اور مسافروں کی جانب سے فراہم ہوتی تھیں۔ اُن دنوں مسلمان تاجر اِن معلومات کے مہیا کرنے میں بڑے مستعد ہوا کرتے تھے اور وہ چین، روس، زنجی بار اور افریقہ کے جنوبی حصّوں تک پہنچ چکے تھے۔''

''حج کے موقعہ پر مختلف ممالک سے آئے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ملنے، اپنی باہمی ضروریات اور مسائل پر بحث کرنے اور ایک دوسرے کے علاقے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس طرح حج مسلمانوں میں دنیا کی معلومات نشر کرنے کا اہم عامل ہے جس سے اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کے درمیان اخوت اور تجارت کے بندھنوں کو تقویت ملتی ہے۔''

''مسلمان دُور دراز علاقوں میں تحصیلِ علم میں علماء و فضلاء اور کتب کی تلاش کے لئے سفر کرتے تھے۔ اُن کے ذوقِ سفر کا ایک عامل یہ بھی تھا کہ وہ براہِ راست اور بلا واسطہ تجربہ کے ذریعے دنیا کی معلومات حاصل کریں۔ اپنے شدید جذبہ مشاہدہ اور والہانہ تجسس کے ساتھ اُنہوں نے اُن علاقوں کے مذہبی، معاشرتی، سیاسی، تاریخی،

جغرافیائی' اقتصادی اور زرعی حالات کا مطالعہ کیا جہاں سے اُن کا گزر ہوا' اپنے سفرناموں میں وہ مشاہدات ضبطِ تحریر میں لائے جن میں اُنہوں نے اُس وقت کے علماء وفضلاء کی بابت بھی معلومات فراہم کیں۔''

''علمِ جغرافیہ پر مسلمان جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے متعدّد کتب لکھیں جن کا وسیع طور پر مطالعہ کیا گیا۔ ان کتب کا کئی یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اہلِ یورپ صدیوں تک اِن کتب کے ذریعے دنیا کی معلومات حاصل کرتے رہے۔ دَورِ جدید تک اُنہوں نے افریقہ کے متعلق معلومات کے لئے مراکش کے حسن الوزائری کے کام پر انحصار کیا جنہوں نے اپنا تفصیلی سفرنامہ سولھویں صدی عیسوی کے اختتام پر لکھا۔ اُن کا یہ کام وقتاً فوقتاً دو صدیوں تک مختلف یورپی زبانوں میں شائع ہوتا رہا۔'' ("Islam and the Arabs"... Landau Rom, p. 173) London, 1958 Edition.

''زمین کی کرویّت (گولائی) کا نظریہ جس کی عیسائی پادریوں نے مخالفت کی' کرسٹوفر کولمبس سے بہت پہلے مسلمان ماہرینِ فلکیات اور جغرافیہ دانوں کی تصنیفات کے ذریعے اہلِ یورپ کو منتقل ہو چکا تھا۔ اسی نظریہ کی بنیاد پر کولمبس کا خیال تھا کہ مغرب کی طرف جہاز رانی کے ذریعے وہ مشرق تک پہنچ سکتا ہے۔'' ("The Making of Humanity" ... Dr. Robert Briffault, p. 202, Lahore, 1980 Edition.

اور بالآخر اُس کا یہ سفر امریکہ کی دریافت پر منتج ہوا۔

پھر علمِ جغرافیہ کا تعلق زلزلوں (Seismology) سے بھی ہے جو موجودہ دَور میں ایک سائنسی مضمون بن چکا ہے اور اس میں آلات کے ذریعے زمین کے اندرونی حالات اور حرکات وسکنات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جبکہ علمِ جغرافیہ کی طبعی شاخ میں کرہ حجری کے مطالعہ میں زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں وغیرہ کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں' لہٰذا اُن کے باہمی تعلق کو توڑا نہیں جا سکتا۔

<u>فوجی شعبہ جات میں مدد</u>: علمِ جغرافیہ کا مطالعہ فوج کے ہر شعبہ'بَرّی' بحری اور ہوائی کے لئے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ہر افسر اور سپاہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک اور اپنے گردونواح کے ممالک سے واقفیت رکھے۔ نیز موجودہ دَور میں علمِ جغرافیہ کی ایک شاخ ''حربی جغرافیہ'' بھی ملکی دفاع میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔

<u>معاشی منصوبہ بندی میں مدد</u>: کسی بھی ملک کی معاشی منصوبہ بندی علمِ جغرافیہ کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ معاشی منصوبہ بندی کرنے سے پہلے اُس ملک کے زرعی' معدنی اور صنعتی وسائل کا مطالعہ ضروری ہے اور وہ علمِ جغرافیہ کا مطالعہ ہی فراہم کرتا ہے۔

<u>تجارت میں مدد</u>: علمِ جغرافیہ اور بالخصوص معاشی جغرافیہ کا مطالعہ تاجروں اور خصوصاً وہ تاجر جو درآمدی و

برآمدی اشیاء کی تجارت کرتے ہیں' مفید معلومات فراہم کرتا ہے اور اُنہیں اپنی ملکی مصنوعات کے لئے غیر ملکی منڈیوں اور دیگر ممالک سے ملکی ضروریات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ علمِ جغرافیہ کا مطالعہ کامیاب تاجر بننے میں مدد دیتا ہے۔

صنعت وحرفت میں مدد : کسی ملک یا علاقے میں صنعتوں کے قیام کا انحصار بہت سے عوامل یا عناصر پر ہوتا ہے۔ چنانچہ علمِ جغرافیہ کا مطالعہ صنعت کاروں کو دنیا کے مختلف وسائل اور حالات سے آگاہ کرتا ہے اور اُن کے لئے اس طرح یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کسی علاقے کو اپنی مخصوص صنعتوں کے قیام کے لئے منتخب کر سکیں۔

زرعی شعبہ میں مدد : دنیا کے بہت سے ممالک میں بڑے بڑے کاشتکار مختلف ممالک کے جغرافیائی حالات کے مطالعہ کے پیش نظر اجناس کی کاشتکاری کرتے ہیں۔ پس علمِ جغرافیہ کا مطالعہ کاشتکاروں کو دنیا میں زیادہ پیداوار والی اجناس اور اُن کی اقسام وغیرہ سے واقفیت کراتا ہے۔ اس طرح وہ نئی ترقی یافتہ اقسام کی کاشت کے ذریعے اپنی پیداوار میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

حکمرانوں اور سرکاری افسران کے لئے : علمِ جغرافیہ کا مطالعہ حکمرانوں اور سرکاری افسران مثلاً پولیس و انتظامی محکموں کے سربراہوں کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ حکمرانوں کو اپنے ملک کے علاوہ دیگر ممالک و گردونواحی علاقوں کے حالات سے واقفیت اس علم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ہر افسر کو اپنے انتظامی حلقہ کے متعلق تفصیلی معلومات نقشہ جات کے مطالعہ سے ہی فراہم ہو سکتی ہیں۔ اس طرح علمِ جغرافیہ کا مطالعہ افسران کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

جہاز ران کمپنیوں کے لئے : علمِ جغرافیہ کا مطالعہ جہاز ران کمپنیوں کے مالکوں کو دنیا کے سمندروں' بحری راستوں' اہم بندرگاہوں اور دیگر اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح اپنی کمپنی کو نفع بخش تجارتی راستوں پر زیادہ بہتر طریقے سے چلا سکتے ہیں۔

ماہی گیروں کے لئے : ماہی گیری کے پیشہ سے منسلک لوگوں کو سمندری معلومات اور مچھلیوں کی افزائش کے عوامل اور اُن کی رہائش کے اہم علاقوں سے واقفیت علم جغرافیہ کے مطالعہ سے ہی ممکن ہے۔

باغبانی کے پیشہ میں مدد : دنیا کے بہت سے علاقوں میں وہاں کے طبعی حالات' آب وہوا اور دیگر عوامل باغبانی یا پھلوں کی کاشت کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ چنانچہ علمِ جغرافیہ ایک کامیاب باغبان کو بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے۔

محکمہ موسمیات کے لئے علم جغرافیہ بڑا مددگار ثابت ہوا ہے کہ اسی علم میں آلات کے ذریعے کسی مقام کا درجہ حرارت اور پیش نہادہ موسم کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

جذبہ سیر وسیاحت وکتب بینی : علمِ جغرافیہ ہی وہ واحد مضمون ہے جو طلباء میں سیر وسیاحت اور دیگر ممالک

کو دیکھنے کا شوق پیدا کرتا ہے۔اس مضمون کی کتابوں میں طالب علم جب دنیا کے مختلف ممالک کے پہاڑوں' دریاؤں' شہروں' آبشاروں' صحت افزا مقامات' لوگوں کا طرزِ زندگی اور دیگر حالات کا مطالعہ کرتا ہے' تو اس میں ان مقامات کی سیر کا شوق اُبھرتا ہے اور اُن کی سیر وتفریح سے لطف اندوز ہوتا ہے۔☆

ثقافتی پہلو :علمِ جغرافیہ کا مطالعہ ہمیں دنیا کو سمجھنے کی فہم عطا کرتا ہے۔دنیا میں رونما ہونے والے حالات سے آگاہی ہم اس علم کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔اس علم کی مدد سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کسی ملک کے لوگوں نے اپنے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرکے اپنے آپ کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا ہے۔پس موجودہ ترقی یافتہ دَور میں ہم ایک دوسرے ملک کے حالات سے فوری طور پر آگاہی حاصل کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو سکتے ہیں۔

مسلمان سائنس دانوں کی علمِ جغرافیہ میں خدمات

''واسکوڈی گاما نے ہندوستان کو بحری سفر ایک مسلمان عرب امیرالبحر شہاب الدین احمد بن ماجد المعروف بہ ''اسدالبحر'' (شیر سمندر) کی مدد سے طے کیا۔اس امیرالبحر نے واسکوڈی گاما کو ہندوستان کا راستہ بتایا اور اُسے افریقہ کے شرقی ساحل سے وہاں لے گیا۔ابنِ ماجد سمندری سفر اور علم البحر پر کئی کتابچوں کا مصنّف ہے۔''

("Islam and the Arabs"... Landau Rom, p. 174)

''پرتگال کے شہزادہ ہنری نے مسلمان اور یہودی ماہرین (جنھوں نے مسلم علاقوں میں تربیت پائی تھی) کے زیرِ نگرانی اپنی عظیم جہازرانی کی فنی درسگاہ (اکیڈمی) کیپ سنٹ ونسنٹ میں قائم کی جس نے واسکوڈی گاما کی اور روئے زمین کی انتہائی حدتک یورپ کی وسعت کی راہ ہموار کی۔'' ... ("The Making of Humanity"

Dr. Robert Briffault, p. 202, Lahore, 1980 Edition).

''مسلمانوں نے بھارت' چین' ملاکا' ٹمبکٹو اور سنٹرل افریقہ کے تجارتی مراکز کے زمینی راستے کھولے اور اپنے تجارتی کاروان' صحارا کے اُس پار بھیجے۔بھارت کی طرف آنے والے سمندری راستوں پر اُن کی اجارہ داری تھی اور سوڈان کے ساحل سے لے کر ممبازا' موزنبیق' زنجی بار اور مڈغاسکر کے علاقے اُن کے زیرِ نگیں تھے۔'' (ایضاً' ص ۲۰۴)

''ساتویں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے علمِ جغرافیہ میں خاصی دلچسپی لی۔اُس نے دنیا کا ایک لمبا نقشہ تیار کرنے کے لئے ستّر ماہرین کو مقرر کیا۔اِن ماہرین میں ایک محمد بن موسیٰ الخوارزمی نام کے تھے جنھوں نے ''رَسْمُ المَعْمُور مِن البلاد'' کے نام سے ایک جغرافیائی کام تالیف کیا جس میں اُن ماہرین کی تحقیقات کے نتائج شامل

☆مذہب اسلام نے کافر اور مؤمن کی سیر وتفریح میں واضح فرق قائم کیا ہے۔کافر کی سیر وتفریح نفس کی خوشی اور کسی دنیاوی مقصد کے تحت ہوتی ہے' اس کے علاوہ اُس کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔لیکن مسلمان کی سیر وتفریح کا مقصد کائنات میں ربّ ذوالجلال والاکرام کے پھیلے ہوئے جلووں کے مشاہدہ کے ذریعے ایمان کو تازگی وتابندگی دینا اور قربِ الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

ہیں۔الخوارزمی نے بطلیموس کے جغرافیائی کام کی متن اور نقشوں دونوں میں اصلاح کی۔اُنہوں نے مختلف مقامات کے طول بلد اور عرض بلد دینے میں بطلیموس کا تتبع کیا۔اُنہوں نے اُن مقامات کی جغرافیائی حیثیت بھی دی جو طلوعِ اسلام کے بعد معرضِ وجود میں آئے۔'' ("The Legacy of Islam".... Arnold and Guillaume, p. 84)

''۸۵۱عیسوی میں سلیمان نام کے ایک مسلم سوداگر کی تصنیف ملتی ہے جس نے چین اور بحرِ ہند کے کئی ساحلی علاقوں کا سفر کیا۔عربی زبان میں ان علاقوں کے متعلق یہ پہلی تصنیف ہے۔دسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں چینیوں اور مسلمانوں کے مابین تجارتی تعلقات پر یہ کتاب روشنی ڈالتی ہے۔اس سفر کی بابت ایک اور کتاب ابوزید نے لکھی۔یہ سفر ابن وھب نے ۸۷۰عیسوی میں ملکِ چین کو کیا۔'' ("Introduction to the History of Science"... George Sarton, Vol. 1, p. 571, Washington, 1927).

''نویں صدی عیسوی میں کئی شاہراہیں اور ممالک سے متعلق معلومات معرضِ وجود میں آئیں۔ایسی ہی معلومات کی ایک کتاب ''کتاب المسالك والممالك'' کے نام سے فارسی نژاد ایک جغرافیہ دان خوردزبہ نے لکھی جو دُور دراز کے علاقوں کے سفر کے مختصر بیان پر مشتمل ہے۔یہ کتاب مسلم مملکت کی مقام نگاری کے مطالعہ کا ایک اہم ماخذ ہے۔اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔'' (''کتاب المسالك والممالك'' لابن خوردزبہ' لیڈن

''اُسی زمانے کی معلومات سے متعلق ایک کتاب ''کتاب المسالك والممالك'' ہی کے نام سے ۸۹۱-۸۹۲ء میں احمد بن ابی یعقوب نے لکھی جو ایک مؤرخ اور جغرافیہ دان تھے اور الیعقوبی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔یہ کتاب مصنف کا شاہکار کارنامہ ہے۔الیعقوبی نے بلادِ فارس' ہند' عرب' شام اور مغرب میں تیونس' الجیریا' مراکو اور سپین کی سیاحت کی۔اُنہوں نے اُن علاقوں کے لوگوں کی عادات' رسوم و رواج اور وہاں کی حکومتوں اور اُن ممالک کے مختلف مقامات کے مابین فاصلوں کے متعلق معلومات اکٹھی کیں۔الیعقوبی نے خلفاء اور دوسرے حکمرانوں کے ہاتھوں مفتوحہ علاقوں اور خراج (زمینی ٹیکس) کی رقم کی اُس مقدار کو بھی بیان کیا جو وہاں کی حکومتیں وصول کرتی تھیں۔یہ کتاب جغرافیائی معلومات کا ابتدائی اور مستند ماخذ ہے اور اس میں بغداد کا تذکرہ بالخصوص دلچسپ ہے۔'' (''کتاب البُلدان'' لاحمد بن ابی یعقوب' صفحات الف تا ذ' مطبع حیدریہ' نجف)

''دسویں صدی عیسوی کے ایک اور اہم جغرافیہ دان اور سیّاح ابو اسحاق ابراہیم ابن محمد الاصطخری تھے۔اُنہوں نے ملکِ عرب اور ہندوستان کے کچھ علاقوں کا سفر کیا اور بحر اوقیانوس کے علاقوں (Atlantic Regions) تک جا پہنچے۔اُنہوں نے دو جغرافیائی تصنیفات کیں جن میں سے ایک ''صُوَرُ الاقالیم'' کے نام سے ہے جو بلخی کی اُسی نام کی تصنیف صُوَرُ الاقالیم پر نظرِ ثانی ہے۔دوسری تصنیف ''کتاب المسالك والممالك'' کے نام سے ہے جس میں ہر ملک کا رنگین نقشہ شامل ہے۔ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کتاب سے یاقوت حموی نے اپنی کتاب ''مُعجم البُلدان'' میں خاصا استفادہ کیا۔'' (''کتاب المَسالك والممالك'' لاصطخری' لیڈن ۱۹۲۷ء)

''اِس زمانہ کے ایک اور سیّاح وجغرافیہ دان ابوالقاسم محمد ابن حوقل تھے جن کا پیشہ تجارت تھا۔ اُنہوں نے ۹۴۳ عیسوی میں بغداد کے سفر سے ابتدا کی اور بلادِ مغرب اور سسلی تک جا پہنچے۔ سپین اور دوسرے علاقوں کا بھی اُنہوں نے سفر کیا۔ جغرافیہ دان الاصطخری کی درخواست پر اُنہوں نے اپنے جغرافیائی کام کے نقشوں اور متن پر نظرِ ثانی کی۔ پھر اُنہوں نے اپنی ذاتی تصنیف ''کتاب المسالك والممالك'' کے نام سے لکھی جس میں ہر ملک کا نقشہ شامل ہے۔''
("Introduction to the History of Science"... George Sarton, Vol. 1, p. 674)

''ایک اور معروف جغرافیہ دان اور سیّاح محمد بن احمد بن ابوبکر المقدسی تھے جنہوں نے پہلے پہل تجارت کے سلسلہ میں وسیع وعریض مقامات کے سفر کئے اور اِن سفروں نے اُنہیں مختلف علاقوں کی تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ بعد میں اُنہوں نے تجارت کو ترک کر کے دنیا کی معلومات حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا شروع کئے۔ اِن سفروں نے اُنہیں قریبی اور براہِ راست مشاہدات کا موقع فراہم کیا اور اُنہیں مختلف مقامات کی معلومات مہیا کیں۔ اَلمُقدِسی نے اپنا سفرنامہ ''أحسَنُ التَّقسیم فی معرفة الاقالیم'' کے نام سے لکھا جو اصلی اور براہِ راست معلومات پر مشتمل ہے اور اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ممالکِ شام اور فلسطین سے متعلق کتاب کے کچھ حصّے کا ترجمہ جرمن زبان میں ہو چکا ہے۔ مصنف نے کچھ وقت ہندوستان میں گزارا جہاں اُنہوں نے کچھ جغرافیائی تصانیف کیں اور زمین کے اپنے محور کے گرد گردش پر بحث کی۔ اُن کے نزدیک وادیٔ سندھ ابتدائی طور پر سمندر کا طاس تھا جو بعد میں سیلابی مٹی سے بھر گیا۔ اُنہوں نے طول بلد اور عرض بلد کا صحیح تعیّن کیا اور ارض پیمائی کے طریقوں کو بیان کیا۔''
('' نُودِیة العارفین'' لاسماعیل باشا البغدادی' جلد دوم' صفحہ ۶۲' استنبول ۱۹۵۱ء)

''گیارھویں صدی عیسوی کے ایک اور اہم جغرافیہ دان عبداللہ بن عبدالبکری نام کے تھے۔ وہ ماہرِ علمِ نباتات' لغت نویس اور مؤرخ بھی تھے۔ اُنہوں نے بہت سے مضامین پر قابلِ قدر کتب تصانیف کیں۔ ہسپانوی علاقوں کے بادشاہ اُن کی کتابوں کو ایک دوسرے کو بہ طورِ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب جغرافیائی معلومات سے متعلق ''کتاب المسالك والممالك'' کے نام سے ہے جو روئدادِ سفر کی شکل میں ہے۔ اس میں تاریخی اور نسلی جغرافیہ کی معلومات بھی شامل ہیں۔ اُنہوں نے ایک جغرافیائی لغت بھی تیار کی جس میں زیادہ تر ملکِ عرب کی معلومات ہیں۔'' (جارج سارٹن' صفحہ ۷۶۸)

''گیارھویں صدی عیسوی کے ایک اور سیّاح ناصر خسرو تھے جو ایک فلسفی اور شاعر بھی تھے۔ وہ ۱۰۰۳ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ء میں فوت ہوئے۔ اُنہوں نے ۱۰۴۵ء سے لے کر ۱۰۵۲ء تک عرب' شام' مصر' فلسطین اور فارس کے سفر کئے اور اپنے سفرنامے کی روئداد فارسی زبان میں بہ عنوان ''سفرنامہ'' لکھی جو جغرافیائی' نسلی جغرافیہ اور آثارِ قدیمہ کی معلومات پر مشتمل ہے۔'' (ایضاً)

''بارھویں صدی عیسوی کے جغرافیہ دان ابن البلخی ہیں جنہوں نے فارسی زبان میں ''فارس نامہ'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی جس کا اب انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔'' (ایضاً' جلد ۲' ص ۲۲۱)

۱۶۳۶ (جغرافیہ۔۔۔Geography)

''اُسی زمانہ کے ایک اور سیّاح' جغرافیہ دان اور نقشہ نگار ابو عبداللہ بن عبدالرحیم الغرناطی تھے جو ۱۰۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۹ء میں دمشق میں فوت ہوئے۔ اُنہوں نے ہسپانیہ سے مشرق کو سفر کیا۔ ۱۱۱۷ء میں اُنہوں نے براستہ سسلی و سردینیا' ہسپانیہ سے مصر تک کا سفر کیا۔ وہ بغداد' ابحر' جبال' تخسین گئے۔ تخسین میں وہ کئی سال رہے۔ اُنہوں نے کازان کے قریب بلغار اور ہنگری کا بھی سفر کیا۔ ۱۱۶۰ء میں وہ بغداد پہنچ گئے۔ بعد میں وہ خراسان اور شام کے مختلف مقامات پر رہے۔ اُنہوں نے کئی جغرافیائی تصنیفات کیں۔ غیر ممالک سے متعلق اُن کے بیانات زیادہ تر دلچسپ حکایات پر مشتمل ہیں۔ اُن کی ایک تصنیف ''تحفة الالباب و نخبة العجائب'' ہے جو مندرجہ ذیل کئی حصّوں پر مشتمل ہے:۔

(۱) تعارف

(۲) دنیا کا عمومی بیان اور اس کے مکین بہ شمول جنّات۔

(۳) مختلف ممالک کے انوکھے پن کی کیفیات۔

(۴) سمندر' جزیرے اور اُن میں رہنے والے عجیب و غریب جانور۔

(۵) قافلے اور پتھرائے ہوئے ڈھانچے وغیرہ۔

''اِس زمانہ کے ایک اور ممتاز' سربرآوردہ عالم اور قرونِ وسطٰی کے عظیم جغرافیہ دان الشریف الادریسی تھے۔ آپ مؤرّخ' علم نباتات کے ماہر' سیّاح' صوت نویس اور شاعر بھی تھے۔ آپ ۱۰۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں کے طول طویل سفر کئے اور بالآخر وہ سسلی پہنچ گئے۔ آپ پیلرمو میں فروکش ہوئے جہاں آپ سسلی کے بادشاہ روجر ثانی کے درباری بن گئے۔ اس وجہ سے آپ کو ''الصقلی'' بھی کہا جاتا ہے۔''

''پیلرمو میں قیام کے دوران الادریسی نے دنیا کے جغرافیہ سے متعلق اپنے عظیم اور شاندار کام بہ عنوان ''نُزھَة المشتاق فی اختراق الآفاق'' کی تالیف شروع کی جس کی تکمیل ۱۱۵۴ء میں ہوئی۔ قرونِ وسطٰی کی تاریخ اور جغرافیہ پر لکھی گئی یہ انتہائی جامع' معلوماتی اور یورپ کے بیان پر عربی زبان میں بہترین کتاب ہے۔ بعد کے مسلمان جغرافیہ دانوں نے یورپ سے متعلق اس مستند کتاب سے معلومات اخذ کیں۔''

''نُزھَة المُشتاق'' ۷۱ نقشوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک عالمی نقشہ کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے اور بقایا ستّر (۷۰) نقشے اُس کے درمیان میں دئے گئے ہیں۔ بطلیموس نے دنیا کو جن سات موسموں میں تقسیم کیا تھا' اُن نقشوں میں سے ہر نقشہ اُن ۷۰ موسموں کے دسویں حصّہ کو ظاہر کرتا ہے۔ کتاب کا ہر حصّہ اِن ۷۰ نقشوں میں سے ہر نقشے کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب کے نقشے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ مصنف زمین کی کرویت (گولائی) کا قائل ہے۔ الادریسی کی تصنیف کے مکمل عربی متن کا مطالعہ تنقیدی طور پر نہیں کیا گیا اور نہ ہی مکمل طور پر اسے مشتہر کیا گیا۔ بہت سے علماء نے اس کی تدوین کا کام اپنے ذمہ لیا لیکن کچھ مشکلات کی وجہ سے یا تو اُنہوں نے اس کام کو چھوڑ دیا' یا ایک یا دو ابواب پر کام کر کے بیٹھ گئے۔ ہندوستان اور آس پاس کے علاقوں سے متعلق باب ۱۹۵۴ء میں ہندوستان میں مشتہر

ہوا۔ کتاب کا ترجمہ لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ہو چکا ہے۔'' (''معجم المؤلفین'' لعمر رضا کحالہ، جلد ۱۱، صفحہ ۲۳۶) مطبع ترقی، دمشق ۱۹۶۰ء۔

''اس صدی کے ایک اور مشہور عالم، سیاح اور جغرافیہ دان ابن جبیر الکنعانی تھے جنہیں ادب، شاعری، فقہ اور حدیث کا علم بھی حاصل تھا۔ ابن جبیر کی تصنیفات کی بنیاد اُن کے سفرنامے اور شاعری ہیں۔ اُنہوں نے کچھ مرثیے اپنی مرحومہ بیوی کے نام لکھے اور کچھ نظمیں اپنے زمانہ کے حالات پر بطورِ طنز کمپوز کیں۔ ابن جبیر نے مشرق کو تین دفعہ سفر کئے، ہر سفر کا آغاز ہسپانیہ سے کیا اور ہر دفعہ حج کی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔ اُنہوں نے اپنا پہلا سفر ۱۱۸۲ء میں کیا۔ اپنا دوسرا سفر یروشلم کی فتح کی خبر سن کر کیا۔ اپنا تیسرا سفر اُنہوں نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد کیا۔ پہلے پہل وہ مکہ مکرمہ گئے جہاں وہ ایک طویل عرصہ رہے۔ پھر وہ وہاں سے یروشلم، وہاں سے مصر اور پھر اسکندریہ گئے جہاں وہ تادمِ آخر روایتِ حدیث میں مصروف رہے۔''

''ابن جبیر کا پہلا سفر دو سال ساڑھے تین مہینے (۱۱۸۲ء تا ۱۱۸۵ء) جاری رہا۔ اپنے سفر کے دوران وہ مصر، عرب، عراق، شام اور سسلی گئے۔ اس سفر کے اختتام پر اُنہوں نے سفرنامہ تحریر کیا جس میں اُنہوں نے اُن مقامات کی تفصیل دی جہاں وہ قیام پذیر رہے، یا جہاں سے اُن کا گزر ہوا۔ اُنہوں نے مساجد، صحابہ کرام اور دوسرے مشہور و معروف لوگوں کے مقبروں، شفاخانوں اور مشہور یادگاروں کے تفصیلی بیان پر خصوصی زور دیا ہے۔ اُنہوں نے بالخصوص مصر کے معاشرتی و اقتصادی پہلوؤں، عرب شہروں کے مذہبی پہلوؤں، عراق میں مذہبی مبلغین کی سرگرمیوں، شام کے سیاسی اور اقتصادی حالات، مسلمانوں اور صلیبیوں کے مابین جنگوں اور سسلی کے اُن مسلمانوں کی حالت بیان کی ہے جو گلیوم بادشاہ کی جاگیرداری میں رہ رہے تھے۔ مختلف مقامات کے بیان میں اُنہوں نے اُن مقامات کی اہمیت بیان کی جس کی وجہ سے وہ مقامات مشہور تھے، مثلاً اسکندریہ کا لائٹ ہاؤس، اہرامِ مصر، قاہرہ کا ابوالہول کا مجسمہ، مکہ کی مقدس جگہیں، مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی، کوفہ کی جامع مسجد، موصل کا آتش گیر تیل، الیپو کا قلعہ اور دمشق کی اموی مسجد۔''

''ابن جبیر کا سفرنامہ ایسی معلومات پر مشتمل ہے جو اُن جغرافیہ دانوں، مؤرخین اور ادیبوں کے لئے ناگزیر ہے جو تاریخِ اسلام کے اس اہم زمانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ مصنف نے صلاح الدین ایوبی کو ایک عظیم شخصیت کے طور پر آشکار کیا ہے اور اس ہیرو کو جو بلند مقام اپنے زمانہ کے مسلمانوں کے دلوں میں حاصل تھا، اُسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جنگ اور امن کے زمانوں میں مسلمانوں اور صلیبی عیسائیوں کے مابین تعلقات کو بھی اُنہوں نے بیان کیا ہے جس کا ذکر تاریخ کی اکثر کتب میں ناپید ہے۔ سسلی اور اُن علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی حالت بھی بیان کی ہے جہاں صلیبی عیسائی ملکِ شام سے پہنچے تھے۔ اُنہوں نے اہالیانِ مشرق کی زندگی اور طور طریقوں کے بھی کچھ حوالہ جات دئے ہیں جن میں سے اکثر کا اب بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ سفرنامہ بہت اہم اور دلچسپ ہے۔ بہت سے مستشرقین نے اس کے مطالعہ میں گہری دلچسپی لی اور اس پر مفید تبصرے تحریر کئے۔ سسلی کے سفرنامے کے کچھ حصّوں کا ترجمہ فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں ہو چکا ہے۔''

’’تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک اہم مسلمان سیّاح اور جغرافیہ دان ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ شہاب الدین الحموی الرومی تھے۔ آپ ایک قابلِ اعتبار مؤرّخ، لغت نویس اور ماہرِ لسانیات تھے۔ اپنے زمانہ شباب ہی میں اُنہوں نے سفر کا آغاز کر دیا تھا۔ کتابوں کو نقل کرنا آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ آپ نے بہت وسیع و عریض سفر کئے یہاں تک کہ آپ خراسان کے شہر مَرو پہنچے۔ شام اور مصر کا بھی اُنہوں نے سفر کیا اور آپ کے سفر مہمات سے پُر ہیں۔‘‘

’’یاقوت حموی نے ’’مُعْجَم البُلدان‘‘ کے نام سے جغرافیہ کی ایک ڈکشنری تحریر کی جو مصنّف کا نمایاں کام ہے اور ادبِ عربی کا ایک اہم شہ پارہ ہے۔ یہ علمِ جغرافیہ، تاریخ، نسلی جغرافیہ اور طبعی تاریخ پر معلومات کی ایک کان ہے۔ حروفِ تہجی کی ترتیب پر اسے منظّم کیا گیا ہے۔ اس کا تعارف ریاضیاتی، طبیعیاتی اور سیاسی جغرافیہ، سات موسموں، زمین کے سائز اور اسی قسم کے مضامین کو شامل ہے۔ یہ ڈکشنری اُن مقامات جن کا ذکر اس میں ہے، کے ناموں کے صحیح تلفظ اور اُن کی ساخت کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہے۔ تاریخی حوالہ جات، علماء و فضلاء کی سوانح حیات اور صَرف و نحو کے مباحث بھی اس میں شامل ہیں۔‘‘

’’یاقوت الحموی اور بھی مختلف کتابوں کے مصنّف ہیں مثلاً ڈکشنریاں متعلق بہ شعراء و اُدباء کی سوانح حیات‘‘

’’تیرھویں صدی عیسوی کے ایک مسلمان جغرافیہ دان ابوالحسن محمد المغربی تھے جو ایک مؤرّخ اور شاعر بھی تھے اور ادبِ عربی کا بھی خاصا علم رکھتے تھے۔ اپنے وسیع و عریض سفروں کے دوران اُنہوں نے مصر، شام اور عراق کا دورہ کیا اور ہلاکو خاں کے مہمان بھی رہے۔ بغداد میں قیام کے دوران اُنہوں نے ۳۶ لائبریریوں کا معائنہ کیا۔ اُنہوں نے یورپ کے اُن شمالی ممالک کی تفصیل دی جہاں سفید رنگ کے ریچھ پائے جاتے ہیں۔ آپ مختلف مضامین کی کتابوں کے مصنّف ہیں۔ آپ کی علمِ جغرافیہ پر ایک اہم کتاب ’’کتاب بصر الارض فی الطول والعرض‘‘ کے نام سے ہے جسے ’’کتاب الجغرافیہ‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد بطلیموس اور الادریسی کی تصانیف ہیں لیکن ان دونوں حضرات کے بعد کے زمانوں میں حاصل کی گئی معلومات بھی اس میں شامل ہیں۔ آپ نے قبل از اسلام کی تاریخ اور دو دیگر تصانیف بھی لکھیں جن میں سے ایک مغرب اور دوسری مشرق کے ممالک سے متعلق ہے۔‘‘ (ایضاً)

’’ایک اور سیّاح جن کا تعلق مشرق کی مسلمان حکومت سے ہے، علی بن ابی بکر الحراوی ہیں جو ایک مؤرّخ بھی ہیں۔ وہ یروشلم بھی گئے جو اُن دنوں عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ جنہوں نے ’’کتاب فی معرفۃِ الزِّیارات‘‘ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جو حجاج کرام کے لئے راہنما ہے اور جس میں انہوں نے شام، فلسطین، مصر، بازنطینی حکومت، میسوپوٹامیا، بھارت، عرب، مغرب جیسے ممالک اور حبشہ کے متعلق مختصر لیکن براہِ راست معلومات دی ہیں (سوائے آخری دو مذکورہ ممالک کے)۔ آپ کا ایک سفر نامہ اور مختلف مضامین پر تصانیف بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کا گزر جس مشہور جگہ سے بھی ہوتا، وہ اُس کی دیواروں پر لکھتے جاتے۔‘‘ (ایضاً جزء ۱، ص ۴۱۳)

''عراق اور کردستان کے آخری سلجوقی فرمانروا طغرل ثانی کے عہدِ حکومت میں فارس کے ایک سماوی ترسیم نگار (Cosmographer) محمد بن محمود بن احمد الطوسی السلمانی کو خوب شہرت ملی جس نے فارسی زبان میں ترسیم نگاری کی ایک کتاب بہ عنوان ''عجائب المخلوقات'' لکھی۔ اس کے آغاز میں چھ نقشے ہیں جو بحرِ کیسپین' بحیرہ روم' جبال' سندھ' بحیرہ عرب اور عرب کو شامل ہیں۔'' (''کشف الظنون'' لحاجی خلیفہ' ج ۲' ص ۱۱۲۸ بحوالہ محمد سعود)

(۵۶) علم ارضیات (GEOLOGY)

''جیالوجی زمین سے متعلق معلومات کا علم ہے اور انسان کا اُس سیّارے کو سمجھنے کی منظم کوشش کا نام ہے جس پر وہ رہتا ہے۔ اس علم کے ذریعے روئے زمین کے اندرونی طبقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس میں موجود مختلف چٹانوں کی ساخت اور اُن کے تجزیے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ان علاقوں میں کس قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں اور ان معدنیات کی مقدار کا اندازہ لگانے کے بعد ہی وہاں پر معدنیات کا نکالنا ممکن ہوتا ہے۔'' ("Principles of Geology" ... James Gilluly, p. 1) USA. 1968.

''نظامِ شمسی میں تیسرا سیّارہ زمین ہے جو زہرہ اور مریخ کے درمیان واقع ہے۔ عطارد اور زہرہ کے بعد سورج کے قریب ترین سیارہ زمین ہے۔ ہماری زمین سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے۔''

''زمین اپنے محور کے گرد بھی گھومتی ہے اور سورج کے گرد بھی گھومتی ہے۔ محور کے گرد گھومنے سے دن رات پیدا ہوتے ہیں اور سورج کے گرد گھومنے سے موسموں کا تغیر و تبدّل رُونما ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر زمین دُہری گردش میں مصروف ہے۔ اس کی مثال بالکل ایک لٹو کی سی ہے جو اپنی سوئی پر گھومنے کے ساتھ ایک اور بڑا چکر بھی لگاتا جاتا ہے۔ زمین کی ان دو گردشوں کو ہم ''روزانہ گردش'' اور ''سالانہ گردش'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''

<u>زمین کا اندرونی حصّہ</u> : انسان نے زمین کے اندر سوراخ کر کے اُس کی تہ کی تحقیق کرنا چاہی کہ زمین کے اندر کیا چیزیں ہیں تو وہ ایک یا دو میل سے زیادہ کے حالات معلوم نہ کر سکا لیکن یہ ضروری نہیں کہ زمین کے اندرونی حصّے کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہزاروں میل تک زمین کے نیچے کے سربستہ رازوں تک پہنچا جائے کیونکہ اتنی دُور تک جانا انسان کی قوّت سے باہر ہے۔ قدرت نے اُس کی راہنمائی کی اور آتش فشاں پہاڑوں کو تحقیقات کا ذریعہ بنایا۔ زمین کے نیچے جو عمل جاری ہوتا ہے' آتش فشاں پہاڑ اس کا مظہر ہیں۔ اُن کے ذریعے سے جو مادہ لاوے کی شکل میں باہر نکلتا ہے' اس سے کئی نتائج برآمد کئے جا سکتے ہیں۔ زمین کے ۱۸۰۰ میل پر مشتمل جگہ میں زیادہ تر پگھلا ہوا لوہا اور دوسری دھاتیں ہیں جن میں نکل بھی شامل ہے۔ اس کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہے جو دو ہزار ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچتا ہے اور یہ باہر کے حصّے سے دبا ہوا ہے۔ اس وجہ سے اس کی کثافت میں پچاس فیصد

اضافہ ہو جاتا ہے۔ زمین ۵۰ فیصد لوہے، ۶ء۲۴ فیصد کثیف چٹانوں، ۳۶ء۵ فیصد گرینائٹ، ۱۶ فیصد گاوآمیز چٹانوں اور ۶ء۵۶ فیصد سمندر پر مشتمل ہے۔ اس میں لوہے کی مقدار دوسرے نمبر پر ہے جو زمین کے بیرونی حصّے پر بہت کم ہے۔ لوہے کا بیشتر حصّہ زمین کے اندر ہے جو پگھلا ہوا ہے۔

''جیالوجی کی فطری خصوصیت : مجموعی طور پر زمین کا عمل اور ردِّ عمل پتھریلے صدف کی طرح ہے۔ اس کی موٹائی دو ہزار میل ہے۔ وہ چار ہزار قطر کے پگھلے ہوئے فولاد کے منطقہ پر قائم ہے۔ دس میل کی بیرونی تہہ سلیکون کی ہے جسے زمین کا بالائی پرت (Crust) کہا جاتا ہے۔ عناصر کی اصطلاح میں یہ بالائی پرت ۴۷ فیصد آکسیجن، ۲۸ فیصد سلیکون، آٹھ فیصد ایلومینیم، پانچ فیصد لوہے، ۳ء۵ فیصد کیلشیم، ۲ء۷۵ فیصد سوڈیم، ۲ء۵ فیصد پوٹاشیم، ۲ء۲۵ فیصد میگنیشیم اور بقایا ۸۳ عناصر سب مل کر ایک فیصد پر مشتمل ہیں۔ چند مفید دھاتیں بھی زمین میں موجود ہیں۔ یورینیم اور تھوریم بھی زمین کے اندر موجود ہیں۔'' ("A-One Comprehensive Gen. Knowledge"
... Mirza Muhammad Yusuf, p. 147)

زمین سے متعلق قرآن مجید میں یہ آیات مذکور ہیں :۔

(۱) اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (البقرۃ : ۲۲)

''وہ وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا۔'' (۲ : ۲۲)

(۲) اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّام (الاعراف : ۵۴)

''بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔'' (۷:۵۴)

یوم (جس کی جمع اَیَّام ہے) کا متعارف معنیٰ طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں یوم سے مراد متعارف یوم ۲۴ گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ یوم کا تصوّر طلوع وغروبِ آفتاب سے ہے۔ آفتاب آسمان میں ہوتا ہے۔ جب آسمان کی تخلیق بھی نہ ہوئی تھی تو آفتاب کہاں تھا؟ لہٰذا یوم سے یہاں مراد مرحلہ ہے یا اس سے مراد ایام دنیا میں سے چھ دنوں کی مقدار ہے، یا اس سے مراد چھ مختلف زمانے ہیں (تفسیر بیضاوی)۔

(۳) قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ O وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَا اَقْوَاتَھَا فِیْ اَرْبَعَۃِ اَیَّام --- فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا (فُصِّلَتْ: ۹، ۱۰، ۱۲)

''آپ فرما دیجئے کہ تم تو اُس (اللہ کی توحید) کے منکر ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم ایسے کے شریک ٹھہراتے ہو جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اُسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دئے اور اُس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اُس پر رہنے والوں کی غذائیں رکھ دیں۔۔ پھر دو مرحلوں میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب حکم بھیج دیا۔'' (سورہ ۴۱)

''قرآنِ مجید کی یہ مشکل ترین آیات میں سے ہیں جن میں ہماری اِس زمین اور اُس آسمان کی تخلیق کو بیان کیا گیا ہے جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ اگر ہم مذکورہ آیت (۹) میں بیان کردہ دو دِنوں' آیت (۱۰) میں بیان شدہ چار دِنوں اور آیت (۱۲) میں بیان کردہ دو دِنوں کو اکٹھا شمار کریں تو کل مجموعہ ۲ + ۴ + ۲ = ۸ بنتا ہے جبکہ کئی دوسری آیات کی رُو سے تخلیق چھ دنوں میں بیان کی گئی ہے جیسے سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں جس کا حوالہ گزشتہ صفحہ میں دیا گیا ہے۔ مفسرین نے آیت (۱۰) میں بیان کردہ چار دنوں میں آیت (۹) میں بیان کردہ دو دِنوں کو بھی اُنہی چار دنوں میں شمار کیا ہے اور اس طرح کل مجموعہ ۲ + ۴ = ۶ بنتا ہے۔ یہی بات معقول معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیات (۹) اور (۱۰) میں بیان شدہ طریق ہائے عمل (Processes) ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ایک صورت میں یہ زمین کے بے ہیئتی (Formless) مادّے کی تخلیق ہے تو دوسری صورت میں یہ زمین کی شکل' اس کے پہاڑوں' سمندروں' اس کی حیوانی اور نباتاتی زندگی کا تدریجی ارتقاء ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۴۴۷۰)

(۴) وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَO (الذّٰریٰت: ۴۸)
''اور زمین کو ہم نے فرش بنایا' سو ہم کیسے ہی اچھے بچھانے والے ہیں!'' (۴۸ : ۵۱)

یعنی سطحِ زمین کو تمام انسانوں کے بیٹھنے' کھڑا ہونے' لیٹنے اور چلنے پھرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اُس کی سطح نہ تو اتنی ملائم اور نرم ہے کہ اُس پر چلنے والے اُس میں دھنس جائیں اور نہ ہی اتنی سخت ہے کہ کھیتی باڑی' باغبانی اور مُردوں کو دفن کرنے کے لئے کھودا ہی نہ جا سکے۔ خلّاقِ عالم کی یہ تخلیق ایسی باعثِ صد ستائش ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا اصلاح کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ پھیلایا ہوا قالین زمین کا بالائی پرت (Crust) ہے اور ایک ٹھوس سیپ (صدف) ہے جس پر انسان رہ سکتا ہے کیونکہ کرۂ زمین کی زیریں سطح بہت گرم' سیّال' غیر محکم اور مسلسل تغیر پذیر اور کسی بھی قسم کی زندگی کے لئے ناموافق اور غیر موزوں ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (اَلْمُلْك: ۱۵)
''وہ وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا' سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ پیو۔'' (۱۵ : ۶۷)

یعنی زمین میں تمہارے لئے ہر قسم کے تصرّفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے اور تم خود اس پر حاکم اور متصرّف ہو۔ لہٰذا زمین سے جو چاہو کام لو اور جس طرح چاہو' رہو۔ چنانچہ انسان نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذہنی استعداد سے صحراؤں اور پہاڑوں پر' دریاؤں اور سمندروں میں بحری جہازوں اور دخانی کشتیوں کے ذریعے اور فضا میں ہوائی جہاز کے ذریعے راستے بنا لئے ہیں اور پُل' سرنگیں اور دوسرے ذرائع مواصلات بنا لئے ہیں۔ یہ سب انعامات و نوازشات صرف اسی لئے ہوئے کہ انسان کو بس اتنا یاد رہے کہ وہ بندہ ہے' خدا نہیں' خود مختار اور مطلق العنان نہیں' بلکہ اللہ کے قانون کا محکوم اور پابند ہے اور اُسی کے سامنے اپنے ہر عمل کا جوابدہ ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاO لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاO (نوح: ۱۹' ۲۰)
''اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تا کہ تم اُس کے کھلے راستوں میں چلو پھرو۔'' (۱۹' ۲۰ : ۷۱)

۱۶۴۲ (علم ارضیات---Geology)

زمین بیضوی شکل کی ہے، تاہم کیسے حیران کن اور معجزاتی طریقے سے اُسے ہمارے سامنے میدانوں، وادیوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں وغیرہ کے ساتھ بچھا دیا گیا ہے۔ اُس قادرِ مطلق کی اِن صناعیوں اور کاریگریوں کو دیکھ کر کیا جبینِ انسانیت اُس خلاقِ اعظم اور محسنِ عظیم کے حضور سجدہ ریز ہونے سے گریز کر سکتی ہے؟

نظریہ کوپرنیکن (Copernican Theory): یہ نظریہ زمین کی گردش سے متعلق ہے۔ Copernicus (۱۴۷۳ تا ۱۵۴۳ء) کا یہ نظریہ تھا کہ روشنی اور حرارت کا منبع ہونے کے لحاظ سے سورج کو کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے زمین اور دوسرے سیارے سورج کے گرد مدار میں گھومتے ہیں اور سیارگان کی ظاہر صورتوں میں جو ارتعاش (تھرتھراہٹ) پیدا ہوتا ہے وہ دراصل اُن کی اپنی حرکت اور زمین کی حرکت سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ کوپرنیکس نے یہ ثابت کیا کہ اجرامِ فلکی کے مقابلے میں زمین ایک انتہائی چھوٹا سا سیارہ ہے اور اس لئے یہ سمجھنا معقول بات ہے کہ زمین ہر چوبیس گھنٹوں میں اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے۔

زمین کی روزانہ گردش: ہماری زمین اپنے محور یعنی ساڑھے چھیاسٹھ درجہ کے زاویہ پر گھومتے ہوئے مغرب سے مشرق کی طرف سورج کے گرد تقریباً چوبیس گھنٹے میں اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے۔ مشرق میں واقع مقامات پر سورج پہلے طلوع ہوتا ہے اور اس کی شعاعیں مغربی مقامات کی جانب منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً آدھی دنیا میں ایک وقت دن ہوتا ہے اور آدھی دُنیا میں اندھیرے کے سبب رات ہوتی ہے۔ بارہ گھنٹوں کے بعد زمین کے جن حصّوں میں دن ہوتا ہے، وہاں رات ہو جاتی ہے اور جہاں پہلے رات تھی، وہاں دن ہو جاتا ہے اور اس طرح دن رات کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے۔ چنانچہ اس گردش کے باعث دن اور رات معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ قرآن مجید نے زمین کی اس روزانہ گردش کو خَلْقَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

زمین کی سالانہ گردش: ہماری زمین اپنے محور یعنی ساڑھے چھیاسٹھ درجہ کے زاویہ پر گھومتے ہوئے تقریباً ۳۶۵ دن + چھ گھنٹوں میں اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے۔ چنانچہ ماہرین ہر سال چھ چھ گھنٹے جمع کرتے رہتے ہیں اور ہر چار سال کے بعد ایک دن یعنی چوبیس گھنٹوں کا اضافہ کر کے ۳۶۶ دن کا سال شمار کر لیتے ہیں اور اس لیپ کے سال میں فروری کا مہینہ ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس سالانہ گردش (یعنی موسموں کے تغیر و تبدّل) کا ذکر سورہ قُرَیْش میں رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْف (جاڑے اور گرمی کا سفر) کے الفاظ میں ہے۔

''اگر یہ کہا جائے کہ اگر زمین گردش کر رہی ہے تو ہم ہلتے جلتے کیوں نہیں اور چکر کھا کر گر کیوں نہیں جاتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت بڑے بحری جہاز کے مسافر اُس میں پُرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور اُنہیں اس کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہوائی جہاز کے مسافر بھی اس میں پُرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور اُنہیں بھی اس کی حرکت کا پتہ نہیں چلتا اور زمین تو بحری جہاز اور ہوائی جہاز سے اربہا درجہ بڑی ہے۔ اُس کی حرکت اور گردش سے اہلِ زمین کے سکون اور اُن کے چلنے پھرنے میں کیا فرق آ سکتا ہے!'' (تبیان القرآن، جلد نہم، صفحہ ۲۳۸)

زمین کی تخلیق کا زمانہ اور زمین کی عمر: ظاہر ہے کہ زمین کی تخلیق آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت پہلے ہوئی کیونکہ رب تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے ارادے کو فرشتوں کے سامنے یوں پیش کیا تھا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں (سورۃ البقرۃ: ۳۰)۔

''علمِ ارضیات کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق زمین کی عمر تخمیناً ۲،۲۰۰ ملین سال ہے۔'' ("A-One Comprehensive Gen. Knowledge" ... Mirza Muhammad Yusuf, p. 147)

اب سوال یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں سے پہلے کسے پیدا کیا گیا؟ قرآن مجید نے اس سوال کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ زمین و آسمان دونوں بہ یک وقت موجود تھے۔ چنانچہ فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء: ۳۰)

''کیا کافروں نے یہ نہیں جانا کہ آسمان اور زمین بند تھے' پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔'' (۳۰ : ۲۱)

زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب: لیکن سائل کی تشنگی ابھی باقی ہے کہ زمین و آسمان کا بہ یک وقت موجود ہونا دونوں کی بہ یک وقت تخلیق کو لازم نہیں۔ آخر تقدیم و تاخیر کسی حد تک تو ہوئی ہو گی۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین کو پہلے بنایا گیا یا آسمان کو؟ جو علماء پہلے زمین کی تخلیق کے قائل ہیں' اُن کا استدلال سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ سے ہے جس میں فرمایا گیا:

هُوَالَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ

''اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔''

یعنی زمین کو پیدا فرمانے کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اُن کا دوسرا استدلال سورہ فُصِّلَتْ کی آیات ۹ تا ۱۲ ہیں جن کا حوالہ ۱۶۴۰ پر موجود ہے۔ یہ آیات اس بات پر دال ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا۔

لیکن امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آسمان کو زمین سے پہلے بنایا گیا۔ اُن کا استدلال سورۃ النازعات کی اِن آیات سے ہے:

ءَ أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَاO رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَاO وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحٰهَاO وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَاO (اَلنّٰزِعٰت: ۲۷ تا ۳۰)

''آیا تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے آسمان کی چھت کو بلند کیا اور اُسے درست بنایا' اُس کی رات کو تاریک کیا اور اُس کے دن کو روشن کیا۔ اس کے بعد زمین کو ہموار کیا اور بچھایا۔'' (۲۷ تا ۳۰:۷۹)

''اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ فُصِّلَتْ: ۱۱ میں جو زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے' اُس

سے مراد یہ ہے کہ نفسِ زمین اور اُس کے مادّے کو آسمان سے پہلے بنایا اور سورۃ النّازعات: ۳۰ میں جو آسمان کے بعد زمین کے بنانے کا ذکر ہے' اُس سے مراد صرف زمین کا ہموار کرنا اور اُس کا پھیلانا نہیں ہے بلکہ زمین کو قابلِ کاشت بنانا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں ہے ''اور اس زمین سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا'' زمین میں کھیتی باڑی اور روئیدگی کی صلاحیت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب آسمان سے بارشیں ہوں۔ اس لئے پہلے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو قابلِ کاشت بنانے کا۔''

بَعْدَ ذٰلِكَ کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ یعنی آسمانوں کے بنانے کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا جیسے فرمایا: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (القلم: ۱۳) یعنی ولید بن مغیرہ ان عیوب کے ساتھ بے نسب بھی ہے۔'' (''تبیان القرآن''۔۔علامہ غلام رسول سعیدیؒ' شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی' جلد ۱۲' صفحہ ۵۵۹)

''زمین بیضوی (Spherical) ہے: قدیم زمانہ میں لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی (Flat) ہے۔ صدیوں تک انسان دُور کسی مہم پر جانے سے ڈرتا رہا کہ کہیں وہ کنارے سے گر نہ جائے۔ سر فرانسس ڈریک پہلا شخص تھا جس نے 1597ء میں بحری سفر کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ زمین بیضوی ہے۔ قرآن کی یہ آیت ملاحظہ ہو جو دن اور رات کی تبدیلی سے متعلق ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (لُقْمٰن: ۲۹)

''(اے مخاطب!) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے؟''

یعنی رات آہستہ آہستہ (یعنی بتدریج) دن میں بدلتی ہے اور دن رات میں۔ یہ عمل صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر زمین بیضوی ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو رات اور دن کی تبدیلی فوراً وقوع پذیر ہو جاتی۔ نیز سورۃ الزُّمَر کی آیت ۵ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ (وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے) میں يُكَوِّرُ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو كَوْر سے بنا ہے اور كَوْر کا معنی ''پگڑی کا بَل'' ہے۔ اس لحاظ سے يُكَوِّرُ کا معنی ہوا ''وہ لپیٹتا ہے'' جس طرح پگڑی کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ دن اور رات کے لپیٹنے کا عمل صرف اور صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب زمین بیضوی (Spherical) ہو۔

زمین گیند کی طرح بالکل گول نہیں بلکہ بیضوی ہے یعنی یہ قطبین پر چپٹی ہے اور سورۃ النازعات کی آیت ۳۰ زمین کی شکل کی وضاحت کرتی ہے جس میں فرمایا: وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (اور اس کے بعد اُس نے زمین کو پھیلا دیا) دَحٰهَا کا معنی ''شتر مرغ کا انڈہ'' ہے جو زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے (E.W. Lane's "An Arabic English Lexicon", Part 3, page : 857 Column 1)۔ لہٰذا قرآن مجید مکمل درستگی کے ساتھ زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت زمین کے چپٹا ہونے کا خیال عام تھا۔''

(''قرآن اور جدید سائنس''۔۔۔ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک' ص ص ۷۴' ۷۵)

زمین کا کرہ فضائی اور سطح سمندر سے اُس کا ارتفاع : کچھ قرآنی آیات کرہ فضائی سے متعلق ہیں۔ آج کے جدید سائنسی علم اور قرآنِ حکیم کے پیش کردہ نظریات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے۔مثلاً کرہ فضائی کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر ہم بے آرامی محسوس کرتے ہیں جو بلندی پر جاتے جاتے اور بھی بڑھتی جاتی ہے جو ایک ناقابلِ تردید سائنسی حقیقت ہے۔قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:۔

فَمَنْ يُّرِدِاللهُ أَنْ يَّهْدِيَه‘ يَشْرَحْ صَدْرَه‘ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّه‘ يَجْعَلْ صَدْرَه‘ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام : ۱۲۵)

''پس اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے' اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ تنگ بھنچا ہوا (نہایت تنگ) کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور سے (بمشکل) آسمان پر چڑھ رہا ہے۔''

آیت کے آخری (خط کشیدہ) حصہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو آسمان کی طرف چڑھنا ہو تو اُس کی چھاتی بند اور تنگ ہو جاتی ہے اور یہ ایک سائنسی حقیقت بھی ہے کہ جوں جوں ہم بلندی پر جاتے ہیں' فضائی دباؤ کم ہوتا جاتا ہے اور ہوا یعنی آکسیجن کی فراہمی بھی کم ہوتی جاتی ہے اور اُس میں سانس لینا دشوار ہوتا جاتا ہے۔ اِسی سائنسی حقیقت کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے جس میں آکسیجن کا بھی بالواسطہ ذکر ہے۔''

(''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔۔پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۲۴۱ تا ۲۴۴)

یہاں سوال یہ ہے کہ اُس جاہلیت کے دَور میں جہاں علامہ بلاذری کے بیان کے مطابق (بحوالہ ''فتوح البلدان'') نزولِ قرآن کے وقت پورے ملکِ عرب میں صرف تیرہ آدمی معمولی پڑھے لکھے تھے' اور جب ہوائی جہاز تو کیا' ہوائی پرواز کا تصوّر بھی انسان کے دامانِ خیال کو چھوا تک نہ تھا' اِس سائنسی حقیقت کو کہ آسمان کی بلندیاں پار کرتے کرتے کاربن ڈائی آکسائڈ بڑھتی جاتی ہے اور آکسیجن کم ہوتی جاتی ہے جس سے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے' ایک اُمّی شخص کی زبان سے کس نے کہلوایا۔ظاہر ہے یہ بتانے والا وہی ہے جو آکسیجن' کاربن ڈائی آکسائڈ' کرہِ فضائی اور اپنے رسول سب کا خالق ہے۔اس حقیقت کے اظہار میں جہاں ایک بہت بڑا سائنسی نکتہ بیان ہوا وہاں عظمتِ رسول اور عظمتِ قرآن بھی ثابت ہو گئے کہ (۱) یہ کلام واقعی من جانب اللہ ہے اور (۲) محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

''نان سٹاپ ایئر کنڈیشنر جو ہمارے جسم میں چل رہا ہے : سانس لینا اُن کاموں میں سے ایک ہے جسے ہم دن بھر لاشعوری طور پر کرتے رہتے ہیں۔اس عملِ تنفّس کے دوران کئی کیفیات واقع ہوتی ہیں جن میں ناک' سانس کی نالی اور پھیپھڑے شریک ہیں۔سانس لینے کا مطلب دراصل ہمارے جسم کے خلیوں کو آکسیجن پہنچانا ہے۔اسی لئے ہم اپنی سانس کو ایک مختصر سے وقت کے لئے روک سکتے ہیں۔اگر سانس روکنے کا یہ دَورانیہ لمبا ہو جائے تو ہمارے خلیے مرجائیں جس کا نتیجہ جسم کی موت ہوگا۔''("Miracles in Our Bodies" ... Harun Yahya, p. 92)

۱۶۴۶ (علم ارضیات ---Geology)

زمین کا حجم (سائز):

قطبی قطر :7,899,86 میل (قطب شمالی سے قطب جنوبی تک)

استوائی قطر:7,926,39 میل

قطبی محیط :24,857 میل

استوائی محیط: 24,901 میل

زمین کا رقبہ: کل سطحی رقبہ:196,940,400 مربع میل

("A-One Comprehensive Knowledge" ... Mirza Muhammad Yusuf)

خشکی کا رقبہ :56,896,081.56 مربع میل (جو زمین کے کل سطحی رقبے کا %28.89 ہے)

آبی رقبہ :140,044,318.40 مربع میل (جو زمین کے کل سطحی رقبے کا %71.11 ہے)۔

میزان : 196,940,399.96 مربع میل 100.00%

نوٹ: اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ ''علم البحر Oceanography'' کے عنوان کے تحت دی جائے گی۔

دنیا کا بلند ترین مقام : ماؤنٹ ایورسٹ جو سطح سمندر سے 29,144 فٹ بلند ہے۔

دنیا کا زیریں ترین مقام : بحرِ مُردار کا ساحل جو سطح سمندر سے 1,286 فٹ نیچے ہے۔

زمین کا وزن : 6.6 سو مہاسنکھ Sextillion (ہزار کو ہزار سے سات مرتبہ ضرب دینے سے بننے والا عدد) یا

زمین کا حجم : 5.87 x 10 ٹن (ایضاً)

''زمین کا حجم اور مقناطیسی میدان : زندگی کی بقا کے لئے زمین کا حجم، سورج سے اُس کے فاصلے، اُس کی گردشی رفتار یا جغرافیائی خدّ و خال سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ سیارگان کے باہمی فاصلے خاصی مسافت کے ہیں۔ مریخ (Mercury) کا حجم زمین کے حجم کے دسویں حصّے سے بھی کم ہے جبکہ مُشتری (Jupiter) اُس سے 318 گنا بڑا ہے۔ دوسرے سیارگان کے مقابلے میں کیا زمین کا حجم ''اتفاقی حادثے'' کا نتیجہ ہے یا اس کے پیچھے عقلِ کل کا غیر مرئی ہاتھ ہے؟''

''زمین کے حجم کے علاوہ، اس کا اندرونی حصّہ بھی خصوصاً ترکیب پایا ہوا ہے۔ اپنے مرکزی منطقہ (Core) کی وجہ سے زمین کا ایک مضبوط اور ٹھوس مقناطیسی میدان ہے جس کا بقائے حیات میں کردار انتہائی اہم اور ناگزیر ہے۔ پریس اور سیور لکھتے ہیں:۔

''زمین کا اندرونی حصّہ بہت زبردست ہے اور اُسے نفاست سے ایک ایسے حرارتی انجن سے متوازن رکھا گیا ہے جسے تابکاری کے ذریعے ایندھن پہنچایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اگر اس کی رفتار کچھ سست ہوتی تو اَرضیاتی سرگرمی کی رفتار بھی سست پڑ جاتی۔ مائع اور سیّال شے بنانے کے لئے لوہا نہ پگھلتا اور مقناطیسی میدان کبھی بھی ترقی نہ

کرتا۔اگر تابکاری ایندھن زیادہ ہوتا اور تیز رفتار انجن کی رفتار اس سے تیز تر ہوتی' تو آتش فشانی گیس اور خاک کی ذرّے سورج کو دُھندلا دیتے' کرّۂ فضائی شدید حد تک کثیف ہو جاتا اور سطحِ زمین آئے دن کے زلزلوں اور آتش فشانی دھماکوں سے تباہ ہو چکی ہوتی۔''("Earth"... Press & Siever, p. 4)

''یہ مقناطیسی میدان جس کی بابت ماہرینِ ارضیات بات کرتے ہیں' بقائے حیات کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس مقناطیسی میدان کا آغاز زمین کے مرکزی منطقہ (Core) کی ساخت سے ہوتا ہے۔یہ مرکزی منطقہ فولاد اور نِکل جیسے بھاری عناصر پر مشتمل ہے جن میں مقناطیسی چارج کو پکڑنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔زمین کا اندرونی منطقہ ٹھوس جبکہ بیرونی منطقہ سیّال ہے۔منطقہ کی دونوں تہیں ایک دوسرے کے گرد گھومتی ہیں اور یہ حرکت زمین کے مقناطیسی میدان کو وجود میں لاتی ہے۔سطح سے باہر نکلتے اور وسعت پذیر ہوتے ہوئے یہ مقناطیسی میدان زمین کو بیرونی فضا کی مضر تابکاری سے بچاتا ہے۔سورج کے علاوہ ستاروں کی تابکاری اس خول کے اندر نہیں جا سکتی۔ وان ایلن بیلٹ (Van Allen Belt) (یعنی وہ خطہ جو کئی ہزار کلومیٹر کی بلندی پر زمین کو جزوی طور پر گھیرے ہوئے ہے)' جس کے مقناطیسی خطوط زمین سے دس ہزار میل تک پھیلے ہوئے ہیں' زمین کو اِس مہلک قوّت سے محفوظ رکھتے ہیں۔''

''اگر یہ حفاظتی ڈھال نہ ہوتی تو وقتاً فوقتاً کی مُضر تابکاری سے زندگی تباہ ہو چکی ہوتی بلکہ زندگی کا وجود تک نہ ہوتا۔جیسا کہ Press & Siever نے کہا کہ زمین کا مرکزی منطقہ حیاتِ ارضی کے تحفظ کے لئے بڑے ہی عاقلانہ طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے۔("The Creation of the Universe".. Harun Yahya, pp. 92, 93)

قرآن مجید اس قابلِ گزران منظّم عالمِ سماوی (Cosmos) کے متعلق جچے تُلے طور پر یوں بات کرتا ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ O (الانبیاء : ۳۲)

''اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور لوگ اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔''

نوٹ:''آسمان کے محفوظ چھت ہونے'' کی توضیح جلد اوّل کے صفحات ۴۱۵ تا ۴۱۷ پر ''فلکیات'' کے مضمون کے تحت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

''<u>زمین کی موزونیت</u> : حیاتِ ارضی کے لئے درجہ حرارت اور کرّۂ فضائی دونوں ہی برابر اہمیت کے حامل ہیں۔ہماری زمین کا درجہ حرارت بھی ہے جو بقائے حیات کے لئے موزوں ہے اور کرّۂ فضائی بھی ہے جس میں تمام جاندار موجودات اور بالخصوص انسان سانس لے سکتے ہیں۔اگر زہرہ سیّارہ (Venus) کی طرح زمین بھی سورج کے قریب ہوتی تو اُس پر زندگی ممکن نہ ہوتی۔ایک اندازے کے مطابق اگر سورج کی تابکاری قوّت موجودہ قوّت سے دس فیصد بھی کم ہوتی تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سطحِ زمین کئی میٹر گہری برف سے ڈھکی ہوتی اور اگر وہ تابکاری قوّت موجودہ قوّت سے تھوڑی سی بھی زیادہ ہوتی تو تمام مخلوقات جھلس کر مر جاتی۔'' (ایضاً' صفحات ۸۷' ۸۹)

۱۶۴۸ (علم ارضیات۔۔۔Geology)

''زمین کے طول وعرض اور رقبے کا معائنہ کرنے سے ہمیں بہ آسانی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زمین کو طول وعرض میں ایسا ہی بڑا ہونا چاہئے تھا جیسا کہ وہ اب ہے۔ دو امریکی ماہرینِ ارضیات فرینک پریس اور ریمنڈ سیور نے زمین کی موزونیت کی بابت یوں لکھا ہے:

''زمین کا حجم (سائز) بالکل صحیح ہے۔۔۔ نہ ہی اتنا چھوٹا ہے کہ اس کے کرہِ فضائی میں کسی قسم کی کمی ہو جائے اور نہ ہی اتنا بڑا ہے کہ اس کی کششِ ثقل مُضر گیسوں سمیت دُور فضا تک جا پہنچے۔'' ... "Earth")
Frank Press & Raymond Siever, p. 4)

قرآن مجید زمین کی ''موزونیت'' اور اس میں ''حیات کی موافقت'' کی بابت یوں کہتا ہے :

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ (الانعام : ۷۳)

''وہ وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔'' (۶:۷۳)

یہاں نیویارک سائنس اکیڈمی کے پریزیڈنٹ اے۔ سی۔ موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے بِالْحَق کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا:۔ (بحوالہ ضیاء القرآن' جلد اوّل' صفحہ ۵۷۰)

(۱) زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر رکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اُسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔

(۲) سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ ہے لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دُوری پر رکھا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اِس قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے لیکن اگر سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری کی بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرّہ زمین برف کے نیچے دب جاتا اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اُس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی۔

(۳) زمین کا جُھکاؤ ساڑھے ۲۳ درجے کا زاویہ بناتا ہے اور اِسی جُھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جُھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اُٹھنے والے بُخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اِتنے زور کی برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔

(۴) اگر زمین سے چاند کی دُوری اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدّ وجزر اِس شدّت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا اور سمندر جہاز رانی اور نقل وحمل کے قابل نہ رہتے۔

(۵) اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جاندار زندہ نہ رہتا۔

(۶) اگر سمندر اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صَرف ہو جاتی اور روئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا۔ (نیو یارک سائنس اکیڈیمی کے صدر A. Morrison کے مشاہدات بحوالہ ریڈرز ڈائجسٹ' اکتوبر ۱۹۶۰ء)

اِس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانۂ ہستی اتفاقاً معرضِ وجود میں نہیں آ گیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ہے ورنہ زندگی کا یہاں کوئی امکان نہ تھا۔

مندرجہ بالا تمام سائنسی تحقیق کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ سورۃُ البَقرۃ کی آیت ۱۶۴ کا ہر ہر لفظ ہمیں اِس روئے زمین پر بقائے حیات اور موافقتِ حیات کا عظیم فہم عطا کرتا ہے جس میں فرمایا گیا:۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ O

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں' رات اور دن کے ادل بدل میں' جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں' اُس پانی میں جسے اللہ نے اتارا' پھر اُس سے زمین کو اُس کے مُردہ ہونے کے بعد جلا اُٹھایا اور اس میں طرح طرح کے حیوانات پھیلا دئے' اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں) اہلِ عقل کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔'' (۱۶۴ : ۲)

آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ان تمام مظاہرِ قدرت میں غور و فکر اور تدبّر کرے کہ یہ تمام چیزیں متغیر اور حادث (After-created) ہیں اور اُن کا حدوث اس بات کا متقاضی ہے کہ اُن کا کوئی بنانے والا ہونا چاہئے اور چونکہ ان تمام چیزوں کے نظامِ عمل میں انتشار اور اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم آہنگی اور وحدانیت ہے' اس لئے اُن کا بنانے والا بھی واحد ہی ہونا چاہئے۔ پھر ان تمام چیزوں میں جو بے شمار حکمتیں اور فوائد ہیں' اُن کا تقاضا ہے کہ وہ بنانے والا انتہائی علیم اور حکیم ہے اور یہ ساری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے اور اس کا نظم اور ربط اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل صحیح منصوبہ بندی سے وجود میں آئی ہے جس کا کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اُس میں نمک مرچ وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ کا عموم اِن سب کو شامل ہے۔ (ماجدی)

سوال یہ ہے کہ زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو کیا' یا اگر غیر پیائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز

ہے تو کیا' اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے تو کیا' یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو کیا۔ غرض ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری اور کیسی بے مثل صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اُسے تھامے ہوئے ہے۔ اس کے' چاند' سورج' ستاروں اور سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے اور اس کی رفتار ایک خاص شرح سے کس نے مقرر کر رکھی ہے؟ آفتاب سے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی اہلِ زمین کو کون پہنچا رہا ہے؟ کس کا دستِ قدرت چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ اُس تک لا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس' مادّی اجسام ہیں تو کیا' اگر خلا میں محض حدِّ نظر ہیں تو کیا' ہر صورت میں اُن کی وضع' ساخت' ترکیب' ہیئت انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! گنتی شمار سے باہر ثوابت و سیّار کے سکون و حرکت کا انتظام کون قائم کئے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی اور اُن کے طلوع و غروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظامِ فلکی کے بے شمار اجزاء و عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت و صنعت کے دَم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی' سردی اور برسات ہر موسم میں ان کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں اُن کے طلوع و ظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے' دمشق میں بھی دن نکل آئے اور نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے۔ جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں' یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومتِ قاہرہ اور حکمتِ کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ بحرِ ذخار' سارے بڑے اعظموں کو اپنی گرفت میں لئے رہنے والا' رقبہ میں خشکی سے چہار چند' اپنی اس ساری عظمت و ہیبت کے باوجود کس طرح مشتِ خاک انسان کے قبضہ میں آ گیا ہے؟ کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر' اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر' اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کر کے رکھ دیتا ہے! اُس میں مدّ و جزر جب ہو گا' قمری مہینہ کی فلاں فلاں تاریخوں پر ہی ہو گا۔ اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ ایک مخصوص و متعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اوپر تیرائے گا اور اس کے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دے گا۔ اُس کے پانی کا ایک مخصوص مزاج' خاص رنگ و بُو اور خاص مزہ ہو گا۔ کنوؤں کے پانی سے مختلف' اس طرح کے سینکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اُسے کس کی مشیّت' کس کی قدرت اور کس کی حکومت نے کر رکھا ہے؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں' خاص خاص موسموں میں' خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا' بخارات کا ایک خاص گرمی پا کر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا' ایک خاص فاصلہ تک اوپر جانا' ایک خاص درجہ کی سردی پا کر اُن دُخانی و ہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا' اُن کا بادل کی شکل اختیار کر لینا' ایک خاص درجۂ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا' پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا' پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں ایک متعین مدّت کے اندر برس پڑنا' اس سے خشک زمین میں از سرِ نو جان پڑ جانا' یہ سارے ردّ و بدل کسی حکیم کی حکمت' کسی آمر کی حکومت' کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیاتِ نباتی کے علاوہ خود حیاتِ حیوانی کن عجائب کا مجموعہ ہے! ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اُن کی ایک مخصوص ترتیب اور متعین ترکیب ہوتی ہے' ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے' ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے۔ نظامِ تغذیہ' نظامِ تنفّس' نظامِ تناسل' نظامِ

عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات' پھر ہر نظام کے ماتحت بے شمار قاعدے اور ضابطے' اس سارے نظامِ اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت' کس کی مشیّت اور کس کی حکومت کارفرما ہے؟ غرض اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ سنجی سے کام لے گا' توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ثبت ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مؤمن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطہ نظر غلط ہوتا ہے۔ اُس کی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علومِ مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطہ نظر سے شروع کر دیا جائے تو بجائے الحاد' ارتیاب اور تشکک کے عرفان و ایقان کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں گی۔'' (تفسیر ماجدی اردو' حاشیہ صفحات ۶۱' ۶۲)

سات زمینیں: سات زمینوں کا سورۂ الطّلاق کی آیت ۱۲ میں اس طرح ذکر ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ (الطّلاق: ۱۲)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اُنہی کی طرح زمین بھی۔'' (۱۲ : ۶۵)

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد اِسی زمین کی سات پرتیں یا سات تہیں ہوں کہ اس سطح زمین کے نیچے ۶ پرت یا ۶ تہیں اور ہیں۔ غرض کہ مراد جو بھی ہو' ان سات زمینوں یا سات پرتوں کا ثبوت احادیث وغیرہ میں موجود ہے۔ مثلاً:

(وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ) اَیْ سَبْعًا (تفسیر قرطبی' جزء۹' ص۱۷۴ و تفسیر ابن کثیر' جزء۴' ص۳۸۶) کَمَا جَاءَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ: مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَہٗ' مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ وَفِیْ صَحِیْحِ الْبُخَارِیْ خُسِفَ بِہٖ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ ۔۔۔ وَمَنْ حَمَلَ ذٰلِکَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَقَالِیْمَ فَقَدْ اَغْرَقَ فِی النَّزْعِ وَ خَالَفَ الْقُرْآنَ وَالْحَدِیْثَ بِلَا مُسْتَنَدٍ (تفسیر ابن کثیر' جزء۴' ص۳۸۶ دار المنار بیروت)

''(وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ) سے مراد سات زمینیں ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جس کسی نے بالشت بھر زمین بھی ظلماً اور ناجائز طور پر ہتھیالی' روزِ قیامت اُسے سات زمینوں کا ہار پہنایا جائے گا اور صحیح بخاری میں یہ عبارت ہے کہ ایسے آدمی کو سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔ جن لوگوں نے ان سے مراد سات بڑے اعظم لئے' وہ دراصل گہرے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنے پاس کسی مستند دلیل کے بغیر قرآن و حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر' جزء۴' ص۳۸۶ مطبع دار المنار' بیروت)

(الف) احادیثِ نبویہ سے سات زمینوں کا ثبوت

(۱) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ اَنَّ اَبَا سَلَمَۃَ حَدَّثَہٗ' وَکَانَ بَیْنَہٗ' وَبَیْنَ قَوْمِہٖ خُصُوْمَۃٌ'' فِیْ اَرْضٍ وَاَنَّہٗ' دَخَلَ عَلٰی عَائِشَۃَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَھَا فَقَالَتْ: یَااَبَا سَلَمَۃَ اِجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَہٗ' مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ (شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی' ج ۴' ص ص ۴۴۷' ۴۴۸)

''محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ ابوسلمہ نے اُنہیں بیان کیا اور اُن کا اپنے لوگوں کے ساتھ کسی زمین کے بارے میں جھگڑا تھا' ابوسلمہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور سارا معاملہ اُنہیں بیان کیا تو سیّدہ نے فرمایا: اے ابوسلمہ! اس زمین کے لینے سے باز رہو کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے بالشت بھر زمین بھی ظلماً اور ناجائز طور سے لی' اُسے قیامت کے دن سات زمینوں کا ہار پہنایا جائے گا۔''

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَیْنَمَا نَبِیُّ اللّٰهِ جَالِس'' وَ اَصْحَابُه' اِذْ اَتٰی عَلَیْهِمْ سَحَاب'' فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَاهٰذَا؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ : هٰذَا الْعَنَانُ هٰذِهٖ رَوَایَاالْاَرْض یَسُوْقُه' اِلٰی قَوْمٍ لَایَشْکُرُوْنَه' وَلَا یَدْعُوْنَه' ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَافَوْقَکُمْ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ: فَاِنَّهَاالرَّفِیْعَ سَقْف'' مَّحْفُوْظ'' وَّمَوْج''مَّکْفُوْف'' ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهَا؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ : بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَهَا خَمْسُ مِائَةَ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَافَوْقَ ذٰلِكَ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ: فَاِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ سَمَاء''بُعْدَ مَا بَیْنَهَا مَسِیْرَةُ خَمْسُمِائَةَ سَنَةٍ--- حَتّٰی عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ---- مَا بَیْنَ کُلِّ سَمَاءٍ کَمَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْض ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ: فَاِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشُ بَیْنَه' وَبَیْنَ السَّمَاءِ مِثْلَ بُعْدِ مَابَیْنَ السَّمَائَیْنِ ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَاالَّذِیْ تَحْتَکُمْ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ: فَاِنَّهَاالْاَرْض ثُمَّ قَالَ : هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الَّذِیْ تَحْتَ ذٰلِكَ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُه' أَعْلَمُ قَالَ : فَاِنَّ تَحْتَهَا اَرْض'' أُخْرٰی بَیْنَهُمَا مَسِیْرَةُ خَمْسُمِائَةَ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ : وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْأَنَّ دَلَّیْتُمْ حَبْلاً اِلَی الْاَرْض السُّفْلٰی لَهَبَطَ عَلَی اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأ: هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم''

(تفسیر ابن کثیر' جزء ۴' ص ۳۰۴--- دار المنار' بیروت)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس اثنا میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تشریف فرما تھے تو کچھ بادل اُن پر سایہ فگن ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بادل ہیں جو زمین کا پانی اُٹھانے والے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی طرف چلاتا ہے جو اُس کا شکر ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اُسے پکارتے ہیں۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ پہلا آسمان ہے' یہ محفوظ چھت ہے اور موج مکفوف ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے درمیان اور اس آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے اور اس آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس آسمان کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے اوپر دو آسمان ہیں' اُن کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمانوں کو گنا اور ہر

دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے' اُس کے اور آسمان کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ زمین ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے نیچے ایک اور زمین ہے' ان دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے' اگر تم ایک رسّی کو سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے ہی گزرے گی۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی کہ اللہ ہی اوّل و آخر' ظاہر و باطن ہے اور وہ ہر چیز کے متعلق بخوبی جاننے والا ہے۔"

(۳) عَنْ عَطَاءِ بْنِ مَرْوَانَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ كَعْبًا حَلَفَ لَه' بِالَّذِیْ فَلَقَ الْبَحْرَ لِمُوْسٰی أَنَّ صُهَيْبًا حَدَّثَه' أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ لَمْ يَرَ قَرْيَةً يُرِيْدُ دُخُوْلَهَا إِلَّا قَالَ حِيْنَ يَرَاهَا: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا أَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيْحِ وَمَا أَذْرَيْنَ إِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا ("الجامع لاحکام القرآن" لابی عبداللہ محمد الانصاری القرطبی' جلد ۹' صفحہ ۱۷۵)

"عطاء بن مروان نے اپنے والد سے روایت کی کہ کعب نے اُس اللہ کی قسم کھائی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کا راستہ بنا دیا کہ حضرت صُہیب نے اُنہیں بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی شہر میں داخل ہونا چاہتے تو آپ فرماتے: اے اللہ! جو سات آسمانوں اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں' سب کا رب ہے' جو سات زمینوں اور جو کچھ وہ اٹھائے ہوئے ہیں' سب کا رب ہے' شیطانوں اور اُن سب کا رب ہے جنہیں وہ شیطان گمراہ کرتے ہیں' ہواؤں اور اُن سب کا رب ہے جنہیں وہ ہوائیں اُڑا کے لے جاتی ہیں۔ ہم آپ سے بھلائی اور اس شہر کے باسیوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور ہم اس شہر اور اس کے باسیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔"

(۴) قَالَ الْمَاوَرْدِیُّ: وَعَلٰی أَنَّهَا سَبْعُ أَرَضِيْنَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ تُخْتَصُّ دَعْوَةُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ بِأَهْلِ الْأَرْضِ الْعُلْيَا وَلَا تَلْزَمُ مَنْ فِیْ غَيْرِهَا مِنَ الْاَرَضِيْنَ ـــ وَفِیْ مُشَاهَدَتِهِمِ السَّمَاءَ وَاسْتِمْدَادِهِمِ الضَّوْءَ مِنْهَا قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا أَنَّهُمْ يُشَاهِدُوْنَ السَّمَاءَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِّنْ أَرْضِهِمْ وَيَسْتَمِدُّوْنَ الضِّيَاءَ مِنْهَا وَهٰذَا قَوْلُ مَنْ جَعَلَ الْاَرْضَ مَبْسُوْطَةً وَالْقَوْلُ الثَّانِیْ أَنَّهُمْ لَا يُشَاهِدُوْنَ الضِّيَاءَ وَأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ لَهُمْ ضِيَاءً يَسْتَمِدُّوْنَه' وَهٰذَا قَوْلُ مَنْ جَعَلَ الْاَرْضَ كَالْكُرَةِ وَفِیْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: "يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ" إِشَارَةٌ إِلٰی بَيْنَ هٰذِهِ الْاَرْضِ الْعُلْيَا الَّتِیْ هِیَ أَدْنَاهَا وَبَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ الَّتِیْ هِیَ أَعْلَاهَا (ایضاً ص ص ۱۷۵' ۱۷۶)

''الماوردی بیان کرتے ہیں کہ زمینوں کی تعداد سات ہے جو ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں۔ دعوتِ اسلام بالائی زمین کے لوگوں کے لئے مخصوص ہے، نچلی زمین کے لوگوں کے لئے نہیں۔ اُن کا آسمان کو دیکھنے اور وہاں سے روشنی حاصل کرنے کے بارے میں دو آراء ہیں: اوّل تو یہ کہ وہ اپنی زمین کی ہر جانب سے آسمان کو دیکھتے ہیں اور اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی رائے ہے جو زمین کو چپٹا مانتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ آسمان اور روشنی اُنہیں نظر نہیں آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے روشنی کا انتظام کر دیا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی رائے ہے جن کے نزدیک زمین گیند کی طرح (گول) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ'' کا مطلب یہی ہے کہ اِن سات زمینوں اور سات آسمانوں میں سے ہر زمین اور ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی طرف وحی نازل فرماتا ہے۔''

(۵) أَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ مِنْ طَرِيْقِ أَبِيْ رَزِيْنٍ قَالَ: سَأَلْتُ اِبْنَ عَبَّاسٍ: هَلْ تَحْتَ الْاَرْضِ خَلْقٌ''؟قَالَ: نَعَمْ أَلَمْ تَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى: خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ (الدُّرُّ المنثور لجلال الدین السیوطی، جلد ۵، ص ۳۳۸)

''عبد ابن حُمید بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا زیریں زمین میں کوئی مخلوق آباد ہے؟ اُنہوں نے کہا: ہاں، کیا تم نے یہ فرمانِ الٰہی نہیں پڑھا: ''اُس نے سات آسمانوں اور اُن جیسی سات زمینوں کو پیدا فرمایا، ان (سب) میں اللہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔''

(۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَاقَالَ: سَيِّدُ السَّمٰوٰتِ اَلسَّمَاءُ الَّتِيْ فِيْهَا الْعَرْشُ وَسَيِّدُ الْاَرَضِيْنَ الَّتِيْ نَحْنُ فِيْهَا (ایضاً، ص ۳۳۹)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آسمانوں میں سے عظیم تر وہ آسمان ہے جس میں عرشِ الٰہی ہے اور زمینوں میں سے سردار وہ زمین ہے جس میں ہم انسان رہتے ہیں۔''

اس ضمن میں ان احادیثِ مبارکہ کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ہیں جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :۔

(۷) عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی پادری رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: اے محمد! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اللہ (قیامت کے دن) تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، تمام درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور خاک کو ایک انگلی پر اور باقی دوسری تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھائے گا اور پھر فرمائے گا: میری ہی بادشاہت ہے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے اس قدر تبسم فرمایا کہ آپ کی ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) ظاہر ہو گئے اور یہ بات اُس پادری کی بات کی تائید میں تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الزُّمَر کی آیت ۶۷ تلاوت فرمائی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی کہ اُس کی عظمت کرنی چاہیے تھی)۔

(۸) اُبی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں فرمانِ الٰہی ''آپ کے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی نسل کو نکالا'' کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اکٹھا کر کے جوڑے جوڑے بنایا' اُن کی متوازن طور پر تخلیق کی اور اُنہیں قوتِ گویائی عطا کی تو وہ بولنے لگے۔ پھر رب تعالیٰ نے اُن سے عہد لیا اور اُن کی اپنی ذوات کو اُن پر یہ کہتے ہوئے گواہ کیا: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ اُنہوں نے کہا: ہاں' کیوں نہیں۔ پھر رب نے فرمایا: میں تمہاری اس بات پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔''
(مسند امام احمد)

(۹) ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے فریاد کی کہ وہ اُسے ایسے الفاظ سکھائے جن سے وہ اُسے یاد کرے یا اُن کے ذریعے اُس سے فریاد کرے۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' (اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں) کے کلمات پڑھنے کو بتائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! یہ کلمہ تو تیرے تمام بندے پڑھتے ہیں' لیکن میں کوئی خاص چیز چاہتا ہوں۔ رب نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ اُن میں تمام رہنے والوں کو' اور ساتوں زمینوں کو میزان کے ایک پلڑے میں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے' تو 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' والا پلڑا اُس پہلے پلڑے سے بھاری ہوگا۔'' (شرح السنۃ نمبر ۱۳۱۷ ماخوذ از ALIM CD-ROM Version)

(۱۰) ابو یعلیٰ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر کوئی آدمی کسی کی بالشت بھر زمین کو ظلماً ہتھیا لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس ظالم کو اُس زمین کے کھودنے کا حکم فرمائے گا اور جب وہ ساتوں زمینوں تک کو کھود لے گا' تو اللہ تعالیٰ اُنہیں اُس ظالم کی گردن سے باندھ دے گا اور وہ قیامت کے دن تک اُس سے بندھی رہیں گی۔'' (ماخوذ از ALIM CD-ROM Version)

<u>پہاڑوں میں سربستہ (مخفی) راز</u>: پہاڑوں کا شمار کرہ ارض کے اہم ترین خد وخال میں کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کے مطابق پہاڑ سطحِ زمین کے کسی ایسے حصے کو کہتے ہیں جو عام زمین کی سطح سے قدرے بلند ہو لیکن ماہرین کے مطابق پہاڑ سطحِ زمین کے کسی ایسے حصے کو کہتے ہیں جو سطحِ سمندر سے کم از کم دو ہزار فٹ بلند ہو اور اس کی کم از کم نصف سطح سیدھی ڈھلان ہو۔ پہاڑ بے شمار خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اونٹ' آسمان اور زمین کی ندرت اور عجیب الخلقت ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے عجیب ہونے کی طرف یوں توجہ دلائی ہے :

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ O وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ O وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ O ۔۔۔۔۔۔ (الغاشیۃ: ۱۷ تا ۱۹)

''یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے کہ وہ (کیسی) عجیب طرح پیدا کیا گیا ہے' اور آسمان پر کہ (کیسی) عجیب طرح بلند کیا گیا ہے' اور پہاڑوں پر کہ (کیسی) عجیب طرح گاڑ دئے گئے ہیں!'' (۱۷ تا ۱۹ : ۸۸)

<u>پہاڑوں کے فوائد</u> : پہاڑ انسان کی زندگی پر کافی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی سطح اونچی نیچی ہونے کی وجہ سے ہموار علاقے بہت کم ہوتے ہیں۔ اس لئے پہاڑ کاشتکاری کے لئے زیادہ مفید نہیں ہوتے۔ اس

۱۶۵۶ (علم ارضیات---Geology)

کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں ذرائع آمدورفت کی دشواری ہموار سطح کی کمیابی اور شدید قسم کی آب و ہوا کی وجہ سے آبادی بہت کم پائی جاتی ہے۔اس کے باوجود پہاڑوں سے انسانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہیں :

(۱) اگرچہ پہاڑوں پر ہر قسم کی زرعی اجناس کی کاشتکاری ممکن نہیں لیکن کچھ فصلیں ایسی ہیں جو صرف پہاڑوں کی ڈھلانوں ہی پر کاشت کی جا سکتی ہیں مثلاً چائے' کافی' کوکوا وغیرہ۔

(۲) پہاڑ ایک دوسرے ملک کے درمیان قدرتی سرحد ہوتے ہیں۔

(۳) پہاڑ قدرتی مناظر کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔اُن کا قدرتی حسن' یہاں پر بہنے والے ندی' نالے' دریا' خوبصورت جھیلیں' مختلف مقامات پر آبشاروں سے گزرتا ہوا پانی یہاں کی رنگینیوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔اس کے علاوہ قدرتی جنگلات اور مختلف قسم کے قدرتی جانور' برف پوش چوٹیاں اور کالے کالے پہاڑوں سے ٹکرانے والی گھٹائیں اس حسن کو مزید دوبالا کر دیتی ہیں۔چنانچہ ان تمام خصوصیات کے باعث بہت سے پہاڑی مقامات سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں۔دنیا کے دُور دراز علاقوں کے سیّاح ان مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان پہاڑی مقامات پر پہنچتے ہیں اور بہت سے ممالک بیشتر زرِمبادلہ اس شعبہ سے حاصل کرتے ہیں۔

(۴) بلند پہاڑ سرد اور گرم ہواؤں کو روکنے میں مدد دیتے ہیں۔اس کے علاوہ دشمن کے حملوں سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔دنیا میں بلند پہاڑوں کی وجہ سے بہت سے علاقے قدرتی آفات سے محفوظ رہتے ہیں۔بلند پہاڑ' بارش' برف باری وغیرہ کا سبب بنتے ہیں کیونکہ بخارات سے بھرپور ہواؤں کو پہاڑ کے آگے جانے سے روکتے ہیں اور ان کا درجہ حرارت بلندی پر پہنچ کر نقطۂ شبنم تک پہنچ جاتا ہے اور بارش برسنے کا سبب بنتے ہیں۔

(۵) پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اور ان سے میدانی علاقوں میں آبپاشی وغیرہ کی جاتی ہے۔

(۶) پہاڑوں کی ڈھلانوں پر چراگاہیں اور گھنے جنگلات بھی نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔

(۷) پہاڑی علاقوں میں پن بجلی پیدا ہونے کے کافی مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

(۸) پہاڑی علاقوں میں میدانی علاقوں کی نسبت درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے موسم خوشگوار ہوتا ہے۔اس لئے پہاڑوں پر صحت افزا مقامات پائے جاتے ہیں۔

(۹) پہاڑی علاقوں میں مختلف قسم کی معدنیات بھی ملتی ہیں۔'' (''جدید طبعی جغرافیہ'' از پروفیسر میاں محمد انور)

(۱۰)''زمین کے بالائی پرت(Crust) کو مضبوط اور ٹھوس رکھنے کے لئے خلاقِ عالم نے اُس پر پہاڑوں جیسا بھاری وزن رکھ دیا ہے۔ پہاڑوں کی ساخت میں پوٹاشیم' سلیکون اور دیگر کئی دھاتیں جمع ہیں۔ پہاڑوں کا سلسلہ زمین کو اس کی خشکی اور بحری دونوں سطحوں پر سہارا دیتا ہے۔''

(۱۱) ''پہاڑ ایک قسم کا برق گیر موصل (Lightning-rod) ہیں جو زلزلوں کو روکتے ہیں۔ پہاڑوں کے بغیر زمین کے مرکزی منطقہ میں واقع ہونے والے مسلسل اور لگاتار ارتعاش ہمیں ایک سیکنڈ بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتے۔ ہمیں مسلسل زلزلوں کا سامنا کرنا پڑتا اور شہر تعمیر کرنا تو درکنار' ایک خیمہ بھی نہ لگا سکتے۔ محولہ بالا آیات خلاقِ عالم کی صناعی اور انتہائی اعلیٰ ماہرانہ کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اُس نے کیسی دانش اور عقلِ کل سے زمین کو تمام موافق اور موزوں اسباب کی فراہمی کے ساتھ حضرتِ انسان کے لئے بچھا دیا ہے!!''

(۱۲) ''آتش فشاں پہاڑ جن کے بارے میں ملحدین (اللہ کی ہستی کے منکر) عجیب وغریب اور انوکھی تاویلات کرتے ہیں' بھی نوعِ انسانی کے لئے نعمتِ الٰہیہ ہیں۔ اگر یہ آتش فشاں پہاڑ نہ ہوتے تو ہمیں بہت سی دھاتوں کا علم ہی نہ ہوتا۔ یہ آتش فشاں پہاڑ دھاتی پیداوار کے پودے ہیں جو زمین کے اندر سے بہت سی دھاتیں سطحِ زمین کو اُگل دیتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑ زمین کے مرکزی منطقے پر حفاظتی پٹ کا کام کرتے ہیں اگر آتش فشانی عمل کو روک دیا جائے تو بہت ہی شدید قسم کی ارضی تباہی و بربادی ہو جائے۔''

(۱۳) پہاڑ زمین کی حرکت کے لئے اعتدال کا موجب ہیں۔ وہ اُسے متوازن حالت میں رکھتے ہیں۔

''وہ لوگ جو قرآن مجید کے منشور کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی لامحدود عقل و دانش کو نہیں سمجھ پاتے' کبھی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔'' ("The Holy Koran and the Facts of Science"... Dr. Haluk Nurbaki, pp. 225, 226)

قرآن مجید کی کتنی ہی متعدد آیات ہیں جو ماہرینِ ارضیات کی توجہ کو پہاڑوں کے فوائد اور اُن کے عمل کی طرف مبذول کراتی ہیں مثلاً:

(۱) وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (اَلنَّحل : ۱۵)
''اور اُس نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے ہیں تا کہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگانے نہ لگے۔'' (۱۵ : ۱۶)

یہاں زمین کی اضطرابی یا دولابی حرکت کی نفی مراد ہے' مطلق حرکت کی نفی مقصود نہیں ہے۔

(۲) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًاO وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًاO (النّبا : ۶'۷)
''کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا ہے؟'' (۶'۷ : ۷۸)

۱۶۵۸ (علم ارضیات---Geology)

جس طرح کیلیں ٹھونک کر خیمہ نصب کیا جاتا ہے' اُسی طرح پہاڑوں کو زمین میں نصب کر کے اُسے مضبوط کر دیا گیا ہے۔ جدید ماہرینِ ارضیات زمین کی تہوں کو پہاڑوں کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اُن کا طول وعرض تقریباً ایک میل سے دس میل تک ہوتا ہے۔ زمین کے بالائی پرت کا استحکام اِنہی تہوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

پھر پہاڑوں میں اور بھی کئی قسم کے فوائد ہیں کہ وہ کسی علاقے کی آب وہوا پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں' بارش کا سبب بھی بنتے ہیں اور مختلف قسم کا خام مواد بھی نوعِ انسانی کو فراہم کرتے ہیں۔ سورۃ النّحل کی آیت ۳۱ میں فرمایا:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا (النّحل : ۳۱)

''اُس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں۔'' (۳۱ : ۱۶)

اِن پناہ گاہوں سے مراد صحت افزا پہاڑی مقامات بھی ہو سکتے ہیں۔

سورہ فاطِر کی مندرجہ ذیل آیت ۲۷ اِنسانی تجسس وتحقیق کو شوق دلا رہی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اُن قابلِ قدر خزانوں کی کھدائی کر کے اُنہیں بے نقاب کریں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے سینوں میں چھپا کے رکھا ہوا ہے۔

<u>علمِ ارضیات کی تقسیم</u> : علمِ ارضیات (جیالوجی) کو مندرجہ ذیل حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(1) <u>معدنیات (Mineralogy)</u> : اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر رکھے ہیں جن میں سونا' چاندی' لوہا' تانبا' کوئلہ اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ'' بِيضٌ'' وَّحُمْرٌ'' مُّخْتَلِفٌ'' اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ''O (فاطِر : ۲۷)

''اور پہاڑوں میں بھی رنگ برنگے ٹکڑے ہیں' کوئی سفید' کوئی سرخ' اُن کے رنگ مختلف ہیں اور کوئی بہت گہرے سیاہ۔'' (۲۷ : ۳۵)

''پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کر کے اُن معدنیات کا کھوج لگانے کی ترغیب دی گئی ہے جو اُن کے شکموں میں موجود ہیں اور مُدّت سے کسی جوانمرد اور باہمت انسان کی ضربِ خاراشگاف کے لئے چشم براہ ہیں اور پہاڑوں کی یہ مختلف رنگتیں اُن مدفون خزانوں کا پتہ دے رہی ہیں۔ افسوس وہ قوم جسے قرآن کریم جیسی کتابِ منیر عطا کی گئی' وہ اُسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر سو گئی اور یورپ کی وحشی قومیں اس چشمۂ صافی سے اپنی کشتِ حیات کو سیراب کرنے میں سبقت لے گئیں۔'' (ضیاء القرآن۔۔ کرم شاہ الازہری' ج ۴' ص ۱۵۴)

<u>نمک کی پیداوار</u>: نمک کا بڑا منبع سمندر ہے۔ دنیا کے پندرہ اسلامی ممالک یعنی افغانستان' الجیریا' مصر انڈونیشیا' عراق' اُردن' لبنان' مراکو' پاکستان' سینیگال' سوڈان' شام' تانگانیکا' ٹیونس اور ترکی نمک کی پیداوار کرنے میں اہم ہیں اور مصر کو اُن میں درجہ اوّل حاصل ہے۔'' ("Islamic Economics"... M.A.Mannan, pp. 259, 260)

(2) ''پٹرولیم جیالوجی : تیل اور گیس کے ذخائر دریافت کرنے اور اُن کی افزائش میں علم ارضیات کے اصولوں کے اطلاق کو بڑا دخل ہے۔ پٹرولیم کے عام ہونے کے اقتصادی پہلوؤں سے پٹرولیم جیالوجی بہت ہی متاثر ہوئی ہے۔''(McGraw Hill Encyclopedia of the Geological Sciences, p. 615)

''پٹرولیم ایک گاڑھا' سیاہ رنگ کا سیال ہوتا ہے جو عموماً سطح زمین کے زیریں نشیب میں بنتا ہے۔ زمین کے بالائی پرت (Crust) میں پایا جانے والا یہ انتہائی قیمتی اور قابلِ قدر مادہ ہے اور مفید تیلوں کا مجموعہ ہے جس سے گیسولین' ایندھنی تیل اور چکنائی کے تیل (Lubricating oils) تیار کئے جاتے ہیں۔ نوعِ انسانی کے لئے انتہائی مفاد کی وجہ سے اسے بعض اوقات ''سیاہ سونا'' (Black Gold) بھی کہا جاتا ہے۔ پٹرولیم کی صنعت پٹرول کو متعدد مصنوعات کی تیاری کے لئے استعمال کرتی ہے جیسے پلاسٹک' رنگسازی کے رنگ' ادویات' آتش گیر مادہ' ریزشوں اور چکنائیوں کو صاف کرنے میں۔''(Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 15, p. 1245)

<u>پٹرولیم اور پٹرول کے کشید (Gasoline) کا ذکر قرآنِ حکیم میں:</u>

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی O فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی O (سورۃُ الاعلی : ۴' ۵)

''وہی تو ہے جس نے (جانوروں کے لئے) چارہ نکالا' پھر اُسے سیاہ کوڑا کر دیا۔'' (۴' ۵ : ۸۷)

''علمِ ارضیات کے مطابق یہ آیت پنجم زمین کی زیریں تہوں میں تیل اور پٹرول کے موجود ہونے کی پیش گوئی کر رہی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین شروع میں بڑی برگ آور' دیو پیکر درختوں اور لمبی' اونچی گھاس والی تھی۔ جب زمین کا برگ آوری اور افزائش کا کام مکمل ہو گیا تو یہ درخت اور گھاس زمین کے سینے میں گہری حد تک دفن ہو گئے اور اُنہوں نے بڑے ارضیاتی تغیرات کی وجہ سے غُثَـآءً اَحْـوٰی کی شکل اختیار کر لی جس کا ذکر اوپر کی آیت پنجم میں ہے۔ غُثَـآء کا معنیٰ ''سوکھے' گلے سڑے پتوں'' اور اَحْـوٰی کا معنیٰ ''کالا سیاہ مائل بہ سرخ'' کا ہے۔ اگر یہ نباتات اور سبزہ سطح زمین پر کچھ دیر اور رہ جاتے تو فضا میں آکسیجن اس نا قابل کنٹرول حد تک بڑھ جاتی کہ تمام کائنات کسی بھی وقت بھڑک اُٹھتی۔ اس عمل کا ذکر اوپر کی دو آیات چار اور پانچ میں ایسے جامع اور بلیغ انداز میں کیا گیا ہے جس پر کئی جلد ہائے کتب لکھی جا سکتی ہیں۔''

پٹرول' قدرتی گیس وغیرہ زمینی معدنیات کا اشارہ سورۃُ الحدید کی آیت ۴ کے ان الفاظ میں بھی ملتا ہے:

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا (۴ : ۵۷)

''وہ اُسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور <u>اُسے بھی جو اُس میں سے نکلتی ہے۔</u>''

(3) <u>کچ دھات کے ذخائر (Ore Deposits)</u>: Ore سے مراد قدرتی حالت میں پائی جانے والی وہ معدنیات ہے جسے صاف کر کے قیمتی معدنیات حاصل کی جاتی ہیں جو انسانی استعمال کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔ ان ذخائر کے وجود کا اشارہ بھی اوپر کی آیت چہارم میں آ گیا ہے۔

(4) صخریات(Petrology) : (چٹانوں کی ابتدائی ساخت اور ترکیب وغیرہ کا مطالعہ)

Petrography کا تعلق چٹانوں کے تفصیلی بیان اور اُن کی گروہ بندی سے ہوتا ہے جبکہ (Petrology) چٹانوں کی ساخت اور اُن کی ہیئتِ ترکیبی سے بحث کرتا ہے۔قرآن مجید میں دیو قامت پہاڑوں اور چٹانوں کا ذکر متعدد مقامات پر رَوَاسِیَ کے الفاظ میں آیا ہے اور کچھ مقامات پر جِبال کا لفظ بھی آیا ہے۔

علمِ ارضیات اور پانی کی فراہمی (واٹر سپلائی) : پانی زمین کے بالائی پرت کا اہم جزو اور بقائے حیات کے لئے ناگزیر اور لازمی چیز ہے۔ایک عیسائی مصنف کے الفاظ میں:

''ہزاروں ممکنہ سیالوں میں پانی کے علاوہ کوئی بھی ایسا سیال مادہ نہیں جس سے بقائے حیات کا دھندلا سا تصوّر بھی کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں ہر زندہ نامیہ (Organism) کا ریشہ (Tissue) اپنی ساخت میں پانی کی اچھی خاصی فیصد مقدار کو لازمی جزو کے طور پر لئے ہوئے ہوتا ہے۔تمام سیالوں میں خواہ وہ الکوحل کی قبیل سے ہوں' یا ہائڈروکاربن سے متعلق ہوں یا بنزین سے' غرض کوئی بھی پانی کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔'' (Biology and Christian Belief"... Greenwood, p. 180)

(۱) پُشتے (Dams) : پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے انسان نے ۴۰۰۰ قبل مسیح ہی میں پشتے بنانے شروع کر دیئے تھے۔انسانی تاریخ میں پہلا آبی ذخیرہ بابل کے مقام پر تعمیر کیا گیا۔قرآن مجید مارب کے ڈیم (مارب' ملکِ سبا کا دارالسلطنت تھا) کے سیلاب کا ذکر اہلِ مارب کی مسلسل باغیانہ روش اور الٰہی نافرمانیوں کے نتیجے کے طور پر کرتا ہے جس کا حوالہ اِسی جلد چہارم کے صفحات ۱۶۲۶' ۱۶۲۷ پر موجود ہے۔

(۲) کنویں: پانی کا اہم ذریعہ بارش ہے جس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور چٹانوں میں ذخیرہ ہو جاتا ہے جس سے مہین سوراخ' شگاف اور دراڑیں پُر ہو جاتے ہیں جہاں سے کنووں کو بور کر کے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ایسے پانی کو ''گراؤنڈ واٹر'' کہا جاتا ہے۔قرآن مجید اسی گراؤنڈ واٹر کی بابت یوں کہتا ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآءُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَآءٍ مَّعِينٍ O (المُلك : ۳۰)

''فرما دیجئے کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی لے آئے۔''

غَـوْرًا کے لفظ میں پانی کی یہ خصوصیت بھی بیان کر دی گئی کہ وہ ہمیشہ نشیب میں جاتا ہے اور اوپر کو نہیں جاتا۔ غرض پانی کے وجود کے بغیر کسی بھی قسم کی حیات کا تصوّر تک ناممکن ہے۔

دریا اور سمندر: آبپاشی کے لئے اُن سے پانی ملتا ہے۔وہ سفر اور نقل وحمل کا ذریعہ اور خوراک اور

زیورات کا منبع ہیں۔قرآن مجید میں بارش کی طرح دریاؤں' سمندروں کے عظیم حسن و جمال کی بھی حمد یہ آلاتِ اطراف ہیں(Periscopes) میں خوب منظر کشی کی گئی ہے (ملاحظہ ہوں سورۃ الرّعد:۳ ؛ سورہ ابراھیم:۳۲؛ سورۃ النّحل :۱۵ ؛ سورۃ النّمل :۶۱)۔ کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ مطالبہ کہ ہم اُس وقت تک آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمیں کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ دے دیں جس میں دریا بہہ رہے ہوں (سورہ بنی اسرائیل:۹۱)۔
قرآن مجید میں دو جگہوں پر لفظ ''یَمّ'' کو ''نہر'' کے معنیٰ میں لیا گیا ہے جس سے مراد دریائے نیل ہے جب شیر خوار موسیٰ (علیہ السلام) کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا کی موجوں میں تیرتا ہوا چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ دو مقامات سورہ طٰہٰ کی آیت ۳۹' اور سورۃ القَصَص کی آیت ہفتم ہیں۔

(۴) چشمے : چشموں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔اُن کی اہمیت اور جس طریق سے اُنہیں بارش کا پانی دیا جاتا ہے' اُسے ذیل کی آیات میں بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے:

(۱) وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ○ (یٰسٓ : ۳۴)

''اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری کر دیئے۔'' (۳۶:۳۴)

(۲) اَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ۔۔۔ (الزُّمَر : ۲۱)

''(اے مخاطب!) کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا' پھر اُسے زمین کے چشموں میں داخل کر دیا۔۔۔'' (۳۹ : ۲۱)

دوسرے انعاماتِ الٰہیہ کی طرح چشمے بھی لوگوں کی بدعملیوں کی وجہ سے واپس لئے جا سکتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ اگر اُنہوں نے اُن کے پیغامِ الٰہی کو قبول نہ کیا تو باغات' چشمے' زیر کاشت میدان اور بھاری گچھوں والے نخلستان جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں' اُن سے واپس لے لئے جائیں گے (سورۃ الشُّعَراء: آیات ۱۴۶ تا ۱۴۸)

یہ چشمے اس قدر قابلِ قدر ہیں کہ کفارِ مکہ نے ان کے بارے میں نبی علیہ السلام سے فرمائش کر ڈالی تھی اور کہا تھا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ○ (بنی اسرائیل : ۹۰)

''ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دو گے۔''

وادیِ تیہ کی جھلستی ہوئی دھوپ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے رب تعالیٰ سے پانی کی فریاد کی تھی' تو آپ نے بحکمِ الٰہی اپنا عصا ایک پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ بہے (سورۃ البقرۃ : ۶۰)۔

اس طرح قرآن مجید پانی کو جو آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے' بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے جس پر ہر قسم کی زندگی کا انحصار ہے کیونکہ پانی کے بغیر زمین چاند کی طرح ایک مُردہ سیّارہ بن جائے گی۔ چار زبردست قوّت والے عناصر میں سے پانی کو قرآن مجید نے اعلیٰ ترین حیثیت دی ہے۔ پانی کی مختلف صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

پانی مختلف شکلوں میں :عمومی طور پر پانی کو عربی زبان میں ''مَـــاء'' کہتے ہیں۔آسمان میں یہ بادل کی شکل میں ہوتا ہے جسے قرآن مجید نے اُس کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف نام دئے ہیں مثلاً سَـحَـاب (۲:۱۶۴)' مُزْن (۵۶:۶۹)' مُعْصِرات (۷۸:۱۴)' غَمَام (۲:۵۷)' عارض (۴۶:۲۴)۔جب وہ بارش کی شکل میں زمین پر گرتا ہے تو ماء مِّن السَّمَاء (۲۳:۱۸)' وَدْق (۲۴:۴۳)' مَطَر (۲۶:۱۷۳)' وابِل (۲:۲۶۵) یا ژالہ باری کی شکل میں ہو تو بَرد (۲۴:۴۳)' شبنم کی طرح آسمان سے اترے تو طَلّ (۲:۲۶۵) ہے۔اگر زمین پر چشموں کی صورت میں ہو تو عَین (۲:۶۰)' یَنبُع (۱۷:۹۰) ہے۔کنویں کے معنی میں ہو تو بِئر (۲۲:۴۵)' اور جُبّ (۱۲:۱۰) ہے۔زمین پر دریا بن جائے تو نَہر (۲:۲۴۹) جس کی جمع اَنہار (۱۳:۳) ہے۔اُٹھتی ہوئی جھاگ دار موجوں کی شکل میں ہو تو سَیل (۱۳:۱۷) ہے۔سمندر کے عظیم آبی حصّے کی شکل میں ہو تو یَم (۲۸:۴۰)' بَحر (۱۶:۱۴؛ ۵۵:۲۴) ہے جس کی جمع بحار ہے۔پانی شدّت کے جوش میں ہو تو مَوج (۲۴:۴۰) ہے۔جسم میں سیال شکل میں ہو تو نُطفَہ (۲۳:۱۴)' ماء مَّھِین (۳۲:۸)' ماء'' دَافِق '' (۸۶:۶) ہے۔☆ (انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن)

چٹانیں اور جھیلیں :ان کے بارے میں قرآن مجید یوں کہتا ہے : (سورۃ البَقرۃ : ۷۴)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُم مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْأَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَايَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ

''تمہارے دل اِس کے بعد بھی سخت ہی رہے چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں بلکہ سختی میں اُن سے بھی بڑھ کر۔اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور اُن میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اُس میں سے پانی نکلتا ہے۔اور اُن میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے۔''

اس آیت میں تین قسم کی چٹانیں بیان ہوئی ہیں: پہلی قسم کی چٹان سے پانی موج در موج نکلتا ہے جس سے دریا بنتے ہیں۔اس قسم کا ذکر سورۃ البقـرۃ کی آیت ۶۰ میں ہوا جب موسیٰ علیہ السلام کے پتھر کو ضرب لگانے سے بارہ چشمے پھوٹ بہے تھے۔دوسری قسم وہ ہے جس سے چشمے نکلتے ہیں اور آخری قسم اُن چٹانوں کی ہے جو زمین کے بالائی پرت میں خوب مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔

☆پانی کی اِن شکلوں پر بھی غور ہو جائے:

جب وہ آسمان کی طرف اٹھے تو ''بھاپ'' کہلائے۔
جب آسمان سے نیچے گرے تو ''بارش'' کا نام پائے۔
جب جم کر گرے تو ''اولے'' کہلائے۔
جب گر کر جمے تو ''برف'' نام پائے۔
جب پھولوں کی پتی پر ہو تو ''شبنم'' کہلائے۔
جب پتی سے نکلے تو ''عرق'' نام پائے۔
جب جمع ہو جائے تو ''جھیل'' بن جائے۔
جب بہہ پڑے تو لوگ اسے ''ندی'' کہیں۔
جب آنکھوں سے نکلے تو ''آنسو'' بنے۔
جب جسم سے نکلے تو ''پسینہ'' کہلائے۔
جب ننھے اسمٰعیل (علیہ السلام) کے قدموں سے نکلے تو ''زم زم'' نام پائے۔اور
جب ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک سے پینے کو ملے تو ''آبِ کوثر'' کا نام پائے۔

۱۶۶۳ (علم ارضیات۔۔۔Geology)

''جب بارش کا پانی زمین کی قابلِ نفوذ تہہ پر گرتا ہے تو قدرتی طور پر وہ کم اور سیدھے سمتوں اس فاصلے کی راہ سے زیریں سطح تک جاتا ہے (اور یہی معنی سورۃ الملک کی آخری آیت کے لفظ غَوْر کا ہے) اور نا قابلِ نفوذ تہہ تک وہ نہیں پہنچ پاتا۔ اس تہہ کے اوپر کا بارش کا پانی زمین کے نچلے ترین حصے تک جاتا ہے جس کے نا قابلِ نفوذ حصہ پر غیر طبعی ابھار (گومڑا) پیدا ہو جاتا ہے۔ وہاں اونچے دباؤ کے تحت پانی چشمے یا عموداً کھودے جانے والے کنویں (Artesian well) کی صورت میں پھٹ پڑتا ہے۔ اگر واٹر سپلائی مسلسل اور مستقل ہو تو چشمہ ہمیشہ جاری رہتا ہے ورنہ وقفے وقفے سے جاری ہوتا ہے۔ یہ چٹانوں کی دوسری قسم ہے کہ جب وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہیں تو اُن سے پانی نکلتا ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت ۷۴ میں ہوا۔''

''سنگِ سیاہ، سنگِ خارا (عمارتی پتھر) اور سنگِ مرمر کی طرح چٹانیں بالعموم زمین کے اندر گاڑی ہوئی ہیں اور یوں لگتا ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں۔ یہ اُن چٹانوں کی تیسری قسم ہے جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا۔''

''پتھروں کی تینوں قسموں کا مندرجہ بالا سائنسی بیان مختلف قسم کے قانون شکن مجرموں کی قساوتِ قلبی (دل کا سخت ہونا) کی حیران کن تمثیلی وضاحت فراہم کرتا ہے۔ پہلی قسم اُن لوگوں کی ہے جو کوئی بڑی مصیبت پڑنے پر رونے لگتے ہیں۔ دوسری قسم اُن عادی، مغرور و متکبر قانون شکن مجرموں کی ہے جن کے دل چٹانوں سے بھی زیادہ سخت ہیں جن میں ضمیر کی کوئی چبھن نہیں ہوتی جس سے وہ نادم ہوں اور تائب ہو کر تلافیِ مافات کریں۔ تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو شدید اظہارِ غم اور نوحہ گری کرتے ہیں اور ڈر اور خوف کے علاوہ اُن کے پاس کچھ نہیں۔''

''یہاں قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ آیت میں بیان شدہ پتھروں کی تین نمایاں قسموں کا علم تو انسانی معلومات میں اب آیا ہے جبکہ وحیِ الٰہی نے اسے آج سے چودہ صدیاں پہلے بیان کر دیا تھا۔ اس لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ قرآن، کلام اللہ ہے، وہ اللہ جو علیم و خبیر اور تمام حالات کا ان کی پوری اثر اندازیوں سمیت جاننے والا ہے۔'' ("Divine Philosophy and Modern Science" ... Dr. A. Rashid Seyal, p. 103)

ان چٹانوں کے تمثیلی بیان کے بارے میں عبدالماجد دریا آبادی اپنی اُردو تفسیر میں لکھتے ہیں :

''پتھروں کی پہلی قسم کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیاء و رُسل ہیں جن کے چشمہِ فیض سے ایک عالم اپنی روحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے۔ دوسری قسم کے پتھروں کی مثالیں اولیائے اُمّت اور اَبرار و متقین ہیں کہ اُن سے بھی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ تیسری قسم کے پتھروں کی مثال عام مؤمنین اور صالحین ہیں کہ اگر دوسروں کی اصلاح و ہدایت نہ کر سکیں تو بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبولِ حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔'' (صفحہ ۳۰، نوٹ : ۲۵۶ تا ۲۵۸)

یَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی احساس وشعور ہے اگر چہ انسان کو محسوس نہ ہو۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا: وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ (سورۃ الاسراء: ۴۴) یعنی ''کوئی بھی ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اُس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو البتہ تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔'' اور سورۃ النّور کی آیت ۴۱ میں ارشاد ہوا: کُلٌّ '' قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَه' وَتَسۡبِیۡحَه' [ہر ایک کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح (بہ طریقِ الہام) معلوم ہے]۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فراق میں لکڑی روئی جسے صحابہ کرام نے بھی سنا۔ ابو جہل کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا جسے اُس نے بھی سنا۔ بکری کے زہر آلود گوشت نے حضور علیہ السلام کو زہر کی اطلاع دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلانے پر دو درخت چلے آئے۔ آپ ﷺ کو پتھروں نے سلام کیا۔ ثبیر پہاڑ نے آپ سے عرض کیا: یا حبیبَ اللہ! آپ کو کفار ڈھونڈ رہے ہیں اس لئے آپ میری پشت سے نیچے اتر آئیں تا کہ وہ آپ کو پکڑ نہ سکیں۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے کہ آقا علیہ السلام نے جبلِ اُحد کے بارے میں فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور قرآن کریم فرمارہا ہے کہ قیامت کے دن کفار کی کھالیں اور ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف بولیں گے (سورہ یٰس: ۶۵ ؛ فُصِّلَتۡ: ۲۰)۔ حضرت شیخ اسکواری فرماتے ہیں کہ میں جاری پانی سے یَا دَائِمُ کا ذکر سنتا ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں :

نطقِ آب ونطقِ خاک ونطقِ گِل　　ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

فلسفی گو منکرِ حنّانہ است　　از حواسِ اولیاء بے گانہ است　　(تفسیر نعیمی، ج۱، ص ۵۴۸، ۵۴۹)

زمین کی زرخیزی: اس سے مراد یہ ہے کہ جب روشنی، نمی، درجہ حرارت اور زمین کی طبعی حالت جیسے پیداواری عوامل موافق ومناسب ہوں تو زمین غذا بخش عناصر ومرکبات مناسب مقدار اور موزوں توازن کے ساتھ پیدا کرتی ہے۔ (McGraw Hill Encyclopedia of the Geological Sciences, p. 777)

قرآن مجید زمین کی زرخیزی اور عدم زرخیزی کے متعلق یوں فرماتا ہے :

وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُه' بِاِذۡنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا (الاعراف: ۵۸)

''اور ستھری زمین میں پیداوار اُس کے پروردگار کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور خراب زمین میں اُس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم۔'' (۷ : ۵۸)

بِاِذۡنِ رَبِّهٖ فرما کر یہ بتلا دیا کہ زمین خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو اور بارش کیسی ہی ہر وقت ہوتی رہے، تخم اور بیج کیسا ہی عمدہ ہو مگر پیداوار رب تعالیٰ کے ارادے اور مشیت ہی سے ہوتی ہے کیونکہ سب چیزیں اُسی کے تابع فرمان ہیں۔ اچھی زمین کے لئے اَلۡبَلَدُ الطَّیِّبُ ارشاد ہوا لیکن بُری زمین کے لئے اَلَّذِیۡ خَبُثَ فعل ماضی بیان ہوا۔ اس فرقِ بیان میں نہایت ہی لطیف صوفیانہ نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ طیّب ہونا اصل ہے اور خباثت عارضی چیز ہے جو دنیا میں آکر حاصل ہوتی ہے (کہ بروئے حدیث انسان کی اصل فطرت تو فطرتِ سلیمہ ہے) نیز ادب یہ ہے کہ اچھائی کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت دی جائے اور بُرائی کو اپنی طرف۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا کہ تمام تر بھلائی رب کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

''ایک عظیم سائنسی حقیقت: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے فَرْش کی مثال بیان فرمائی ہے جو انسان کو زمینی فرش پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے جس میں ایک بڑی سائنسی فکر پنہاں ہے۔ فَرْش کا مطلب پھیلا دینے کا ہے جیسے بچھا ہوا قالین۔ فرض کریں زمین کی سطح اس طرح نہ ہوتی بلکہ سخت لاوا ہوتی یا اُس کی سطح ہموار نہ ہوتی یا یہ صرف ریت کے ڈھیر ہوتی یا اس کے اوپر پانی ہی پانی ہوتا یا یہ برف ہی برف ہوتی تو کیا اس پر زندگی گزارنا اور رہنا ممکن ہوتا؟ سورج کے دیگر سیاروں کی سطح کا جب ہم زمینی سطح سے سائنسی موازنہ کرتے ہیں تو رب تعالیٰ کے لئے ایک عجیب سے تشکر کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس پر نباتات اور فصلوں کا اُگنا' اس کی خصوصی سطح اور اس کے اندر موجود خصوصی عناصر کی وجہ سے ہے جن سے دیگر سیاروں کی سطح محروم ہے۔ زمین کے اس فرش کی موٹائی صرف چند سومیٹر ہے جو اپنی بناوٹ میں خصوصی ہے۔ اس کے نیچے کی زمین نباتات اور بقائے حیات کے لئے غیر مناسب ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کے گواہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین کی تہہ کو یوں مناسب ترتیب نہ دیتا تو یہاں انسان کی زندگی محال ہوتی۔'' (''کتابِ زندگی''۔۔۔سلطان بشیر محمود' ص ۵۸)

علمِ فلکیات' کیمیا' علمِ آفاقیات وکائنات' جغرافیہ اور علمِ ارضیات جنہیں انسائیکلو پیڈیا ہٰذا میں زیرِ بحث لایا گیا' کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز تک کی پیدائش میں قدرت کا کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما ہے اور کوئی بھی چیز بے مقصد نہیں بنائی گئی۔ یہ بے ڈھنگا اور بدوضع پرند جسے ہم گدھ کہتے ہیں' نوعِ انسانی کا کتنا بڑا خدمت گار ہے! اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا بھر کی میونسپل کمیٹیاں اور صحت کے ادارے ان مُردہ جانوروں کو ٹھکانے لگانے سے عاجز آ جاتے اور اُن کی گلی سڑی بدبودار لاشوں سے زندگی تلخ ہو جاتی۔ غرضیکہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک' مولے سے لے کر عقاب تک جدھر بھی آپ فکر کی نگاہ ڈالیں گے' آپ کو حکمتِ ربانی کے جلوے نظر آئیں گے۔ یہ سب باتیں ایک مقتدرِ اعلیٰ ہستی کے وجود کا پکا ثبوت ہیں۔

یہی وہ نتیجہ ہے جس پر بیسویں صدی کی سائنس بالآخر پہنچی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز میں اپنی مکمل ماہرانہ کاریگری اور صناعی رکھ دی ہے جس کے دامانِ خیال تک کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (النّمل : ۸۸)

''یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو ماہرانہ پختگی کے ساتھ بنایا ہے۔'' (۸۸ : ۲۷)

(۲) تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ نِ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ ۝ (المُلْک : ۱ تا ۴)

''بڑا ہی عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے قبضہء قدرت میں (ساری) حکومت ہے' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل میں کون بہتر ہے اور وہ بڑا زبردست' بڑی ہی بخشش والا ہے۔ جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کردئے۔ تو (خدائے) رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا' سو تو پھر نگاہ ڈال کے دیکھ لے' کہیں تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ' نگاہ (ہی آخر) ذلیل و درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔'' (۱ تا ۴ : ۶۷)

۱۶۶۶ (علم ارضیات---Geology)

سورۃ الملک کی آیت دوم (بالا) میں موت و حیات کی بات چل پڑی ہے تو آیئے' لگے ہاتھوں اِن کی سائنسی تعبیر کا بھی جائزہ لیتے چلیں :

موت و حیات کی سائنسی تعبیر: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸ کی رُو سے پہلے موت ہے' پھر زندگی۔ اس کے بعد پھر موت اور پھر زندگی۔ یہ وہ راز ہے جو آج کی سائنس ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے انسان اس کے حل کے لئے بیتاب رہا ہے۔ آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری موجودہ زندگی زمان و مکان میں ہمارے سفر کی ایک کڑی ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم تھے لیکن موت کے عالم میں۔ اس کے بعد بھی ہم ہوں گے مگر موت کے عالم میں۔ سورۃ الملک کی آیت دوم کی رُو سے (جو اوپر بیان ہوئی) جیسے زندگی ایک تخلیقی امر ہے' موت بھی ویسے ہی ایک تخلیقی امر ہے۔ یعنی اگر زندگی' 'ہونا'' ہے تو موت بھی ''اَنہونا'' نہیں بلکہ انسان کے زمان و مکان کے سفر میں دو اُدوار ہیں۔ جب وہ جسم میں ہوتا ہے تو ہم اُسے زندہ کہتے ہیں اور جب جسم سے باہر ہوتا ہے تو اُسے مُردہ کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال پانی کی تین حالتوں کی ہے: برف' مائع' گیس۔ تینوں حالتوں میں پانی' پانی ہی رہتا ہے حالانکہ ان تینوں میں کوئی طبیعیاتی مماثلت نہیں ہے اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ مائع حالت میں پانی کو قابو کرنے کے لئے برتن لازمی چاہیئے اور اگر برتن ٹوٹ جائے تو پانی زمین میں جذب ہو کر یا ہوا میں اُڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو زندگی میں ایک جسم چاہیئے جس کے بغیر وہ تحلیل ہو جاتا ہے لیکن پانی کی طرح ختم نہیں ہوتا۔ جب تک یہ جسم صحیح حالت میں ہوتا ہے' انسان اس میں بیٹھا رہتا ہے اور جب یہ رہنے کے قابل نہیں رہتا مثلاً بیماری سے بکھر جائے' قتل کر دیا جائے یا بہت بوڑھا ہو کر ناکارہ ہو جائے تو پھر انسان اُسے چھوڑ دیتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے برتن ٹوٹنے پر پانی کو باہر آنا ہی پڑتا ہے۔'' (''کتابِ زندگی''---سلطان بشیر محمود' ص ۶۹)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہر عیب و نقص سے پاک مکمل تخلیق کو سورۃ النازعات کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ آیت ۲۷ اِس وسیع و عریض کائنات میں انسان کی بے اہمیتی کی طرف توجہ دلاتی ہے:

ءَ أَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَآءُ بَنَاهَاO رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَاO وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحٰهَاO وَ الْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَاO أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا وَمَرْعَاهَاO وَ الْجِبَالَ أَرْسٰهَاO مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِأَنْعَامِكُمْ O (النّازعات : ۲۷ تا ۳۳)

''بھلا تمہارا دوبارہ پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ اُسی نے اُسے بنایا۔ اُس نے اُس کی چھت کو بلند کیا اور اُسے متوازن کیا۔ اور اُس کی رات کو ڈھانپا اور اُس کے دن کو ظاہر کیا اور اُس کے بعد زمین کو بچھایا اور اُس سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو نصب کر دیا' (یہ سب) تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے۔'' (۲۷ تا ۳۳ : ۷۹)

ایک روح پرور واقعہ جو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے: ''پروفیسر پامر (Palmer) ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اوّلیں ماہرِ ارضیات ہیں۔ وہ ایک کمیٹی کے سربراہ تھے جس نے امریکی

ارضیاتی سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ کا اہتمام کی۔ اُن سے ملاقات کے موقع پر ہم نے اُنہیں قرآن وسنت میں موجود مختلف سائنسی معجزات پیش کئے جن سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ مجھے ایک خوشگوار واقعہ یاد ہے جب ہم نے اُنہیں بتایا کہ قرآن مجید زمین کے نچلے ترین حصے کے ذکر میں یہ بیان کرتا ہے کہ یہ یروشلم کے قریب واقع ہے جہاں ایرانیوں اور رومیوں کے مابین جنگ ہوئی تھی اور جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرّوم کی آیات ۲ تا ۴ میں کیا ہے :

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ O فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ هُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ O فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ

''اہلِ روم زمین کے نچلے ترین حصے میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔'' (۲ تا ۴ : ۳۰)

لفظ أَدْنَى میں ''قریب تر'' اور زیریں تر'' دونوں معنیٰ ہیں۔ مفسرینِ قرآن رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ رائے رہی ہے کہ أَدْنَى الْاَرْضِ کا مطلب جزیرۂ عرب کے قریب کا علاقہ ہے۔ تاہم اس کا دوسرا معنیٰ ''نچلے ترین'' کا بھی ہے کیونکہ قرآن مجید معجز اور بلیغ البیان ہونے کے لحاظ سے ایک لفظ کے کئی معنیٰ دیتا ہے۔

''جب ہم نے زمین کے زیریں ترین حصے کی تحقیق کی کہ وہ کہاں ہے تو ہم نے معلوم کیا کہ یہ بالکل وہی جگہ ہے جہاں رومیوں کو جنگ میں شکست ہوئی تھی۔ جب ہم نے پروفیسر پامر کو اس کے متعلق بتایا تو وہ یہ کہتے ہوئے اس بات پر بضد ہوئے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ زیریں ترین حصے کے علاوہ اور بھی کئی ایسی جگہیں ہیں۔ اُنہوں نے یورپ اور امریکہ میں واقع ان مقامات کے نام اور اُن کی مثالیں بھی دیں۔ ہم نے اُنہیں یقین دلایا کہ ہماری معلومات تحقیق شدہ اور بالکل درست ہیں۔ پروفیسر پامر کے پاس مقام نگاری کا ایک گلوب (Topographical Globe) تھا جو بلندیوں اور نشیبوں کو ظاہر کرتا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ اس گلوب کی مدد سے زمین کے زیریں ترین حصے کو معلوم کرنا آسان ہوگا۔ اُنہوں نے گلوب کو اپنے ہاتھ سے پلٹا اور یروشلم کے نزدیک اپنی علامت کو مرکوز کیا۔ پروفیسر پامر حیران رہ گئے کہ ایک چھوٹا سا تیر اُس علاقے کی طرف ''زمین کے زیریں ترین حصے'' ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔ پروفیسر موصوف نے فوراً تصدیق کی کہ ہماری تحقیق درست ہے۔

''قاہرہ میں پروفیسر پامر نے قرآن مجید میں ارضیاتی معلومات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ پیغمبر محمد ﷺ کے زمانہ میں سائنسی علوم کی سطح اور قد وقامت کیا تھی۔ لیکن ہمیں اُس زمانے کے متعلق جو تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوئی ہیں' اُن سے ہم بلا خوف تردید یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن مجید الٰہی علم کی تابندہ روشنی ہے جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔'' (Of the Internet-- ""It is--- Truth." Org)

''ایک اور مقام پر پروفیسر پامر کا قرآن مجید کو پُر جوش خراجِ تحسین پیش کرنا جہاں ایک طرف آدمی میں وجد آفریں کیفیت پیدا کرتا ہے' وہاں حیرت زدہ بھی کرتا ہے کہ پروفیسر پامر ''امتِ اجابت'' کا رُکن نہ بن کر بدنصیب کیوں رہے؟''

(۵۷) کُل زمینی ہمہ گیریت (Globalization) اور اسلام

''اسلام کی حقیقی تعلیمات کو مسخ کرنے، اُس کی عالمی خدمات کو جھٹلانے، اُس کی آفاقیت، ہمہ گیریت، اُس کی فطرتِ سلیمہ اور اُس کے امن پسند کردار کو دُھندلا کرنے کے لئے ہر زمانے میں اُس کے اوپر الزامات اور خانہ ساز، بے بنیاد اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ کبھی دہشت گردی کا تانا بانا اُس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی، کبھی اُسے بنیاد پرست ہونے کا الزام دیا گیا اور کبھی اُسے جدّت کا مخالف ظاہر کیا گیا حالانکہ صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ آج کل اسلام کو گلوبلائزیشن (Globalization) کا مخالف، محدود اور قدیم خیالات کا مظہر اور دیگر اقوام سے کٹا ہوا مذہب ثابت کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ زیرِ نظر مضمون (Islam and Globalization) ترکی سے شائع ہونے والے میگزین (The Fountain) میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں اسلام اور گلوبلائزیشن کے حوالے سے اُٹھنے والے اعتراضات اور گلوبلائزیشن اور ویسٹرنائزیشن کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔''

''آج کل اسلام اور گلوبلائزیشن کے عنوان سے تلخی سے بھرپور بحث عالمی دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اِس بحث کا سبب یہ تصوّر ہے کہ اسلام، گلوبلائزیشن کے عمل کا مخالف ہے۔ اس مضمون میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام، گلوبلائزیشن کے عمل کے قطعاً خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اسلام اور مغرب کے مابین موجود یہ تناؤ ویسٹرنائزیشن کے عمل کی پیداوار ہے۔''

''گلوبلائزیشن افراد، سازوسامان اور نظریات کے دنیا بھر میں پھیلاؤ اور تبادلے کا نام ہے۔ یہ براہِ راست تبدیلی، جدّت اور دنیا بھر کے مختلف علاقوں کے مابین بڑھتے ہوئے باہمی تعلقات پر مشتمل ہے۔''

''گلوبلائزیشن انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جو انسان کی فطرت کی طرح اُس کے اندر داخل ہے۔ یہ ایک ایسا رُجحان ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ زندگی کے بہترین مواقع حاصل کرے اور اسے محسوس کرنے کے لئے اپنے اردگرد موجود افراد کے ساتھ وسائل اور تجربات کا تبادلہ کرتے ہوئے زندگی بسر کرسکے۔''

''اسلام اور گلوبلائزیشن کے حوالے سے جاری اس نام نہاد بحث کو صحیح طور پر سمجھنے، اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کرنے اور آج کے دَور میں اس سے ملتے جلتے ہر عمل کے درمیان فرق کرنا انتہائی ضروری ہے۔''

''اسلام اور گلوبلائزیشن کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر احباب گلوبلائزیشن سے ملتے جلتے تصوّر ویسٹرنائزیشن کو گلوبلائزیشن کے لبادے میں پیش کرتے ہیں حالانکہ ویسٹرنائزیشن بنیادی طور پر گلوبلائزیشن سے بالکل مختلف چیز ہے۔''

''گلوبلائزیشن اور ویسٹرنائزیشن کے مابین فرق: گلوبلائزیشن کا مقصد اُس فاصلے کو ختم کرنا ہے جس نے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے☆۔ مختلف گروہوں اور طبقات کے درمیان یہ دُوری معاشی، معاشرتی، سائنسی اور سیاسی انتظام و انصرام کے حوالے سے فوائد اور معلومات کے تبادلے سے ہی ختم کی جا سکتی ہے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے تمام طبقات اور مختلف گروہ معلومات کا تبادلہ کریں، ایک دوسرے کے اَخلاقی اصول و اقدار کو سمجھیں اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی بنیاد رکھیں۔''

''دوسری طرف جب ہم ویسٹرنائزیشن کی طرف نظر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ویسٹرنائزیشن میں ایک دوسرے کو سمجھنے اور مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنے کو قابلِ توجہ نہیں گردانا جاتا۔''

''گلوبلائزیشن ایک عمل ہے جس میں ساری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی صورت اختیار کر جاتی ہے، جہاں کم ترقی یافتہ گروہ اپنی حالت کو سدھار سکتے ہیں۔ یہ ایک دوطرفہ عمل ہے جو ہر گروہ کے لئے ''کچھ لو اور کچھ دو'' کے اصول کو ممکن بناتا ہے جبکہ اس کے برعکس ویسٹرنائزیشن کا عمل بندگلی کی طرف لے جاتا ہے۔ گلوبلائزیشن میں مختلف گروہ آزادانہ مرضی سے اس عمل کو اختیار کرتے ہوئے فوائد و معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں جبکہ ویسٹرنائزیشن کا عمل دوسرے علاقوں پر جبراً مسلّط کیا جاتا ہے۔''

''اسلام اور گلوبلائزیشن: گلوبلائزیشن اور ویسٹرنائزیشن کے مابین فرق کو جاننے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام حقیقی مفہوم کے حامل گلوبلائزیشن کا مخالف نہیں ہے اور نہ ہی اُس جدّت کا مخالف ہے جو گلوبلائزیشن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسری طرف ویسٹرنائزیشن مسلمانوں کے لئے بجا طور پر ایک مسئلہ ہے کیونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی تو قبول ہے لیکن اسلامی معاشرے کو مغربی رنگ میں رنگنا اور بے دین ہونا قطعاً قبول نہیں☆☆۔ پس اسلامی معاشرے کو ویسٹرنائزیشن اور مغربی رنگ سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ یہ اسلامی اَقدار و روایات کے ماتحت ہوں۔ اسلام واضح طور پر گلوبلائزیشن کو اپنے دامن میں لیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہو اور اُس کی بنیاد آزادانہ رائے پر ہو نہ کہ دھونس پر مشتمل مغربی مطالبات پر جو وہ مشرق سے کرتا ہے۔''

''سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنا نہایت اہم ہے کہ اسلام لوگوں کو وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو) کا حکم دیتا ہے کہ خیر پر مبنی صلاح و فلاح کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے اور شر و فساد کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا جائے۔ حضور ﷺ نے مکمل طور

☆ کیونکہ سورہ یونس کی آیت ۱۰ کی رُو سے تمام بنی نوعِ انسان ایک ہی قوم تھے۔ بعد میں بوجوہ اُن کی راہیں اَلگ ہو گئیں۔

☆☆ اس سلسلے میں یہ فرمانِ رسول بھی پیشِ نظر رہے: مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اُس کا شمار اُنہی میں سے ہو گا۔

پر قطع نظر اس سے کہ پڑوسی مسلمان ہے یا نہیں' اس اصول کو نافذ فرمایا۔ یقینی طور پر اس اصول کو عالمی سطح تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ جہاں ایک ہمسایہ ملک کو بھی وہی مقام دیا جا سکتا ہے جو اُس ملک کا ہے جس کے اسلامی دنیا کے ساتھ معمولی معاشی اور سیاسی تعلقات ہیں۔''

''اسلام نے نہ صرف گلوبلائزیشن کے عمل کو قبول کیا بلکہ اس میں نمایاں کردار ادا کیا ☆۔ کئی صدیوں تک علوم کی دنیا میں عربی زبان رہنما کے طور پر رہی۔ مسلمانوں نے حساب' علمِ نجوم اور طب میں اہم پیش رفت کی۔ یہ ایک ایسا ورثہ تھا جس سے یورپی سکالروں نے عظیم فوائد حاصل کئے اور یہی چیز اُن کی ترقی کا سبب بنی۔''

''گلوبلائزیشن کا تعلق محض مغرب کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ گلوبلائزیشن کے قالب میں ڈھلنے والے نہ تو یورپی ہیں' نہ مغربی اور نہ ہی مغربی غلبے سے تعلق رکھنے والے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یورپ حساب' سائنس اور ٹیکنالوجی کی گلوبلائزیشن کو روکتا تو وہ معاشی' ثقافتی اور سائنسی حوالے سے مغرب کی نسبت بہت پیچھے رہ جاتا۔''

''ہمیں گلوبلائزیشن اور ویسٹرنائزیشن کی پیدا کردہ اشیاء کے درمیان فرق کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور گلوبلائزیشن کے حوالے سے بحث کی بنیاد بہت ہی غلط تشخیص پر رکھی گئی ہے جس نے گلوبلائزڈ دنیا کو اسلام کے مقام کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار کر دیا ہے حالانکہ اسلام تو وہ ہے جو ماضی میں ہر اعتبار سے زرخیز اور بار آور ثابت ہوا اور مستقبل میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ یہ گمراہ کن تصور کہ اسلام گلوبلائزیشن اور جدت کا مخالف ہے' نہایت خطرناک ہے کیونکہ لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ باقی ماندہ دنیا میں بھی اسلام کا شاندار کردار ختم ہو جائے گا۔''

''<u>ویسٹرنائزیشن کے حوالے سے مسلمانوں کا رویہ</u>: ویسٹرنائزیشن کے حوالے سے عالمِ اسلام کے ردِّعمل اور عالمِ مغرب کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ عالمِ مغرب ایک غالب طاقت کے طور پر ظاہر ہوا ہے اور جس نے دنیا کی صورت کو ہی تبدیل کر ڈالا ہے۔ عالمِ مغرب کا اس طرح ظاہر ہونا بالکل اسی طرح ہے جیسے ساتویں اور آٹھویں صدی میں عرب مسلمان عالمی طاقت کے طور پر ظاہر ہوئے۔''

''اٹھارہویں صدی کے اختتام پر مغرب میں ایک بالکل مختلف قسم کی تہذیب (موڈرنائزیشن) کا اُٹھنا مسلمانوں کی کمزوری کا باعث بنا۔ اس وقت عالمِ اسلام کے لئے اس چیلنج کا مقابلہ کرنا سخت مشکل تھا لیکن ماضی میں مسلم گروہ اس قابل تھے کہ وہ دنیا میں اسلام کے کردار اور طاقت کو از سرِ نو حیاتِ تازہ بخشتے۔ تاہم ویسٹرنائزیشن کا اثر ایک بے مثال تجربہ تھا جس نے زبردست انداز میں اسلام کو چیلنج کیا اور ایسی فضا پیدا کی جس نے مغرب کو باقی

☆ سوال یہ ہے کہ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر ممالک سے تعلقات و روابط نہیں رکھے' کیا اُن سے تجارت اور اشیاء کے تبادلے کی اجازت نہیں دی؟ سمندری سفر سے متعلق قرآن مجید کی بیشتر آیات بین الاقوامی تجارت کی ترغیب دیتی ہیں۔

سب سے بالعموم اور اسلام سے بالخصوص جدا کر دیا۔''

''ایک تاریخی پہلو سے ویسٹرنائزیشن نے اسلام کے کردار کو کم کر دیا اور امور کی انجام دہی کے حوالے سے اُسے مغربی انداز و اطوار کا ماتحت بنا دیا۔ موڈرنائزیشن (Modernization) کے عمل نے عالمِ اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بجائے اس کے کہ عالمِ اسلام، عالمی تہذیب کا راہنما ہوتا، یورپی طاقتوں نے اسلام کو تیزی سے مستقل طور پر ماتحت بلاک تک محدود کر دیا جس کے نتیجے میں مغرب کے خلاف غصے کے جذبات اُبھرے۔ مسلمانوں نے سوال اُٹھایا کہ کیا وہ مغربی انداز و اطوار اور جدّت کو قبول کریں یا اُنہیں گلوبلائزیشن کا مخالف سمجھا جائے؟''

''اس مقام پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مغرب کی اس نئی تہذیب کے اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اُٹھی لیکن اسلامی تاریخ کو واپس صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے اُن کی کوششیں کسی حد تک مایوس کن ثابت ہوئیں۔ اسلامی تاریخ میں خودکش بم حملے اور ان سے ملتے جلتے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں کو اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ انہیں مایوس کن مصائب کی دلدل میں ڈال دیا گیا ہے۔''

''انتہا پسندی کے ظہور اور اس کی اُٹھان کو براہِ راست اس غصے کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے جو مغربی طرز کی گلوبلائزیشن کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ یہ ایک یکطرفہ عمل ہے جو عمل اور دیگر علاقوں کے مابین ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تاہم ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تشدّد اور انتہا پسندی کا تعلق اسلام کے ساتھ نہیں ہے۔ مغربی میڈیا اکثر یہ تاثر دیتا ہے کہ مذہبی تعلق کی شدید ترین قسم بنیاد پرستی (Fundamentalism) خالصتاً اسلامی وصف ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ بنیاد پرستی ایک عالمی حقیقت ہے۔ جو جدّت سے پیدا ہونے والے مسائل کی وجہ سے ہر بڑے مذہب میں نمودار ہوئی ہے۔''

''**اسلامی معاشرے کے خدشات**: گلوبلائزیشن کے حوالے سے اسلامی معاشرے کے خدشات یہ ہیں کہ عالمی دباؤ کے سامنے اپنے اَنمول ورثے کو کیسے بچایا جائے؟ مذہبی اقدار و روایات کو کیسے سنبھالا جائے؟ اپنی زبان کو (بیرونی آمیزش سے) کیسے محفوظ رکھا جائے؟ معاشرتی اداروں کا دفاع کیسے کیا جائے؟ اور تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی ماحول میں اپنی شناخت کو کیسے قائم رکھا جائے؟''

''اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام مسلمانوں کے لئے پہلی ترجیح اللہ تعالیٰ کے حضور مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دینا ہے (سورۃ الزُّمَر: آیت ۵۴)۔ ہر وہ چیز جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہو اُسے دنیا میں اسلام کی بقا اور قوت کے لئے خطرہ سمجھا جائے گا۔ ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ ہونا چاہئے کہ اسلام تیزی سے ایک عالمی حقیقت بنتا جا رہا ہے جو اُن حدود سے ماوراء ہے جنہوں نے مغرب کو باقی دنیا سے الگ کر دیا تھا۔''

''اسلام دنیا میں دوسرا بڑا اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ عرب میں اسلام تقریباً 610ء میں پھیلنا شروع ہوا اور آج اسلام ایک عالمگیر حقیقت ہے جسے مسلمانوں نے سارے عالم کے سامنے پیش کیا ہے۔ پندرہ ملین مسلمان یورپ اور سات سے آٹھ ملین امریکہ میں رہتے ہیں۔ جرمنی میں تقریباً ایک ہزار اور برطانیہ میں پانچ سو مساجد ہیں۔ پس اسلام کے تیزی سے پھیلنے کا سبب بذاتِ خود گلوبلائزیشن کا عمل ہے۔''

''اسلام کے مستقبل کا انحصار: اسلام کے مستقبل کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کو مغربی طرز کی جدّت کے ساتھ ہم آہنگ کر سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کیا اسلام ایک اسلامی طرز کی جدّت کی بنیاد رکھ سکتا ہے یا نہیں؟''

''چیلنج یہ ہے کہ اسلامی اَقدار کو قربان کئے بغیر یا اسلامی تعلیمات کو ضرر پہنچائے بغیر جدّت کے عمل میں شریک ہوا جائے حالانکہ اسلام واقعتاً ایک عالمگیر مذہب ہے اور ایشیا' افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کی طرح یورپ اور امریکہ میں بھی بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یہ اسلام کے مستقبل کے لئے انتہائی نیک شگون ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے شہر اور دارالخلافے صرف قاہرہ' استنبول اور مکہ ہی نہیں بلکہ پیرس' لندن اور نیویارک بھی ہیں۔ یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ آج کی جدید دنیا میں بھی اسلامی تعلیمات قابلِ قبول ہیں۔''

''گلوبلائزیشن کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے اخلاقی اصول و اَقدار کو سمجھا جائے اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی بنیاد رکھی جائے۔ گلوبلائزیشن اور دنیا کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنا ازحد ضروری ہے۔ گلوبلائزیشن اور موڈرنائزیشن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر مذہب کے تشخص کے احترام کو یقینی بنائے اور انسانیت کے لئے ایک قدرتی ضرورت کے طور پر مذہب کا احترام کرے۔''☆

''بہت سا لٹریچر جو اسلام اور گلوبلائزیشن (Islam and Globalization) کے حوالے سے بحث سے متعلق ہے' وہ گلوبلائزیشن کے عمل میں مذہب کے کردار کے حوالے سے انتہائی نامناسب اور نامکمل تصوّر پر مشتمل ہے۔ سیکولرازم (Secularism) جسے ترقی دے کر گلوبلائزیشن کی موجودہ صورتوں میں پیش کیا گیا ہے' ایک نیا تصوّر ہے۔ حقیقت میں تاریخی قدامت پر مبنی مذہب نے گلوبلائزیشن کے عمل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور خاص طور پر اسلام کا کردار انتہائی نمایاں ہے۔ ایک گلوبلائزڈ دنیا کے مستقبل کے لئے چیلنج یہ ہے کہ فلاح و صلاح کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے اور شر و فساد کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا جائے۔''

☆ جس طرح اسلام نے دوسرے مذاہب کے احترام کی تعلیم دینے کے سلسلہ میں فرمایا: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۃُ الانعام: ۱۰۸) یعنی ''انہیں بُرا بھلا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہیں' ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر ازراہِ جہالت اللہ کو بُرا بھلا کہنے لگیں گے۔'' (ماخوذ از منہاج القرآن' اگست ۲۰۰۷ء)

(۵۸) درود و سلام بر نبی اکرم ﷺ

سورۂ الاحزاب کی آیت ۵۶ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO(۳۳:۵۶)

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر رحمت بھیجتے ہیں ۔اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب خوب سلام بھیجا کرو۔''(۵۶ : ۳۳)

اللہ کی رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔مسلمانوں اور فرشتوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ اُنہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اُس رحمتِ خاص کی دعا کرتے رہیں اور اسے اُن کے حق میں طلب کرتے رہیں۔اسی کو عرفِ عام میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔یہاں صلوٰۃ سے مراد رحمتِ عام نہیں بلکہ نبی کے شایانِ شان رحمتِ خاص مراد ہے۔

امام مرتضٰی الزَّبِیدی ''تاج العروس'' میں صلوۃ کا معنیٰ لکھتے ہیں :

قَالَ ابْنُ الاعرابی اَلصَّلَاۃُ مِنَ اللّٰہِ اَلرَّحْمَۃُ وَمِنْہُ ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ اَیْ یَرْحَمُ

''ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنیٰ ''رحمت'' ہے اور یہی اس آیت کا معنیٰ ہے ''وہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے'' یعنی ''وہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔''

علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا محمد ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُن کی حمد وثنا فرماتا ہے اور اُن کا تزکیہ فرماتا ہے۔فرشتوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اللہ سے نبی علیہ السلام کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں۔مسلمانوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے لئے اللہ کی برکت ورحمت کے نزول کی دعا کرتے ہیں۔''(المفردات' ج ۲' ص ۳۷۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض نے فرمایا:

''سلام کا معنیٰ ہے تسلیم کرنا' مان لینا' اطاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا۔گویا مؤمنوں سے فرمایا ہے کہ تم لوگ آپ پر صلوٰۃ پڑھو اور اس حکم کو مان لو' تسلیم کرلو اور اس کی اطاعت کرو۔''(الشفاء' ج ۲' ص ۵۱'۵۰)

''ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کا مرتبہ کیا ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہئے تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ کے سپرد کردیا اور ہم نے کہا: اے اللہ! اپنے رسولِ مکرّم کے مرتبہ کو تو ہی جاننے والا ہے' اُن کے مرتبہ کے موافق تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے' سو تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ۔''(مجمع بحار الانوار' ج ۳' ص ۳۴۷ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۹' ص ۵۳۴)

صَلُّوْا اَمر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم درود بھیجو'' اور سَلِّمُوْا بھی امر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم سلام بھیجو''۔ دونوں صیغوں کی نوعیت یکساں ہے لیکن سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا کا اضافہ ہونے سے وہ مفعولِ مطلق بن گیا اور سلام کی معنویت میں زور پیدا ہو گیا کیونکہ مفعولِ مطلق سے معنیٰ میں زور (Emphasis) پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی مکرّم ﷺ نے سلام بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اور درود بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد۔ صلوٰۃ و سلام کسی بھی انداز سے پڑھا جائے' جائز ہے۔ چاہے کوئی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ پڑھے یا اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّد پڑھے' ہر صورت میں اللہ کے حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور بھی کئی درود مروی ہیں جن کے صیغے مختلف ہیں اور اپنی ضرورت و خواہش کے مطابق اُنہیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ درود بھیجنا ذکرِ الٰہی اور عبادت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ تمام عبادات یعنی نماز' روزہ' حج' صدقات و خیرات و زکوٰۃ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں سر کٹانا وغیرہ کسی بھی کارِ خیر کی قبولیت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی لیکن درود پاک بہر صورت رب کے ہاں منظور و مقبول ہے کیونکہ رب تعالیٰ خود اِس عمل میں شامل ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ بجائے اسمِ ذات مُحَمَّد لانے کے جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرت انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں ہے' اسمِ صفت النَّبِی لانا حضور علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا بڑی سختی سے حکم فرمایا:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورة الفتح : ۹)
''تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُن (کے دین) کی مدد کرو اور اُن کی (بہ دل و جان) تعظیم و توقیر کرو۔'' (۹ : ۴۸)

<u>درود کے ساتھ سلام کا حکم کیوں؟</u> اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

''نبی مکرّم ﷺ کے اعلیٰ اور رفیع مرتبہ کے پیشِ نظر مؤمنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نبی پر نہ صرف صلوٰۃ یعنی درود بھیجیں بلکہ سلام بھی بھیجیں۔ سلام بالعموم کسی ممتاز شخصیت' قائد و پیشوا یا سیاست دان کو کیا جاتا ہے۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ و مقام رب تعالیٰ کے نزدیک اُن شخصیات سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے جنہیں سلام کیا جانا چاہئے اور یہ چیز آپ ﷺ کے خصائلِ حمیدہ اور بے مثل طرزِ زندگی کی وجہ سے ہے۔''

<u>درود و سلام کا حکم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص کیوں؟</u> اس کی اصل وجہ تو مالکِ کون و مکاں ہی بہتر جانتا ہے لیکن کچھ مفسرین کے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دینِ حق کی تبلیغ اور جبینِ انسانیت کو ایک خدائے واحد کے حضور جھکانے میں جن تکالیف اور اعصاب شکن مصائب کو آپ نے جھیلا' کسی

اور نبی یا رسول نے نہیں جھیلا اور اس ضمن آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ مجھ سے پہلے اگر تمام انبیائے کرام کی جھیلی ہوئی تکالیف ومصائب کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور مجھ اکیلے کی تکالیف کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے' تو میرا پلڑا اُن سب سے بھاری ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے: جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی مندرجہ بالا آیت ۵۶ سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ بھی ہے۔ ماحول' ضرورت اور زمانے کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہو جاتی ہے مگر سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سنت کو ہمیشہ ابدی' دائمی اور آفاقی قانون کا درجہ حاصل رہتا ہے جو ہر دَور میں بحالہ ایک ہی شکل میں قائم و برقرار رہتا ہے (بحوالہ سورہ فاطر: ۴۳ و سورۃ الفتح: ۲۳)۔ لہٰذا مومنوں کے لئے فرض ہے کہ وہ سنتِ الٰہیہ میں شریک ہوتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود وسلام بھیجا کریں۔

یہاں پہنچ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رب کے ہاں رفعتِ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام کی تمام اقسامِ عبادات (نماز' روزہ' حج وغیرہ) نبی علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ ہیں نہ کہ اللہ کی کیونکہ اللہ نماز نہیں پڑھتا' نہ ہی وہ روزہ رکھتا ہے اور نہ ہی حج کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا اُس کی سنتِ مبارکہ ہے اور اسی لئے درودِ پاک کو سب عبادات سے زیادہ معزز' شاندار' ترجیحی اور ارفع عمل سمجھا گیا ہے۔

مختلف طریقہ ہائے عبادات سے متعلق احکاماتِ الٰہیہ کچھ اصول وضوابط کے ماتحت ہیں مثلاً پنجگانہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہے اور اس کی قبولیت سنتِ رسول کے مطابق ادا ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی طرح روزوں میں بھی کچھ اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے یعنی سنتِ رسول کے تمام طریقہ ہائے عبادت کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔ لیکن چونکہ صلوٰۃ وسلام چونکہ خالقِ کائنات کا طریقہ ہے اس لئے وہ وقت اور دوسرے ذیلی واجبات کا پابند نہیں۔

''آیت مذکورہ کا سادہ سا گرامری تجزیہ اس نکتے کو مزید واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ عربی گرامر میں جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں: جملہ فعلیہ جس میں فعل ظاہر ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ جو محض نام کا جملہ ہوتا ہے۔ جملہ فعلیہ کسی خاص وقت (ماضی' حال یا مستقبل) سے متعلق ہوتا ہے اور وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ وقت بھی غیر مستقل اور عارضی چیز ہے۔ اگر یہ زمانہ حال میں ہے تو اُسے بہرحال جانا ہے اور اگر زمانہ مستقبل سے متعلق ہے تو اُسے ابھی آنا ہے۔''

''تاہم جملہ اسمیہ تمام اوقات کو اپنے اندر لئے ہوتا ہے۔ یہ دائمی اور مستقل ہوتا ہے۔ ایک نام سے منسلک ہونے کے بعد اس کا تعلق تمام اوقات سے ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ ۵۶ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ اسمیہ سے بات شروع کی ہے۔ زمانہ ماضی کا صیغہ کہ ''اللہ اور اس کے فرشتوں نے درود بھیجا'' کی بجائے یا زمانہ مستقبل کا صیغہ

کہ ''اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں گے'' استعمال کرنے کی بجائے زمانہ حال میں بات کی ہے کہ ''اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں''۔ یہ کوئی حکم یا ہدایت نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اعلان ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام کا عمل ایک غیر منقطع اور دائمی عمل ہے۔''

''صلوٰۃ'' اور ''سلام'' میں فرق: جیسا کہ آیت مذکورہ ۵۶ سے معلوم ہوا کہ زور سلام پر ہے' صلوٰۃ پر نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مانوسیت اور پہچان سلام سے ہوتی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً اپنے اُس اُمتی کو پہچان لیتے ہیں جو بڑے خلوص' محبت اور تعظیم کے ساتھ آپ پر بکثرت سلام بھیجتا ہے۔ اس طرح حکمِ الٰہی نبوّت کی رفعت مقامی کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ مؤمنوں کے لئے اُس کی لامحدود رحمت کا مظہر بھی ہے۔

''مؤمنوں کو درود و سلام پڑھنے پر ثواب دئے جانے کی قسم میں بھی امتیاز روا رکھا گیا ہے اور وہ امتیاز درجے اور مرتبے میں ہے۔ نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے والوں کو اپنے اس عمل کی روحانی اجرت دی جاتی ہے۔ جس طرح ایک مزدور کو اپنی محنت کی اجرت رقم کی شکل میں دی جاتی ہے' اسی طرح درود بھیجنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اُس کی طرف سے برکات کی شکل میں روحانی طور پر نوازا جاتا ہے۔ پیغمبر کریم ﷺ نے اپنے اُن اُمتیوں کے لئے شفاعت کی ضمانت دی ہے جو آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّه' مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَة'' فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِاللّٰهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ' سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ' جامع ترمذی: کتاب المناقب' سنن نسائی: کتاب الاذان' مسند احمد بن حنبل' صحیح ابن خزیمہ' مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی: کتاب الصلوٰۃ' شرح السنۃ لحسین بن مسعود بغوی' کنز العمال لعلاء الدین علی ۷:۰۰۷' بحوالہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

''جب تم مؤذّن کو اذان کہتا سنو تو اُس کے کہے ہوئے الفاظ دُہراؤ' پھر مجھ پر درود بھیجو' اس لئے کہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی وجہ سے دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر تم اللہ سے میرے لئے مقامِ وسیلہ کی درخواست کرو جو جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے ایک (خاص) بندے کو عطا کیا جائے گا اور مجھے اُمّید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ اور جو کوئی میرے لئے مقامِ وسیلہ مانگے گا' تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔''

درود و سلام معرفتِ مصطفیٰ ﷺ کا باعث: اعمالِ صالحہ' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقات و خیرات سے بھی بڑھ کر ایک اور عمل دوست کی حیثیت سے قبر میں ہمارا محافظ بنے گا اور وہ عمل حضور ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجنا ہے۔ بقیہ اعمال نے تو فرشتوں کو قریب آنے سے روکنا ہے اور اس عمل نے اس سوال مَا تَقُولُ فِيْ حَقِّ

ھذا الرَّجل (اس شخصیت کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا؟) کا جواب ہمیں عطا کرتا ہے یعنی معرفت مصطفیٰ ﷺ ہمیں عطا کرتی ہے کہ جب حضور ﷺ ہمارے سامنے ہوں گے تو یہ عمل ہمیں آپ علیہ السلام کو پہچاننے میں معاونت کرے گا۔ ذرا سوچیے! اُس شخص کا کیا حال ہو گا کہ جس کے پاس اس عملِ درود وسلام کی قلت ہوگی، عشق ومحبتِ مصطفیٰ کی کمی ہوگی اور وہ قبر میں حضور ﷺ کی پہچان نہ کر سکے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی اہمیت پر چند احادیث مبارکہ

(۱) عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ يُرٰى فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ: إِنَّهٗ جَاءَ نِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: أَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَّا يُصَلِّيْ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا (سنن نسائی: باب السھو)

"حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اُنہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ چمکتے دمکتے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے پاس جبریل یہ پیغام لے کر آئے کہ اے قابلِ صد ستائش! (آپ کا رب فرماتا ہے کہ) کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ جب آپ کا کوئی اُمتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو میں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں اور آپ کا کوئی اُمتی آپ کو ایک مرتبہ سلام کہے تو میں اُس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجوں!"

(۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ سَيِّاٰتٍ وَّ رَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجٰتٍ (مسند احمد، مستدرک للحاکم، سنن نسائی، صحیح ابن حبان)

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کے پاس میرا ذکر کیا جائے، اُسے چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا اور اُس کے دس گناہ مٹا دے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔"

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ عَشْرًا فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً (الشفا لقاضی عیاض)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجا تو گویا اُس نے ایک غلام آزاد کیا۔"

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (ترمذی، ابن حبان، شرح السنۃ للبغوی، مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی، میزان الاعتدال للذھبی)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے قریب ترین وہ شخص ہوگا جو مجھ پر بکثرت درود پڑھتا ہوگا۔"

(۵) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَّحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا أَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (طبرانی)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر صبح دس مرتبہ اور شام دس مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔''

(۶) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: أَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَإِنَّہٗ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ أَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (ابن ماجہ' السخاوی' مُلّا علی قاری)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو اس لئے کہ جمعہ کا دن برکت کا دن ہے جس میں فرشتے بہ کثرت حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک بھیجنے والا فارغ نہیں ہو جاتا' وہ درود مجھ پر برابر پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا؟ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔''

(۷) عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلصَّلٰوۃُ عَلَیَّ نُوْرٌ عَلَی الصِّرَاطِ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ثَمَانِیْنَ مَرَّۃً غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِیْنَ عَامًا (شرح شفا لعلی قاری)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر درود کا بھیجا جانا پُل صراط پر نور ہوگا اور جو کوئی جمعہ کے دن مجھ پر اسّی مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے اَسّی برس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

(۸) عَنِ الْحَسَنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَخَطِیءَ الصَّلَاۃَ عَلَیَّ خَطِیءَ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ (منذری ۲ : ۲۳۱)

''امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا' وہ جنت کا راستہ بھول جائے گا۔''

شیخ ابن حجر مکّی فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی تحریروں میں صرف صَلَّی اللّٰہُ کے الفاظ لکھتا تھا اور وَ سَلَّم نہیں لکھتا تھا۔ اُس نے نبی علیہ السلام کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ تم وَ سَلَّم نہ لکھ کر چالیس ثواب کیوں ضائع کرتے ہو؟'' (''فضائل درود شریف'' ۔۔۔ مولانا محمد زکریا' صفحہ ۹۲) تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی۔

نوٹ: وَ سَلَّم میں چار حروف ہیں اور ہر حرف کے دس ثواب ہیں' اس طرح ۱۰x۴=۴۰ ثواب ہوئے۔

اُن لوگوں کی مذمّت میں احادیث جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام نہیں بھیجتے

(۱) إِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (کنز العمال لعلاء الدین علی ۱:۴۸۹)

''لوگوں میں بخیل ترین وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

(۲) رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (الجامع الصحیح ترمذی، کتاب الدعوات)

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ (احمد وابوداؤد وغیرھا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ تو وہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجیں تو وہ مجلس اُن کے لئے قیامت کے دن حسرت وندامت کا باعث بن جائے گی۔ اللہ چاہے تو اُنہیں عذاب دے اور چاہے تو اُنہیں معاف کر دے۔''

(۴) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً قَالَ : آمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الثَّانِيَةَ فَقَالَ: آمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الثَّالِثَةَ فَقَالَ: آمِيْن فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ، فَقَالَ : إِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ : بُعْدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، فَقُلْتُ : آمِيْن۔ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ : بُعْدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ : آمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ : بُعْدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهُ، أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ آمِيْن (صحیح بخاری فی برّ الوالدین، مستدرک لحاکم، صحیح ابن حبان، السخاوی)

''حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منبر لاؤ۔ ہم نے منبر پیش کیا۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ دوسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ پھر آپ تیسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ نیچے اترے تو ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آج آپ سے وہ چیز سنی ہے جو پہلے نہیں سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ شخص اللہ کی رحمت سے دُور ہو جس نے ماہِ رمضان پایا لیکن (اُس کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے) اُس کی بخشش نہ ہو سکی تو میں نے آمین کہا۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس کے سامنے آپ کا نام لیا گیا اور اُس نے آپ پر درود نہ پڑھا تو میں نے آمین کہا۔ جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس نے اپنے بوڑھے والدین یا اُن میں سے ایک کو پایا اور وہ اُسے جنت میں لے جانے کا سبب نہ بن سکے۔ تو (اس پر) میں نے کہا آمین۔

فرشتوں کا درود و سلام : منصبِ نبوّت کی عظمت و رفعت کا یہ ایک اور بیّن اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف مؤمنوں کو درود و سلام بھیجنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ آسمانی مخلوق کو بھی جو کہ معصوم عن الخطا' نیک و پاک اور نوری ہیں' اسی قسم کا حکم دیتا ہے۔ فرشتے بھی صبح سے لے کر شام تک مؤمنوں کے پُرخلوص محبت بھرے درود و سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام اپنی اُمّت کے اِن تحائف کو پسند فرماتے ہیں اور ان بھیجنے والوں پر برکات و رحمتِ الٰہی کے نزول کی دعا کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا :

(۱) إِنَّ لِلّٰهِ مَلاَئِكَةً" سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنَنِيْ مِنْ أُمَّتِيَ السَّلاَمَ (سنن نسائی' المعجم الکبیر للطبرانی' شعب الایمان لاحمد بن حسین البیہقی)

"روئے زمین پر اللہ کے چلنے پھرنے والے فرشتوں کے دستے مجھ تک میری اُمّت کے بھیجے گئے سلام پہنچا دیتے ہیں۔"

(۲) صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ (سُنن ابی داوٗد' مجمع الزوائد للہیثمی)

"مجھ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔"

(۳) مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُه' وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُه' (شعب الایمان للبیہقی' کنز العمال لعلاء الدین علی)

"جو شخص میرے مزارِ مبارک کے قریب مجھ پر درود بھیجے' میں اُسے سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دُور سے درود بھیجے' تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔" (پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری' صفحات ۴۱' ۴۲)

"صلوٰۃ و سلام کا قبول ہونا : صلوٰۃ و سلام کو اللہ تعالیٰ ہر وقت قبول فرماتا ہے اور ہمیشہ اس ہدیے کو تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر شخص بھی صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کرے تو اُسے بھی بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔"

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر کی طرف سے پیش کیا گیا درود و سلام آخر کیوں قبول کیا جاتا ہے اور اس کے پس پردہ حکمت کیا ہے؟ صلوٰۃ اور سلام کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت و برکات' قربِ الٰہی اور نبی علیہ السلام کے نامِ نامی کی بلندی اور رفعت کے لئے دعائیہ کلمات ہیں۔ نبی ﷺ پر نوازشات وعنایاتِ ربانی پہلے ہی سے ہیں (بحوالہ سورۃ النّجم : آیات ۸' ۹ اور سورۃ الانشراح : آیت چہارم)۔ جب بندہ اللہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمتیں بھیجنے کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : میں تو پہلے ہی اپنے نبی پر رحمتیں اور عنایتوں کی برکھا کر رہا ہوں اور اُنہیں اپنا قرب عطا کر رہا ہوں۔ تاہم اے میرے پرستار بندے! چونکہ تم نے اپنی ذات کے لئے مجھ سے کچھ نہیں مانگا بلکہ بے غرضی اور کمالِ خلوص سے میرے نبی پر درود و سلام کا تحفہ بھیجا ہے' اس لئے تمہارے عریضے کو پذیرائی بخشتے ہوئے اُسے قبول کیا جاتا ہے' قطع نظر اس بات کے کہ بھیجنے والا گنہگار ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کو بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔"

سلام اور دوسری عبادتوں کی قبولیت: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کسی بھی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وخیرات وغیرہ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں گردن کٹوانے تک) کی عنداللہ قبولیت کی ضمانت کسی کے پاس نہیں کہ شاید اُن میں کسی قسم کا سقم یا خامی رہ گئے ہوں اور اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں قبول کرے یا نہ کرے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کو اُس کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں اور جو شخص اللہ کے اِس محبوبِ مکرّم پر درود وسلام کا تحفہ ارسال کرتا ہے، رب تعالیٰ اُس سے خوش ہو کر اُس کے اس عمل کو یقیناً شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ عمل خود رب تعالیٰ کا اپنا عمل بھی تو ہے۔

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابی اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے نبی (یعنی مجھ) پر بہ کثرت اور بالعموم درود وسلام بھیجا کریں۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلتُ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! اِنِّی اُکْثِرُالصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ أَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ؟ فَقَالَ: مَاشِئْتَ قُلْتُ: اَلرُّبُعُ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَخَیْر'' لَّکَ۔ قُلْتُ: اَلنِّصْفُ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَخَیْر'' لَّکَ۔ قُلْتُ: فَالثُّلُثَیْنِ؟ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَخَیْر'' لَّکَ۔ قُلْتُ: أَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِیْ کُلَّھَا؟ قَالَ: اِذًا تُکْفٰی ھَمُّکَ وَیُغْفَرلَکَ ذَنْبُکَ (ترمذی ومستدرک للحاکم)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر بہ کثرت درود بھیجتا ہوں تو میں اس عمل پر اپنا کتنا وقت آپ کے لئے مخصوص کردوں؟ آپ نے فرمایا: اس قدر کہ جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ چوتھائی وقت ہوجائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کردو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا یہ آدھا وقت ہوجائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کردو تو وہ تمہاوے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے پھر عرض کیا: تو کیا وہ دوتہائی ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کردو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے کے لئے وقف نہ کردوں؟ اِس پر آپ نے فرمایا: تب تو یہ بات تمہیں فکروغم سے محفوظ رکھے گی اور تمہارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔''

صلوٰۃ وسلام کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبول فرمانا: اس سوال پر کہ آیا نبی علیہ السلام اپنی اُمّت کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام کو قبول فرماتے ہیں کہ نہیں، عموماً بحث سننے میں آتی ہے۔ لیکن سچے اور مخلص مسلمان ایسی بحثوں میں نہیں پڑتے کیونکہ درود وسلام بھیجنے کے الٰہی حکم پر اُن کا غیر متزلزل اور پختہ ایمان ہوتا ہے۔ مسلمان اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے تو فرشتے بھی تو اسے حکمِ الٰہی کے تحت ہی پہنچاتے ہیں اور اگر درود وسلام آپ تک براہِ راست پہنچتا ہے تو یہ آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ہی سے وابستہ ایک معجزہ بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں پہنچتا تو پھر اس حکمِ الٰہی میں کیا معنیٰ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان (معاذ اللہ) مبہم

اور بے معنیٰ ہوسکتا ہے؟ ہر گز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی کی زبان پر بولتا ہے (سورۃ النَّجم: آیات ۳،۴)۔ کسی صحیح اور حتمی فیصلے تک پہنچنے کے لئے اِس عمومی اعتراض کو دُور کرنے میں آیئے ہم اسے معروضی طور پر (بغیر کسی جذباتیت اور جانب داری کے) قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھیں تا کہ کسی صحیح اور قطعی فیصلے تک پہنچ سکیں۔

قرآن وحدیث اور Palaeontology ☆ سائنس کی رُو سے انبیاء ورُسُل علیہم السلام کے اجسام گلنے' سڑنے' خراب ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رہتے ہیں جس کا ثبوت مندرجہ ذیل حقائق سے ہوتا ہے:

(1) سورہ سَبا کی آیت ۱۴ میں جناب سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس کی رُو سے جِنّات ہیکلِ سلیمانی آپ کی نگرانی میں تعمیر کر رہے تھے۔ نماز کی ادائی کے دَوران جبکہ آپ عصا کے سہارے کھڑے تھے' وفات پا گئے۔ آپ اُسی حالت میں ایک سال اور بقولِ بعض چھ ماہ تک کھڑے رہے یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہوگئی۔ جنّات آپ کو اس حالت میں دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور کسی کو قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ اس دوران دیمک نے آپ کے عصا کو کھانا شروع کیا۔ جب وہ اُسے پوری طرح کھا چکی اور عصا اندر سے بالکل خالی اور کھوکھلا ہو گیا تو آپ کے جسمِ اطہر کو نہ سہار سکا جس کے نتیجے میں وہ گر گیا اور آپ نیچے آرہے۔

یہ واقعہ انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیّبہ کی درخشاں مثال ہے کہ اس جہانِ فانی سے گزرنے کے بعد بھی اُن کے اجسام ہر قسم کے تغیّر وتبدّل سے محفوظ رہتے ہیں۔ عام قدرتی قانون کے برعکس ایک سال یا چھ ماہ کے طویل عرصے نے آپ کے بلا رُوح جسم پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ڈالا اور وہ گلنے' سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بالکل محفوظ اور لگا بندھا رہا۔ اس واقعہ سے متعلق قرآنی متن حسبِ ذیل ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ O (سَبا: ۱۴)

''پھر جب ہم نے اُن (سلیمان) پر موت کا حکم جاری کر دیا (اور اُن کا انتقال ہو گیا) تو کسی چیز نے اُن کی موت کا پتہ نہ بتایا سوائے ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب آپ نیچے آرہے' تب جنّات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔'' (۱۴ : ۳۴)

اسی قسم کی بات اور مشابہت ہمیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۹ میں بیان کردہ عُزیر علیہ السلام کے واقعہ اور سورۃ الکہف کی آیات ۱۷ تا ۱۹ میں بیان شدہ اصحابِ کہف کے واقعہ میں ملتی ہے۔ اصحابِ کہف انبیاء یا رسول تو نہیں تھے بلکہ اولیاء اللہ تھے جنہوں نے اپنے ایمان کے تحفظ میں اپنے گھر بار کو چھوڑ دیا تھا۔ تین سونو (309) برس تک بے رُوح ہونے کے باوجود اُن کے جسم گلنے' سڑنے' خراب ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رہے۔

☆ معدوم حیوانات ونباتات اور متحجر ڈھانچوں کا مطالعہ

(2) گزشتہ صفحہ ۱۶۷۸ پر بیان کردہ حدیث (۶) جس کے راوی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں، کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے اور اُسے اللہ کی طرف سے رزق فراہم کیا جاتا ہے (سنن ابن ماجہ: کتاب الجنائز ؛ السخاوی ؛ مُلّا علی قاری)

علاوہ ازیں اس بات کا ثبوت نبی علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ میں نے معراج کی رات موسٰی علیہ السلام کو اُن کی قبر مبارک میں نماز پڑھتے دیکھا۔ مزید برآں نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ كَلَّمَهُ رُوْحُ الْقُدُس لَنْ يُّؤْذَنَ لِلاَرْض أَنْ تَأْكُلَ مِنْ لَحْمِهِ (دُرِّ منثور لجلال الدین السیوطی)

''جس سے جبریل علیہ السلام نے کلام کیا ہو، زمین کو اُس کا جسم کھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی۔''

(3) مولانا قاسم نانوتوی انبیاء علیہم السلام کے اجسام اطہر اُن کی قبورِ مبارکہ میں محفوظ رہنے کے متعلق لکھتے ہیں:

''انبیاء ورُسُل کے اجسام کی تعظیم وتوقیر کی جاتی ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ بے جان اور بے رُوح جسموں کو زمین پر کوئی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔'' (آبِ حیات بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صفحہ ۵۸)

(4) اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والے شہید ہیں اور قرآن مجید نے اُنہیں مُردہ کہنے بلکہ مُردہ تک سمجھنے سے سختی سے روکا ہے اور بروئے سورہ آلِ عمران، آیت ۱۶۹ ''وہ اللہ کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔'' ضروری نہیں کہ یہ شہداء تمام کے تمام نبی یا رسول ہوں، وہ عام مسلمان بھی ہو سکتے ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ شہداء پیغمبر یا رسول نہیں، وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں تو انبیاء ورُسُل علیہم السلام جو ان عام مسلمان شہداء سے مرتبہ وفضیلت میں کہیں ارفع واعلیٰ ہیں، کیوں زندہ نہ ہوں!!

اس تمام بحث اور حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر اور رسول اپنی قبورِ مبارکہ میں صحیح وسالم جسموں کے ساتھ زندہ ہیں اور وہ رب تعالیٰ کے انعامات واحسانات سے فیض یاب ہوتے ہیں اگرچہ ہمیں اُن کی حیات کا شعور حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

(۱) أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِيْ وَأَعْرِفُهُمْ (مطالع المسرّت لمحمد مہدی ص ۸۱)

''میں اہلِ محبت کے درود کو سنتا ہوں اور اُنہیں پہچانتا ہوں۔''

(۲) مَامِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّاللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (ایضاً)

''جو بھی مسلمان مجھے سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

(۳) وَلَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! لَاُجِيْبَنَّهُ (''المطالب العالیہ'' لحافظ ابنِ حجر عسقلانی)

''اگر عیسیٰ علیہ السلام میرے مزار پر پہنچ کر مجھے میرے نام سے پکاریں تو میں ضرور اُنہیں جواب دوں گا۔''

(۴) مَا مِنْ مُسْلِمٍ سَلَّمَ عَلَيَّ فِي شَرْقٍ وَّلَا غَرْبٍ اِلَّااَنَا وَ مَلَائِكَةُ رَبِّيْ نَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
(''حِلية الاولياء'، لابی نعیم الاصفهانی)

''مشرق ومغرب میں جوبھی مسلمان مجھے سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اُس کا جواب دیتے ہیں۔'' (یعنی تمام اکنافِ عالم شرق، غرب، شمال اور جنوب سب اس میں شامل ہیں)

(۵) لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُه' حَيْثُ كَانَ (''حُجَّةُ الله علی العالمین'' لیوسف بن اسمٰعیل النبھانی، ص ۷۱۳)

''جو بھی بندہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اُس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو۔''

(۶) قَدْتَضَمَّنَتِ الْاَحَادِيْثُ الْمُتَقَدِّمَةُ اَنَّ رُوْحَ النَّبِيِّ ﷺ تَرُدُّ عَلَيْهِ وَاِنَّه' يَسْمَعُ وَيَرُدُّالسَّلَامَ
''درجِ بالا احادیث اس بات کا ٹھوس ثبوت ہیں کہ نبی علیہ السلام کی روحِ پاک آپ پر لوٹتی ہے۔ آپ سنتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔'' (شِفاء السّقام فی زیارۃ خیر الانام لتقی الدین سبکی، ص ۱۳۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دارِفانی سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ پر درود وسلام بھیجنا آپ کے صحابہ اور تابعین کا غیر منقطع اور مسلسل عمل رہا ہے۔ اس سلسلے میں احمد شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:۔

وَكَانَ مَا دَأْبُ السَّلَفِ أَنَّهُمْ يُرْسِلُوْنَ السَّلَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُه' وَ يُرْسِلُ لَه' عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ وَلِأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاِنْ كَانَ يَبْلُغُه' سَلَامَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ بَعِيْدًا عَنْهُ لٰكِنْ فِيْ هٰذَا فَضِيْلَةُ خِطَابِه' عِنْدَه' وَ رَدِّه' عَلَيْهِ السَّلَامَ بِنَفْسِهٖ (نسیم الریاض لاحمد شہاب الدین خفاجی ۳ : ۵۱۶)

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجنا ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ تھا اور نبی علیہ السلام پر درود وسلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ آپ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی سلام کہتے تھے۔ ہر اُمتی کا درود آپ تک پہنچتا ہے خواہ وہ کتنے ہی دُور فاصلے پر ہو اور آپ اُس کا جواب دیتے ہیں۔ فضیلت اس بات میں ہے کہ آدمی بذاتِ خود سلام کہے اور اس طرح نبی علیہ السلام کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا جواب حاصل کرے۔'' (بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

<u>نبی علیہ السلام کی وفات اور حیات دونوں اُمّتِ مسلمہ کے لئے رحمت ہیں</u> : نبی علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ اپنی اُمّت کی بھلائی اور منفعت کے لئے بڑی ہی آرزومند اور مشتاق ہے (بحوالہ سورۃ التوبۃ : ۱۲۸) کیونکہ آپ ہمارے لئے مغفرتِ الٰہی کے طلب گار ہیں۔ درجِ ذیل احادیثِ مبارکہ اس حقیقت کا ٹھوس ثبوت ہیں:

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: حَيَاتِيْ خَيْرٌ'' لَّكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ وَفَاتِيْ خَيْرٌ'' لَّكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَسَكَتَ الْقَوْمُ فَقَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ! كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا؟ قَالَ: حَيَاتِيْ خَيْرٌ'' لَّكُمْ يَنْزِلُ عَلَيَّ الْوَحْيُ مِنَ

السَّمَاءِ فَأُخْبِرُكُمْ بِمَا يَحِلُّ لَكُمْ وَمَا يُحَرَّمُ عَلَيْكُمْ وَمَوْتِي خَيْرٌ" لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ كُلَّ خَمِيْسٍ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ ذَنْبٍ اِسْتَوْهَبْتُ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ("حُجَّةُ اللّٰهِ علی العالمین" لیوسف بن اسمٰعیل النبهانی، ص ۷۱۳)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے تین تین بار فرمایا کہ میری زندگی اور میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ صحابہ خاموش بیٹھے رہے لیکن عمر ابن الخطاب بول اُٹھے اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ایسا کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے اس لئے بہتر ہے کہ آسمان سے مجھ پر وحی اترتی ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال ہر جمعرات کو مجھے پیش کئے جاتے ہیں، تو اُن میں سے اچھے اعمال پر میں اللہ بزرگ و برتر کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور بُرے اور گناہ کے کاموں پر میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔'' (بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صفحہ ۶۴)

(۲) حَيَاتِي خَيْرٌ" لَكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ فَإِذَا أَنَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِي خَيْرٌ" لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَإِذَا رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ فَإِذَا رَأَيْتُ شَرًّا اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ ("مجمع الزوائد" لعلی بن ابوبکر الہیثمی؛ "مطالب العالیة" لحافظ ابن حجر عسقلانی؛ "طبقات الکبریٰ" لابن سعد)

''میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے جس میں تم مجھ سے باتیں کرتے ہو جس کا تمہیں جواب دیا جاتا ہے۔ جب میں وفات پا جاؤں تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ جب میں اچھے عمل دیکھتا ہوں تو میں اللہ کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور جب بُرے اعمال دیکھتا ہوں تو میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔''

<u>صلوٰۃ وسلام کے روحانی فوائد</u>: ٹیکنالوجی کی ترقی کے اِس دَور میں فاصلوں کے ختم ہونے اور اِبلاغ کے قریب تر ہونے کے باوجود انسان عرصہ حیات میں اپنے آپ کو تن تنہا محسوس کرتا ہے۔ انسان اپنی تمام مادّی ضروریات و احتیاجات کو پانے میں کامیاب رہا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ امن و سکون کا پیاسا ہے۔ بے چارہ مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسلام کا سرسری اور سطحی علم اور ہمارے دینِ اسلام کی حقیقی روح تک پہنچنے میں کمی صرف ظاہری رسوم و رواج تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ آج کا مسلمان عبادت کی محض مبادیات کے کر لینے ہی کو کافی سمجھتا ہے اور اُس کی توجہ اُن اندرونی تقاضوں کی طرف نہیں جاتی جو ذہنی سکون اور طمانیتِ قلبی کا باعث ہیں۔

اس روحانی خلا کو پُر کرنے کے لئے اُمّتِ مسلمہ کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ خلوص اور محبت ایسا مضبوط رشتہ قائم کرتے ہیں کہ کوئی دنیاوی یا

شیطانی حملہ اس بندھن کو نہیں کھول سکتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہی طاقتور، مستحکم اور ناقابلِ جدا رشتہ ہی تو تھا جو آپ کے صحابہ کرام کے اعلیٰ و ارفع مقام کا سبب بنا۔ نبی علیہ السلام نے انہی معزز ہستیوں کو بہترین مثالی ہستیاں قرار دیا تھا جب آپ نے فرمایا تھا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (صحیح بخاری: کتاب الشھادات، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، کتاب الرقاق ؛ جامع ترمذی: کتاب المناقب)

''زمانے کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے، اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔''

''اس قابلِ رشک عزت و عظمت کا بڑا سبب اُن کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریبی اور ناقابلِ جدا رابطہ اور تعلق تھا۔ صحابہ کرام آپ ﷺ ہی کے ساتھ رہتے تھے، آپ ہی کے ساتھ عبادت کرتے تھے، آپ ہی کی جانب سے کفر و طاغوتی طاقتوں سے لڑتے تھے اور ہر مشکل وقت میں آپ کی مدد کرتے تھے۔ اُنہیں آپ سے وہ محبت اور تعظیم تھی جو کسی اور سے نہ تھی۔ ایسی وفا اور خلوص کے بدلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُنہیں وہ مقام اور رتبہ عطا کیا جو بعد میں آنے والے کسی مسلمان کو عطا نہیں کیا۔ صحابہ کرام کے بعد کے زمانوں میں آنے والے کئی مسلمان علماء و فضلاء تقویٰ اور روحانیت میں اپنی مثال آپ تھے اور اُن کے علم و فضل کو آج دشمنِ اسلام بھی تسلیم کرتا ہے۔ عبدالقادر جیلانی، غزالی، رازی، رومی اور جامی کے نام کس نے نہیں سنے؟ لیکن ان تمام فضیلتوں اور کمالات کے باوجود اُن میں سے کوئی بھی ابوبکر صدیق، عمرِ فاروق، عثمانِ غنی اور علی بن طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام حاصل نہ کر سکا۔''

''ہر کہ و مہ کو بخوبی معلوم ہے کہ تعلق قائم کرنے کی ابتدا اسلام کرنے سے ہوتی ہے۔ کسی اجنبی شخص سے تعلق قائم کرنے اور باہمی محبت و اخوت پیدا کرنے کا واحد طریقہ اُسے سلام پیش کرنا ہوتا ہے۔ اسلام نے ہمیں ہر مسلمان بھائی کو، خواہ وہ اپنا ہو یا بیگانہ، سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ اس طرح مسلمان بھائی کو سلام پیش کرنا بڑی مضبوط اتحادی قوّت ہے جو بغض و عداوت اور نفرت کے تمام منفی جذبات کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے اور جس کی وجہ سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، آپ کے ساتھ رابطہ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔''

''پس جب ایک پُر جوش مسلمان باقاعدگی سے مستقل طور پر نبی ﷺ کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا آغاز درود و سلام سے کرتا ہے تو نبی علیہ السلام کی جانب سے اُس کی ستائش کا تدریجی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کی اس سے بڑی کون سی آرزو ہو سکتی ہے کہ اس کا تعلق اللہ کے محبوب سے استوار ہو جائے!!'' صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

''صلوٰۃ و سلام کے کچھ روحانی فوائد السخاوی کی کتاب ''القولُ البدیع فی الصَّلوٰۃ علی الحَبیب الشَّفیع'' سے ماخوذ ہیں۔'' ("Greetings & Salutations on the Holy Prophet" .. Prof. Dr.Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 69-72)

(۵۹) دکھوں اور غموں سے نجات کے لئے قرآنی اور نبوی راہ نمائی

(Guidance of the Quran and the Prophet in Emancipation from Afflictions & Calamities)

دکھ، غم اور مصائب حیاتِ دنیاوی کا لازمہ ہیں جنہیں خلاقِ کائنات اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے اُن پر نازل فرماتا ہے۔ گویا کہ وہ بندے کے ایمان کی کسوٹی (Touchstone) بھی ہیں اور نوشتہ تقدیر بھی ہیں، جس کا بیان سورۃ الحدید کی اس آیت ۲۲ میں ہوا:

مَا اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا (۵۷:۲۲)
"کوئی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور تمہاری جانوں میں، مگر یہ (سب) ایک رجسٹر میں لکھی ہیں قبل اس کے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں۔" (۵۷ : ۲۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایمان کا ذائقہ محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ اُسے یہ یقین نہ ہو کہ اُس پر جو مصیبت آئی ہے، وہ اُس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اُس سے ٹل گئی ہے، وہ اُس پر آ نہیں سکتی تھی۔ پھر حضرت ابنِ مسعود نے یہ آیت پڑھی: لِکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ O (الحدید:۲۳) یعنی "جو چیز تم سے لی جا رہی ہے اُس پر اتنا رنج نہ کرو اور جو چیز اُس نے تمہیں دی ہے، اُس پر اِتراؤ نہیں اور اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔"

یعنی کوئی نعمت یا عطیہ الٰہی تمہارے دلوں میں ایسی اِتراہٹ یا فخر کے جذبات نہ پیدا کرنے پائے جو طاعتِ الٰہی میں مانع ہو۔ رہی طبعی مسرت، تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اِتراہٹ تو اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کسی خوبی کو اپنے ذاتی حق کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس کی جڑ کاٹ دی۔ جب نعمت کے لئے محض حق تعالیٰ کا حکم اور اُس کی رضامندی ذہن نشین ہوگئی تو اب اِتراہٹ ہونے ہی کیوں لگی؟ لَاتَاۡسَوۡا میں یہ بتا دیا کہ رنج و غم حد سے زیادہ نہ کرو جو طاعتِ الٰہی میں حائل ہو جائے۔ ہاں صدمہ طبعی سے کوئی ممانعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہونے کا پختہ ایمان بندے سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ مصائب و آلام کے وقت یہ سوچے کہ اس میں ضرور ہماری کوئی بھلائی اور مصلحت ہوگی۔ مُختَال اور فَخُور دو لفظ آئے ہیں۔ اِختیال کی بنیاد کمالاتِ داخلی پر ہوتی ہے مثلاً علم، عبادات وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالاتِ خارجی پر ہوتی ہے مثلاً مال و جاہ وغیرہ۔ (ماجدی)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر شخص غمگین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے لیکن مؤمن اپنی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اپنی نعمت پر شکر کرتا ہے (جامع البیان، رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱)

نوشتۂ تقدیر کو بدلنے میں از روئے احادیثِ مبارکہ دعا اور مناجات کا بڑا دخل ہے۔ اُس رحیم و کریم نے جہاں مصائب و آلام کو پیدا فرما کر اُنہیں اپنے بندوں پر نازل فرمایا' اُسی ذاتِ اقدس نے اپنے محبوبِ مکرّم کو جو رحمۃللعالمین بھی ہیں' اِن مصائب کا تریاق اور علاج بھی الہام کر دیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ رنج والم سے نجات پانے کے لئے رحمۃللعالمین نے کیا ارشاد فرمایا ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَّفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ ("ریاض الصالحین"۔۔۔۔ یحیٰی بن شرف النووی' جلد اوّل' حدیث نمبر ۲۴۵)

''جس نے کسی مؤمن سے دنیا کی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دُور کی' اللہ تعالیٰ اُس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی (بڑی) تکلیف دور فرما دے گا اور جس نے کسی تنگدست پر آسانی کی' اللہ تعالیٰ اُس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا۔''

غموں اور دکھوں سے نجات کا ایک طریقہ تو یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے دینی بھائیوں کے لئے نفع رساں بن جائے اور کسی کو دکھ درد اور مصیبت میں دیکھ کر خود بے قرار ہو جائے۔ وہ اُن کے لئے سایہ رحمت اور ہمدرد و غمگسار بن جائے اور بہ دل و جان اُن کے کام آئے۔ روزِ قیامت یہی نیکی بڑھ چڑھ کر اُس کے کام آئے گی۔

(۲) سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ تُسْتَجَابَ دَعْوَتُه' وَأَنْ تُكْشَفَ كُرْبَتُه" فَلْيُفَرِّجْ عَنْ مُعْسِرٍ (مسند احمد ۲/۲۳)

''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُس کی دعا قبول ہو اور اُس کے غموں اور تکلیفوں کا خاتمہ ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ تنگدست اور مصیبت کے ماروں کی تکلیف دُور کرے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں دعا کی قبولیت کا گر سکھایا گیا ہے تاکہ بندہ دعا کے ذریعے آلام و مصائب سے نجات حاصل کر سکے۔ مزید برآں حدیثِ مذکورہ میں دنیا کے دکھوں کے علاوہ آخرت کی مشکلات اور پریشانیوں سے چھٹکارا پانے کے راز سے بھی آگاہ کیا گیا ہے اور دونوں جہاں کی راحتیں اور نعمتیں حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دعا مؤمن کا بہت بڑا اور آزمودہ ہتھیار ہے جو اُسے ہر قسم کی آفات و بلیّات سے بچاتی اور غم و اندوہ سے محفوظ رکھتی ہے بشرطیکہ وہ دعا قبول ہو جائے۔

فرموداتِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی بالعموم اور اپنے مسلمان بھائیوں کی بالخصوص فلاح و بہبود اور اُن کے سکھ چین کے لئے انفرادی یا اجتماعی سطح پر کیا گیا کام خواہ وہ کسی درجے میں ہو' ایک پسندیدہ اور مقبول کام ہے

جس سے انسان بہر حال قربِ الٰہی کی منزلیں طے کر لیتا ہے اور خدمت کرتا کرتا' خود مخلوق کا مخدوم اور اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ" قَالَ : اَرَءَیتَ اِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ : یَعْمَلُ بِیَدَیْهِ فَیَنْفَعُ وَیَتَصَدَّقُ قَالَ : اَرَأَیْتَ اِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ ؟ قَالَ ؛ یُعِیْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفِ قَالَ : اَرَأَیْتَ اِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ ؟ قَالَ ؛ یَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ اَوِالْخَیْرِ قَالَ : اَرَأَیْتَ اِنْ لَّمْ یَفْعَلْ ؟ قَالَ : یُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ"

(بخاری و مسلم)

"ہر مسلمان کے لئے صدقہ وخیرات لازم ہے۔ عرض کی کہ اگر اُس کے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: محنت مزدوری کرے' خود اپنی ضروریات بھی پوری کرے اور صدقہ بھی دے۔ عرض کی کہ اگر وہ محنت ومشقت کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی غم زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔ عرض کی کہ اگر اُس میں اتنی طاقت نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی تلقین کرے۔ عرض کی کہ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو؟ فرمایا: تو اس صورت میں وہ کسی کو دکھ پہنچانے سے رُکے اور شرانگیزی سے باز رہے تو اُس کے لئے یہی چیز صدقہ بن جائے گی۔"

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بَاکِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّی الصَّدَقَةَ

"صبح کا آغاز صدقات کے ساتھ کیا کرو کیونکہ صدقات میں یہ قوّت وتاثیر ہے کہ کوئی بلاء ان کے ہوتے ہوئے آگے نہیں بڑھتی (یعنی پیچھے ہی رہتی ہے)۔"

سورۃ الحج کی آیت ۷۷ کے الفاظ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ (نیکی اور بھلائی کے کام کرتے رہو) میں حاجتمندوں کی حاجت روائی' مصیبت کے ماروں کی امداد اور غم زدوں کے ساتھ غم گساری سب باتیں شامل ہیں۔ اسی کے آگے لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ فرما کر یہ اعلان کر دیا کہ تمہارا یہی عمل نارِ جہنم سے تمہارے لئے آڑ بن جائے گا۔

جنگِ اُحد کے معرکہ پر ذرا نگاہ دوڑایئے۔ کفارِ مکّہ نے مسلمانوں کی بے بضاعتی کے مدّنظر کن کن ہتھکنڈوں سے اُن کے حوصلے پست کرنے کے جتن نہیں کئے لیکن ان مقدس ہستیوں پر شیطان کا ہر وار اوچھا اور ناکام رہا۔ اور افرادی قوت اور سامان جنگ کی کمی کا غم اُن کے حوصلے پست نہ کر سکا۔ قرآن فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ○ (آلِ عمران : ۱۷۳)

"اِن لوگوں سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کر رکھا ہے' تو اُن سے ڈرو لیکن اس (بات) نے اُن کا (جوشِ) ایمان اور بڑھا دیا اور وہ بولے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین ساز گار ہے۔" (۳ : ۱۷۳)

اپنے خالق و مالک پر کامل ایمان اور غم واندوہ کو قریب نہ لگنے کا انجام کیا ہوا؟ یہ قرآن سے پوچھئے:
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ O
''سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے کہ اُنہیں کوئی ناگواری پیش نہ آئی اور وہ رضائے الٰہی کے تابع رہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے۔'' (۳ : ۱۷۴)

اور یہی رضائے الٰہی دُنیاوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

اُدھر کفار اور منافقین کی حالتِ زار کو دیکھئے جو رحمانی بندے نہیں بلکہ شیطانی بندے تھے۔ اُنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ اللہ پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے شیطانی غم واندوہ نے اُنہیں اپنے حصار میں خوب جکڑ لیا تھا۔ وہ اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت اور جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے' کسی نے ہماری نہ سنی۔ ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی! اُن کے اس زعمِ باطل کا جواب زبانِ نبوّت کی وساطت سے یہ دیا گیا کہ قضائے الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب و حاکم ہے:
لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (آلِ عمران: ۱۵۴)
''اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہوتے (جب بھی) وہ لوگ جن کیلئے قتل مقدر ہو چکا تھا' اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے۔'' (۳ : ۱۵۴)

غزوہ اُحزاب (غزوہِ خندق) میں مؤمنین اور منافقین کے ساتھ پیش آنے والی اِسی قسم کی کیفیات کو سورۂ الاحزاب کی آیات ۱۰ تا ۲۰ اور ۲۲ تا ۲۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

''حاجت روائی کی اہمیت : انسان ضرورت مند ہو اور ضرورت پوری ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو اُس کے افسردہ دل پر کیا گزرتی ہے اور اُس پر کس قسم کی قیامتیں ٹوٹتی ہیں' کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ غم و اندوہ سے اُس کی کمر دُہری ہو جاتی ہے۔ نہ دن کو چین اور نہ رات کو سکون۔ نیند اُس سے کوسوں دُور ہو جاتی ہے۔ ایسے مصیبت کے مارے' غم زدہ کی مدد کرنا خدمتِ خلق کی اعلیٰ و ارفع شکل ہے۔ اس سے نہ صرف غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے بلکہ غمگین محتاج کو ایک نئی زندگی بھی مل جاتی ہے۔ اس طرح اُس مخیّر شخص کو دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہاتھ آ جاتا ہے۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' نومبر ۲۰۰۸ء' صفحہ ۱۸)

خلاصہ یہ کہ دکھوں اور غموں سے چھٹکارا اور نجات حاصل کرنے کے لئے قرآنی اور نبوی راہنمائی یہ ملی کہ انسان اپنے رب پر کامل ایمان رکھے' اُس کی رضا اور مشیّت کے آگے سراپا نیاز مند ہو جائے' اُس کا حقِ عبدیت ادا کرے' حاجتمندوں کے دُکھ بانٹے اور اُن کے لئے زندگی کی آسانیاں اور سہولتیں مہیا کرے۔ وہ مخلوق کا بھلا کرے تو کل اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا اور اُسے مصائب و مشکلات سے نجات عطا فرمائے گا۔

(٦٠) حج (HAJJ)

''حج'' کا لغوی معنیٰ ہے کسی عظیم شے کا قصد کرنا۔ اس کا شرعی معنیٰ حسبِ ذیل ہے:
''نو ذوالحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد سے دس ذوالحجہ کی فجر تک حج کی نیت سے اِحرام باندھے ہوئے میدانِ عرفات میں وقوف کرنا (ٹھہرنا) اور دس ذوالحجہ سے آخر عمر تک کسی بھی وقت کعبہ کا طواف زیارت کرنا حج ہے۔ حج کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وقوفِ عرفات اور کعبہ کے طواف کا نام حج ہے۔'' (''تبیان القرآن'' ۔۔علامہ غلام رسول سعیدی، جلد دوم، صفحہ ۲۷۴)

حج کی فرضیت : حج سن ۹ ہجری کو فرض ہوا جبکہ دیگر عبادات بہت پہلے ہی فرض ہو چکی تھیں۔ صاحبِ استطاعت مسلمانوں کے لئے حج اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے
بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ : شَهَادَةِ أَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الۡبَيۡتِ وَصَوۡمِ رَمَضَانَ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ شریف کا حج کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔''

نیز آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی حج کی فرضیت کے بارے میں ہے :
مَنۡ لَّمۡ تَحۡبِسۡهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوۡمَرَضٌ حَابِسٌ أَوۡ مَنۡعٌ مِّنۡ سُلۡطَانٍ جَائِرٍ وَلَمۡ يَحُجَّ فَلۡيَمُتۡ اِنۡ شَاءَ يَهُوۡدِيًّا أَوۡنَصۡرَانِيًّا (مسند احمد؛ مسند ابی یعلی؛ سنن بیہقی)
''جس (صاحبِ استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت حج سے روک رہی ہو: نہ کوئی ظالم بادشاہ اُس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اُسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہئے کہ وہ یہودیت پر مرے یا نصرانیت پر۔''

حج کی فرضیت کا ذکر سورہ آلِ عمران کی اس آیت میں ہے:
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (آلِ عمران: ۹۷)
''اور اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا اُس شخص کے ذمّے ہے جو وہاں جانے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔'' (۳ : ۹۷)

استطاعت میں جسمانی اور مالی استطاعت دونوں شامل ہیں اور اگر اِن دو شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ

پائی جائے تو حج کرنا فرض نہیں ہوگا۔ آیت کے دوسرے حصّے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (۱) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والا کفران کا مرتکب ہے اور (۲) حج کرنے سے رب کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ حج کرنے والے کا اپنا فائدہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ شانِ صمدیّت (بے نیازی) کا مالک ہے۔ تمام جہان اُسی کا محتاج ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں۔

<u>حج اور عمرے کی حکمت وفضیلت</u>: حج اور عمرہ کے نتیجہ میں انسان کا نفس گناہوں کے اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور دارِ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اعزازات حاصل کرنے کا اہل اور مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ' (صحیح بخاری: کتاب المناسک ؛ صحیح مسلم' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

''جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے پرہیز کیا' وہ اپنے گناہوں سے یوں پاک وصاف ہو گیا جیسا کہ وہ اُس دن تھا جب اُس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔''

(۲) أَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِيْمَان" بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ جِهَاد" فِيْ سَبِيْلِهٖ ثُمَّ حَجّ" مَّبْرُوْر" (بخاری' مسلم)

''اعمال میں افضل ترین اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا ہے' اُس کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور پھر اس کے بعد حجِ مبرور ہے۔''

(۳) اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاء" اِلَّا الْجَنَّةَ (بخاری' مسلم)

''حجِ مبرور☆ کی جزا جنّت ہی ہے۔''

(۴) جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ (سنن نسائی)

''بوڑھے' کمزور وناتواں اور عورت کا جہاد حجِ مبرور ہے۔''

(۵) اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَة" لِمَا بَيْنَهُمَا وَ الْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاء" اِلَّا الْجَنَّةَ (بخاری)

''ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی کوتاہیوں کے لئے کفّارہ ہے اور حجِ مبرور (مقبول حج) کی جزا جنّت ہی ہے۔''

حج جیسی جامع عبادت میں تمام عبادات کی روح شامل ہے۔ حج کے لئے روانگی سے واپسی تک دورانِ سفر نماز کے ذریعے قربِ الٰہی میسر آتا ہے۔ حج کے لئے مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ گھر سے دُوری اور سفر کی صعوبت میں جہاد کا رنگ ہے۔ اگر حج کے مناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ہر مرحلہ اپنے اندر اخلاقی اور روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے۔۔ ب ایک شخص اپنے عزیز واقارب' وطن اور کاروبار کو چھوڑ کر اور دنیاوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر دو کفن نما بغیر سلی چادریں لپیٹ کر لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں داخل ہوتا ہے تو اُس کا یہ سفر ایک طرح سے سفرِ آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے اور وہ سراپا عجز ونیاز بن جاتا ہے۔

☆حجِ مبرور وہ حج ہے جو نام ونمود سے پاک اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے اور اُس میں کوئی گناہ یا خلافِ شریعت کام نہ کیا گیا ہو۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے خلیل جناب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ تعمیر کر دیا تو حکم ہوا کہ اب اعلانِ عام کردو اور لوگوں کو دعوت دو کہ وہ اس گھر کا حج کرنے کے لئے آئیں۔ اُنہیں بتا دیا گیا کہ گھر ہمارا ہے، تعمیر تم نے کیا ہے اور تم ہی اس کے حج کے لئے اعلان کرو گے تو قیامت تک اُس کے چاہنے والے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ والہانہ انداز میں اُس کی زیارت کے لئے اور اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے آتے رہیں گے:

يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ (الحج : ۲۷)

''لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی جو دُور دراز سے پہنچی ہوں گی۔''

حاضری کے لئے وہ راستے کی دشواری اور صعوبت کو بھی خاطر میں نہیں لائیں گے اور جیسے بھی بن پڑا، پیادہ اور اونٹنیوں پر حج کرنے کے لئے آتے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزِ اوّل ہی سے کعبہ کی محبت اہلِ معرفت کے دل میں ڈال دی گئی تھی جو اُن کے خمیر میں رچ بس گئی اور وہ اُس کے دیدار کے لئے زندگی بھر بے قرار رہے اور ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے بار بار حاضر ہوتے رہے۔

''حج کی شرائط: حج کرنے والا مسلمان ہو، آزاد ہو، مکلّف ہو، صحیح البدن ہو، بصیر ہو، اُس کے پاس حج کے لئے جانے، سفرِ حج تک کے قیام، حج سے واپس آنے اور اس دوران جن کے خرچ اور کفالت کا وہ ذمّہ دار ہے ان سب کا خرچ ہو، نیز اس کے پاس سواری ہو یا سواری کا خرچ ہو، راستہ مامون ومحفوظ ہو اور اگر عورت حج کرنے والی ہے تو اُس کے ساتھ اُس کا خاوند یا عاقل وبالغ محرم ہو۔'' (''تبیان القرآن'' جلد دوم ص ۴۷۲)

مکلّف سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا بالغ ہو کیونکہ نابالغ جب تک بالغ نہ ہو جائے، مکلّف نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاَثَةٍ : اَلْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ وَالنَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ

''تین شخص مرفوع القلم ہیں: مجنون افاقہ ہونے تک، سویا ہوا بیدار ہونے تک اور نابالغ بالغ ہونے تک۔'' (مسند احمد ؛ سنن ابی داؤد)

حج زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ جو اس سے زائد کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔ ارشادِ نبوی ہے :

اَلْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ'' (سنن ابی داؤد، مسند احمد، مستدرک للحاکم)

البتہ ہر پانچ سال بعد تکرار مستحب ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اللہ عزّ وجلّ سے روایت کرتے ہیں:۔

اِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهٗ جِسْمَهٗ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ يَمْضِيْ عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفِدُ اِلَيَّ لَمَحْرُوْمٌ'' (صحيح ابن حبان و سنن بيهقي وفي سنده كلام)

''جس بندہ کو میں نے جسمانی صحت اور روزی میں وسعت دی ہے اور وہ پانچ سال گزرنے کے بعد بھی میرے پاس نہیں آتا تو وہ محروم (القسمت) ہے۔'' (اس حدیث کی سند میں کلام ہے)۔

حج اور عمرہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے : ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (سورة البقرة : ۱۹۶)

''اور حج اور عمرہ کو اللہ کی (رضا کی) خاطر پورا کرو۔''

''لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسّر ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احکام القرآن'' میں یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے خلق، علم اور ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں لیکن یہاں اس تائید و تخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج و عمرہ کا قصد میلہ ٹھیلہ تفاخر کی راہ سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو بلکہ اخلاصِ محض کے ساتھ، قرب و رضائے الٰہی کی نیّت سے ہو۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص ۷۷، نوٹ : ۷۲۵)

البتہ اس ''بین الاقوامی سالانہ کانگرس'' سے جو مالی، تجارتی اور معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، قرآنِ حکیم نے ہماری توجہ اُن کی طرف دلائی ہے اور جو رکاوٹ ایک خالص دیندار شخص کو ان فوائد کو حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے، اُسے اس بیان میں دُور کر دیا ہے :۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرة : ۱۹۸)

''تمہیں اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاشِ معاش کرو۔''

سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفعِ تجارت ہے۔ (المفردات امام راغب، الکشاف لزمخشری)۔ اس بارے میں لوگوں کا غلو اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مالِ تجارت لے کر منیٰ اور مکّہ کے بازاروں میں آتے، یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ مزدلفہ، عرفات و منیٰ میں لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ اُن کا حج ہی نہیں ہوتا کہ جہاں تجارت آ گئی وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا؟ قرآن مجید نے اس مغالطہ عامہ کی تردید کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ حج اور عمرہ میں تجارت یا حصولِ زر اور نفع کمانا مقصودِ اصلی نہ ہو بلکہ مقصودِ اصلی رب کا قرب اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ مناسکِ حج کو پوری دلجمعی کے ساتھ اور کما حقہٗ ادا کرنے کے بعد تجارتی مقاصد پورے کئے جا سکتے ہیں گویا کہ خوشنودیِ الٰہی مقصدِ اوّلیں ہو گا اور تجارتی یا مالی مقصد ثانوی حیثیت کا حامل ہو گا اور اسی مالی فائدے کا ذکر سورۃ الحج کی آیت ۲۸ میں بہ الفاظ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ہوا۔

حج کو روانگی سے پہلے فروگزاشتوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر لیا جائے : ماضی میں جو کوتاہیاں، گناہ اور فروگزاشتیں سرزد ہوئیں، اب وقت گزرنے کے باوجود بھی اُن کا ازالہ اور تلافی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً :

(۱) بالغ ہونے کے بعد کی قضا شدہ نمازیں اور روزے پورے کر لئے جائیں۔ بہتر ہے کہ اُن کا صحیح شمار کر کے اُنہیں ادا کیا جائے اور اگر صحیح شمار ممکن نہ ہو تو قریب قریب صحیح اندازے سے اُنہیں پورا کر لیا جائے۔

(۲) اگر صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کی تو ہر سال کا صحیح اندازہ کر کے اُسے ادا کر دیا جائے۔

(۳) ''اگر قسم کھا کر اُسے توڑ دیا گیا تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد کیا اور اُس کا ایفاء نہیں کیا تو اُسے روانگی سے قبل پورا کر دیا جائے۔''

''(۴) حقوق العباد کی تلافی اُن حقوق کی ادائیگی سے ممکن ہے۔ مثلاً آپ نے کسی قرضخواہ کا قرض دینا ہے یا کسی مالی بوجھ کے نیچے ہیں' یا آپ نے اپنی زبان یا فعل سے کسی کا دل دُکھایا ہے' یا کسی کی عدم موجودگی میں اُسے برا بھلا کہا ہے یا اُس کی غیبت کی ہے تو ان تمام صورتوں میں آپ کو متعلقہ آدمی سے معافی کا خواستگار رہنا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام رقم بھی چکانا ہوں گی جو آپ کے ذمّے واجب الادا ہے' ہاں اگر متعلقہ شخص خوشدلی سے معاف کر دے تو اُس کے لئے اجر و ثواب بہت زیادہ ہے اور اُس کی کمال مہربانی سے آپ کا بوجھ اتر گیا۔''

''اگر آپ کا قرض خواہ فوت ہو گیا ہو تو وہ قرض اُس کے ورثاء کو ادا کر دیں یا اُن سے خطا بخشی کرا لیں۔ اگر کئی قرض خواہ ہیں اور اُن کے ٹھکانوں کا علم نہیں تو اُن کی جانب سے غریبوں اور محتاجوں میں قرض کی کل رقم خیرات کر دیں۔ اگر آپ نے اپنے قول یا فعل سے اُن فوت شدگان کو کوئی ضرر یا نقصان پہنچایا ہو تو اُن کی مغفرت اور بخشش کے لئے اکثر دعا کرتے رہیں۔ ایسا عمل کرنے سے آپ انشاء اللہ ہر قسم کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''اگر قضا شدہ نمازیں اور روزے اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اُنہیں سفرِ حج سے پہلے پورا نہیں کیا جا سکتا' یا آپ کے ذمّے لوگوں کے اس قدر بہتات کے قرض ہیں کہ فی الحال اُنہیں واپس کرنا یا اُن کی خطا بخشی کرانا آپ کے بس میں نہیں' تو اُن کے ادا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیں اور اُس وقت جس قدر آپ ادا کر سکتے ہیں ادا کر دیں۔ بقایا واجبات کی ادائیگی کے لئے آپ ایک وصیت نامہ لکھ دیں اور اپنے رشتہ داروں یا مخلص دوستوں میں سے کسی کو اُس کی تعمیل کے لئے مقرر کریں تا کہ آپ کی موت یا ادا نہ کر سکنے کی صورت میں وہ مقرر شدہ شخص آپ کے واجبات کی ادائیگی کر دے۔'' ("How to Perform Hajj ... Mufti Muhammad Shafi, pp. 27-29 of English Translation)

سفرِ حج کے دوران کے آداب : جیسا کہ اوپر بیان ہوا' حاجی کو بوقتِ روانگی سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے اُن کے حق میں کی گئی فروگزاشتوں کو معاف کرانا چاہئے اور اُن سے اپنے تحفظ اور قبولیتِ حج کی دعا کرنے کی درخواست کی جائے۔ گھر سے نکلنے کے بعد شکرانہ الٰہی کے طور پر دو رکعت نفل ادا کرے اور اس کے بعد سورۃ القدر کی تلاوت کرے۔ حسبِ توفیق صدقہ و خیرات کرنا بہتر ہوگا اور اس وقت وہ آیۃ الکرسی پڑھے۔ پھر وہ اللہ سے یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْاُضَلَّ اَوْاَزِلَّ اَوْاُزَلَّ اَوْاَظْلِمَ اَوْاُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی۔ اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاَطْوِلَنَا بُعْدَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

''اے اللہ! میں ان باتوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں گم کردہ راہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جاؤں' یا جادہِ حق سے ہٹ جاؤں یا ہٹا دیا جاؤں' کسی پر ظلم وتشدد کروں یا مجھ پر ظلم وتشدد کیا جائے' میں کسی جاہلانہ کام کا مرتکب ہوں یا مجھے کسی جاہلانہ کام کا مرتکب کیا جائے۔ اے اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ اور ایسے عمل کا سوال کرتے ہیں جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہمارے لئے آسان کر دے اور اس کی مسافت کو عبور کرنے میں ہماری مدد فرما۔ اس سفر میں تو ہی ہمارا رفیق اور ہمارے اہل و عیال کا نگہبان ہے۔ اے اللہ! میں اس سفر کی صعوبتوں' برے حالات کو دیکھنے اور اپنی واپسی پر اپنے مال و جائداد اور اپنے کنبے کی بدحالی دیکھنے سے تیری حفاظت اور پناہ چاہتا ہوں۔ فروکش ہونے کے بعد تخریب اور مظلوم کی بددعا سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

لغویات' فضول اور لچر باتوں سے اجتناب کیا جائے اور قول وفعل میں بے حیائی کی باتوں سے بہر صورت بچا جائے۔ قرآن مجید نے ایسے ہی مسافرانِ حج کو یہی ہدایت کی ہے :

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرة: ۱۹۷)

''تو جو کوئی اِن (مہینوں) میں اپنے اوپر حج مقرر کر لے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا ہونے پائے۔''

فِي الْحَجِّ سے مراد زمانۂ حج اور حالتِ احرام ہے۔ رَفَث کا مفہوم عام ہے اور ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی ومبادی اس میں شامل ہیں۔ فُسُوق میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت شامل ہے۔ جِدَال اپنے عام اور وسیع معنیٰ میں ہے۔ مار پیٹ' ہاتھا پائی الگ رہی' زبانی حجت وتکرار جو اکثر مسابقت ومفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے' سب احرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔

اللہ اکبر! یہ ہے عبادت میں طہارت و پاکبازی کا اسلامی معیار کہ اشارۃً وکنایۃً بھی اُس زمانۂ احرام میں جائز شہوانی خیالات تک زبان پر نہ لائے جائیں اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے' تیرتھ ہار' تیرتھ جاترا اور نمائشیں اور جلسے جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج تک میں برہنگی اور فحش داخل تھے۔

حکم ہوا کہ اُس زمانۂ احرام میں حاجی کو لباسِ تقویٰ سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت ذکر الٰہی میں گزارنا چاہئے (سورۃ البقرۃ : ۱۹۷)۔ اہم حکم کے بعد تقویٰ الٰہی کی تاکید اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو۔ انسان جو بھی نیک عمل کرے' وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ کرے۔

حج سے متعلق چند اہم اصطلاحات کی وضاحت

احرام : حج اور عمرہ کے مناسک شروع کرنے سے پہلے اِن دو اَن سلی چادروں سے حاجی اور عامر اپنے جسم کو لپیٹ لیتا ہے (یہ صرف مَردوں کے لئے ہے)۔ ''اِحرام'' کا معنیٰ کسی چیز کو حرام اور ممنوع قرار دینا ہے۔

آفاقی: میقات کی حدود سے باہر رہنے والا' جیسے پاکستانی' ہندوستانی' مصری' سوڈانی وغیرہ۔

ایامِ تشریق: ۹ ذی الحجّہ کی نمازِ فجر سے لے کر ۱۳ ذی الحجّہ کی نمازِ عصر تک ہر فرض با جماعت نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ تین تین بار پڑھی جاتی ہیں۔ ۹ ذی الحجّہ سے ۱۳ ذی الحجّہ تک کے کل پانچ دن ایامِ تشریق کہلاتے ہیں۔

بابُ السّلام : مسجدِ حرام میں داخل ہونے کا یہ پہلا دروازہ ہے جس سے داخل ہونا مستحب ہے۔ اِسی نام کا ایک دروازہ مسجدِ نبوی (مدینہ منوّرہ) میں بھی ہے۔

دَم : اس کا لفظی معنیٰ ''خون'' کا ہے اور اصطلاح میں اس کا معنیٰ جانور کا خون بہانا ہے۔ اِحرام کی حالت میں بندے سے کچھ خلافِ شریعت اور ممنوعہ باتیں سرزد ہو جاتی ہیں مثلاً بحالتِ اِحرام سلا ہوا کپڑا پہن لینا وغیرہ' تو اِن صورتوں میں دَم دینا یعنی ایک بکری یا دُنبہ فی سبیل اللہ ذبح کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

غارِ حرا: یہاں جبریلِ علیہ السلام پہلی وحی لے کر نبی علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ یہ غار مِنیٰ کی شاہراہ پر جبلِ نور پر واقع ہے۔ اس کی چوٹی دُور دراز فاصلے سے دکھائی دیتی ہے۔

حجرِ اَسوَد (کالا پتھر): یہ تیس سنٹی میٹر کا غیر منظّم' چمکدار' سیاہ سرخی مائل رنگ کا بیضوی شکل کا جنت سے لایا گیا پتھر ہے اور کعبہ کی دیوار کے جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے جو چاندی کے مضبوط بیضوی حلقہ میں ہے جسے زائرینِ حرم اپنے رسولِ مقبول ﷺ کی پیروی میں بے اختیار بوسہ دیتے ہیں۔ اسی سے خانہ کعبہ کے طواف کی ابتداء ہوتی ہے اور اسی پر شَوط (چکر) مکمل ہوتا ہے۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

حطیم : یہ کعبہ کے شمالی جانب کعبہ سے متّصل آدمی کی کمر سے کچھ اونچا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ زمانہ قبل از اسلام میں جب قریشِ مکہ نے کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کی تو اُنہوں نے حلال کمائی میں کمی کی وجہ سے اس حصّے کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

حرم : مکّہ مکرّمہ کا شہر اور اِسؐ کے اردگرد کا چھوٹا سا علاقہ ''ارضِ حرم'' کہلاتا ہے۔ حرم کی حدود کو نمایاں کر دیا گیا ہے۔ حرم کی حدود میں شکار کرنا' درختوں کا کاٹنا اور جانوروں کا چرانا سب حرام اور ممنوع ہے۔ سورۃُ التّوبہ کی آیت ۲۸ کی رُو سے غیر مسلموں کا حرم میں داخلہ ممنوع ہے۔

حلق: حج اور عمرہ کرنے والے کا بعد طواف کعبہ وسعی سر مونڈنا یا مونڈوانا ''حلق'' کہلاتا ہے۔ یہ صرف مَردوں کے لئے ہے۔ بحالتِ اِحرام حاجی اور عامر پر جو پابندیاں عائد تھیں، حلق کے بعد وہ اِن پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اِستلام: بہت زیادہ اِزدحام (رَش) کی وجہ سے اگر حجرِ اَسود کو بوسہ دینا ممکن نہ ہو، تو نبی علیہ السلام نے حاجی اور عامر کو ہدایت کی کہ وہ حجرِ اسود کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھ کو بوسہ دے لے لیکن بھیڑ میں گھس کر لوگوں کی تکلیف کا موجب نہ بنے۔ اس عمل کا نام ''استلام'' ہے۔

اضطباع: اِحرام کی چادر کو دائیں بغل میں سے گزار کر اِحرام کے بالائی حصّے کو بائیں کندھے پر ڈالنا ''اضطباع'' کہلاتا ہے۔ اضطباع کی حالت میں دایاں کندھا ننگا رہے گا (یہ بھی صرف مَردوں کے لئے ہے)۔

حجِ اِفراد: مناسکِ حج کو حج کے اِحرام کے ساتھ ادا کرنا حجِ اِفراد کہلاتا ہے۔ اور ایسا حاجی مفرِد کہلاتا ہے

جمرات: منیٰ میں قدِ آدم جتنے اونچے تین مقامات پر ستون نصب کئے گئے ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں (ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی پیروی میں شیطانوں کو) ماری جاتی ہیں۔ اُن میں سے ایک کو ''جمرۃ الاُولیٰ'' کہا جاتا ہے جو مسجدِ خیف کے نزدیک شرقی جانب ہے۔ دوسرے جمرے کا نام ''جمرۃ الوسطیٰ'' ہے اور تیسرے جمرے کا نام ''جمرۃ العقبۃ'' یا ''جمرۃ الاخریٰ'' ہے۔

جنت المعلیٰ: یہ مکّہ مکرّمہ کا قدیم ترین قبرستان ہے۔ زمین بلند ہونے کی وجہ سے اسے جگہ کو معلیٰ کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ شریف سے کوئی دو میل کے فاصلے پر مسجدِ جن کے قرب میں ہے۔ یہاں نبی علیہ السلام کے آباء واجداد عبد المطلب، چچا ابو طالب کے علاوہ آپ کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ اسماء بنتِ ابی بکر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابنِ زُبیر، عبداللہ بن عمر، اور دیگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم بھی یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

جنت البقیع: مدینہ منوّرہ میں مسجدِ نبوی کے قرب میں یہ ایک قبرستان ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں صحابہ کرام، سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن آرام فرما ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جن کی مؤطّا صحاح ستّہ میں شمار ہوتی ہے، بھی یہیں مدفون ہیں۔

مُحرِم: اِحرام پہننے والا مُحرِم کہلاتا ہے۔

میقات : حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کو یہاں سے احرام میں ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ پاکستانی حُجاج اور عمرہ کرنے والوں کا میقات بحری راستے سے یلملم اور ہوائی راستے سے کراچی ہے۔

مقامِ ابراہیم : یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اس میں ابراہیم علیہ السلام کے پائے مبارک کا نشان ہے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے بحکمِ الٰہی لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی (حوالہ کے لئے دیکھئے جلد ہٰذا کا صفحہ ۱۶۹۳)۔ یہ پتھر بھی حجرِ اسود کی طرح جنت سے لایا گیا تھا۔ اب اس پتھر کو شیشے کے خول میں حجرِ اسود اور حطیم کے درمیانی حصّہ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس طواف کے دو نفل ادا کرنا واجب ہے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے پاس کی جگہ نہ ملے تو مسجدِ حرام میں کہیں بھی ادا کئے جا سکتے ہیں۔

مسجدِ حرام : کعبہ کے اردگرد کی مسجد کا نام مسجدِ حرام ہے۔

مُلتزَم : یہ حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کی درمیانی جگہ ہے۔ مقامِ مُلتزم سے بغل گیر ہونے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرنا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مبارکہ ہے۔

مِنٰی : یہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر شرقی جانب دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع کھلا میدان ہے۔ رمی جمرات اور جانوروں کی قربانیاں یہاں کی جاتی ہیں۔ منٰی بھی حدودِ حرم میں شامل ہے۔ حجاج کرام یہاں پانچ یا چھ دن گزارتے ہیں۔

مسجدِ خیف : یہ مسجد منٰی کے شمالی جانب ایک پہاڑی کے قریب واقع ہے۔

مسجدِ نمرہ : میدانِ عرفات کے ایک جانب یہ مسجد واقع ہے۔

مزدلفہ : منٰی سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر شرقی جانب یہ منٰی اور عرفات کے درمیان ایک کھلا میدان ہے۔ عرفات سے واپسی پر حجاج کرام ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب یہاں کھلے آسمان کے نیچے رات گزارتے ہیں۔ بروئے احادیثِ مبارکہ یہ رات شبِ قدر کی طرح بڑی ہی برکت والی رات ہے۔

محسّر : مزدلفہ سے متصل یہ ایک کھلا میدان ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادتِ مبارکہ کے سال میں اصحاب الفیل اسی جگہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے تھے جو ابرہہ کی سرکردگی میں کعبہ پر حملہ کرنے آئے تھے۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بہ سرعتِ تمام (دوڑتے ہوئے) اس جگہ کو عبور کرنے کی ہدایت فرمائی کہ کہیں وہ غضبِ الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں۔

مَروۃ : کعبہ سے شمال مشرقی جانب کے قریب یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ سعی کے سات اَشواط (چکروں) کے مکمل ہونے پر سعی یہاں ختم ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے مروۃ پہاڑی کو شعائر اللہ میں شمار کیا ہے اور فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ یعنی صفا اور مروۃ اللہ کے شعائر میں سے ہیں (سورۃ البقرۃ : ۱۵۸)

مَشعر الحرام : مزدلفہ میں واقع ایک مسجد کا نام ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۸ میں آیا ہے۔

مَسْعیٰ (بہ معنی دوڑنے کی جگہ) : صفا اور مروۃ دو پہاڑیوں کے درمیان یہ سعی کرنے کی جگہ ہے۔

میزاب رحمت : یہ کعبہ کی چھت کا پرنالہ ہے جس کا پانی حطیم میں گرتا ہے۔ میزاب رحمت کے نیچے جو بھی دعا کی جائے، ربّ ذوالجلال والاکرام اُسے قبول فرماتا ہے۔

قِران (حج) : عمرہ اور حج دونوں کے اکٹھا ادا کرنے کی نیت سے اِحرام باندھنا اور عمرہ کرنے کے بعد احرام سے باہر نہ آنا حجِ قِران کہلاتا ہے۔ حجِ قِران کرنے والے کو ''قارن'' کہتے ہیں۔

قصر : احرام سے باہر آنے کے لئے سر کے بال خود کاٹنا یا کسی سے کٹوانا قصر کہلاتا ہے۔ یاد رہے کہ ''حلق'' کا معنیٰ سر کے بال منڈوانے کے ہیں جبکہ قصر میں بال کٹوانے ہوتے ہیں۔ یہ صرف مَردوں کے لئے ہے۔ قصر کا ثواب حلق سے کم ہے۔ حلق اور قصر کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت ۲۷ میں مُحَلِّقِینَ اور مُقَصِّرِینَ کے الفاظ میں آیا ہے۔

رَمل : طوافِ کعبہ کے پہلے تین چکروں (اَشواط) میں قدم ساتھ ملاتے ہوئے اور اَکڑاتے ہوئے کندھوں کے ساتھ قدرے تیز چلنا ''رمل'' کہلاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے حجاج صحابہ کو ایسا کرنے یعنی پہلوان کی چال چلنے کا حکم دیا تھا جب آپ ﷺ نے کفارِ مکہ کے اِس طعن کو سنا کہ مسلمان مدینہ جا کر کمزور اور سست پڑ گئے ہیں اور اسی وجہ سے وہ سست سست طواف کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔

رَمی : جمرات کو کنکریاں مارنا ''رمی'' کہلاتا ہے۔

رُکنِ عراقی : ملکِ عراق کی جانب کعبہ کا شمال مشرقی کونہ رُکنِ عراقی کہلاتا ہے۔

رُکنِ شامی : یہ ملکِ شام کی طرف کعبہ کا شمال مغربی کونہ ہے۔

رُکنِ یمانی : یمن کی طرف کعبۃ اللہ شریف کا جنوب مغربی کونہ رُکنِ یمانی کہلاتا ہے۔

صفا : کعبۃ اللہ کے جنوب کی جانب یہ ایک پہاڑی ہے جہاں سے سعی کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اسے بھی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۸ میں شعائر اللہ کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ گزشتہ ۱۶۹۹ کا آخر)۔
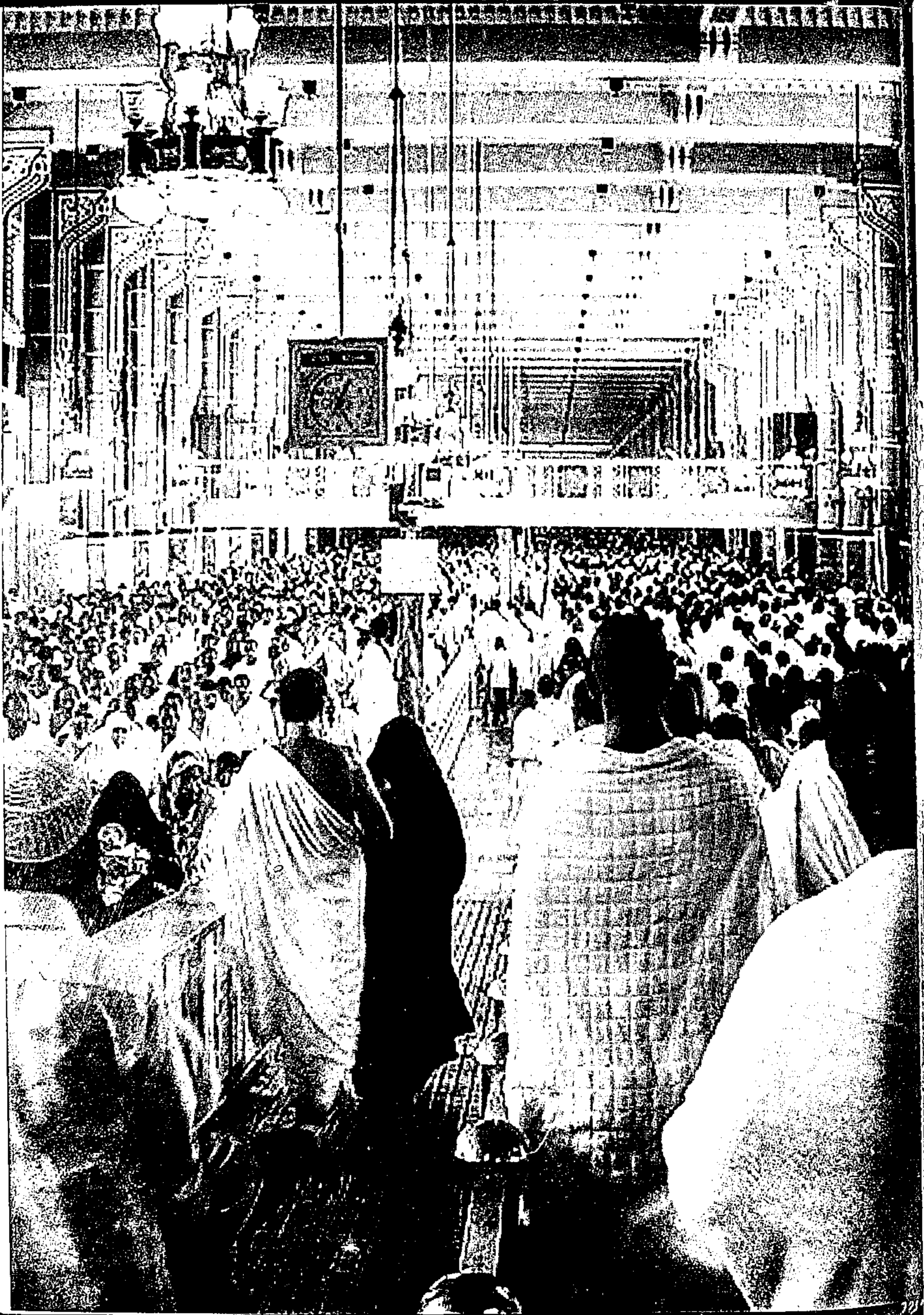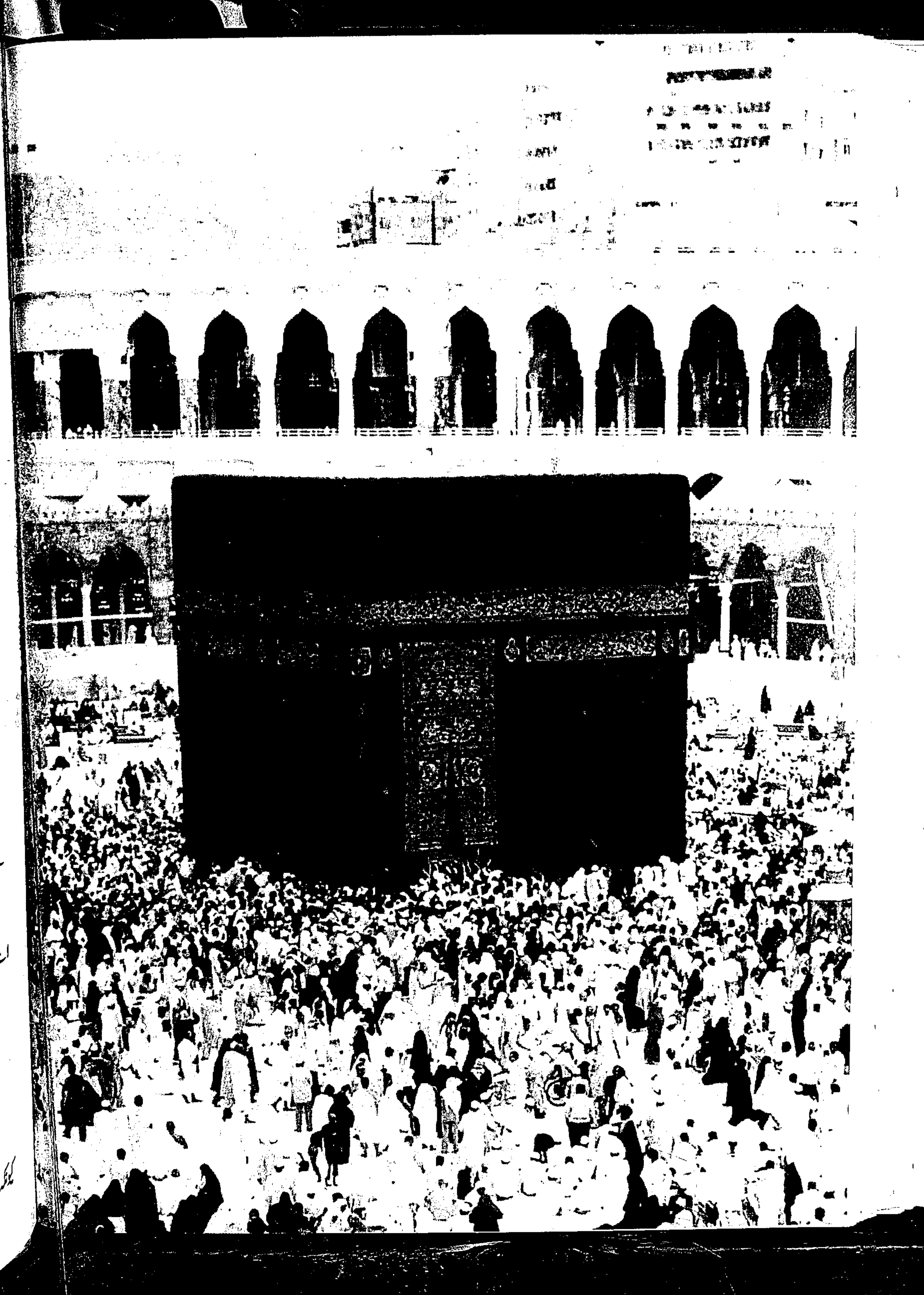
شَوط :حج اور عمرہ کرنے والا کعبہ کے گرد سات چکر مکمل کرتا ہے اور ہر چکر ''شوط'' کہلاتا ہے۔صفا مروہ کے درمیان سعی کے دوران صفا پہاڑی سے مروہ پہاڑی تک کا چکر بھی ایک ''شوط'' کہلاتا ہے۔اسی طرح مروہ سے واپس صفا تک دوسرا شوط (چکر) وعلیٰ ھذا القیاس سات چکر اسی طرح پورے ہوں گے۔

تمتّع (حج) :عمرہ اور حج کو اس طرح اکٹھا کرنا کہ پہلے میقات سے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جائے اور اس میں حج کی نیت نہ کی جائے۔مکّہ مکرّمہ پہنچ کر مناسکِ عمرہ ادا کرنے کے بعد اپنے سر کے بال منڈوانے یا کٹوانے پر عمرے کے احرام میں ہونا ختم ہو گیا۔اب 8 ذی الحجہ کو مسجد الحرام سے وہ از سرِ نو احرام باندھے گا۔ایسا حج ''حجِ تمتع'' کہلاتا ہے اور حجِ تمتع کرنے والے کو ''متمتع'' کہتے ہیں۔حج کی یہ قسم آسان ترین ہے۔

تکبیراتِ تشریق :صفحہ ۱۶۹۷ پر ملاحظہ ہوں۔

تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ

تنعیم :یہ مکّہ مکرّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدودِ حرم کے اختتام پر ہے۔مکّہ مکرّمہ میں قیام کے دوران عمرہ کرنے والے یہاں پہنچ کر نہانے دھونے کے بعد احرام باندھتے ہیں اور یہاں کی مسجد عائشہ میں دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔

طواف : کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگانا ''طواف'' کہلاتا ہے۔

طوافِ قدوم : مکّہ مکرّمہ پہنچنے کے فوراً بعد حجاج کرام کا سب سے پہلا کام کعبۃ اللہ کا طواف کرنا ہوتا ہے جسے طوافِ قدوم یا طوافِ تحیّہ کہتے ہیں۔قارن اور مفرد آفاقی کے لئے یہ طواف سنت ہے۔

طوافِ زیارت : اسے وقوفِ عرفات سے واپسی اور مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے۔ اسے طوافِ رکن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حج کرنے کے بعد یہ طواف فرض ہوتا ہے۔

طوافِ وداع: مکّہ مکرّمہ سے رخصت ہونے پر طوافِ کعبہ ''طوافِ وداع'' یا طوافِ صدر'' کہلاتا ہے۔

عمرہ :میقات یا حِل سے احرام باندھنے کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروۃ کا نام عمرہ ہے۔

حِل :حرم کے چاروں طرف کے پار میقات تک (یعنی حدودِ حرم سے باہر میقات تک) کا علاقہ حِل کہلاتا ہے کیونکہ جو چیزیں حرم میں حرام ہیں، وہ یہاں حلال ہیں۔

<u>یوم الترویحہ</u> :۸ ذی الحجہ کا دن یوم الترویحہ کہلاتا ہے۔

<u>یوم عرفہ</u> :۹ ذی الحجہ کا دن جس میں حج ادا کیا جاتا ہے' یوم عرفہ کہلاتا ہے۔ اس دن حجاج کرام کو زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک عرفات کے مقام پر ٹھہرنا ہوتا ہے جس کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں۔

<u>یلملم</u> : یہ مکّہ مکرّمہ کے جنوبی جانب وہاں سے دو منزل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے۔ آج کل اسے ''سعدیہ'' کہا جاتا ہے۔ بحری راستے سے آنے والے حجاج کرام اس مقام پر اِحرام باندھتے ہیں۔

<u>ذوالحُلَیفہ</u> : مدینہ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ کی راہ پر یہ مدینہ منوّرہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ مدینہ منوّرہ سے آنے والے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے لئے یہ میقات ہے اور ''بئرِ علی'' کے نام سے موسوم ہے۔

<u>ذاتُ العِرق</u> : ان دنوں یہ بے آباد و ویران جگہ ہے۔ مکّہ مکرّمہ سے عراق کو جاتے ہوئے یہ تقریباً تین دن کی مسافت پر ہے۔ عراق سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔

<u>زمزم</u> : کعبۃ اللہ کے نزدیک مسجدِ حرام ہی میں جنوب مشرقی سمت میں یہ ایک کنواں ہے جسے قادر و قدیر اللہ نے خلیل اللہ کے گوشہ جگر یعنی ننھے اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے چشمہ کے طور پر جاری کر دیا تاکہ وہ اور اُن کی والدہ ماجدہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا خوب سیر ہو کر پیئیں۔ سیّدہ ہاجرہ متحیر ہو کر پانی جمع کرنے لگیں اور اُن کی زبان سے بے اختیار ''زمزم زمزم'' کے الفاظ نکلے جس کے معنیٰ ''ٹھہر ٹھہر' وافر پانی' کثیر (بہت)' چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں پینا'' کے ہیں۔ اُنہوں نے اس کے گرد مینڈھ باندھی تاکہ پانی محفوظ رہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اُمّ اسمٰعیل اگر پانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو دنیا میں کہیں کا کہیں یہ پھیل جاتا۔ چار ہزار سال سے زیادہ مدت گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ اپنے اصلی مقام سے جاری و ساری ہے۔ ''چاہِ زمزم کی گہرائی ۱۴۰ فٹ بتائی جاتی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں اس کی صفائی کی گئی۔ اس کے بعد سعودی دَور میں جدید مشینری سے اس کی صفائی ہوئی۔ دو غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پہلی بار کوئی انسان اس چشمے کے اندر داخل ہوا۔ اس کے انجینیر یحییٰ کوشک نے بتایا کہ چشمے کے اندر ایک بڑی چٹان پر ''بِـاذْنِ اللہ'' لکھا ہے۔ چٹانوں سے یہ چشمہ پھوٹتا ہے۔ اُن پر رنگ برنگی مٹی کی تہیں جمی ہوئی ہیں جس سے قدرتی طور پر پانی کی فلٹریشن ہوتی رہتی ہے۔''

''۲۹۷ھ (۹۰۹ء) میں پانی اس درجہ بڑھ گیا کہ چاہِ زمزم چھلک کر بہہ نکلا۔ اب اس کی سطح ۱۷ گز پر ہے۔ پانی کسی قدر نمکین ہے' کچھ کچھ چکناہٹ بھی ہوتی ہے۔ ذائقہ خوشگوار ہے۔ قدرتی طور پر ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے اور صحت کے لئے مفید ہے۔ ایک مصری ڈاکٹر نے سائنٹفک اصولوں پر اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا اور بے شمار فوائد بیان کئے ہیں۔ یہ پانی نہ سڑتا ہے اور نہ اس میں بو پیدا ہوتی ہے۔ مہینوں بلکہ برسوں خراب نہیں ہوتا۔

ارشادِ نبوی ہے کہ ''دنیا میں بہترین پانی زمزم کا ہے۔ یہ پانی جس نیت سے پیا جائے گا' اللہ اُسے پورا کرے گا۔ زمزم پیٹ بھرنے والی غذا ہے اور بیمار کے لئے شفا ہے۔ جہنم کی آگ اور زمزم کا پانی دونوں انسان کے شکم میں جمع نہیں ہو سکتے۔'' عام طور پر پانی کو بیٹھ کر پینے کا حکم ہے لیکن زم زم کے لئے قبلہ رُو کھڑے ہو کر نوش کرنے کا حکم ہے۔''
(ماہنامہ ''مومن'' لاہور' جنوری ۲۰۰۵ء' صفحہ ۴۲)

''آبِ زمزم کے چند خواص: علمائے کرام نے آبِ زمزم کے چند خواص یہ لکھے ہیں:

(۱) آبِ زمزم پی کر جو دعا کی جائے' قبول ہوتی ہے۔ (ذَیل المُدّعا لاحسن الوِعاء' ص ۳۴)
(۲) حدیث شریف کے مطابق آبِ زمزم بخار کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔
(۳) دردِ سر کے لئے نافع ہے اور فوراً درد کو دُور کرتا ہے۔
(۴) آبِ زمزم کو دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے۔
(۵) از روئے حدیث جو شخص آبِ زمزم کے تین چُلّو اپنے سر پر ڈالے گا' کبھی ذلیل نہ ہوگا۔''
(۶) شیخ دومی مغربی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے پانی نقصان یا تکلیف پہنچاتا ہو تو وہ پانی کو مخاطب کر کے کہے: ''اے پانی! آبِ زمزم تجھے سلام کہتا ہے'' تو وہ پانی اُسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔
(۷) آبِ زمزم دنیا بھر کے تمام پانیوں سے زیادہ سبک اور زیادہ وزنی ہے۔
(۸) آبِ زمزم قلب کو قوّت دیتا ہے اور خوف واضطراب کو دُور کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت زین الدین عراقی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کو آبِ زمزم سے دھونے میں غالباً یہی مصلحت تھی کہ آپ کا قلبِ مبارک فرشتوں اور غیر محسوس واشخاص وغیرہ کو دیکھ کر مرعوب نہ ہو۔'' (تاریخ بیت اللہ شریف' ص ۹۸)

حاجی صاحبان اور عمرہ کرنے والے حضرات حج اور عمرہ کرنے کے بعد بڑے ادب و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ آبِ زمزم لے جاتے ہیں اور اپنے عزیزوں' دوستوں اور رشتہ داروں کو بطور تحفہ پیش کرتے ہیں کہ یہ سنتِ نبوی ﷺ بھی ہے۔ چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

إِنَّهَا كَانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَ تُخْبِرُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَحْمِلُه'

''خود عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا زمزم شریف حج سے واپسی کے وقت اپنے ہمراہ لے جایا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ بھی اپنے ہمراہ زمزم کا پانی لے جایا کرتے تھے۔'' (کشف الغمّۃ' ص ۲۲۹)

''آبِ زمزم سائنس دانوں کی نظر میں: آبِ زمزم کے استعمال سے نہ صرف روحانی خواص بلکہ اَن گنت جسمانی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ یورپ کے بڑے بڑے سائنس دان اور مفکر اس کی عظمت اور افادیت کو ہر زمانے میں تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ مغربی ممالک کے کئی بڑے بڑے سائنس دانوں نے زمزم شریف کے بارے میں ایک عرصے تک اس کی تحقیق میں جو انکشافات کئے ہیں' وہ اظہر من الشمس ہیں۔''

''حیرت کی بات ہے کہ جس وقت جدید سائنسی آلات بھی وجود میں نہیں آئے تھے اور اس پانی کے اندر معدنیات کے وجود سے بھی لوگ واقف نہیں تھے' ایسے وقت میں نبیِ اُمّی ﷺ نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے زمزم شریف کے طبّی اور کیمیاوی فوائد و صفات ان الفاظ میں بیان فرمائے کہ زمزم میں بھوک' پیاس اور بیماریوں کا علاج ہے: اِنَّہ' طَعَامُ طُعْمٍ وَشِفَاءُ سُقْمٍ''

''ایک بہت بڑے مصری ڈاکٹر نے طبّی و سائنسی تحقیقات کی روشنی میں زمزم شریف میں حسب ذیل معدنی اجزاء معلوم کئے ہیں :

(1) میگنیشیم سلفیٹ : اس کے استعمال سے اعضاء کی گرمی دُور ہوتی ہے اور اس کا وقتی استعمال شکم کی تُرشی کو بڑھاتا ہے۔ قے' متلی' اور دردِ سر کے لئے بہت مفید ہے نیز دست اور جلندھر یعنی استسقاء کی بیماری کے لئے اکسیر ہے۔ جسم کے تخمی مادّے کو ختم کر کے مضر اجزاء کو فنا کر دیتا ہے۔''

(2) ''سوڈیم سلفیٹ : یہ ایک قسم کا نمک ہے جو قبض کو دُور کرتا ہے۔ اس کا استعمال وجعِ مفاصل (جوڑوں کا درد) یعنی گنٹھیا کے لئے مفید ہے۔ شکر کی بیماری' خونی پیچش' پتھری' قوّتِ ہاضمہ اور جلندھر میں جلاب دینے کے بعد ڈاکٹروں نے اسے بہت اکسیر بتایا ہے۔''

(3) ''سوڈیم کلورائیڈ: انسانی خون کے لئے یہ نمک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آبِ زمزم میں اس کا بھی جزء موجود ہے۔ یہ خون میں گرمی پیدا کرتا ہے' سانس کی صفائی کرتا ہے' نظام جسم کی برقراری اور قوّتِ ہاضمہ کو تیز کرتا ہے۔ آنت اور شکم کے مسلسل درد اور ہیضہ کو دُور کرنے میں اس کا استعمال ایک نعمت ہے۔ مختلف قسم کے زہر کے لئے بہت تریاق ہے مثلاً کوئلے کے دھوئیں کی زہریلی گیس یا خوراک کی سمیّت (زہریلا پن) اس نمک کے استعمال سے فوراً دُور ہو جاتی ہے۔ یہ نمک اعضاء کی کمزوری کو دُور کرتا ہے۔''

(4) ''کیلشیم کاربونیٹ: خوراک بڑھانے اور ہضم کرنے میں یہ بہت مفید ہے۔ اس سے پیشاب بہت صاف ہوتا ہے۔ پتھری کو توڑنے اور گنٹھیا کے لئے بہت مفید ہے۔ اس سے اعضاء کی حدّت اور جلن دُور ہو جاتی ہے۔ سورج کی گرمی' تپش اور لُو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔''

(5) ''پوٹاشیم نائٹریٹ: زمزم شریف کی مشہور ٹھنڈک اِسی شورہ کی وجہ سے ہے۔ لُو کا اثر زائل کرنے اور تھکن اُتار کر جسم کو راحت دینے میں بہت مفید ہے۔ پیشاب کی کثرت کو روکنے میں اس سے کافی مدد ملتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دمّہ کے مریض حج کو گئے اور شفایاب ہو کر واپس ہوئے جو آبِ زمزم کی برکت کا نتیجہ ہے۔''

(6) ''ہائیڈروجن سلفر: زمزم شریف میں یہ خاص طور پر موجود ہے۔ تازہ زمزم پینے سے اس کا اثر بہت زیادہ

ہوتا ہے۔ تمام جلدی بیماریاں، کنٹھ مالا، جلن، شدید قسم کے زکام میں اس کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ جراثیم مارنے کے لئے یہ شورہ بہت مشہور ہے۔ اس کے استعمال سے ہیضہ اور پیٹ کے بہت سے جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔ دماغی قوتوں بالخصوص قوتِ حافظہ کو بڑھاتا ہے، غذا کو ہضم کر کے بھوک کو بڑھاتا ہے، بواسیر کے لئے بھی اس میں اعجازی فائدے ہیں۔ وجع مفاصل (گنٹھیا) کے مریضوں کے لئے زمزم شریف کا پینا بہت ہی مفید ہے۔''

(7) گندھک: ان سب میں زیادہ گندھک کا حصّہ ثابت ہوتا ہے۔

آبِ زمزم ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے: آبِ زمزم کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ ہر قسم کے جراثیم سے پاک وصاف ہے۔ زمزم کو اگر ٹین کے کسی ڈبے میں اُس کا ڈھکنا مضبوطی سے بند کر کے کسی جگہ رکھ دیا جائے اور دس سال کے طویل عرصہ کے بعد نکالا جائے تو آبِ زمزم اپنی اصلی حالت میں ملے گا اور اس میں کسی قسم کی بو اور خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ نہ تو اس کے فوائد میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی جراثیم پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا۔ اگر آپ آبِ زمزم کے علاوہ اُس پانی کو جسے آپ روزمرہ استعمال کرتے ہیں، ہزاروں سائنٹفک طریقوں اور بہت سی جراثیم کش ادویات ڈال کر کسی برتن یا ڈبے میں بھر کر رکھ دیں اور صرف چند مہینے بعد نکالیں تو پانی کی رنگت تبدیل شدہ ملے گی اور باریک باریک کیڑے پیدا ہونے کے ساتھ بدبو پیدا ہو جائے گی۔ تجربات شاہد ہیں کہ حجاج کرام کے گھروں میں زمزم شریف چھوٹی چھوٹی پیک ڈبیوں میں دس برس اور کہیں اس سے بھی زیادہ مدت گزر گئی، اُسی طرح بند ہے مگر جب بھی اُس پانی (یعنی آبِ زمزم) کو نکالا گیا تو بالکل صاف اور تازہ معلوم ہوا۔''

''اس حقیقت سے ہمارے قلوب یقین و ایمان کے خزانوں سے بھر جاتے ہیں کہ مالکِ حقیقی جلّ مجدہ، زمزم جیسی پاک شے مسلمانوں کو عطا کر کے روحانی اور جسمانی ہر دو نقطہ نظر سے نوازنا چاہتا ہے۔ ہادیِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آبِ زمزم بے حد مرغوب تھا اور جب آپ ﷺ اُسے نوش فرماتے تھے، تو اُس کی تقدیس اور عظمت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔''

''سرکارِ دوعالم ﷺ نے زمزم شریف کے طبّی فوائد کو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی بیان فرما دیا تھا اور آج سائنسدان تحلیلی آلات سے اُس کی تصدیق کر رہے ہیں اور علمِ نبوی کے سامنے خمیدہ اور مؤدّب نظر آتے ہیں کہ اللہ عزّ وجلّ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو مَا کَان و مَا یَکُوْنُ کا علم عطا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا: وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کہ اللہ نے آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔''

(ماہنامہ ''السعید'' ملتان، ستمبر ۲۰۰۲ء)

حج اور عمرہ کے مابین فرق: بیت اللہ شریف کو دو قسم کی تعظیمیں اور تقدیسیں حاصل ہیں: اوّل تعظیم حج

کی ہے اور دوئم عمرہ کی تقدیس ہے۔ (۱) حج کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے جبکہ عمرہ تمام سال میں ہو سکتا ہے۔ صرف پانچ روز یعنی ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک عمرہ مکروہِ تحریمی ہے۔(۲) حج فرض ہے' عمرہ فرض نہیں۔(۳) حج میں وقوفِ عرفہ' وقوفِ مزدلفہ اور نمازوں کا اکٹھا پڑھنا اور خطبہ ہے۔ عمرہ میں یہ چیزیں نہیں۔(۴) حج میں طوافِ قدوم' طوافِ زیارت اور طوافِ وداع ہوتے ہیں۔ عمرہ میں یہ نہیں ہوتے۔(۵) عمرہ میں بحالتِ جنابت طوافِ کعبہ کرنے سے بکری ذبح کرنا کافی ہے اور حج میں کافی نہیں۔(۶) عمرہ میں طواف شروع کرنے کے وقت تلبیہ موقوف کیا جاتا ہے اور حج میں جمرہ اُخریٰ کی رمی شروع کرتے وقت موقوف کیا جاتا ہے۔ ("How to Perform Hajj" ... Mufti Mohammad Shafi, p. 34)

حج کی تین قسمیں : حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا یا جدا جدا اُدا کرنے کے حوالے سے حج کی مندرجہ ذیل تین اقسام بیان کی جاتی ہیں :۔

(۱) **حجِ اِفراد** : سفر پر روانہ ہونے اور احرام باندھنے کے وقت فقط حج کی نیت سے اِحرام باندھنا۔ یعنی حجِ اِفراد میں حج اور عمرہ دونوں اکٹھے ادا نہیں کئے جاتے۔ حجِ اِفراد کرنے والے کو ''مُفرِد'' کہتے ہیں۔

(۲) **حجِ قِران** : قِران بہ معنیٰ ''ساتھ ملانا''۔ حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھنا اور سفر پر روانہ ہونے کے وقت ہی حجِ قِران کی نیت کر لینا ''قِران'' کہلاتا ہے۔

(۳) **حجِ تمتع** : حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ ادا کرنا' پھر گھر گئے بغیر اُسی سال حج کا احرام باندھ کر حج کرنا۔

حج کی یہ تینوں قسمیں جائز ہیں اور آفاقی کو اختیار ہے کہ وہ تینوں قسموں میں سے اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک کو اختیار کر لے لیکن اَحناف کے نزدیک سب سے افضل قِران ہے بشرطیکہ لمبی مدت کے احرام کی پابندیوں کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اس کے بعد تمتع کا درجہ ہے اور پھر حجِ اِفراد کا۔ مکّہ مکرّمہ کے رہنے والوں کے لئے قِران اور تمتع کرنا منع ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جلد ہٰذا کا صفحہ ۱۷۰۱)

حج کی مذکورہ بالا تینوں قسموں میں سے ہر قسم کی ادائیگی کے لئے اپنی زبان میں نیت کرنا ضروری ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ عربی زبان میں ان کی نیت کی جائے تاکہ سنتِ رسول کی پیروی ہو جائے : مثلاً

(۱) حجِ اِفراد کے الفاظ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُالۡحَجَّ فَیَسِّرۡهُ لِیۡ وَتَقَبَّلۡهُ مِنِّیۡ
''اے اللہ! میں حج کرنا چاہتا ہوں' اُسے میرے لئے آسان بنا دے اور میری طرف سے اسے قبول فرما۔''

(۲) حجِ قِران کے الفاظ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُالۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ فَیَسِّرۡهُمَا لِیۡ وَتَقَبَّلۡهُمَا مِنِّیۡ
''اے اللہ! میں حج اور عمرہ کرنا چاہتا ہوں' اُنہیں میرے لئے آسان بنا دے اور میری طرف سے اُنہیں قبول فرما۔''

اِحرام کیسے باندھا جائے: سنتِ نبوی کے مطابق "اِحرام" دو اَن سلی چادروں کا نام ہے خواہ وہ نئی ہوں یا استعمال شدہ لیکن اُن کا دُھلا ہوا ہونا ضروری ہے۔ سرد موسم میں کمبل نما چادریں اور تولئے بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ چادر ٹخنوں سے اوپر رہنی چاہیئے۔ اِحرام باندھنے کے بعد دو رکعت نفل ادا کرنا سنتِ رسول ﷺ ہے، جس کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون (نمبر ۱۰۹) اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص (نمبر ۱۱۲) پڑھنا افضل ہے۔ اس نفل نماز کے دوران سر کو احرام کی چادر کے ساتھ ڈھانپ کر رکھا جائے کیونکہ اِحرام کا وہ وقت ابھی شروع نہیں ہوا جس میں سر کو ننگا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اِضطباع (تعارف بر صفحہ ۱۶۹۸) بھی نہیں ہوگا کیونکہ اضطباع طوافِ کعبہ کے دوران ہوتا ہے۔

مستحباتِ احرام: اِحرام باندھنے سے پہلے: جسم کا مَیل دور کرنا، ناخن اور مونچھیں تراشنا، بغل اور زیرِ ناف کے بال دُور کرنا، احرام کی نیت سے غسل کرنا، سفید لنگی یا چادر نئی یا دُھلی ہوئی استعمال کرنا، چپل پہننا، زبان سے اِحرام کی نیت کرنا، نماز کے بعد بیٹھ کر اِحرام کی نیت کرنا، اِحرام کا میقات سے پہلے باندھنا، یہ سب مستحباتِ اِحرام ہیں۔

اِحرام کے مسائل

نیت کے مسائل: (۱) اِحرام کی نیت کا دل سے ہونا ضروری ہے۔ صرف زبان سے کہنا مستحسن ہے۔ جس چیز کا اِحرام باندھا ہے (اِفراد، قِران یا تمتع) اُس کی دل میں نیت کرنی چاہیئے۔

(۲) دل میں نیت اِفراد کی کی اور زبان سے قِران یا تمتع نکل گیا تو جو دل میں تھا اُس کا اعتبار ہوگا۔ زبان کے الفاظ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۳) تلبیہ کے ساتھ نیت کا ہونا شرط ہے۔

(۴) اگر کسی نے اِحرام باندھ لیا اور حج یا عمرہ میں سے کسی چیز کی نیت نہیں کی تو احرام صحیح ہوگا یا اور اُسے حج یا عمرہ کے افعال شروع کرنے سے پہلے اختیار ہے کہ اس اِحرام کو حج کے لئے خاص کر دے یا عمرہ کے لئے۔ اگر افعال شروع کرنے سے پہلے متعین نہیں کیا اور عمرہ کے لئے پورا طواف یا ایک چکر (شوط) کر لیا یا بلا نیت، عمرہ کے طواف کا ایک چکر کر لیا تو یہ اِحرام عمرہ کا ہو جائے گا اور طواف کرنے سے پہلے وقوفِ عرفہ کر لیا تو یہ احرام حج کا ہو جائے گا۔

(۵) اگر حجِ بدل ہے تو جس کی طرف سے حج کرنا ہے، اُس کی طرف سے نیت کی جائے اور زبان سے بھی کہا جائے کہ فلاں کی طرف سے حج کی نیت کی اور اُس کی طرف سے اِحرام باندھا۔

تلبیہ کے مسائل: (۱) تلبیہ کا زبان سے کہنا شرط ہے۔ دل سے کہنا کافی نہ ہوگا (الفاظِ تلبیہ بر صفحہ ۱۷۰۱)

(۲) ہر ایسا ذکر جس سے باری تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہو، تلبیہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے جیسے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَر وغیرہ۔

(۳) تلبیہ عربی زبان میں پڑھنا افضل ہے اور اس کا چھوڑنا مکروہ ہے۔

(۴) اِحرام باندھتے وقت تلبیہ یا کوئی اور ذکر ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے اور اس کی تکرار (Repetition) سنت ہے۔ تلبیہ کم از کم تین بار پڑھنا چاہئے اور اُس کی کثرت مستحب ہے۔

(۵) صبح، شام، اُٹھتے، بیٹھتے، باہر جاتے وقت، اندر آتے وقت، لوگوں سے ملاقات کے وقت، رخصت کے وقت، سوکر اُٹھتے وقت، سوار ہوتے وقت، سواری سے اترتے ہوئے، بلندی پر چڑھتے وقت، نشیب میں اترتے ہوئے تلبیہ پڑھنا مستحب مؤکدہ ہے اور دیگر مستحبات کے مقابلہ میں اس کی تاکید زیادہ ہے۔

(۶) تلبیہ کے دوران بات نہ کی جائے۔ تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۷) تلبیہ پڑھنے کے دوران اگر کسی شخص نے سلام کیا تو بہتر یہ ہے کہ تلبیہ کے اختتام پر سلام کا جواب دیا جائے بشرطیکہ سلام کرنے والا چلا نہ جائے۔

(۸) تلبیہ میں آواز بلند کرنا مسنون ہے لیکن اتنی زیادہ نہیں جس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو۔

(۹) مسجدِ حرام، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی تلبیہ پڑھنا چاہئے لیکن مسجد میں دھیمی آواز سے پڑھا جائے۔

(۱۰) طواف اور سعی کے دوران تلبیہ پڑھنا ممنوع ہے۔

(۱۱) تلبیہ کے الفاظ میں کمی کرنا مکروہ ہے۔

(۱۲) عورت کو تلبیہ بہ آوازِ بلند پڑھنا منع ہے۔

(۱۳) تلبیہ حج میں رمی کرنے کے وقت تک پڑھا جاتا ہے۔ جمرہ عقبیٰ کی رمی شروع کرتے وقت تلبیہ موقوف ہوجاتا ہے اور عمرہ میں طواف شروع کرنے تک پڑھا جاتا ہے۔

عورت کا اِحرام : (۱) عورت اور مرد کے اِحرام میں فرق صرف اتنا ہے کہ عورت کو سر ڈھانپنا واجب ہے اور سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے لیکن منہ پر کپڑا لگانا منع ہے۔

(۲) عورت کو اجنبی مَردوں کے سامنے بے پردہ ہونا منع ہے۔ اس لئے وہ پیشانی کے اوپر کوئی چیز اس طرح لگا کر کپڑا ڈالے کہ کپڑا چہرے کو نہ لگے۔

(۳) اِحرام کی حالت میں عورت کو تلبیہ بہ آوازِ بلند پڑھنا منع ہے۔

(۴) عورت کے لئے طواف میں اِضطباع، رَمل کرنا اور سعی میں میلَین اخضرَین کے درمیان دوڑنا منع ہے۔ مَردوں کے ہجوم کے وقت صفا، مروہ پر بھی نہ چڑھے نہ ہی حجرِ اسود کو بوسہ دے اور اُس وقت مقامِ ابراہیم کے قریب نفل بھی نہ پڑھے۔

(۵) عورت کو بالوں کا مونڈوانا یا خود مونڈنا حرام ہے۔ اس لئے اِحرام کھولنے کے وقت ساری چوٹی پکڑ کر انگلی کے صرف ایک پور کے برابر خود کاٹ دے یا اپنے کسی محرم سے کٹوالے۔ غیر مرد سے کٹوانا حرام ہے۔

(۶) حیض میں عورت کو سعی اور طواف کے سوا تمام افعال کرنے جائز ہیں۔

(۷) حیض کی وجہ سے طوافِ زیارت اگر اپنے وقت سے مؤخر ہوگیا تو دَم واجب نہ ہوگا۔

(۸) اگر واپسی کے وقت حیض آگیا اور طوافِ وداع نہ کرسکی تو بھی دَم واجب نہ ہوگا لیکن پاک ہونے کے بعد طوافِ وداع کر کے واپس ہونا بہتر ہے۔ (دَم کی تعریف صفحہ ۱۶۹۷ پر ملاحظہ ہو)۔

ممنوعات احرام : (۱) اِحرام کے بعد جماع یا جماع کے اسباب (بوسہ وغیرہ) میں پڑنا سب منع ہے۔
(۲) بحالتِ اِحرام کوئی گناہ کا کام کرنا بالخصوص منع ہے۔لڑائی جھگڑا اور کسی کی دل آزاری کرنا بھی منع ہیں۔
(۳) خشکی کے جانور کا شکار کرنا یا شکاری کی مدد کرنا منع ہے۔البتہ دریائی شکار جائز ہے (المائدۃ:۹۶)
(۴) خشکی کے جانور کو بھگانا اور اُس کا انڈا توڑنا' پر اور بازو اُکھاڑنا' انڈا یا شکار بیچنا یا خریدنا' شکار کا دودھ نکالنا' اُس کے انڈے یا گوشت کو بھوننا' جوں مارنا یا دھوپ میں ڈالنا' یا کپڑے کو جوں مارنے کے لئے دھونا یا دھوپ میں ڈالنا یا کسی دوسرے سے جوں مارنا یا مارنے کے لئے اشارہ کرنا' خضاب لگانا' بالوں کو گوند وغیرہ سے ایسے طور سے جمانا کہ بال چھپ جائیں' سب منع ہیں۔اگر بال نہ چھپیں تو مکروہ ہے۔
(۵) خوشبو لگانا' ناخن اور بال کاٹنا' کٹوانا' سر یا منہ کو ڈھانکنا سب منع ہیں۔
(۶) سلے ہوئے کپڑے' دستانے اور موزے وغیرہ پہننا منع ہے۔
(۷) ایسا جوتا پہننا منع ہے جس میں بیچ کی ہڈی چھپ جائے۔
(۸) سر اور منہ پر پٹی باندھنا منع ہے۔اگر ایک دن اور ایک رات باندھی جائے (اگرچہ بیماری کی وجہ سے ہو) تو صدقہ کرنا واجب ہوگا بشرطیکہ سر یا منہ چوتھائی سے کم ڈھکا ہو۔اگر چوتھائی حصّہ یا زیادہ ڈھک گیا تو دَم لازم ہوگا۔

مکروہاتِ اِحرام : (۱) جسم سے مَیل دور کرنا' سر' داڑھی اور جسم کو صابن وغیرہ سے دھونا۔
(۲) سر یا داڑھی میں کنگھا کرنا یا اُنہیں اس طرح کھجلانا کہ بال یا جوں گرنے کا خطرہ ہو' مکروہ ہے۔ہاں اس طرح کھجلانا کہ بال اور جوں نہ گریں' جائز ہے۔
(۳) داڑھی میں خلال کرنا بھی مکروہ ہے۔اگر کرنا ہے تو اس طرح کریں کہ بال نہ گریں۔
(۴) تہبند کے دونوں پلوؤں کو آگے سے سینا مکروہ ہے۔اگر ستر کی حفاظت کے لئے سی لیا تو دَم واجب نہ ہوگا۔
(۵) چادر میں گرہ دے کر گردن پر باندھنا' چادر اور تہبند میں گرہ لگانا یا سوئی اور پن وغیرہ لگانا' دھاگے یا رسّی سے باندھنا مکروہ ہے۔
(۶) خوشبو سونگھنا یا چھونا' خوشبودار میوہ وغیرہ سونگھنا اور چھونا مکروہ ہے۔اگر بلا ارادہ خوشبو آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
(۷) سر اور منہ کے علاوہ جسم کے کسی اور حصّے پر بلاوجہ پٹی باندھنا مکروہ ہے۔ضرورت کے تحت مکروہ نہیں۔
(۸) کعبہ کے غلاف کے نیچے اس طرح کھڑا ہونا کہ وہ منہ یا سر کو لگے' مکروہ ہے۔
(۹) ناک' ٹھوڑی' رخسار کو کپڑے سے چھپانا مکروہ ہے۔اُنہیں ہاتھ سے چھپانا جائز ہے۔
(۱۰) لنگی میں نیفہ موڑ کر کمربند ڈال کر باندھنا مکروہ ہے۔
(۱۱) تکیہ پر منہ کے بل لیٹنا مکروہ ہے۔
(۱۲) بغیر پکا ہوا خوشبودار کھانا مکروہ ہے۔پکا ہوا خوشبودار کھانا مکروہ نہیں۔
(۱۳) دھونی دیا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔

مباحاتِ احرام: (۱) ضرورت کے لئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے اور غبار دُور کرنے کے لئے خالص پانی سے ٹھنڈا ہو یا گرم، غسل کرنا جائز ہے لیکن مَیل دُور نہ کیا جائے۔ غوطہ لگانا، حمام میں داخل ہونا، کپڑا پاک کرنا، انگوٹھی پہننا، ہتھیار سے لیس ہونا، شریعت کے حکم کے مطابق دشمن سے جنگ کرنا جائز ہے۔

(۲) ہمیانی اور پیٹی لنگی کے اوپر یا نیچے باندھنا جائز ہے اگرچہ اس میں اپنی رقم ہو یا کسی دوسرے کی۔ اسی طرح تہبند میں نقدی رکھنا اور گھڑی کے لئے جیب لگانا جائز ہے۔

(۳) گھر اور خیمہ کے اندر داخل ہونا، چھتری لگانا یا کسی چیز کے سایہ میں بیٹھنا جائز ہے۔

(۴) آئینہ دیکھنا، مسواک کرنا، دانت اُکھاڑنا، ٹوٹے ہوئے ناخن کو کاٹنا، بال دُور کئے بغیر فصد لینا، بلاخوشبو کا سرمہ لگانا، پچھنے لگانا، ختنہ کرانا، ٹوٹے ہوئے عضو پر پٹی باندھنا جائز ہے۔

(۵) ہیضہ وغیرہ کا ٹیکہ لگوانا جائز ہے۔

(۶) سر اور منہ کے علاوہ تمام جسم کو چادر، رومال وغیرہ سے ڈھانپنا جائز ہے۔

(۷) ٹھوڑی سے نیچے کے داڑھی کے حصّے کو چھپانا جائز ہے۔

(۸) دیگ، رکابی، چارپائی، سبزی وغیرہ سر پر اُٹھانا جائز ہے۔

(۹) اونٹ، گائے، بکری، مرغی، گھریلو بطخ کو ذبح کرنا اور اُن کا گوشت کھانا بھی جائز ہے۔ البتہ جنگلی بطخ کو ذبح کرنا جائز نہیں۔

(۱۰) سانپ، بچھو، پسو، گرگٹ، بھڑ، کھٹمل، چیل، مکھی، مُردار خور کوّے جیسے موذی جانوروں کا مارنا جائز ہے۔

(۱۱) الائچی، لونگ، خوشبو اور تمباکو کے بغیر پان کھانا جائز ہے اور ان چیزوں کو پان میں ڈال کر کھانا مکروہ ہے۔

(۱۲) ایسے شعر پڑھنا جن میں گناہ اور بے حیائی کی بات نہ ہو، جائز ہے۔

(۱۳) داڑھی، سر اور تمام جسم کو اس طرح کھجلانا کہ بال نہ گرے، جائز ہے۔ اگر زور سے کھجلانے سے بال ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو زور سے کھجلانا بھی جائز ہے۔

(۱۴) زخم یا ہاتھ پاؤں کی پھٹن میں بغیر خوشبودار تیل لگانا جائز ہے۔

(۱۵) مسائل اور دینی امور میں گفتگو اور بحث جائز ہے۔

(۱۶) اِحرام کی حالت میں اپنا یا کسی دوسرے کا نکاح کرنا جائز ہے لیکن اس دوران صحبت کرنا جائز نہیں

(۱۷) کپڑوں کی گٹھڑی اگر مضبوطی سے بندھی ہو تو اُس کا اٹھانا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

(۱۸) گھی، تیل، چربی کا کھانا جائز ہے۔

مصادر: (i) بہارِ شریعت: فصل الحج

(ii) ردُّ المختار علی دُرِّ المختار: کتاب الحج، جلد ۲، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ (پاکستان) ۱۳۹۹ء۔

(iii) فتاویٰ عالمگیری: کتاب المناسک، جلد اوّل، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ (پاکستان) ۱۳۹۸ء۔

(iv) کتاب الفقہ، جلد اوّل، از عبدالرحمٰن الجزری مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۷ء

(v) کتاب الشامی، جلد دوم، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ (پاکستان) ۱۳۹۹ء۔

مکّہ مکرّمہ میں داخلہ: اگر بہ آسانی ممکن ہو تو مکہ مکرمہ میں قبرستان یعنی باب المعلی کی جانب سے داخل ہوں اور باب السفلی سے باہر نکلیں۔ مکّہ مکرمہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنا مسنون ہے۔ دن کے وقت داخل ہونا افضل ہے۔

مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے آداب: بیت اللہ شریف کی مسجد کا نام ''مسجدِ حرام'' ہے اور بیت اللہ مسجدِ حرام کے بالکل درمیان میں ہے۔ مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوتے ہی رہائش و سامان کا بندوبست کرنے کے بعد سب سے پہلے مسجدِ حرام میں حاضر ہونا مستحب ہے۔ اس کے آداب حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مسجدِ حرام میں باب السلام سے داخل ہونا مستحب ہے۔

(۲) تلبیہ پڑھتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دربارِ الٰہی کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے مسجد میں داخل ہوں۔ حسبِ سنت اندر پہلے دایاں پاؤں رکھیں اور یہ دعا پڑھیں:

بِسمِ اللهِ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

''اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے' اور اللہ کے رسول ﷺ کو سلام ہو۔ اے میرے پالنہار! میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔''

(۳) مسجد میں داخل ہونے کے بعد جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو تین مرتبہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کہیں اور بیت اللہ کو دیکھنے کے وقت درود پاک پڑھیں۔ اس وقت جو دعا مانگیں' انشاء اللہ قبول ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک سائل کو اس دعا کے مانگنے کی ترغیب دی تھی:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ أَنْ أَكُوْنَ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ

''اے اللہ! میں آپ سے فریاد کرتا ہوں کہ جب بھی دعا مانگوں تو میری وہ دعا قبول کر لی جائے۔''

(۴) بیت اللہ شریف کے دیکھنے کے وقت کھڑے ہو کر دعا کرنا مستحب ہے۔

(۵) مسجدِ حرام میں داخل ہو کر تَحِیَّةُ المسجد نہ پڑھیں کیونکہ اس مسجد کا تَحِیَّۃ طواف ہے۔ دعا مانگنے کے بعد طواف کریں۔ اگر طواف کرنے کی وجہ سے فرض کے قضا ہونے یا مستحب وقت کے نکل جانے یا جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو طواف کی بجائے تَحِیَّۃُ المسجد پڑھنا چاہئے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔

(۶) نمازِ جنازہ' سنت مؤکدہ اور وتر' طوافِ تحیّہ سے پہلے پڑھیں اور اِشراق' تہجد' چاشت وغیرہ طواف سے پہلے نہ پڑھیں۔

(۷) مسجدِ حرام میں بلکہ ہر مسجد میں داخل ہونے کے وقت نفل اعتکاف کی نیت کرنا مستحب ہے۔ جس قدر مسجد میں قیام ہوگا' تمام وقت عبادت میں لکھا جائے گا۔ اگر کوئی دنیاوی بات بھی وہاں ہوگئی تو ثواب میں لکھی جائے گی۔ نفل اعتکاف تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے۔

(۸) مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے والے کے آگے سے طواف کرنے والوں اور طواف نہ کرنے والوں دونوں کو گزرنا جائز ہے مگر سجدہ کی جگہ میں سے نہ گزریں۔

(۹) مسجدِ حرام دنیا کی تمام مساجد سے افضل ہے اس لئے اس میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے لیکن ثواب کی یہ زیادتی صرف فرض نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ نوافل کا اتنا ثواب نہیں۔اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام کی عمر جتنی بھی عمر پائے تو مسجدِ حرام کی ایک نماز باجماعت اُس کی تمام عمر کی نمازوں سے افضل ہوگی۔ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے لیکن ہر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے سے ۲۷ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔اس طرح ایک دن کی باجماعت پانچ نمازوں کا ثواب ایک کروڑ ۳۵ لاکھ ہوا۔

پہلا کام ---طواف : طواف کے معنیٰ کسی چیز کے چاروں طرف چکر لگانے کے ہیں۔حج کے حوالے سے طواف سے مراد بیت اللہ شریف کے چاروں طرف سات مرتبہ گھومنا ہے۔

طواف کے فضائل : طواف کی بہت بڑی فضیلت ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ مکرّم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر روزانہ ایک سوبیس رحمتیں نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے' چالیس رحمتیں نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس رحمتیں بیت اللہ شریف کو دیکھنے والوں کے لئے ہیں (طبرانی)۔

''کنز العمال'' میں ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ج بیت اللہ کا طواف کرنے والا ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی ایک خطا معاف کر دیتا ہے' ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔لہٰذا اکثر وقت بیت اللہ کا طواف کرنے ہی میں گزارا جائے۔

طریقۂ طواف: بیت اللہ کے سامنے جس طرف حجرِ اسود ہے' اس طرح کھڑے ہوں کہ دایاں کندھا حجرِ اسود کے مغربی کنارے کے مقابل ہو اور سارا حجرِ اسود دائیں طرف رہے۔اس کے بعد طواف کی نیت کر کے دائیں جانب کو اتنا چلیں کہ حجرِ اسود بالکل مقابل ہو جائے اور حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائیں جس طرح نماز کے لئے اٹھاتے ہیں (یعنی کانوں کے برابر) اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھیں:

بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَّوَفَاءً بِعَھْدِکَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

''شروع اللہ کے نام سے' اللہ بہت بڑا ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' تمام حمد و ثنا اُسی کے لئے ہے' نبی ﷺ پر درود و سلام ہوں۔اے اللہ! تجھ پر ایمان رکھتے ہوئے' تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے' تجھ سے کئے ہوئے عہد کے ایفاء میں اور تیرے نبی علیہ السلام کی اتباع میں اس پتھر کو چھوتا اور چومتا ہوں۔''

اگر مندرجہ بالا دُعا یاد نہ رہے یا بہت زیادہ ہجوم کی وجہ سے پوری دعا نہ پڑھی جا سکے تو بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد کے الفاظ کہہ دینا ہی کافی ہوں گے۔اس کے بعد ہاتھ چھوڑ کر حجرِ اسود پر آئیں اور دونوں ہاتھ حجرِ اسود پر رکھتے ہوئے منہ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں رکھ کر بڑے احترام و تعظیم کے ساتھ حجرِ اسود کو آہستہ سے بوسہ دیں کہ آواز پیدا نہ ہو۔اگر ہجوم کی وجہ سے حجرِ اسود تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو حجرِ اسود کے مقابل کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ حجرِ اسود کی طرف اس احتیاط کے ساتھ کھڑے کر کے کہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو'ان ہاتھوں کو بوسہ دے لیں تو ثواب پورا مل جائے گا کیونکہ ہجوم میں دھکم پیل کی وجہ سے بندگانِ خدا کو تکلیف ہوگی جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں (اس عمل کا نام استلام ہے)۔پھر دائیں طرف یعنی بیت اللہ کے دروازے کو چلیں اس طرح کہ بیت اللہ بائیں کندھے کی طرف رہے اور طواف میں حطیم کو بھی شامل کریں لیکن حطیم اور بیت اللہ کے درمیان میں سے نہ نکلیں۔جب طواف کرتے ہوئے رکنِ یمانی (کعبہ کا جنوب مغربی کونہ) پر پہنچیں تو اس کا استلام کریں یعنی دونوں ہاتھ یا صرف دایاں ہاتھ اُسے لگائیں' بوسہ نہ دیں اور اس پر پیشانی وغیرہ نہ رکھیں۔اگر ہجوم کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو یونہی وہاں سے گزر جائیں۔ پھر جب حجرِ اسود پر آئیں تو اس کا استلام کریں جیسے پہلی مرتبہ کیا تھا لیکن ہاتھ نہ اٹھائیں (کہ ہاتھ صرف پہلی مرتبہ اٹھائے جاتے ہیں)۔حجرِ اسود تک پھر آنے کو شوط (ایک چکر) کہتے ہیں۔اسی طرح سات چکر پورے کریں اور ساتوں شوط کے بعد آٹھویں مرتبہ پھر حجرِ اسود کا استلام کریں۔اب (سات چکر پورے ہونے پر) یہ ایک طواف پورا ہو گیا۔اس کے بعد دو رکعت طواف مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھیں۔یہ نماز اس حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی (البقرۃ: ۱۲۵)

''اور مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنا لو۔''

پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص پڑھیں۔ اس کے بعد جو دعا چاہے مانگیں۔

<u>نوٹ ضروری</u>: (۱) یاد رہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا ایک مستحب فعل ہے جبکہ مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے تو ایک مستحب فعل کو حرام کی قیمت پر کیسے کیا جا سکتا ہے!

(۲) بیت اللہ شریف کے چار کونے ہیں۔ہر کونے کو رکن کہا جاتا ہے۔پہلا کونہ حجرِ اسود کا ہے۔اس کے بالمقابل مغربی کونہ رکنِ یمانی کہلاتا ہے۔باقی دو رکنوں کے نام رکنِ شامی اور رکن عراقی ہیں۔طواف میں ان آخری دو کونوں کے ساتھ کوئی عمل شامل نہیں۔

(۳) پہلی اور آخری یعنی آٹھویں دفعہ حجرِ اسود کا استلام متفقہ طور پر سنتِ مؤکدہ ہے۔

(۴) مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(۵) رکعتیں مختصر ہونی چاہئیں تا کہ جتنا ممکن ہو سکے دوسرے بھائیوں کے لئے جلد از جلد نماز پڑھنے کی جگہ بن جائے۔

طواف کے دوران ذکرِ الٰہی کرنا اصل مقصود ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بھی کی جاسکتی ہے لیکن یہ ذکر وا ذکار اس قدر بلند آواز سے نہ ہوں جس سے دوسرے طواف کرنے والے بھائیوں کے ذکر میں حرج واقع ہو۔

<u>مقامِ ملتزم پر دعا مانگنا</u>: بیت اللہ شریف کا وہ حصّہ جو حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان ہے' ملتزم کہلاتا ہے۔ اس مقام پر کی گئی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔ سنتِ نبوی یہی ہے کہ طوافِ کعبہ اور دو رکعت ادا کرنے کے بعد ملتزم کو جایا جائے۔ اس مقام پر آپ کے ہاتھ اپنے سر کے اوپر کی طرف ملتزم (کی دیوار) پر ہوں اور اپنا سینہ اور رخسار بھی اس مقام سے ملیں اور رب تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور انکساری سے دعا مانگیں۔

<u>چاہِ زمزم کا پانی پینا</u> : ان اعمال کے بعد بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے پیٹ بھر کے آبِ زمزم پینا سنتِ نبوی ہے (آج کل چاہ زمزم کو ڈھانپ دیا گیا ہے اور اس کی طرف چل کے جانا بے معنیٰ ہے)۔ یہ پانی بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم پڑھنے کے بعد تین سانسوں میں پئیں اور یہ دعا پڑھنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہ پڑھیں :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ

''اے اللہ! میں تجھ نفع بخش علم' کشادہ رزق اور ہر بیماری سے شفا کی درخواست کرتا ہوں۔''

زمزم کا پانی سر اور منہ کو بھی ملیں اور باقی جسم پر بھی ڈالیں۔ زمزم کے پانی سے غسل کرنا یا وضو کرنا مناسب نہیں ہے' البتہ بے وضو شخص اس سے وضو کر سکتا ہے لیکن اس سے استنجا کرنے یا جسم ولباس کی غلاظت دُور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

<u>طواف کے دوران اضطباع اور رَمل</u>: بالترتیب دیکھئے صفحات ۱۶۹۸' اور ۱۷۰۰۔

<u>سعی بین الصفا والمروۃ</u> : صفا' مَروۃ دو پہاڑیاں ہیں جو مسجدِ حرام سے متصل ہیں۔ اب ان کے صرف نشانات باقی ہیں جہاں سے خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔ سعی کے معنیٰ دوڑنے کے ہیں۔ حج کے حوالے سے صفا اور مَروۃ کے درمیان مخصوص طریق سے سات چکر لگانے کا نام سعی ہے۔ ان دو پہاڑیوں کے درمیان سعی کا فاصلہ ۷۵۰ یا بقولِ بعض ۷۶۶ ذراع ہے۔ قرآن مجید نے ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر اللہ کہا ہے (سورۂ البقرۃ:۱۵۸)

<u>سعی کرنے کا طریقہ</u>: جس طواف کے بعد سعی ہو تو چاہئے کہ طواف سے فارغ ہو کر حجرِ اسود کا استلام کیا جائے جیسا کہ طواف میں کیا جاتا ہے۔ اِستلام کے بعد بابُ الصفا سے مسجدِ حرام سے باہر نکلیں اور صفا پر چڑھیں اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں، نگاہ بیت اللہ پر رہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف کندھوں تک اٹھائیں جیسے دعا میں اُٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد تین مرتبہ حمد وثنا کریں اور تکبیر وتہلیل (اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) بہ آوازِ بلند

پڑھیں اور آہستہ سے درودِ پاک پڑھیں۔ پھر خوب خشوع وخضوع سے اپنے لئے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا مانگیں۔ یہاں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ جو دعا چاہیں مانگیں اور تلبیہ بھی ساتھ ساتھ کہتے رہیں اور دیر تک تقریباً پچیس آیات کے پڑھنے کی مقدار تک ٹھہرے رہیں اور پھر اپنی رفتار سے ذکر کرتے ہوئے دعا مانگتے ہوئے مَروۃ کی طرف چلیں اور صفا و مَروۃ کے درمیان یہ دعائے ماثورہ پڑھتے رہیں:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ أَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَم

''اے پروردگار! بخش دیجئے اور رحم فرمایئے۔ آپ ہی سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے بڑے بزرگ ہیں۔''

جب مِیلَینِ اَخضرَین (دو سبز نشان) سے چھ ہاتھ کا فاصلہ ہو تو صرف مرد حضرات متوسط طریق سے دوڑ کر چلیں۔ جب ان سبز نشانات سے گزر جائیں تو اپنی عام رفتار سے چلیں۔ مَروۃ پر پہنچ کر کشادہ جگہ پر رک جائیں۔ ذرا دائیں کو مائل ہو کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں اور جس طرح کوہ صفا پر دعا کی تھی' یہاں بھی دعا کریں کیونکہ یہ بھی دعا کی قبولیت کا مقام ہے۔

صفا سے مروۃ تک یہ ایک چکر ہو گیا۔ اس کے بعد مَروۃ سے اتر کر صفا کی طرف چلیں اور دونوں سبز نشانوں کے درمیان دوڑ کر چلیں اور صفا پر چڑھ کر پھر اُسی طرح دعا مانگیں اور ذکر کریں جیسے شروع میں کیا تھا۔ مَروۃ سے صفا تک دو چکر ہو گئے۔ اسی طرح سعی کے سات چکر پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز نفل مسجد حرام میں پڑھیں۔ مطاف (طواف کرنے کی جگہ) کے کنارے پر نفل پڑھنا مستحب ہے۔

سعی کے مسائل: (۱) اَحناف کے نزدیک سعی واجب ہے اور طواف کے بعد متصل کرنا سنت ہے' فوراً سعی کرنا واجب نہیں (کہ ہوسکتا ہے کہ تھکاوٹ کی وجہ سے طبیعت حاضر نہ ہو)۔ سعی ہمیشہ طواف کعبہ کے بعد کی جاتی ہے اور طواف سے پہلے سعی کا کوئی جواز نہیں۔ اگر طواف سے پہلے سعی کر لی گئی تو طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا ہو گی۔

(۲) اگرچہ سعی پیادہ کرنا واجب ہے' تاہم کسی مجبوری کی وجہ سے وہیل چیئر وغیرہ پر بھی کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی جائز مجبوری کے پیادہ سعی کرنے کی بجائے وہیل چیئر یا اسی قسم کے اور ذریعے سے سعی کر لے تو اُسے ایک بکری ذبح کرنا ہو گی جسے اصطلاح میں دَم کہا جاتا ہے۔

(۳) جس طرح حج کی سعی کے لئے اِحرام باندھنا شرط ہے جو وقوفِ عرفہ سے پہلے باندھا جاتا ہے' اُسی طرح عمرہ کی سعی کے لئے بھی اِحرام باندھنا شرط ہے۔

(۴) سعی کے لئے باب الصفا سے نکلنا مستحب ہے۔

(۵) سعی شروع کرنے سے پہلے حجرِ اسود کا استلام مسنون ہے۔

(۶) طوافِ قدوم کے بعد کسی نے سعی کئے بغیر وقوفِ عرفہ کر لیا تو اب طوافِ زیارت سے پہلے وقوف کے بعد سعی کرنا جائز نہیں بلکہ طوافِ زیارت کر کے سعی کرے۔

(۷) مَروۃ کی پہاڑی پرطواف کے اُن دونفلوں کاپڑھنا مکروہ ہے جومقامِ ابراہیم کے پاس پڑھتے تھے۔
(۸) صفاپراتناچڑھیں کہ دروازۂ مسجد یعنی باب الصفا میں سے بیت اللہ نظر آنے لگے۔اس سے زیادہ اوپر چڑھنااصل طریقہ کے خلاف اورناواقفیت کانتیجہ ہے۔اسی طرح مَروۃ پربھی بہت اوپر چڑھنامنع ہے۔
(۹) سعی کوصفاسے شروع کرنا☆ اورمَروۃ پرختم کرناواجب ہے۔
(۱۰) دوسبزنشانات (مِیلینِ اخضرَین) کے درمیان دوڑناصرف مَردحضرات کے لئے ہے۔عورتوں کے لئے ایساکرناجائزنہیں۔
(۱۱) اگرسعی کے دوران جماعت کھڑی ہوجائے یانمازجنازہ ہونے لگےتوسعی کوچھوڑکرنمازمیں شریک ہوجائیں اورپھرباقی چکر(اَشواط) پورے کرلیں۔اسی طرح اگرکوئی اورعذرپیش آجائےتوباقی چکرپورے کرسکتے ہیں۔
(۱۲) جائزکلام جومشغول کرنے والااورخشوع وخضوع کےمنافی نہ ہواورایساکھاناپیناجوسعی کے چکروں میں موجبِ انقطاع نہ ہو'جائزہے۔

''سعی سے فراغت کے بعد کے کام: اگرتواحرام عمرہ یاحجِ تمتع کے لئے باندھاگیاہو' تواب اِحرام اورعمرہ سے متعلق پابندیاں اختتام پذیرہونے کوہیں۔سعی سے فارغ ہونے کے بعداب مردحضرات اپنے سرکے بال یاتومنڈوادیں (جسے اصطلاحاً ''حَلق'' کہاجاتاہےاورزیادہ ثواب ''حَلق'' میں ہے)'یاایک انچ برابربال کٹوالیں (جسے اصطلاح میں 'قَصر'' کہاجاتاہےاوراس میں کم ثواب ہے)۔حَلق یاقَصر کرنے کے بعداب عمرہ کرنے والوں اورحجِ تمتع کرنے والوں سے وہ تمام پابندیاں اُٹھ گئیں جواِحرام کے وقت تک تھیں۔اب وہ مکہ مکرّمہ میں عام شہریوں کی طرح رہ کرحج کے دنوں کاانتظارکریں جوآٹھ ذی الحجہ سےشروع ہوں گے۔اس دوران غیرضروری طورپربازاروں میں نہ پھریں اورنہ ہی کسی مجلس یااسمبلی میں جائیں بلکہ حرم میں حاضررہیں اوراللہ تعالیٰ کاعظیم احسان سمجھتے ہوئے زیادہ سےزیادہ نفل طواف پرزوردیں۔''

''تاہم مفرِداورقارِن دونوں کے لئے اِحرام کی پابندیاں اب بھی باقی ہیں۔اُنہیں مسجدالحرام میں ہی رہناچاہئےاورزیادہ سےزیادہ وقت طوافِ کعبہ میں گزارناچاہئے۔وہ بےکارباتوں اوربےفائدہ اجتماع سےبھی گریزکریں بلکہ وہ حج کے دنوں کاانتظارکریں۔انتظارکےاس عرصہ میں اگروہ نفل طوافِ کعبہ کریں تواُس میں نہ تووہ اِضطباع کریں اورنہ ہی رمل کریں۔''
("How to Perform Hajj" ... Mufti Mohammad Shafi, pp. 69, 70)

حج کے پانچ ایّام

مناسکِ حج اورمبادیاتِ حج تسلسل کے ساتھ 7ذی الحجّہ سےشروع ہوجاتے ہیں جب امام نمازظہرکے بعد حج کاپہلاخطبہ دیتاہےجس میں وہ مناسکِ حج بالوضاحت بتاتاہےاوراگلے پانچ دنوں کاپروگرام بیان کرتاہے۔

☆سعی کی ابتداصفاسےکرناسورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۸ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ سےثابت ہےکہ صفاکاذکرمَروۃ سےپہلےآیاہے۔

پہلا دن: 8 ذی الحجہ ۔ منٰی کو روانگی: طلوعِ آفتاب کے بعد اِس دن حجاج کرام اِحرام باندھے ہوئے منٰی کو روانہ ہوتے ہیں۔ مفرِد حجاج جن کا اِحرام صرف حج کے لئے ہوتا ہے اور قارِن حجاج جن کا اِحرام عمرہ اور حج دونوں کے لئے ہوتا ہے، یہ دونوں پہلے ہی حالتِ اِحرام میں ہیں۔ تمتع کرنے والے حاجی جنہوں نے عمرہ کے بعد اِحرام اتار دیا تھا اور حرم کے رہنے والے بھی آج سب سے پہلے احرام باندھیں گے۔ یہ سب لوگ سنتِ رسول کے مطابق غسل کرنے کے بعد احرام باندھے ہوئے مسجد الحرام میں آئیں۔ مستحب ہے کہ وہ طوافِ کعبہ کریں اور مقامِ ابراہیم کے پاس دو نفل اِحرام کے شکرانے میں ادا کریں۔ اس کے بعد وہ حج کی اس طرح نیت کریں :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اُرِیۡدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیۡ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیۡ

''اے اللہ! میں حج کی نیت کرتا رکرتی ہوں، اُسے میرے لئے آسان کر دیجئے اور قبول فرمالیجئے۔''

اِس نیت کرنے کے ساتھ ہی تَلبیہ پڑھنا شروع کر دیں جو جلد ہٰذا کے صفحہ ۱۷۰۱ پر دیا گیا ہے۔ تَلبیہ پڑھنے کے ساتھ ہی حج کا اِحرام شروع ہو گیا اور اب سے آپ پر وہ تمام پابندیاں عائد ہو گئیں جن کا ذکر صفحہ ۱۷۰۹ پر ہو چکا ہے۔ اب آپ نے منٰی کی طرف چلنا ہے جو مکّہ مکرّمہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک وسیع کھلا میدان ہے اور دونوں اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ آٹھ ذی الحجہ کی نمازِ ظہر سے نو ذی الحجہ کی نمازِ فجر تک کی پانچ نمازیں یہاں ادا کرنا سنتِ نبوی ہے۔ ظاہر ہے کہ آٹھ اور نو ذی الحجہ کی درمیانی شب یہیں منٰی ہی میں گزارنی ہو گی۔ اِس رات میں مکّہ میں قیام کرنا یا میدانِ عرفات میں پہنچ جانا مکروہ ہے۔

نوٹ ضروری: (۱) اگر آٹھ تاریخ کو جمعہ ہو تو زوال سے پہلے منٰی کو جانا درست ہے۔ اگر زوال تک نہ جا سکے تو زوال کے بعد جمعہ پڑھنا واجب ہے اور نمازِ جمعہ سے قبل جانا منع ہے۔

(۲) حج کے ایّام میں منٰی میں بھی نمازِ جمعہ جائز ہے۔

(۳) منٰی کو جاتے ہوئے اور وہاں قیام کے دوران تَلبیہ پڑھتے رہنا چاہئے۔

(۴) منٰی میں مسجد خیف کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے جو منٰی کے جنوبی جانب پہاڑ کے متصل ایک بہت بڑی مسجد ہے۔

دوسرا دن ۔ 9 ذی الحجہ ۔ عرفات کو روانگی: آج حجاج کرام نے حج کے انتہائی اہم رکن یعنی وقوفِ عرفات کی ادائیگی کرنی ہے جس کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں۔ آج 9 ذی الحجہ کو نمازِ فجر منٰی ہی میں خوب اجالا پھیلنے پر (یعنی اِسفار میں) پڑھی جائے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات کو روانہ ہونے لگیں تو زوال تک وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ اس میں تاخیر کرنا درست نہیں۔ عرفات حدودِ حرم سے باہر مکّہ مکرّمہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک انتہائی وسیع و عریض وہی کھلا میدان ہے جہاں جنت سے جدائی کے بعد آدم علیہ السلام کی ملاقات اپنی زوجہ مطہرہ سیّدہ حوّا سلام اللہ علیہا سے ہوئی تھی۔ اُن کا یہی باہمی تعارف ''عرفات'' کے نام کا موجب بنا۔ اب سعودی حکومت نے عرفات

کے چاروں طرف کی حدود کو نمایاں کر دیا ہے تاکہ حج کا انتہائی اہم رکن یعنی "وقوفِ عرفات" غلطی سے کہیں حدود کے باہر نہ ہونے پائے۔ اُس راہ میں جہاں حجاج کرام اس وسیع و عریض میدان میں داخل ہوتے ہیں' ایک بڑی مسجد "مسجدِ نمرہ" کے نام سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے۔ یہ مسجد عرفات کے کھلے میدان کے کنارے پر ہے۔ مسجدِ نمرہ کی مغربی دیوار کے نیچے کا قطعہِ زمین' عرفات سے باہر ہے اور "بطنِ عُرَینہ" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ حصّہ عرفات کی حدود سے باہر ہے اور اس لئے یہاں قیام کرنا درست نہیں۔

مسائل: (۱) عرفات کا سارا میدان موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے لیکن جبلِ رحمت (جو عرفات ہی میں ایک پہاڑی کا نام ہے) کے قریب ٹھہرنا افضل ہے۔

(۲) عرفات میں پہنچ کر تلبیہ' دعا اور درود وغیرہ بہ کثرت پڑھتے رہیں۔ زوالِ آفتاب کے وقت وضو کریں لیکن غسل افضل ہے۔ ضروریاتِ زندگی (از قسم رفع حاجت' کھانا پینا وغیرہ) سے قبل از زوال فارغ ہو لیں اور بڑے ہی اطمینان اور سکونِ قلبی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

عرفات میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کے مسائل: (۱) عرفات میں نویں تاریخ کو ظہر اور عصر' ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ اکٹھی پڑھی جاتی ہیں اور اُن کے جمع کرنے میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں۔

(۲) جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذّن اذان دے۔ اس کے بعد امام جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جن میں احکامِ حج بیان کرے۔ خطبہ سے فارغ ہو تو مؤذّن تکبیر کہے اور امام ظہر کی نماز پڑھائے۔ اس کے بعد پھر دوسری تکبیر کے بعد عصر کی نماز پڑھائے۔ دونوں رکعتوں میں قرأت سرّی ہوگی' جہری نہیں ہوگی۔

(۳) امام اور مقتدی کو دونوں نمازوں کے درمیان ظہر کی سنت یا نوافل پڑھنا یا کوئی اور کام کرنا' کھانا پینا وغیرہ مکروہ ہے البتہ اگر امام عصر کی نماز میں تاخیر کرے تو مقتدیوں کو ظہر کی سنت یا نوافل پڑھنا مکروہ نہیں۔ اگر دونوں نمازوں کے درمیان زیادہ وقت ہو جائے تو نمازِ عصر کے لئے بھی اذان دی جائے۔

(۴) عرفات میں نمازِ جمعہ جائز نہیں۔ نمازِ ظہر ہی پڑھی جائے گی۔

(۵) جو حاجی مسافر مکّہ مکرّمہ میں ایسے وقت میں آئے کہ آٹھ ذی الحجہ تک پندرہ روز سے کم بنتے ہوں اور وہ مکّہ مکرّمہ میں پندرہ روز یا زیادہ اقامت کی نیّت کرے تو اُس کی نیّتِ اقامت صحیح نہ ہوگی اور وہ مسافر ہی رہے گا کیونکہ آٹھ تاریخ کو اُس نے منیٰ اور نویں تاریخ کو عرفات ضرور جانا ہے' اِس لئے اُسے قصر ہی کرنی چاہیئے۔

(۶) ظہر اور عصر کی دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں ادا کرنے کے لئے چند شرائط ہیں: (i) عرفات میں یا اُس کے قریب ہونا۔ (ii) نو ذی الحجہ کا ہونا۔ (iii) امامِ وقت یا اُس کے نائب کا ہونا۔ (iv) دونوں نمازوں میں حج کے اِحرام کا ہونا۔ (v) ظہر کا عصر سے مقدّم ہونا اور (vi) جماعت کا ہونا۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں بلکہ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا واجب ہوگا۔

(۷) وقوفِ عرفہ کے لئے نیت شرط نہیں۔ نیت کے بغیر وقوف ہو جائے گا۔
(۸) عرفات میں وقوف کے وقت کھڑے رہنا مستحب ہے' شرط اور واجب نہیں۔ بیٹھ کر' لیٹ کر' سوتے' جاگتے جس طرح ہو سکے' وقوف کرنا درست اور جائز ہے۔
(۹) وقوف کے دوران ہاتھ اٹھا کر حمد وثنا' درود و دعا' اذکار اور بالخصوص تَلْبِیَہ تین تین مرتبہ پڑھتے رہنا اور خوب خشوع اور زاری کے ساتھ دعا کرتے رہنا مستحب ہے۔ اپنے لئے' اپنے اعزّہ و اقارب' مؤلّف انسائیکلو پیڈیا ہٰذا اور اُس کے جملہ اہل وعیال' والدین' اساتذہ اور سب مسلمانوں کے لئے دعا کریں اور قبولیت کی قوی اُمید رکھیں۔ دعا کے شروع میں تسبیح' تحمید' تہلیل' تکبیر اور درود پڑھیں اور دعا ختم کرنے پر بھی پڑھیں۔
(۱۰) نماز کے بعد سے وقوف شروع کر کے غروبِ آفتاب تک دعا وغیرہ کرتے رہیں اور دعا کے درمیان میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد تَلْبِیَہ بھی پڑھتے رہیں۔
(۱۱) اگر مجمع کی بجائے تنہائی میں خشوع وخضوع حاصل ہو تو تنہا کھڑے ہونا افضل ہے۔
(۱۲) عورتوں کا مردوں میں گڈمڈ ہونا اور اُن کے ساتھ کھڑے ہونا منع ہے۔
(۱۳) اگر ممکن ہو تو وقوف کے وقت سایہ میں کھڑے نہ ہوں۔ اگر تکلیف کا اندیشہ ہے تو سایہ میں کھڑا ہونے میں حرج نہیں اور غروبِ آفتاب تک خوب رو رو کر دعائیں کریں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں۔
(۱۴) جمعہ کے دن اگر وقوفِ عرفہ (حج) ہو تو اُس کی فضیلت دوسرے دنوں کے وقوف سے ستر درجہ زیادہ ہے۔
(۱۵) اگر عرفات سے باہر وقوف کیا اگرچہ بلا قصد ہو' تو وقوف صحیح نہ ہوگا۔
(۱۶) غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے چلنے میں دیر کرنا' غروب سے پہلے عرفات کو چھوڑ دینا' مغرب اور عشاء کی نماز عرفات میں یا راستہ میں پڑھنا' غفلت کے ساتھ وقوف کرنا' اس قدر جلدی چلنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو' یہ سب مکروہاتِ وقوف ہیں۔

<u>عرفات سے مزدلفہ کو روانگی</u>: مزدلفہ مِنٰی اور عرفات کے درمیان ایک میدان ہے جو مِنٰی سے تین میل اور عرفات سے بھی تین میل کے فاصلے پر ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے رخصت ہو کر نہایت متانت اور وقار کے ساتھ مازمین کے راستہ (یعنی جو راستہ دو پہاڑوں کے درمیان ہے) مزدلفہ کو واپس آنا مستحب ہے۔ اگر کسی دوسری راہ سے آئیں تو بھی جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔
(۲) اگر کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو ذرا تیز چلیں کیونکہ کسی کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔
(۳) مزدلفہ کو آتے ہوئے تلبیہ' تکبیر' دعا اور درود بہ کثرت پڑھتے رہیں۔
(۴) مزدلفہ میں پیادہ پا اور غسل کر کے داخل ہونا مستحب ہے۔

<u>مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کو جمع کرنا</u>: (۱) مغرب اور عشاء کی نمازیں عرفات میں یا راستہ میں نہیں بلکہ مزدلفہ میں آ کر عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں گی۔

(۲) مزدلفہ میں پہنچ کر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ حتّٰی کہ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو سواری پر سے سامان بھی بعد میں اتارا جائے۔

(۳) جب عشاء کا وقت ہو جائے تو ایک اذان اور ایک تکبیر سے مغرب اور عشاء کی بالترتیب نمازیں پڑھیں۔ عشاء کی نماز کے لئے اذان اور تکبیر نہ کہیں اور دونوں نمازوں کے درمیان سنت اور نوافل بھی نہ پڑھیں بلکہ مغرب اور عشاء کی سنتیں اور وتر عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں۔ اسی طرح اور کوئی کام بھی بلاضرورت نہ کیا جائے۔ اگر دونوں نمازوں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہو جائے تو اذان اور تکبیر کہنی چاہئیں۔

(۴) نمازِ مغرب کی ادا کی نیت کریں' قضا کی نہیں۔

(۵) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھنے کے لئے جماعت شرط نہیں اگرچہ جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

(۶) اگر مغرب یا عشاء عرفات میں یا راستہ میں پڑھ لیں تو اُسے مزدلفہ میں آکر پھر پڑھیں۔ اگر پھر نہ پڑھیں اور فجر ہو جائے تو وہی نماز ہو جائے گی' قضا واجب نہ ہوگی البتہ سنتِ رسول کی عدم ادائی سے ثواب سے محرومی ہوگی۔

(۷) مغرب اور عشاء کی نمازوں سے فارغ ہو کر مزدلفہ میں صبح صادق تک ٹھہرنا سنت مؤکدہ ہے۔

(۸) اس شب میں جاگنا اور تلاوت و نوافل اور دعا واذکار کرنا بڑے ہی ثواب کا موجب ہے۔

(۹) تمام مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن وادیِ مُحَسّر میں نہ ٹھہریں کہ یہ اصحابِ فیل کے عذاب کی جگہ ہے۔

<u>تیسرا دن --10 ذی الحجہ: مزدلفہ سے منٰی کو روانگی اور کنکریاں اٹھانا</u>: جب سورج نکلنے میں دو رکعت پڑھنے کے برابر وقت رہ جائے تو منٰی کو نہایت سکون اور وقار سے راستہ میں تَـلْبِیـہ اور ذکر کرتے ہوئے چلیں۔ جب بطنِ مُحَسّر کے کنارے پر پہنچیں تو اُس سے دَوڑ کر نکلیں اور اگر سوار ہوں تو سواری کو تیز چلائیں۔ ۵۴۵ گز کے قریب جب گزر جائیں تو آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ سعودی حکومت کی طرف سے اس کی حدود پر بھی نشان لگے ہوئے ہیں۔

(۱) مزدلفہ سے ستّر (۷۰) کنکریاں ☆ کھجور کی گٹھلی' یا چنے کے دانے کے برابر اٹھانا رمی کے لئے مستحب ہے۔ کسی اور جگہ یا راستہ سے اُٹھانا بھی جائز ہے مگر جمرہ (جس جگہ پر کنکریاں ماری جاتی ہیں) کے پاس سے نہ اٹھائیں۔ بموجبِ حدیث جس کا حج قبول ہوتا ہے' اُس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج نہیں ہوتا' اُس کی کنکریاں وہیں (جمرہ پر) پڑی رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا وہاں پڑی ہوئی کنکریاں مردود ہیں' اُنہیں نہ اٹھایا جائے۔ اگر کوئی اُنہیں اٹھا کر مارے گا تو یہ عمل مکروہِ تنزیہی ہوگا۔

(۲) مسجدِ خیف یا کسی اور مسجد سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے مسجد سے کنکریاں لے کر ماریں تو یہ عمل بھی مکروہِ تنزیہی ہوگا۔

(۳) ناپاک جگہ کی کنکریوں سے رمی کرنا اور کسی بڑے پتھر کو توڑ کر چھوٹی کنکریاں بنانا' بڑے پتھر یا بڑی کنکریاں مارنا مکروہ ہے۔

(۴) سات کنکریاں جمرۃ العقبٰی پر دس تاریخ کو اور باقی گیارھویں سے تیرھویں ذی الحجہ تک روزانہ اکیس کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ☆ (۷+۲۱+۲۱+۲۱ = کل ۷۰ کنکریاں)

(۵) کنکریوں کو دھو کر مارنا مستحب ہے اگرچہ پاک جگہ سے اٹھائی ہوں۔ جو کنکریاں یقیناً ناپاک ہوں' اُنہیں مارنا مکروہ ہے۔

دسویں ذی الحجہ سے تیرھویں ذی الحجہ تک کے احکام: دس ذی الحجہ کو سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو چلتے ہیں اور جمرہ اُخریٰ کی رمی کرتے ہیں۔ اس کے بعد قربانی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد بال منڈوا کر یا بال کترواکر اِحرام کھولا جاتا ہے۔ اُس کے بعد طوافِ زیارت کا حکم ہے۔ پھر منیٰ میں بارہ یا تیرہ تاریخ تک قیام کیا جاتا ہے اور گیارہ' بارہ تواریخ کو تینوں جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اگر بارہ تاریخ کا سورج منیٰ میں قیام ہی کے دوران غروب ہوگیا تو اَب مکہ مکرّمہ کو واپس نہ آئے بلکہ وہ رات منیٰ ہی میں گزارے اور تیرہ تاریخ کو تینوں جمرات پر کنکریاں مار کر مکہ مکرّمہ واپس آئے۔ یہ آخری صورت افضل اور زیادہ ثواب کی حامل ہے' جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۳ میں اس طرح ہے :

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ (۲۰۳ : ۲)

''جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے' اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے' اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''

رمی (کنکریاں مارنا) کے مسائل: منیٰ کے درمیان میں راستہ میں تین جگہیں ہیں۔ اُن پر پتھر کے تین ستون قدِ آدم جتنے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ ان تینوں جگہوں کو جمرات یا جمار کہتے ہیں اور ہر ایک کو جمرہ کہتے ہیں۔ ان میں جو جمرہ مکہ مکرّمہ کی طرف ہے' اُسے جمرة العقبیٰ' جمرة الکبریٰ' جمرة الاخریٰ اور درمیان والے کو جمرة الوسطیٰ کہتے ہیں اور تیسرے کو جو مسجد خیف کے قریب ہے' اُسے جمرة الاولیٰ کہتے ہیں:۔

(۱) دس ذی الحجہ کو صرف جمرہ اُخریٰ کی رمی ہوتی ہے اور جمرہ اُولیٰ اور وسطیٰ کی نہیں ہوتی کہ اس دن اُس کی رمی بدعت ہے۔

(۲) رمی کرنا واجب ہے۔ اس کے چھوڑنے سے دَم واجب ہوتا ہے یعنی ایک بکری کی قربانی دینی ہوتی ہے۔

(۳) دس تاریخ کو رمی کرنے کا مسنون وقت صبح صادق سے زوال آفتاب تک ہے۔ زوال سے غروب تک مباح ہے اور غروب کے بعد مکروہ ہے۔ البتہ عورت' مریض اور کمزور لوگ اگر ہجوم کے خوف سے سویرے آ کر کرلیں تو اُن کے لئے مکروہ نہیں۔ دس تاریخ کی صبح صادق سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔

(۴) دس ذی الحجہ کو جب منیٰ میں آئیں تو مستحب یہ ہے کہ سب کاموں سے پہلے رمی کریں۔

(۵) رمی کے وقت جمرہ عقبیٰ میں نشیب میں اس طرح کھڑے ہوں کہ منیٰ دائیں جانب اور کعبہ بائیں جانب ہو۔ ہر کنکری کے مارنے کے وقت تکبیر اور یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللهِ اَللهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطٰنِ وَرِضًى لِلرَّحْمٰنِ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا

(۶) بارہ تاریخ کو رمی کرنے کے بعد مکہ مکرّمہ کو واپس آنے والے پر رمی واجب نہیں ہے۔

(۷) اگر کسی دن کی رمی اُس کے مقررہ وقت میں نہ کی تو قضا اور دَم دونوں واجب ہوں گے۔اسی طرح اگر کسی روز بالکل رمی نہیں کی تو بھی دَم واجب ہوگا۔

(۸) گیارھویں، بارہویں اور تیرہویں تواریخ کو تینوں جمرات کی رمی ترتیب وار کرنا مسنون ہے۔

(۹) رمی میں کنکریاں پے درپے مارنا مسنون ہے۔تاخیر اور فاصلہ مکروہ ہے۔اسی طرح ایک جمرہ کی رمی کے بعد دوسرے جمرے کی رمی میں تاخیر (علاوہ دعا کے) بھی مکروہ ہے۔

(۱۰) کنکری کو جمرہ کے قریب گرنا چاہئے۔اگر دُور گرے کی تو رمی نہ ہوگی۔تین ہاتھ کا فاصلہ دُور ہے اور اس سے کم قریب ہے۔

(۱۱) اگر کنکری کسی آدمی کی پشت پر یا سواری پر جا کر ٹھہر گئی اور دوسرے شخص نے اُسے گرایا، یا آدمی اور جانور کی حرکت سے گر گئی تو رمی نہ ہوگی اور اس کنکری کا اعادہ واجب ہوگا۔اسی طرح جس شخص کے اوپر کنکری جا پڑی تھی، اگر وہ اُسے اٹھا کر رمی کرے یا جمرہ پر رکھ دے تو بھی رمی نہ ہوگی۔ہاں اُس شخص کی حرکت کے بغیر جس کی کمر پر کنکری جا کر پڑی ہے، خود بخود لڑھک کر جمرہ کے قریب گرے تو رمی ہو جائے گی اور اگر دُور گرے تو نہ ہوگی۔اگر شک ہے کہ خود گری یا آدمی کی حرکت یا جانور سے گری تو احتیاطاً اعادہ کرلیں۔

(۱۲) اگر ایک سے زیادہ یا ساتوں کنکریاں ایک دفعہ مارے تو ایک شمار ہوگی اگرچہ علیحدہ علیحدہ گری ہوں اور باقی پوری کرنی ضروری ہوں گی۔

(۱۳) کسی دوسرے آدمی سے باوجود قادر ہونے کے بلاعذر رمی کرانی جائز نہیں البتہ اگر مریض کسی دوسرے کو کہے یا کوئی دیوانہ یا بے ہوش ہو یا بچہ ہو اور دوسرا شخص اُس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے۔مریض کی طرف سے رمی کے لئے اس کا حکم شرط ہے اور بے ہوش وغیرہ کے لئے حکم شرط نہیں۔

(۱۴) جو شخص دوسرے کی طرف سے رمی کرے، پہلے اُسے اپنی کنکریاں پوری کر لینی چاہئیں۔اُس کے بعد دوسرے کی طرف سے رمی کرے۔اگر اس طرح رمی کی کہ ایک کنکری اپنی طرف سے اور اس کے بعد دوسری کنکری دوسرے کی طرف سے ماری، تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

(۱۵) کنکری کا جنسِ زمین سے ہونا شرط ہے خواہ پتھر ہو یا اور کچھ ہو۔اس کے علاوہ کسی اور چیز سے رمی جائز نہیں۔

(۱۶) اگر چار یا چار سے زیادہ کنکریاں مارنا چھوڑ دیں تو دَم واجب ہوگا اور رمی کا بالکل نہ کرنا سمجھا جائے گا۔

(۱۷) عورت کو رات میں رمی کرنا افضل ہے۔

(۱۸) عورت کی طرف سے کسی دوسرے کو نائب بنا کر ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا جائز نہیں۔اگر ہجوم کے خوف سے عورت رمی نہ کرے تو فدیہ واجب ہوگا۔

(۱۹) رمی کے وقت کنکر ستون میں نہ ماریں بلکہ نیچے جہاں کنکریاں اکٹھی ہوتی ہیں وہاں ماریں۔اگر ستون میں لگ کر نیچے گر گئیں یا اُس کے اطراف پر گریں تو رمی ہو جائے گی۔

(۲۰) ایک کنکری کو سات بار مارنا جائز تو ہے لیکن خلافِ سنت ہے۔

(۲۱) ہر جمرہ پر سات کنکر سے زیادہ قصداً مارنا مکروہ ہے۔ شک کی وجہ سے زیادہ مارنے میں کوئی حرج نہیں

قربانی کے مسائل : قربانی کا وجوب سورۃ الحج کی آیات ۳۶'۳۷ سے ثابت ہے۔ جمرہ اُخریٰ کی رمی سے فراغت کے بعد اپنے ٹھکانے پر آئیں۔ راستہ میں کسی کام میں مشغول نہ ہوں۔ اس کے بعد حج کے شکریہ کی قربانی کریں جو قارن اور متمتع کے لئے واجب اور مفرد کے لئے مستحب ہے۔ مفرد نے اگر قربانی سے پہلے حجامت بنوالی اور اس کے بعد قربانی کی تو اُس پر دَم وغیرہ واجب نہیں۔ البتہ رمی قربانی سے پہلے اور قربانی حجامت سے پہلے کرنا مستحب ہے اور قارن و متمتع پر قربانی حجامت سے پہلے واجب ہے۔

(۱) جو شخص خود ذبح کرنا جانتا ہو' اُس کے لئے اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے ورنہ ذبح کے وقت قربانی کے پاس کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ذبح سے پہلے یا بعد میں یہ دعا پڑھیں' ذبح کے دوران نہ پڑھیں:

إِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ O إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ هٰذَا النُّسُكَ وَاجْعَلْهُ قُرْبَانًا لِّوَجْهِكَ وَعَظِّمْ أَجْرِیْ عَلَيْهَا

''مجھے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے محض اللہ کی رضا مطلوب ہے جس کی عنایت سے میں توحید پر قائم ہوں اور مجھے مشرکوں سے بڑی نفرت ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں اپنی نماز' حج' قربانی' اپنی زندگی اور موت سب کچھ اُس کے حکم کے مطابق اُس کی ذات پر قربان کرتا ہوں جو تمام مخلوق کی اکیلا خبر گیری کرتا ہے اور میں ہر وقت اُسی کا فرمانبردار ہوں۔ اے اللہ! میری یہ قربانی قبول فرما' اُسے اپنے لئے خاص کر دے اور اس پر مجھے بڑا اجر عطا فرما۔''

(۲) اس قربانی کے احکام بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی کی طرح ہیں۔ جو جانور وہاں جائز ہے' یہاں بھی جائز ہے اور جس طرح وہاں اونٹ' گائے' بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں' یہاں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

(۳) اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں لیکن کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔

(۴) جانور اندھا' کانا نہ ہو۔ اگر اس کی ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو یا ایک کان تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو' یا تہائی سے زیادہ دُم کٹ گئی ہو یا لنگڑا ہو اور صرف تین پاؤں سے چلتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہ ہوگی۔

(۵) جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں' اُس کی قربانی درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر کچھ دانت گر گئے لیکن زیادہ باقی ہوں تو اُس کی قربانی درست ہے۔

(۶) جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں' اُس کی قربانی درست ہے اور اگر سینگ ٹوٹ گیا اور مغز نکل آیا تو اُس کی بھی قربانی درست نہ ہوگی اور اگر تھوڑا سا ٹوٹا ہے' مغز تک نہیں ٹوٹا تو اُس کی قربانی درست ہے۔

(۷) خصی جانور کی قربانی افضل ہے۔

(۸) جو جانور اتنا دُبلا ہو گیا ہو کہ اُس کی ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو' اُس کی قربانی بھی درست نہیں۔

(۹) منیٰ میں چونکہ عیدالاضحیٰ کی نماز نہیں ہوتی' اس لئے وہاں قربانی کے ذبح کے لئے نمازِ عید کا پہلے ہونا شرط نہیں۔

(۱۰) اپنی قربانی سے گوشت کھانا مسنون ہے اگرچہ تھوڑا سا ہو۔

(۱۱) جو حاجی مسافر ہو' مکہ میں مقیم نہ ہو' اُس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی واجب نہیں۔ اگر مقیم ہے اور صاحبِ نصاب ہے تو قربانی واجب ہے۔

(۱۲) اگر قارن اور متمتع حاجی میں قربانی کرنے کی استطاعت نہیں تو وہ اس کی تلافی کے طور پر دس روزے رکھے' اس طرح کہ ان دس روزوں میں سے تین روزے یومِ عرفہ تک رکھے جائیں اور بقایا سات روزے گھر کو واپسی پر جب بھی سہولت ہو (بحوالہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۶)۔ اگر وہ تین روزے یومِ عرفہ تک نہ رکھے گئے تو قربانی اُس کے ذمّہ واجب رہے گی۔

بال منڈوانے (حلق) اور کتروانے (قصر) کے احکام: (۱) قربانی سے فراغت کے بعد سر کے بال منڈوائیں یا کتروائیں اور قبلہ رخ بیٹھ کر اپنی دائیں طرف سے سر منڈانا یا کتروانا شروع کرائیں۔ چوتھائی سر کے بال منڈانا یا کتروانا واجب ہے۔ اس کے بغیر اِحرام کھولنا جائز نہیں۔ سر کے تمام بال منڈانا یا کتروانا مستحب ہے اور منڈانے میں کتروانے کی نسبت زیادہ ثواب ہے۔ اگر بال کتروائیں تو ایک انگلی سے کچھ زیادہ کتروائیں' اس سے کم نہیں کیونکہ بال چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ اگر کم کاٹیں گے تو چھوٹے بال نہ کٹیں گے اور زیادہ لینے کی صورت میں چھوٹے بڑے سب کٹ جائیں گے۔ بہ مطابق سنت رسول ﷺ لبوں اور ناخن و بغل کے بال دُور نہ کریں۔

(۲) عورت کے لئے سر منڈانا حرام ہے۔

(۳) حجامت کے بالوں اور ناخن کو دفن کرنا مستحب ہے۔ پھینکنے میں مضائقہ نہیں لیکن غسل خانہ یا بیت الخلا میں ڈالنا مکروہ ہے۔

(۴) حجامت سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَضٰی عَنَّا نُسُکَنَا اَللّٰھُمَّ زِدْنَا اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا

''اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم سے حج پورا کرا دیا۔ اے اللہ! ہمیں ایمان اور یقین زیادہ عطا فرما۔''

(۵) اگر سر منڈانے میں کوئی مجبوری ہے جیسے اُسترہ نہیں یا کوئی مونڈنے والا نہیں یا سر میں زخم وغیرہ ہوں تو بال کتروانا ہی واجب ہوگا اور اگر کتروا نہیں سکتا مثلاً بال بہت چھوٹے ہیں اور سر میں زخم بھی نہیں ہے تو منڈوانا ہی واجب ہوگا۔

(۶) اگر بال اکھاڑ دئے جائیں یا بال صفا وغیرہ سے اڑا دئے جائیں تو بھی کافی ہے۔

(۷) اگر کوئی گنجا ہے اور اُس کے سر پر بالکل بال نہیں یا سر میں زخم ہیں تو سر پر اُسترہ پھیرنا واجب ہے۔ اگر زخموں کی وجہ سے استرہ بھی نہ چل سکے تو یہ واجب ساقط ہو جاتا ہے اور حجامت کے بغیر ہی منڈوانے والے کی طرح حلال ہو جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسا شخص بارہ تاریخ تک حلال نہ ہو (یعنی اِحرام سے باہر نہ آئے)۔

(۸) ایامِ نحر میں حجامت کرانا یعنی دسویں سے بارہویں تک ہونا شرط ہے خواہ دن میں ہو یا رات میں اور حرم میں ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر اس مذکورہ وقت اور حرم کے علاوہ کسی دوسرے وقت اور جگہ میں حجامت کرائے گا تو حلال (اِحرام سے باہر ہونا) تو ہو جائے گا لیکن دَم واجب ہوگا۔

(۹) حجامت کا وقت (اِحرامِ حج میں) جمرۃ العقبیٰ کی رمی کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں کے غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔

(۱۰) حجامت کے بعد جو چیزیں اِحرام کی وجہ سے منع تھیں، وہ سب جائز ہو جاتی ہیں۔ جیسے خوشبو لگانا، سلا ہوا کپڑا پہننا، شکار کرنا۔ البتہ بیوی سے صحبت اور لپٹنا، بوسہ وغیرہ جائز نہیں بلکہ یہ طوافِ زیارت کے بعد جائز ہوتا ہے۔

طوافِ زیارت: رمی، قربانی اور حجامت سے فارغ ہونے کے بعد طوافِ بیت اللہ شریف ہوتا ہے۔ یہ طواف حج کا رُکن اور فرض ہے۔ دس ذی الحجہ کو کرنا افضل ہے اور بارہویں کے غروبِ آفتاب تک جائز ہے، اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے۔

(۱) طوافِ زیارت کا اوّل وقت دسویں کی صبح صادق ہے، اس سے پہلے جائز نہیں اور اس کا آخر وقت بہ اعتبار وجوب کے ایامِ نحر ہیں۔ اس کے بعد کرنا صحیح تو ہوگا لیکن دَم واجب ہوگا۔

(۲) طوافِ زیارت کو رمی اور حجامت کے بعد کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

(۳) طوافِ زیارت میں اگر سلے ہوئے کپڑے پہن لئے ہیں تو اضطباع نہیں ہوگا۔

(۴) طوافِ زیارت کے بعد بیوی سے صحبت بھی حلال ہو جاتی ہے۔ طوافِ زیارت کئے بغیر بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی اگرچہ سالہا سال گزر جائیں۔ اسی طرح طوافِ زیارت کئے بغیر خاوند سے اختلاط جائز نہ ہوگا۔

(۵) اگر کوئی شخص حجامت سے پہلے طوافِ زیارت کرلے تو کوئی چیز بھی ممنوعاتِ احرام سے حلال نہ ہوگی۔ حلال حجامت سے ہوتا ہے نہ کہ طوافِ زیارت سے۔

(۶) عورت حیض سے ایسے وقت میں پاک ہوئی کہ بارہ تاریخ کے آفتاب غروب ہونے میں اتنی دیر تھی کہ غسل کر کے مسجدِ حرام میں جا کر پورا طواف یا چار چکر لگا سکتی ہے اور اُس نے ایسا نہیں کیا تو دَم واجب ہوگا اور اگر اتنا وقت نہ ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۷) اگر عورت حیض کی وجہ سے طوافِ زیارت اُس کے وقت میں نہ کر سکے تو دَم واجب نہ ہوگا۔ پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرلے۔

(۸) عورت جانتی ہے کہ حیض عنقریب آنے والا ہے اور ابھی حیض آنے میں اتنا وقت باقی ہے کہ پورا طواف یا چار پھیرے کر سکتی ہے لیکن نہیں کیا اور حیض آ گیا۔ پھر ایامِ نحر گزرنے کے بعد پاک ہوئی تو دَم واجب ہوگا اور اگر چار پھیرے نہیں کر سکتی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۹) اگر طوافِ قدوم کے ساتھ سعی ہو چکی ہے تو طوافِ زیارت میں رمل، اضطباع اور سعی نہ کریں۔

(۱۰) اگر طوافِ قدوم میں سعی کی تھی لیکن رمل اور اضطباع کو قصداً یا بھول کر چھوڑ دیا تھا تو بھی طوافِ زیارت میں رمل اور اضطباع نہ ہوگا۔

<u>طوافِ زیارت کے بعد منیٰ کو واپسی</u>: طوافِ زیارت کر کے پھر مکہ مکرّمہ سے منیٰ واپس آجائیں۔ ظہر کی نماز منیٰ میں آکر پڑھنا مسنون ہے لیکن کچھ فقہاء نے مسجد حرام میں نمازِ ظہر پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ رات کو منیٰ میں رہنا سنت ہے۔ منیٰ کے علاوہ کسی دوسری جگہ رات گزارنا مکروہ ہے اگرچہ مکہ مکرّمہ میں رہے یا راستہ میں۔ اسی طرح رات کا اکثر حصّہ کسی دوسری جگہ گزارنا بھی مکروہ ہے لیکن اس سے دَم وغیرہ واجب نہ ہوگا۔

منیٰ میں مسجدِ خیف کے درمیان میں قبّے کا محراب جنابِ نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ اس لئے اُس میں نماز پڑھنے کا اہتمام بطورِ خاص کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا اگر بارہ تاریخ کا سورج منیٰ میں قیام ہی کے دوران غروب ہوگیا تو اَب مکّہ مکرّمہ کو واپس نہ آئیں بلکہ وہ رات منیٰ ہی میں گزاریں اور تیرہ تاریخ کو تینوں جمرات پر کنکریاں مار کر مکہ مکرّمہ واپس آئیں۔ یہ آخری صورت افضل اور زیادہ ثواب کی حامل ہے، جس کا ذکر سورۃُ البقرۃ کی آیت ۲۰۳ میں ہے:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ (۲ : ۲۰۳)

''جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے، اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''

اگر تیرہ تاریخ کو جمرات کی رمی کئے بغیر مکّہ مکرّمہ لوٹ آئے تو دَم واجب ہوگا۔

<u>منیٰ سے مکّہ کو واپسی</u>: منیٰ سے مکّہ مکرّمہ آتے ہوئے محصّب کے مقام پر کچھ دیر قیام کرنا سنتِ نبوی ہے۔ اِن دنوں موٹر گاڑیوں وغیرہ کا ملنا لوگوں کے ازحد رَش کی وجہ سے مشکل مسئلہ بن گیا ہے اس لئے محصّب یا کسی اور جگہ قیام کرنا بڑا مشکل ہے۔ لہٰذا اس الجھن کی وجہ سے محصب میں اگر قیام نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

<u>طوافِ وداع (طوافِ صدر)</u>: حج اور اس کے تمام مناسک سے فارغ ہو کر جب مکہ مکرّمہ سے رخصتی کا ارادہ ہو تو طوافِ وداع کریں اور اس میں رمل اور سعی نہ کریں۔ طواف کے بعد دوگانۂ طواف پڑھ کر قبلہ رُو کھڑے ہو کر خوب پیٹ بھر کر کئی سانسوں میں آبِ زمزم پئیں اور ہر سانس میں بیت اللہ شریف کی طرف دیکھیں۔ آبِ زمزم چہرہ، سر اور جسم کو ملیں اور اپنے اوپر بھی ڈالیں۔ پھر بیت اللہ شریف کی دہلیز کو بوسہ دیں اور ملتزم سے لپٹیں۔ سینہ اور دایاں رُخسار ملتزم کو لگا کر دایاں ہاتھ اوپر کو اٹھا کر بیت اللہ کا پردہ پکڑیں جیسا کہ کوئی خادم اور غلام اپنے آقا کا دامن پکڑتا ہے۔ اگر پردہ تک ہاتھ نہ پہنچے تو دونوں ہاتھ سر کے اوپر کو اٹھا کر دیوار پر کھڑے کر کے پھیلا دیں۔ غرض جس طرح ہو سکے، خوب آہ وزاری کریں، گڑگڑائیں اور روئیں۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی صورت ہی بنالیں اور بیت اللہ سے جدائی پر دل سے اظہارِ افسوس کریں۔ پھر حجرِ اسود کا استلام کریں اور اگر سہولت ہو تو اُلٹے پاؤں باب الوداع سے بیت اللہ کی طرف حسرت کی نگاہ دیکھتے اور روتے ہوئے مسجد سے باہر نکلیں اور دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الْعَوْدَ بَعْدَ الْعَوْدَةِ اَلْمَرَّةَ بَعْدَ الْمَرَّةِ اِلٰى بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمَقْبُوْلِيْنَ عِنْدَكَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَاِنْ جَعَلْتَهٗ آخِرَالْعَهْدِ فَعَوِّضْنِيْ عَنْهُ الْجَنَّةَ يَا أَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

''تمام پاک، بابرکت، وافر اور کفایت کرنے والی تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔اے اللہ! مجھے (حج سے) واپسی کے بعد پھر بیت اللہ کی جانب بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اے بزرگی اور عزت والے! مجھے اپنے مقبول بندوں میں سے بنالے۔اے اللہ! تو بیت اللہ کی اِس زیارت کو میرے لئے آخری زیارت نہ بنا اور اگر یہ آخری زیارت ہے تو اے ارحم الراحمین! مجھے اس کے عوض جنت عطا فرما اور اپنی بہترین مخلوق محمد ﷺ اور اُن کی آل و اصحاب پر رحمتِ کاملہ نازل فرما۔''

مسائل : (۱) حیض و نفاس والی عورت طواف نہ کرے بلکہ باب الوداع پر کھڑی ہو کر دعا مانگ لے۔

(۲) طوافِ وداع باہر کے رہنے والے حاجی پر واجب ہے خواہ حج اِفراد کا ہو، یا تمتع یا قران کا بشرطیکہ عاقل و بالغ ہو، معذور نہ ہو۔ اہلِ حرم، اہلِ میقات، حائض، نفساء (وہ عورت جو بچہ جننے کے خون کی وجہ سے ناپاک ہو)، مجنون (دیوانہ) اور نابالغ پر واجب نہیں اور فائت الحج (یعنی جس کا حج فوت ہو گیا ہو) یا محصر (جسے حج سے روک دیا گیا ہو، راستے میں بے امنی یا کسی اور وجہ سے) ان سب پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

(۳) اگر مکہ مکرّمہ سے سفر کا ارادہ ہے تو طوافِ وداع کا اوّل وقت طوافِ زیارت کے بعد ہے۔ اگر کسی نے سفر کا ارادہ کیا اور اس لئے طوافِ وداع کر لیا لیکن اس کے بعد پھر قیام ہو گیا تو اس کے دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ تمام کاموں سے فارغ ہو کر طواف کریں اور اس کے فوراً بعد سفر شروع کیا جائے۔

(۴) طوافِ وداع کے بعد اگر کچھ دیر اور قیام ہو گیا تو چلنے کے وقت مزید طوافِ وداع مستحب ہے۔

(۵) حائضہ عورت اگر مکہ کی آبادی سے نکلنے سے پہلے پاک ہو جائے تو اُسے لوٹ کر طوافِ وداع کرنا واجب ہے۔ اگر آبادی سے نکلنے کے بعد پاک ہو تو واجب نہیں۔ اگر میقات سے گزرنے سے پہلے لوٹ آئے تو طواف واجب ہوگا۔

(۶) طوافِ وداع سے پہلے اور مکّہ مکرّمہ میں قیام کے دوران آپ جتنے عمرے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عمرہ کا اِحرام باندھنے کے لئے آپ کو حدودِ حرم سے باہر جا کر احرام باندھنا ہوگا جس کے لئے قریب ترین جگہ مقام تنعیم (مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا) ہے جہاں سے اِحرام باندھ کر آپ عمرہ کرنے کے لئے بیت اللہ شریف کو واپس آ سکتے ہیں۔ اس بارے میں علماء مختلف الآراء ہیں کہ مکّہ مکرّمہ اور حرم میں قیام کے دوران آیا کئی عمرے کرنا بہتر ہے یا بیت اللہ شریف کے کئی طواف کرنا۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی عمرے کرنے کی بجائے بہت زیادہ طوافوں کو ترجیح دی ہے اور اسی پر صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے۔

جنایات (ممنوعاتِ احرام و حرم) اور اُن کی جزا کا بیان

جنایات جمع ہے جنایت کی جس کے لغوی معنی خطا اور تقصیر کے ہیں۔ حج کے حوالے سے ہر اُس فعل کا ارتکاب جنایت ہے جس کا کرنا اِحرام یا حرم کی وجہ سے ممنوع ہو۔

اِحرام کی جنایات آٹھ ہیں :

(۱) خوشبو اور تیل کا استعمال
(۲) سلا ہوا کپڑا پہننا
(۳) سر اور چہرہ ڈھانکنا
(۴) بال دُور کرنا (اپنے جسم سے جوں مارنا یا دُور کرنا)
(۵) ناخن کاٹنا
(۶) جماع کرنا
(۷) واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو چھوڑنا
(۸) خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔

حرم کی جنایات دو ہیں :
(۱) حرم کے جانور کو تکلیف پہنچانا اور اس کا شکار کرنا۔
(۲) حرم کا درخت اور گھاس کاٹنا۔

مسائل: (۱) جنایت قصداً ہو یا سہواً یا خطا سے' مسئلے کا علم ہو یا نہ ہو' اپنی خوشی سے کرے یا کسی کی زبردستی سے' سوتے میں کرے یا جاگتے میں' نشہ میں ہو یا بے ہوش' مالدار ہو یا تنگدست' خود کرے یا کسی کے کہنے سے کرے' معذور ہو یا غیر معذور' سب صورتوں میں جزاء واجب ہوتی ہے۔
(۲) قصداً جنایت کرنا سخت گناہ ہے اور اس کی جزا دینے سے گناہ معاف نہیں ہوتا۔ گناہ کے معاف ہونے کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے۔ ارتکابِ جنایت سے حج مبرور کا ثواب نہیں ملتا۔
(۳) جزاء جنایات اور کفارات فوراً ادا کرنی واجب نہیں لیکن آخر عمر میں جب فوت ہونے کا ظن غالب ہو تو اُس وقت ادا کرنا واجب ہے۔ تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگا اور وصیت کرنی واجب ہوگی۔ اگر وارث وصیت کے بغیر ادا کردیں تو ادا ہو جاتی ہے۔ اس ضمن وارثوں کا متوفّی کی جانب سے روزے رکھنا کافی نہ ہوگا۔

اِحرام کی مذکورہ بالا آٹھوں جنایات کی تفصیل اور مسائل حسب ذیل ہیں :
(۱) خوشبو اور تیل کا استعمال : خوشبو لگانے سے مراد جسم یا کپڑے پر خوشبو کا اس طرح لگ جانا ہے کہ جسم اور کپڑے سے خوشبو آنے لگے اگرچہ خوشبو کا کوئی جزء نہ لگے۔

(۱) اِحرام کی حالت میں مرد اور عورت دونوں کے لئے خوشبو کا استعمال ناجائز ہے۔
(۲) پھول اور خوشبودار پھل سونگھنے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوتی لیکن سونگھنا مکروہ ہے۔
(۳) قصداً خوشبو لگائی جائے یا بھول چوک کر' بلا ارادہ ہو یا زبردستی اور خوشی سے' ہر حال میں جزاء واجب ہے۔
(۴) خوشبو کا استعمال جسم' چادر' بستر اور کپڑوں میں سب منع ہے۔ اسی طرح خوشبودار خضاب یا دوا یا تیل لگانا یا کسی خوشبودار چیز سے جسم اور بالوں کو دھونا یا اُس کا کھانا پینا سب ممنوع ہے۔
(۵) اِحرام کی نیت کرنے سے پہلے خوشبو لگائی اور پھر کسی دوسرے عضو پر لگ گئی تو کوئی جزاء واجب نہ

ہوگی اور اُس کا سونگھنا بھی مکروہ نہیں۔
(۶) ساری داڑھی یا پوری ہتھیلی پر مہندی لگانے سے دَم واجب ہوگا۔
(۷) عطر فروش کی دکان پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سونگھنے کی نیت نہ ہو۔
(۸) اگر خوشبو لگا ہوا کپڑا ایسا سلا ہوا تھا جو مُحرِم کو پہننا منع ہے تو دو جنایات شمار ہوں گی: ایک خوشبو کی اور ایک سلائی کی۔ اس لئے دو جزاء واجب ہوں گی۔
(۹) زعفران میں رنگا ہوا تکیہ مُحرِم کو لگانا مکروہ ہے۔
(۱۰) اگر کپڑے میں خوشبو لگتے ہی کپڑا جسم سے جدا کر دیا یا دھوڈالا تو کچھ لازم نہیں۔ ہاں جسم پر لگتے ہی جزاء لازم ہوجاتی ہے۔ اُس کی خوشبو کسی غیر مُحرِم سے دُھلوائے' خود نہ دھوئے یا خود پانی بہائے اور اُسے ہاتھ نہ لگائے تاکہ دھوتے ہوئے خوشبو کا استعمال لازم نہ آئے۔
(۱۱) دارچینی' گرم مصالحہ وغیرہ کھانے میں ڈال کر پکانا اور کھانا جائز اور درست ہے۔
(۱۲) مشروبات یعنی چائے' قہوہ وغیرہ میں خوشبو ملائی تو اگر خوشبو غالب ہو تو دَم واجب ہے اور اگر خوشبو مغلوب ہو تو صدقہ واجب ہے لیکن اگر کئی مرتبہ پیا تو دَم واجب ہوگا۔
(۱۳) پینے کی چیز میں خوشبو ملا کر پکانے کی وجہ سے کچھ فرق نہیں آتا۔
(۱۴) لیمن سوڈا یا کوئی اور پانی کی بوتل یا شربت جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو' بحالتِ احرام پینا جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہوئی ہو اگرچہ برائے نام ہو' اُسے پینے سے صدقہ واجب ہوگا۔
(۱۵) پان میں لونگ الائچی کھانا مکروہ ہے لیکن اس کے کھانے سے کوئی جزاء واجب نہ ہوگی۔
(۱۶) چربی' گھی' روغن بادام' کڑوا تیل کھانا لگانا سب جائز ہے اور مشک و کافور وغیرہ جو چیزیں خود خوشبو ہیں' اُن کے استعمال سے جزاء واجب ہوتی ہے اگرچہ دوا کے طور پر ہو۔
(۱۷) بلا خوشبو کا سرمہ لگانا جائز ہے۔ اگر خوشبودار ہو تو صدقہ ہے۔ اگر دو مرتبہ سے زیادہ لگایا تو دَم واجب ہوگا۔
(۱۸) اگر سارے سر یا چوتھائی سر کا مہندی سے خضاب کیا اور مہندی پتلی پتلی لگائی' خوب گاڑھی نہیں لگائی تو دَم واجب ہے اور اگر گاڑھی گاڑھی لگائی تو دو دَم واجب ہوں گے۔

(2) سلا ہوا کپڑا پہننا: (۱) عورت کو سلا ہوا کپڑا پہننا جائز ہے۔ اس پر کوئی جزاء واجب نہیں۔
(۲) مرد نے سلا ہوا کپڑا پہنا تو اگر پورا ایک دن پہنا تو دَم واجب ہے اور اس سے کم میں (ایک گھنٹہ) پہنا ہو تو نصف صاع صدقہ ہے اور گھنٹہ سے کم پہنا تو ایک مٹھی گندم دے دے۔ ایک دن سے زیادہ پہنا' تب بھی ایک دَم ہے۔
(۳) سلے ہوئے کپڑوں کے اوپر اِحرام باندھا اور ایک دن یا رات پہنے رہا تو دَم واجب ہے اور کم میں صدقہ۔
(۴) بحالتِ اِحرام موزے یا بوٹ' جوتے اور جرابیں پہننا منع ہے۔
(۵) چوغہ یا قبا کندھوں پر ڈال لی اور بٹن نہیں لگائے اور نہ ہاتھ آستینوں میں ڈالے تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن

اس طرح کا عمل مکروہ ہے۔ اگر بٹن لگائے یا ہاتھ آستینوں میں ڈال لئے تو ایک دن یا رات پہننے کی صورت میں دَم واجب ہوگا اور کم میں صدقہ واجب ہوگا۔

(3) سر اور چہرہ کا ڈھانپنا : (۱) بحالتِ اِحرام مرد کو سر اور منہ دونوں کا ڈھانپنا منع ہے اور عورت کے لئے صرف چہرہ ڈھانپنا منع ہے۔ اگر مرد نے بحالتِ اِحرام سارا سر یا چہرہ یا چوتھائی سر یا چوتھائی چہرہ کسی ایسی چیز سے ڈھانپا جس سے عادتاً ڈھانپتے ہیں جیسے عمامہ' ٹوپی اور کوئی سلا ہوا کپڑا یا بغیر سلا' سوتے' جاگتے' قصداً یا بھول کر' رضا سے یا زبردستی سے خود ڈھانپا ہو یا کسی دوسرے نے ڈھانپ دیا ہو' عذر سے ہو یا بلا عذر' بہرحال جزاء واجب ہوگی۔

(۲) اگر پورا دن یا رات یا اس سے زیادہ سر یا چہرہ یا اُن کا چوتھائی حصّہ کسی کپڑے سے ڈھانپا یا عورت نے صرف چہرہ ڈھانپا تو ایک دَم واجب ہوگا اور اگر چوتھائی حصّہ سے کم ڈھانپا یا ایک دن یا رات سے کم ڈھانپا تو صدقہ واجب ہوگا۔

(۳) اگر سر کو ایسی چیز سے چھپایا کہ عادت اور معمول اس سے چُھپانے کا نہیں (جیسے طشت' پیالہ' ٹوکرا' پتھر' ڈھیلا' لوہا' تانبا' پیتل' سونا' چاندی' لکڑی' شیشہ وغیرہ) سارا چھپایا' یا تھوڑا' تو اس سے کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۴) سر کو کیچڑ لگانے سے جزاء واجب ہوگی۔

(4) حلق (بال مونڈنا) یا قصر (بال کترنا): (۱) بحالتِ اِحرام خود بال مونڈے یا منڈوائے' زبردستی سے یا خوشی سے' قصداً یا بھول کر' سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی۔

(۲) اگر اِحرام کھولنے کے وقت سے پہلے چوتھائی سر یا داڑھی یا اس سے زیادہ کے بال دُور کئے یا کرائے تو دَم واجب ہے اور اس سے کم میں صدقہ۔

(۳) عورت نے اگر حلال ہونے (احرام سے باہر آنے) کے وقت سے پہلے ایک انگل برابر چوتھائی سر یا اس سے زیادہ کے بال کتروائے تو دَم واجب ہوگا اور چوتھائی سے کم میں صدقہ۔

(۴) تمام گردن یا بغل یا زیرِ ناف کے بال دُور کرنے سے دَم واجب ہے اور اس سے کم میں صدقہ۔

(۵) تمام سینہ یا تمام ران یا ساری پنڈلی کے بال مونڈنے یا دونوں لبیں کتروانے میں صدقہ ہے۔

(۶) روٹی پکاتے ہوئے کچھ بال جل گئے تو صدقہ دے اور اگر مرض کی وجہ سے گر گئے یا سوتے ہوئے جل گئے تو کچھ واجب نہیں۔

(۷) اگر وضو کرتے ہوئے یا کسی اور طرح سر یا داڑھی کے تین بال گر گئے تو ایک مٹھی گندم صدقہ میں دے دے اور اگر خود اُکھاڑے تو ہر بال کے بدلہ میں ایک مٹھی گندم دے اور اگر تین بال سے زائد اُکھاڑے تو آدھا صاعؔ صدقہ دے۔

(۸) سر کی مختلف جگہوں سے تھوڑا تھوڑا سر منڈایا تو اگر سب جگہوں کا مجموعہ چوتھائی سر کے برابر ہو جائے تو دَم ہے ورنہ صدقہ۔

(5) ناخن کاٹنا : (۱) اگر ایک ہاتھ یا ایک پاؤں یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا چاروں ہاتھ پاؤں کے ناخن ایک مجلس میں کاٹے تو ایک دَم لازم ہوگا۔ اور اگر چاروں اعضاء کے چار مجلسوں میں کاٹے تو

چار دَم لازم ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے ناخن کاٹے تو دو دَم لازم ہوں گے۔
(۲) ٹوٹے ہوئے ناخن کو علیحدہ کرنے سے کچھ واجب نہ ہوگا۔
(۳) اگر اپنا ہاتھ مع انگلیوں کے ناخن سمیت کاٹ ڈالا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

(6) جماع وغیرہ کرنا : (۱) عورت یا کسی لڑکے کا شہوت سے بوسہ لینے یا لپٹا لینے یا صحبت کرنے سے دَم واجب ہوگا۔ اِنزال (Discharging) ہو یا نہ ہو اور اس سے حج فاسد نہ ہوگا۔
(۲) اگر عورت کی طرف شہوت سے دیکھا یا دل میں تصوّر کیا اور انزال یا احتلام ہوگیا تو کچھ لازم نہ ہوگا لیکن غسل واجب ہوگا۔
(۳) مشت زنی کرنے یا ایسی چھوٹی لڑکی سے جو قابلِ شہوت نہ ہو' جماع کرنے سے اگر انزال ہوگیا تو دَم واجب ہے ورنہ کچھ واجب نہیں۔
(۴) اگر وقوفِ عرفہ کے بعد سر منڈانے اور طوافِ زیارت کرنے سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد نہیں ہوا لیکن اس پر بُدنہ (ایک اونٹ یا گائے) قربانی واجب ہوگی' بکری کافی نہ ہوگی۔
(۵) اگر طوافِ زیارت سے پہلے یا طوافِ زیارت کے بعد سر منڈانے سے پہلے جماع کر لیا تو بکری واجب ہوگی اور حج فاسد نہ ہوگا۔
(۶) طوافِ زیارت اور سر منڈانے کے بعد جماع کرنے سے کچھ واجب نہ ہوگا۔
(۷) وقوفِ عرفہ سے پہلے ایک مجلس میں ایک عورت یا چند عورتوں سے جماع کیا تو ایک دَم واجب ہوگا اور اگر کئی مجلسوں میں ایک عورت یا کئی عورتوں سے جماع کیا تو ہر مجلس کے لئے ایک دَم واجب ہوگا۔

(7) واجباتِ حج میں سے کسی واجب کا ترک کرنا : (۱) اگر پورا یا اکثر طوافِ زیارت بے وضو کیا تو دَم دے اور اگر طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا طوافِ نفل یا نصف سے کم طوافِ زیارت بلا وضو کیا تو ہر چکر کے لئے نصف صاع صدقہ دے۔ اگر ان تمام صورتوں میں وضو کر کے طواف کا اعادہ کر لیا تو کفارہ اور دَم ساقط ہو جائے گا۔
(۲) اگر طوافِ فرض یا واجب یا نفل کرتے وقت جسم یا کپڑے پر نجاست لگی ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن مکروہ ہے۔
(۳) جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں کئے ہوئے طواف کا اعادہ واجب ہے اور جو بے وضو کیا ہو' اُس کا اعادہ مستحب ہے۔
(۴) طوافِ زیارت کے ایک یا دو تین چکر چھوڑنے سے دَم واجب ہوتا ہے۔
(۵) اگر طوافِ زیارت کے چار چکر یا پورا طواف چھوڑ دیا تو ساری عمر عورت حلال نہ ہوگی۔ ادائی ہونے پر عورت حلال ہوگی اور اس حالت میں اگر جماع کر لیا تو ہر جماع کے بدلے' مجلس مختلف ہونے کی صورت میں ایک دَم واجب ہوگا۔

(۶) اگر پوری سعی یا سعی کے اکثر چکر بلا عذر ترک کئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو حج ہو گیا لیکن دَم واجب ہوگا اور پیدل اِعادہ کرنے سے دَم ساقط ہو جائے گا۔ اگر عذر کی وجہ سے ترک کیا یا سوار ہو کر کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر بلا عذر سعی کے ایک یا دو یا تین چکر چھوڑ دئے یا سوار ہو کر کئے تو ہر چکر کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔
(۷) اگر عرفات سے غروبِ آفتاب سے پہلے نکل گیا تو دَم واجب ہو گیا اگر چہ بھاگے ہوئے اونٹ کو پکڑنے کے لئے نکلا ہو۔ ہاں اگر غروب سے پہلے عرفات میں واپس آ گیا تو دَم ساقط ہو جائے گا اور اگر غروب کے بعد آیا تو دَم ساقط نہ ہوگا۔
(۸) اگر بلا عذر وقوفِ مزدلفہ ترک کیا تو دَم واجب ہوگا اور اگر عذر کی وجہ سے ترک کیا تو کچھ واجب نہیں۔
(۹) اگر چاروں دنوں کی رمی بالکل ترک کر دی یا ایک دن کی ساری رمی ترک کر دی اگر چہ دسویں تاریخ ہی کی ہو یا ایک دن کی اکثر کنکریوں کی رمی ترک کر دی تو سب صورتوں میں دَم واجب ہوگا۔
(۱۰) اگر عمرہ کے اِحرام سے حلال ہونے کے لئے حرم سے باہر سر منڈایا' یا حج کے اِحرام سے حلال ہونے کے لئے حرم سے باہر ایامِ نحر میں سر منڈایا تو دَم واجب ہوگا اور اگر حج میں خارجِ حرم ایامِ نحر کے بعد سر منڈایا تو دو دَم واجب ہوں گے: ایک حرم سے خارج سر منڈانے کا اور دوسرا تاخیر کا۔
(۱۱) عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا اگر حدِّ حرم سے نکل جائے اور پھر حرم میں واپس آ کر سر منڈوائے تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اگر حاجی ایامِ نحر کے بعد حرم میں آ کر سر منڈوائے تو تاخیر کا ایک دَم واجب ہوگا۔
(۱۲) اگر طوافِ قدوم یا طوافِ وداع کا ایک چکر یا دو تین چکر ترک کئے تو ہر چکر کے بدلے پورا صدقہ واجب ہوگا اور اگر چار چکر یا زیادہ چھوڑ دئے تو دَم واجب ہوگا اور طوافِ قدوم بالکل چھوڑنے سے کچھ واجب نہ ہوگا لیکن چھوڑنا مکروہ اور بُرا ہے۔

(8) <u>خشکی کے جانور کا شکار کرنا یا اُسے ایذا دینا</u>: خشکی کے جانور سے مراد وہ جانور ہے جو خشکی میں پیدا ہوا ہو' اگر چہ بعد میں دریا میں رہنے لگا ہو اور دریائی جانور سے وہ جانور مراد ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو' اگر چہ بعد میں خشکی میں رہنے لگا ہو۔ یعنی اعتبار اصل پیدائش کا ہے۔ بعد میں دریا یا خشکی میں رہنے سے اصلیت نہ بدلے گی۔
(۱) مُحرِم کے لئے خشکی کا شکار حرام ہے۔ اُس کے شکار سے جزاء واجب ہوگی۔ دریائی جانور کا شکار مُحرِم کے لئے جائز ہے۔ اُس کے شکار سے کچھ واجب نہ ہوگا اگر چہ حدودِ حرم کے اندر ہو۔ اِن دونوں قسم کے شکاروں کے متعلق سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۶ میں یوں ارشاد ہوا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا
''تمہارے لئے دریائی شکار اور اُس کا کھانا تمہارے فائدہ اور قافلوں کے لئے حلال کیا گیا ہے اور تمہارے اوپر جب تک تم حالتِ اِحرام میں ہو' خشکی کا شکار حرام کیا گیا۔'' (۵ : ۹۶)

(۲) مُحرِم کے لئے کسی دوسرے شخص کو شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی حرام ہے خواہ ارادتاً ہو یا بھول کر۔
(۳) مُحرِم نے شکاری کو ذبح کرنے کا آلہ (چاقو' چھری' تیر' نیزہ وغیرہ) دیا تو مُحرِم پر جزاء واجب ہوگی۔

(۴) زہریلے جانوروں اور حشرات الارض (چیونٹی، مچھر، پسو، چچڑی، پروانہ، گوہ، گرگٹ، مکھی، چھپکلی، بھڑ، نیولا وغیرہ) کے مارنے سے جزاء واجب نہ ہوگی خواہ حرم میں مارے یا حِل میں۔ لیکن غیر موذی جانور کا مارنا جائز نہیں۔

(۵) خشکی کے جانور کو مارنے سے جزاء واجب ہوگی اگرچہ وہ حرام ہو۔

(۶) کسی درندے نے مُحرِم پر حرم میں یا خارج حرم یا حلال (اِحرام نہ باندھے ہوئے) پر حملہ کیا اور مُحرِم یا حلال نے اُسے قتل کر دیا تو اگر اُس کے قتل کے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ تھا تو اُس کے قتل سے کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر قتل کے بغیر اُس سے بچنا ممکن تھا یا اُس نے حملہ نہیں کیا اور پھر بھی قتل کر دیا تو جزاء واجب ہوگی جو بکری کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی۔

(۷) مُحرِم کو بکری، گائے، اونٹ، بھینس، مرغی، گھریلو حلال جانوروں کا ذبح کرنا اور کھانا جائز ہے۔

(۸) کسی نے اپنے لئے خیمہ لگایا اور اُس میں شکار اُلجھ کر مر گیا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۹) مُحرِم کا مقصود شکار کرنے کا نہیں تھا بلکہ جانور کی خیر خواہی مقصود تھی لیکن اُس خیر خواہی کرنے میں جانور زخمی ہو گیا مثلاً کبوتر وغیرہ کو بلّی سے چھڑاتے ہوئے یا جال سے نکالتے ہوئے جانور زخمی ہو گیا یا اُس کا پر ٹوٹ گیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اگرچہ جانور مر جائے۔

(۱۰) شکار کو انڈوں سے بھگا دیا اور انڈے خراب ہو گئے تو جزاء واجب ہوگی۔

(۱۱) شکار کی اون کاٹی یا اُس کا دودھ نکالا اور خود پی لیا تو اون اور دودھ کی قیمت واجب ہوگی۔

(۱۲) مُحرِم کا ذبح کیا ہوا (خشکی کا) شکار مردار ہے اور اُس کا کھانا حرام ہے۔ نہ خود مُحرِم کو کھانا جائز ہے اور نہ کسی اور مُحرِم یا حلال کو۔ اسی طرح حرم کا شکار بھی حرام ہے خواہ مُحرِم ذبح کرے یا حلال۔

(۱۳) حرم کی ہوا کا حکم بھی حرم کا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اُڑتے ہوئے جانور کو مار کر اوپر ہی اوپر سے پکڑ لے تب بھی جزاء واجب ہوگی۔

(۱۴) اگر جانور خود حرم سے نکل کر حِل میں آ جائے تو اُس کا پکڑنا جائز ہے اور اگر کسی نے اُسے حرم سے نکالا ہے، خود نہیں نکلا تو اُس کا پکڑنا حلال نہیں۔

(۱۵) اگر جانور ایسے درخت کی شاخ پر بیٹھا ہے کہ اُس کی شاخ حرم میں ہے اور جڑ حِل میں تو وہ حرم کا جانور ہے۔

<u>جوں اور ٹڈی کو مارنا</u> : (۱) اگر ایک جوں ماری یا کپڑا دھوپ میں ڈالا تاکہ جوئیں مر جائیں یا جوں مارنے کے لئے کپڑا دھویا تو ایک جوں کے عوض روٹی کا ٹکڑا یا ایک کھجور دے دے اور دو تین کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں دے دے۔ تین سے زیادہ کے عوض اگرچہ کتنی ہی ہوں، پورا صدقہ یعنی نصف صاع دے دے۔

(۲) اگر کپڑا دھوپ میں ڈالا یا دھویا اور جوئیں مر گئیں لیکن جوئیں مارنے کی نیت نہ تھی تو کچھ واجب نہیں۔

(۳) جوں کی طرف اشارہ کرنا یا زبان سے بتانا بھی منع ہے۔ اگر اشارہ کیا یا بتایا اور جوں مار دی گئی تو جزاء واجب ہوگی۔

(۴) ٹڈی بحالتِ اِحرام یا حرم میں مارنے سے بھی جزاء واجب ہوتی ہے اور اُس کی جزاء بھی جوں کی جزاء کے موافق ہے۔

(۵) ٹڈی کو قصداً مارا یا بے خبری میں پاؤں کے نیچے آگئی' بہر حال جزاء واجب ہوگی۔ ہاں اگر تمام راستہ ٹڈیوں سے بھرا ہوا تھا اور نکلنے کی کہیں جگہ نہ تھی اور پاؤں سے دب کر ٹڈیاں مر گئیں تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

حرم کے درخت اور گھاس کاٹنا :حرم کی گھاس کاٹنا اور حرم کے درختوں کا کاٹنا منع ہے اور اُن کے کاٹنے پر جزاء واجب ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ حدودِ حرم میں شامل ہیں اور اس لئے وہاں کی گھاس اور وہاں کے درخت کاٹنے سے اجتناب کیا جائے۔ عرفات کا کھلا میدان حدودِ حرم سے باہر ہے لہٰذا وہاں کی گھاس کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

واجباتِ حج سے متعلق جنایات کی دوسری قسم

(۱) اِحرام باندھے بغیر میقات کو عبور کرنا : میقات سے باہر رہنے والا اگر ایک بالغ و عاقل مسلمان مکہ مکرّمہ جانا چاہے اگرچہ اس کا ارادہ حج یا عمرہ کرنے کا ہو یا اُس کا کوئی اور مقصد ہو اور وہ احرام باندھے بغیر مکہ کو جاتے ہوئے میقات سے گزر جائے تو وہ گنہگار ہوگا اور اُس کے لئے میقات کو لوٹنا واجب ہوگا۔ اگر وہ میقات کو نہ پلٹا اور میقات سے آگے احرام باندھا تو اُس پر ایک دَم واجب ہوگیا اور اگر میقات پر پہنچ کر اُس نے احرام باندھ لیا تو اُس سے دَم ساقط ہو جائے گا۔

ہوائی راستے سے آنے والے مسافروں کو کراچی کے ہوائی اڈّے پر احرام باندھ لینا چاہئے۔ اگر وہ احرام بغیر جدّہ پہنچ گئے تو اُنہیں ایک دَم دینا لازم ہوگا کیونکہ اس سفر میں اُنہوں نے میقات کے اوپر سے گزرنا ہے۔

(۲) بے وضو' جنبی حالت میں' حیض یا نفساء حالت میں طوافِ کعبہ کرنا اور طواف کے چکروں کو کم کرنا

طوافِ فرض یا طوافِ نفل کرتے ہوئے اگر آپ کا جسم یا کپڑے پاک نہیں ہیں تو کچھ واجب نہیں ہوگا لیکن یہ بات مکروہ ہوگی۔

اگر کسی آدمی نے پورا طوافِ زیارت یا اس کا کچھ حصّہ بے وضو کیا تو اُس پر ایک دَم واجب ہوگا اور اگر اُس نے طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا طوافِ نفل بے وضو کیا تو اُسے طواف کے ہر چکر کے لئے صدقہ فطر جتنا صدقہ دینا ہوگا اور اگر اُس نے وضو کر کے طواف دوبارہ کیا تو کفارہ اور دَم اُس سے ساقط ہو جائیں گے۔

جنبی حالت میں' حیض اور نفساء کی حالت میں کئے گئے طواف کا اعادہ واجب ہے جبکہ بے وضو کئے گئے طواف کا دوبارہ کرنا مستحب ہے اور دوبارہ نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ بالا جزاء اُس پر واجب ہوگی۔

جنبی حالت میں، حیض اور نفساء کی حالت میں کیئے گئے طواف کا اِعادہ واجب ہے جبکہ بے وضو کیئے گئے طواف کا (اِعادہ) دوبارہ کرنا مستحب ہے اور دوبارہ نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ بالا جزاء اُس پر واجب ہوگی۔

ارکانِ حج (فرائضِ حج): پانچ ہیں: اِحرام، طوافِ کعبہ، سعی بین الصفا والمروۃ، وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت۔ ان میں سے کوئی ایک رکن بھی ساقط ہو جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔

''واجباتِ حج: وقوفِ مزدلفہ۔ صفا اور مروہ کے درمیان کی سعی۔ جمرات کی رمی۔ طوافِ وداع (مکہ میں رہنے والا اور حائضہ عورت طوافِ وداع سے مستثنیٰ ہیں)۔ سر منڈانا یا بال کٹوانا۔ میقات سے اِحرام باندھنا۔ غروبِ آفتاب تک میدانِ عرفات میں قیام کرنا۔ طواف کی ابتداء حجرِ اسود سے کرنا۔ اپنی دائیں جانب سے طواف کرنا۔ شرم گاہ کو ڈھانپ کر رکھنا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء صفا سے کرنا۔ اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر سعی کرنا۔ قِران اور تمتع کرنے والے کے لئے ایک بکری ذبح کرنا۔ طواف کے سات چکر پورے ہونے کے بعد مقامِ ابراہیم کے قریب دو نفل ادا کرنا۔ قربانی کے دن رمی کرنا۔ حطیم کے باہر سے طواف کرنا۔ طواف کے بعد سعی کرنا۔ ایام النحر (قربانی کے ایام) میں اور حرم کے اندر حلق کرانا۔''

''حج کے سنن و آداب: خرچ میں وسعت اختیار کرنا۔ ہمیشہ باوضو رہنا۔ فضول باتوں اور بالخصوص گالی سے زبان کی حفاظت کرنا۔ والدین سے اجازت لے کر حج کو جانا۔ اپنی ہمسایہ مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا۔ لوگوں سے کہا سنا معاف کرانا اور اُن سے دعا کی درخواست کرنا۔ نکلتے وقت کچھ صدقہ وخیرات کرنا۔ اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرنا۔ لوگوں کے غصب کیئے ہوئے حقوق واپس کرنا۔ اپنے دشمنوں سے معافی مانگ کر اُنہیں راضی کرنا۔ فوت شدہ عبادات کی قضا کرنا اور اس کوتاہی پر نادم ہونا اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرنا۔ نیت کا خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہونا اور ریا و نمود سے خالی ہونا، پیچھے چھوڑے ہوئے بیوی بچوں کو مناسب نان ونفقہ دے کر جانا، حلال اور پاکیزہ سفر خرچ لے کر جانا (کہ حرام مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا)۔ راستہ میں گناہوں سے بچتے رہنا۔ بہ کثرت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا۔ سفرِ حج میں تجارت کرنے سے پرہیز کرنا، اگرچہ اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔''

''ارکانِ عمرہ (فرائضِ عمرہ): تین ہیں: اِحرام، طوافِ کعبہ اور سعی بین الصفا والمروۃ۔ ان کے بغیر عمرہ پورا نہیں ہوتا۔''

''واجباتِ اِحرام: ان واجبات سے وہ اعمال مراد ہیں جن کے چھوڑنے سے دَم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے۔ اگر دَم ادا نہ کر سکے تو دس دن کے روزے رکھے۔ واجباتِ اِحرام تین ہیں: (۱) میقات سے اِحرام باندھنا۔ (۲) سلے ہوئے کپڑے اتار دینا اور (۳) تلبیہ پڑھنا۔'' (تبیان القرآن۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی، جلد دوم، صفحات ۲۷۴، ۲۷۵)

''حج کے ممنوعات: جماع نہ کرے۔ناخن نہ کاٹے۔خوشبو نہ لگائے۔سر اور چہرہ نہ ڈھانپے۔سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔حرم اور غیر حرم میں شکار کے درپے نہ ہو۔حرم کے درخت نہ کاٹے۔'' (ایضاً' ص ۲۷۵)

''حج کے مکروہات: اگر ماں باپ کو اُس کی خدمت کی ضرورت ہے اور وہ اُس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں تو اُس کا حج کے لئے جانا مکروہ ہے۔اگر اُنہیں اُس کی خدمت کی ضرورت نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔اگر ماں' باپ نہ ہوں اور دادا دادی ہوں تو وہ اُن کے قائم مقام ہیں۔اہل وعیال جن کا خرچ اُس کے ذمّہ ہے اگر وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں اور اُسے اُن کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پھر اُس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اُسے یہ خدشہ ہو کہ اُس کی غیر موجودگی میں وہ ضائع ہو جائیں گے تو اُس کا حج پر جانا مکروہ ہے۔اگر حج فرض ہو تو وہ ماں باپ کی اطاعت سے اولیٰ ہے۔اگر حج نفل ہو تو ماں باپ کی اطاعت اولیٰ ہے۔جو شخص مقروض ہو تو قرض ادا کرنے سے پہلے اُس کا حج یا جہاد کے لئے جانا مکروہ ہے' ہاں اگر قرض خواہ اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔'' (ایضاً)

حج سے متعلق چند غیر مسلمین کے تاثرات

(۱) ''افریقہ کے تپتے ہوئے' جُھلسا دینے والے ریگ زاروں میں بمشکلِ تمام پیدل یا اونٹوں پر سفر کرنے والے اور برِّ اعظم ایشیا کے لق ودق' درختوں سے خالی وسیع میدانوں کو عبور کرتے ہوئے حاجی حج کا عزم کئے ہوئے آتے ہیں۔کچھ حاجی جاوا اور سماٹرا کے خوش کن جزیروں سے' بھارت اور چین کے ملکوں سے سمندری راستے سے آتے ہیں۔مشرق ومغرب سے آئے ہوئے (اللہ کے) یہ معزز مہمان ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔کچھ غریب تر حجاج دُور دراز ممالک سے آئے ہوئے دکھائی دئے۔کچھ نے ننھے ننھے بچوں کو اپنی پیٹھوں پر لادا ہوا تھا اور کچھ بچے اپنی ٹانگیں اپنے والدین کے کندھوں کے دونوں جانب لٹکائے ہوئے تھے اور کچھ حجاج کے بچے اس طول طویل سفر ہی میں پیدا ہوئے تھے۔''

''اسلام کے منبع ہدایت کی زیارت کرنا اور اُس سرزمین پر چلنے کی سعادت حاصل کرنا جسے محمد ﷺ نے اپنے ربِّ واحد کی طرف لوگوں کو بلانے کی کوشش میں اتنا طویل عرصہ ناگفتہ بہ تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلیں' گویا کہ قربانی اور شہادت کے اُس شاندار زمانے کی یاد کو تازہ کرنا ہے اور اپنی روح میں اُس شعلہِ ایمانی کو روشن کرنا ہے جس نے تمام رُوئے زمین کو بقعہِ نور بنا دیا تھا۔لیکن اسی پر ہی بس نہیں ـــــــ۔اگر اسلام کی منتشر قوّتوں کو متحد کرنے والی اور اُنہیں قدرتی ہمدردی عطا کرنے والی کوئی چیز ہے تو وہ حج ہے۔اسی حج کی بدولت فاصلے اور مسافتیں ختم ہو کے رہ جاتے ہیں' فرقہ وارانہ اختلافات مٹ جاتے ہیں' ایمان ویقین کے اُس بھائی چارے میں رنگ ونسل کے امتیازات دَم توڑ جاتے ہیں جو تمام مسلمانوں کو ایک عظیم اخوّت میں پرو دیتا ہے اور اُنہیں اپنے شاندار ورثے کا احساس دلاتا ہے۔پھر حج کے مذہبی فرائض اختتام پذیر ہونے پر دنیا بھر کے تاجر تجارت اور سوداگری کے معاملات زیرِ بحث لاتے ہیں اور باہمی تجارت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ علماء اور فقہائے دین فقہی اور دینی مسائل پر اور سائنسدان سائنس میں تازہ ترین پیش

رفت پر' ادیب لوگ لٹریچر پر' ماہرینِ مالیات مسائلِ مال پر' سیاستدان اور ماہرینِ سیاست قومی اور بین الاقوامی سیاست پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔'' ("Pilgrimage to Mecca" Introduction, pp. XVI, XVII ... Lady Cobbold)

''درحقیقت انسانی نسلوں کی ہمکاری اور باہمی تعاون کے مثالی نمونہ کے قریب قریب ہدف کو کسی اور مذہب کی نسبت اسلام ہی نے پایا ہے' کیونکہ محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی بنیاد پر قائم شدہ لیگ آف نیشنز نے تمام نسلِ انسانی کی باہمی مساوات کو ایسے سنجیدہ طور پر لیا ہے جس نے دوسرے تمام ساجوں کے سر شرم سے جھکا دیئے ہیں۔''
("Pilgrimage to Mecca" Introduction, pp. XVII, XVIII ... Lady Cobbold)

(۲) ''تمام عالمی مذاہب میں سے اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے رنگ ونسل اور قومیت کی رکاوٹوں کو کم از کم اپنے سماج میں منہدم کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ حدِّ فاصل صرف مسلمانوں اور باقی نوعِ انسانی کے درمیان قائم کی گئی ہے۔ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں حج کے اِن اجتماعات کا بلا شک وشبہ بڑا حصّہ ہے۔ یہ اجتماعات اُن علاقوں کے لوگوں تک جہاں رسل ورسائل کے جدید ذرائع مفقود ہیں اور وہاں پریس کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی' مختلف طبقات کے خیالات کو پہنچاتے ہیں۔ شمالی افریقہ میں سنوسی تحریک جیسی تحریک اپنے آغاز اور ابتدائی تشہیر میں حجِ مکّہ کے فراہم کردہ ارتباطِ باہمی کی رہینِ منّت ہے۔'' ("Islam --- A Way of Life"...
P. K. Hitti, p. 136)

(۳) ''مسلمانوں کے ذہنوں پر اپنی مشترکہ زندگی کا احساس اور مذہبی حدود میں اپنی اخوت کا احساس ثبت کرنے میں کسی مذہبی عبقریّت (غیر معمولی ذہنی صلاحیّت) یا اس کے ہم شکل نے تصوّراتی حد تک بھی وسیلہ کا کام نہیں کیا جتنا اسلام نے کیا ہے۔ یہاں مشترکہ عبادت جیسا اعلیٰ عمل ہے۔ افریقہ کے مغربی ساحل کا سیاہ فام (حبشی) مسلمان مشرقِ بعید کے عیسائی سے ملاقات کرتا ہے' شائستہ اور مہذّب عثمانی' ملیشیائی سمندر کے بعید ترین کنارے پر رہنے والے اپنے غیر مہذّب مسلمان بھائی کو پہچان لیتا ہے۔'' ("Preaching of Islam"...T.W. Arnold, p. 415)

مدینہ منوّرہ کا مبارک سفر

مدینہ منوّرہ مکہ مکرّمہ سے عین شمال میں ہے اور جدّہ سے ۴۵۰ کلومیٹر (۲۸۱ میل) کی مسافت پر ہے۔ حرم پاک سے باہر ہی ویگنیں' بسیں اور موٹریں مدینہ منوّرہ جانے کے لئے ہر وقت تیار ملتی ہیں۔ جانے کا نیا راستہ طریق الھجرۃ ہے جس سے فاصلے اور وقت میں بچت ہوگئی ہے۔ یہ سڑک مدینہ منوّرہ کے دہانے پر واقع مسجدِ قبا سے جا ملتی ہے جو شہر سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔

مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچنے پر خوب خشوع وخضوع اور ذوق وشوق پیدا کریں اور درود وسلام بہ کثرت پڑھیں۔ جب مدینہ منوّرہ کے شہر پر نظر پڑے اور اُس کے درخت نظر آنے لگیں تو دعا مانگیں اور درود وسلام پڑھیں۔

آپ نے مسجدِ نبوی کو اُن تین مساجد میں سے دوسری گردانا ہے جن کی طرف تقرب کے ارادہ سے سفر کیا جاتا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدِ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَام وَمَسْجِدِیْ هذا وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی
''تین مساجد کے علاوہ کسی اور کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں (یعنی سفر نہ کیا جائے وہ یہ ہیں): مسجدِ حرام' میری یہ مسجد اور مسجدِ اقصیٰ''

یہ حدیث مختلف کتبِ حدیث میں بہ کثرت آئی ہے اور متفق علیہ ہے۔ بخاری' مسلم' نسائی' ترمذی' ابوداؤد' ابنِ ماجہ اور دیگر کتب کے مختلف ابواب میں موجود ہے۔

<u>ایک مغالطے کا ازالہ</u> : مذکورہ بالا حدیث پر بعض احباب کو بہت بڑا مغالطہ ہوا اور اس مغالطے کے بانی اور سربراہ علامہ ابن تیمیہ ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ سے پہلے اسلام کی جتنی بھی صدیاں گزریں' کسی امام نے یہ معنیٰ نہیں لیا تھا جو علامہ ابن تیمیہ نے لیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس فتویٰ کو لے کر اسے مشتہر کیا اور وہ نظریہ چلتے چلتے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُس کے پیروکاروں تک پہنچا جنھوں نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

''علامہ ابنِ تیمیہ نے اس حدیث سے مراد یہ لی کہ روضہِ رسول ﷺ کی زیارت کی نیت سے بھی معاذ اللہ سفر کرنا حرام ہے اور یہ سفر' سفرِ معصیت ہے اور اسی وجہ سے اس میں نمازِ قصر نہ کی جائے بنا بریں زائرین کے علاوہ فرشتے بھی جو ہر روز صبح و شام آسمان سے اتر کر روضہ شریف پر حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے ہیں' وہ بھی (معاذ اللہ ثمّ معاذ اللہ) اسی معصیت میں مبتلا ہیں۔ اور اس حدیث سے استدلال یہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''کجاوے نہ باندھے جائیں سوائے ان تین مساجد کی طرف'' یعنی نیت کے ساتھ ان مساجد کے سوا کوئی سفر نہ کیا جائے۔ اس کا معنیٰ غلط سمجھا گیا اور معنیٰ کے غلط سمجھنے پر امام حافظ ابنِ حجر عسقلانی' علامہ بدرالدین عینی' علامہ کرمانی' علامہ امام نووی' قاضی عیاض اور امام قرطبی شاہد ہیں اور یہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس حدیث کو یہ معنیٰ اور مفہوم دینا بالکل غلط ہے۔ علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے اس فتوے سے شام و مصر میں بڑا فتنہ برپا ہوا۔ شامیوں نے ابنِ تیمیہ کے بارے میں علماء سے فتویٰ طلب کیا۔ علامہ برہان بن کاح فزاری نے قریباً چالیس سطر کا مضمون لکھ کر اُسے کافر قرار دیا۔ علامہ شہاب بن حنبل نے اس سے اتفاق کیا۔ مصر میں یہی فتویٰ مذاہبِ اربعہ کے چاروں قضاۃ پر پیش کیا گیا۔ بدر بن جماعہ شافعی نے لکھ دیا کہ مفتی یعنی ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بہ زجر و توبیخ روکا جائے ورنہ اُسے قید کیا جائے۔ محمد بن الجریری انصاری حنفی نے لکھا کہ اِسی وقت بلا کسی شرط کے قید کیا جائے۔ محمد بن ابی بکر مالکی نے کہا کہ اُسے اس قسم کی زجر و توبیخ کی جائے کہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے۔ احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی لکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابنِ تیمیہ کو شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق میں قلعہ میں قید کیا گیا اور قید ہی میں وہ ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوا۔'' (''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ''۔ نور بخش توکلی' ص ۵۳۲)

دراصل حدیث زیرِ بحث میں دیگر مساجد کی نسبت مساجدِ ثلاثہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ یہ تینوں

مساجد اُن فضائل سے مختص ہیں جو دوسری مسجدوں میں نہیں پائے جاتے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ حدیث مذکورہ میں صَـلـوٰۃ کا لفظ نہیں ہے کیونکہ مساجد ثلاثہ کی طرف رحلت سے مراد اُن میں نماز کا قصد ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو مشاہدہ و مقابر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھنے سے معاملہ بالکل صاف اور طشت ازبام ہو جائے گا:

(۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْ غَيْرِهٖ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

"میری اِس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجدِ حرام کے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء اپنے روضہ پاک کی زیارت سے منع کرنے کا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آپ کا اپنا فرمان حدیثِ بالا سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک طرف وہ منع کریں اور دوسری طرف وہ حکم فرمائیں۔ یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ اِن تین مساجد کو اللہ نے قرآن میں مقرر نہیں کیا بلکہ حضور علیہ السلام نے مقرر کیا ہے۔ معترضین کی عقل پر افسوس کہ جس ذاتِ مقدس نے زیادہ ثواب کا مرکز تین مسجدوں کو ٹھہرایا' اُنہی کے گھر اور قبر کی زیارت کی نیت سے جانے کو حرام قرار دے رہے ہیں۔ ثواب دینے والا بے شک اللہ تعالیٰ ہے مگر یہاں بات زیادہ ثواب کے مقرر کرنے کی ہے۔ حرمِ کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر اللہ نے قرآن میں مقرر نہیں کیا بلکہ مصطفیٰ علیہ السلام نے مقرر کیا ہے۔ اس طرح مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب بالترتیب پچاس ہزار اور ایک ہزار نماز کے برابر حضور علیہ السلام نے مقرر کیا ہے' قرآن نے نہیں کیا۔ ارے! جو مقرر کر کے زیادہ ثواب کی خیرات بانٹ رہا ہے' اُسی کی زیارت کو حرام کہتے ہو!! اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم اور ہدایت عطا فرمائے!

(۲) حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَنْبَغِیْ لِلْمَطِیِّ اَنْ تُشَدَّ الرِّحَالَةُ اِلٰی مَسْجِدٍ تُبْتَغَاءُ فِيْهِ الصَّلَاةُ غَيْرَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا

"سواری کرنے والے سوار کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب لینے کے ارادہ اور نیت کے ساتھ سفر کرے' سوائے تین مساجد کے یعنی مسجدِ حرام' مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی۔"

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اِن مقدس اماکن کو حصولِ برکت کے لئے زیارت کی غرض سے جانا جائز ہے۔ زیادہ ثواب کی نیت نہ ہو تو حصولِ برکت کے لئے جانا جائز اور درست بھی ہے اور سنت بھی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام بھی ہر سنیچر کے دن مسجدِ قُبا کو تشریف لے جاتے تھے:

كَانَ يَأْتِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ رَاكِبًا وَّمَاشِيًا وَفِیْ رِوَايَةٍ وَيُصَلِّیْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ

"حضور ﷺ ہر سنیچر کو مسجدِ قُبا کبھی سوار اور کبھی پیدل جاتے اور وہاں دو رکعتیں ادا فرماتے۔"

(۳) لَا تُشَدُّ رِحَالُ الْمَطِیِّ اِلٰی مَسْجِدٍ يُذْكَرُ فِيْهِ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (مسند ابی یعلیٰ' ج ۲' ص ۴۸۹)

"کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں کہ خاص وہاں جا کر ذکر کروں گا' سوائے تین مساجد کے یعنی

مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی کے۔''

''ائمہ اور محدّثین نے یہاں تک کہا ہے کہ حج کرنے جاؤ تو مسجدِ نبوی کی زیارت کی نیّت سے مدینہ نہ جاؤ، اس لئے کہ مسجدِ نبوی کی زیارت کی نیت سے جانے کا کوئی زائد ثواب نہ ہوگا، زائد ثواب وہاں نماز پڑھنے سے ہے۔ زائد ثواب زیارت کرنے کا نہیں بلکہ وہاں نماز پڑھنے کا ہے۔ پس مسجدِ نبوی کا ثواب ہے وہاں نماز پڑھنے سے اور روضہ رسول ﷺ کا ثواب ہے زیارت کرنے سے۔ زیارت روضہ اطہر کے لئے ہے اور نماز مسجدِ نبوی کے لئے ہے۔ ائمہ نے فرمایا کہ روضہِ رسول علیہ السلام کی زیارت کی نیت سے جاؤ اس لئے کہ مسجدِ نبوی میں نماز کا ثواب زائد ملتا ہی ہے، اُس کے لئے نیت کرنے کی شرط نہیں ہے۔ وہ تو مدینہ میں رہنے والے بھی وہاں نماز پڑھتے ہیں تو اُن کے لئے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے، خواہ اس نیّت سے سفر کریں یا نہ کریں۔ پس سفر کرو تو رسول اللہ ﷺ کے لئے سفر کرو۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، اپریل ۲۰۰۷ء، صفحہ ۵۳)

اگر معترضین کے اعتراض کو درست مان بھی لیا جائے یعنی اِن تین مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف سفر کرنا ناجائز ہے تو پھر قرآن مجید میں مختلف سفروں کو جائز کیوں کہا گیا ہے اور کسی نے اُن پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اِن قرآنی سفروں کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ ''توسّل Intermediation'' کے عنوان کے تحت آئے گا۔

بہر حال مدینہ منوّرہ میں داخلہ کے آداب کی طرف ہم پھر آتے ہیں کہ جب مدینہ منوّرہ کی فصیل آجائے تو درود کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّكَ فَاجْعَلْهُ لِیْ وِقَایَةً مِّنَ النَّارِوَأَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ

''اے اللہ! یہ آپ کے نبی علیہ السلام کا حَرم ہے۔ اُسے جہنم سے میری نجات کا ذریعہ اور امن کا سبب بنا دے اور حساب سے بَری کردے۔''

شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر ہو سکے تو غسل کریں اور اگر داخل ہونے سے پہلے نہ ہو سکے تو داخل ہونے کے بعد غسل کریں ورنہ وضو کریں مگر غسل افضل ہے۔ پھر پاک وصاف کپڑے پہنیں لیکن نئے کپڑے افضل ہیں، خوشبو لگائیں۔ شہر میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ عورتوں کو رات کے وقت زیارت کرنا مستحب ہے۔ جب گنبدِ خضراء پر نگاہ پڑے تو کمال عظمت اور اُس کے مجد وشرف کا اظہار کریں کیونکہ یہ بزرگ ترین مقام ہے۔ جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین کے جس حصّے سے خلاصہِ کائنات، فخرِ موجودات نبی مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسدِ اطہر چھو رہا ہے، وہ خانہ کعبہ اور عرش وکرسی سے افضل ہے۔

جب مسجدِ نبوی میں داخل ہوں تو نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دایاں پاؤں پہلے اندر رکھیں اور داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

بابِ جبریل سے مسجدِ نبوی میں داخل ہونا افضل ہے۔ مسجد میں داخل ہو کر منبر اور قبر شریف کے درمیان رَوضَة الجَنّة میں دو رکعت تَحِيَّةُ المَسجد پڑھیں بشرطیکہ وہ وقت مکروہ نہ ہو۔ پہلی رکعت میں سورۃُ الفاتحة کے بعد سورۃُ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃُ الفاتحة کے بعد سورۃُ الاخلاص پڑھیں۔ رَوضَة الجَنّة میں محرابِ نبوی میں تَحِيَّةُ المَسجد پڑھنا افضل ہے۔ اگر وہاں موقع نہ ملے تو روضہ میں جہاں جگہ ملے، پڑھ لیں اور سلام پھیر کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں، اُس کا شکر ادا کریں اور حاضری کی قبولیت کی دعا مانگیں۔ بہتر ہے کہ دو رکعت شکرانہ کی نیت سے پڑھ لیں۔ اگر فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو یا نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھ لیں۔ تحیۃ المسجد بھی اس سے ادا ہو جاتا ہے۔

سیّدالانبیاء ﷺ کی قبرِ انور اور آپ کے منبر شریف کی درمیانی جگہ کی فضیلت کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے:

مَابَيْنَ بَيْتِىْ وَمِنْبَرِىْ رَوْضَة'' مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّة

''میرے گھر اور میرے منبر شریف کے درمیان کی جگہ جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔''

یہ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دن میں پانچ مرتبہ یہاں آتے جاتے تھے اور وہاں روزانہ پانچ مرتبہ آپ کا گزر ہوتا تھا یعنی جہاں جہاں مصطفیٰ ﷺ کے قدم مبارک لگے وہ جنت کا باغ بن گیا۔ تو گویا اِس حدیث میں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

روضۂ رسول کی زیارت اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَه' شَفَاعَتِىْ

''جس نے میری قبر کی زیارت کی، اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

<u>روضۂ اقدس (على صاحبها اَلْفَ اَلْفَ صلاة) پر سلام پڑھنے کا طریقہ</u>: نماز تَحِيَّةُ المَسجد پڑھنے کے بعد نہایت ادب و احترام کے ساتھ مرقدِ اطہر ﷺ پر آئیں اور دل کو تمام دنیاوی خیالات سے آزاد کر کے سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے، اس سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہو جائیں اور قبلہ کی طرف پشت کر کے ذرا بائیں جانب مائل ہو جائیں تاکہ روئے انور علیہ السلام کے مقابل ہو جائیں۔ اِدھر اُدھر مت دیکھیں، نگاہ نیچی رکھیں اور کوئی حرکت خلافِ شریعت نہ کریں۔ یہ تصور کریں کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام لحد شریف میں قبلہ کی طرف رخِ انور کئے ہوئے آرام فرما ہیں اور اپنے اُمتی کے سلام و کلام کو بہ اذنِ الٰہی سنتے ہیں۔ عظمت و جلال کا خیال رکھتے ہوئے متوسط آواز سے سلام پڑھیں۔ زیادہ زور سے مت پڑھیں اور بالکل آہستہ بھی نہ پڑھیں۔ سلام اس طرح پڑھیں:

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللهِ۔اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ۔ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا خِيْرَةَ اللهِ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِ اللهِ۔اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَاالنَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه'۔يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّىْ اَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللهُ' وَحْدَه' لَاشَرِيْكَ لَه' وَاَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُه' وَرَسُوْلُه' وَأَشْهَدُ أَنَّكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَدْبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ

الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ وَأَكْمَلَ مَاجَزٰى بِهٖ نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ آتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ وَ اَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ اِنَّكَ سُبْحٰنَكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم

اس سلام کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا کریں اور شفاعت کی درخواست اِن الفاظ سے کریں:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کی شفاعت کا رحمی طلب گار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے وسیلہ سے درخواست گزار ہوں کہ مجھے آپ کی ملّت اور آپ کی سنتِ مبارکہ پر موت آئے۔''

اگر کسی شخص نے آپ سے بارگاہِ نبوی میں سلام عرض کرنے کے لئے کہا ہو تو اُس کا سلام بھی اپنے سلام کے بعد اس طرح عرض کیجئے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ

''اے اللہ کے رسول! فلاں ابنِ فلاں کی طرف سے سلام ہو۔ وہ آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب سے شفاعت کا خواستگار ہے۔''

اگر بہت سے لوگوں نے سلام عرض کرنے کو کہا ہے اور نام یاد نہیں ہیں تو سب کی طرف سے یوں سلام عرض کریں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَنْ أَوْصَانِىْ بِالسَّلَامِ عَلَيْكَ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام پڑھنے کے بعد ایک ہاتھ دائیں طرف کو ہٹ کو سیّدنا ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح سلام پڑھیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَثَانِيَةً فِى الْغَارِ وَرَفِيْقَهٗ فِى الْاَسْفَارِ وَأَمِيْنَهٗ عَلَى الْاَسْرَارِ أَبَا بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا ﷺ

پھر ایک ہاتھ اور دائیں طرف کو ہٹ کر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کے مقابل کھڑے ہو کر اِن الفاظ سے سلام پڑھئے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاأَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ نِ الْفَارُوْقِ الَّذِىْ أَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْاِسْلَامَ اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ مَرْضِيًّا حَيًّا وَّمَيِّتًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا ﷺ

اِن دونوں حضرات پر سلام کے الفاظ میں کمی زیادتی کا اختیار ہے۔اوراگر کسی نے سلام پہنچانے کے لئے کہا ہوتو اُس کا سلام بھی پہنچا دیجئے۔سلام کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ کہیں:

يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى : وَلَوْاَنَّهُمْ اِذْظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُو اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًافَجِئْنَاكَ ظَالِمِيْنَ لِاَنْفُسِنَا مُسْتَغْفِرِيْنَ لِذُنُوْبِنَا فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّنَاوَنَسْأَلُهُ اَنْ يُّمِيْتَنَا عَلٰى سُنَّتِكَ وَاَنْ يَّحْشُرَنَا فِيْ زُمْرَتِكَ جَزَاكُمُ اللهُ تَعَالٰى اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

''اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی بابت فرمایا ہے: جس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آجائیں' پھر اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول بھی اُن کے حق میں مغفرت چاہیں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں۔ پس ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور آپ کی وساطت سے رب سے اپنے گناہوں کی بخشش کرانے آئے ہیں' پس آپ ہمارے رب کے ہاں ہمارے لئے شفاعت کر دیجئے اور ہم اللہ تعالیٰ سے (آپ کے وسیلہ سے) درخواست گزار ہیں کہ وہ ہمیں آپ کی سنّتِ مبارک پر وفات دے اور (روزِ قیامت) آپ کی اُمّت میں سے اُٹھائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے!

زیارت کے بعد دعا سے فارغ ہو کر اُسطوانہ ابی لبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں۔ پھر روضۃ الجنّۃ میں آکر نفل پڑھیں بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔اس کے بعد منبر کے پاس آکر اور اُس پر ہاتھ رکھ کر دعا اور درود پڑھیں۔ پھر ستونِ حنّانہ اور باقی ستونوں کے پاس دعا و استغفار کریں۔

<u>رَوضَۃ الجَنّۃ میں ستون ہائے رحمت</u>: رَوضَۃُ الجَنّۃ میں قدیم مسجدِ نبوی ﷺ کے اندر سات ستون ہیں جنہیں اسطواناتِ رحمت کہا جاتا ہے۔ اُن پر سنگِ مرمر چڑھا ہوا ہے اور طلائی کام کیا ہوا ہے۔ پہلی قطار میں چار ستون سرخ پتھر کے ہیں اور امتیاز کے لئے اُن پر اُن کا نام کندہ ہے۔تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) <u>اُسطوانہ حنّانہ</u>: یہ ستون اُس تنہ کھجور کی جگہ ہے جو آں حضور ﷺ کے منبر پر منتقل ہونے سے سسکیاں بھرتی تھیں جنہیں صحابہ کرام نے بھی سنا تھا۔

(۲) <u>اُسطوانہ حرس</u>: جب حضور ﷺ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے جاتے تو کوئی صحابی یہاں پہرہ دینے کے لئے آبیٹھتے تھے۔

(۳) <u>اُسطوانہ وفود</u>: باہر سے جو وفود مشرّف بہ اسلام ہونے کے لئے آتے تو یہاں بیٹھ کر آپ کے دستِ مبارک پر مشرّف بہ اسلام ہوتے تھے۔

(۴) <u>اُسطوانہ ابی لبابہ</u>: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ صحابی بہ تقاضائے بشریت غزوہ تبوک میں نہ جا سکے

تھے جس کا ذکر سورۃ التوبہ میں پارہ ۱۱ میں ہے۔ اس کی وجہ سے ابولبابہ نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک حتمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نہیں کھولیں گے' بندھا رہوں گا۔ حضور علیہ السلام نے بھی فرمادیا تھا کہ جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم نہیں ہوگا' میں بھی اُسے نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ پچاس دن کی طویل مدّت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کی اور حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اُنہیں کھولا۔

(۵) اُسطوانہ سریر : یہاں حضور ﷺ اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور رات کو آرام کے لئے آپ کا بستر یہاں بچھایا جاتا تھا۔

(۶) اُسطوانہ جبریل : حضرت جبریل علیہ السلام' صحابیِ رسول حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں وحی لے کر آتے تو اکثر اس جگہ بیٹھے نظر آتے تھے۔

(۷) اُسطوانہ عائشہ : فرمانِ نبوی ہے کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت معلوم ہو جائے تو ترجیح کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجائے۔ اُس وقت سے صحابہ کرام کو اُس جگہ کے معلوم کرنے کی جستجو رہی۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہ کو یہ جگہ بتائی جہاں اب یہ ستون ہے۔

اِن تمام ستونوں کے قریب جا کر دعا و استغفار کریں۔ پھر اپنی قیام گاہ پر آجائیں اور جب تک جی چاہے' مدینہ منوّرہ میں قیام کریں اور ان ایّام کو غنیمت جانتے ہوئے بہ کثرت درود پڑھیں اور استغفار کرتے رہیں۔

مدینہ منوّرہ کے قابلِ زیارت مقاماتِ متبرکہ

(۱) زیارت اہل البقیع : البقیع مدینہ منوّرہ کا قبرستان ہے جو شہر سے متصل شرقی جانب ہے اور مسجد نبوی کے بابِ جبریل کے باہر سے اب صاف نظر آتا ہے۔ اس میں دس ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آرام فرما ہیں۔ امیر المؤمنین سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ ذی النورین بھی البقیع کے شرقی شمالی گوشہ کے قریب مدفون ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی زیارت کے بعد اہل البقیع کی زیارت بھی روزانہ بالخصوص جمعہ کے دن مستحب ہے۔ البقیع میں داخلے پر یہ دعا پڑھیں :-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ الْبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ

پھر جن لوگوں کے نشانات معلوم ہیں' اُن کی زیارت کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یوں سلام کہیں :

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ثَالِثَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ذَاالنُّوْرَيْنِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُجَهِّزَ جَيْشِ الْعُسْرَةِ بِالنَّقْدِ وَالْعَيْنِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاصَاحِبَ الْهِجْرَتَيْنِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَامِعَ الْقُرْآنِ بَيْنَ اللَّفَّتَيْنِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَبُوْرًا عَلٰى

الا کدار۔اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشَهِیْدَ الدَّارِ۔اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُه'

زیارت شہدائے اُحد : سن تین ہجری کا مشہور واقعہ یعنی غزوہ اُحد اسی جگہ ہوا تھا۔شہدائے اُحد'جبلِ اُحد اور اس کی مساجد کی زیارت پاک وصاف ہو کر جمعرات کے دن نمازِ فجر کے بعد سویرے سویرے کرنا مستحب ہے۔آقائے نامدار ﷺ کے چچا اور سیّد الشہداء جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزارِ مبارک اسی جگہ کھلے میدان میں ہے۔پہلے مسجد حمزہ میں دو رکعت نفل پڑھیں۔اس کے بعد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کریں اور نہایت سکون و وقار کے ساتھ سلام عرض کریں۔حضرت حمزہ ہی کے پاس حضرات عبداللہ بن جحش اور مُصعب بن عُمیر ☆ رضی اللہ عنہما کے مزاراتِ مبارکہ ہیں۔اُن پر بھی سلام عرض کریں۔پھر باقی دیگر شہداء پر سلام عرض کریں۔مشہور یہ ہے کہ وہاں پر ستر شہداء آرام فرما ہیں۔

جبلِ اُحد پر رسولِ مکرّم ﷺ نے نشست اختیار فرمائی ہے اور فرمایا کہ جب تم جبلِ اُحد پر آؤ تو اُس کے درخت سے کچھ کھاؤ اگرچہ درخت خاردار ہی ہو۔اس لئے وہاں کی چیزوں میں سے کچھ کھالینا مستحب ہے۔نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اُحد پہاڑ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اُحد سے محبت کرتا ہوں۔

مسجد قُبا : مدینہ منوّرہ سے جنوبی جانب میں مسجدِ نبوی سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔یہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے۔جب رسولِ مکرّم ﷺ مکہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے اور بنی عوف میں قیام فرمایا تو آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اپنے دستِ مبارک سے اس مسجد کو تعمیر فرمایا۔مسجد حرام'مسجدِ نبوی اور مسجد اقصٰی کے بعد یہ مسجد تمام مساجد سے افضل ہے۔رسول اللہ ﷺ اکثر مدینہ منوّرہ سے مسجدِ قبا تشریف لایا کرتے۔ہفتہ کے دن مسجدِ قُبا کی زیارت افضل ہے اور آقا علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسجدِ قُبا میں دو رکعت کا ثواب مثلِ عمرہ کے ہے۔مسجد قُبا کی عظمت وتوقیر کا ذکر سورۃ التّوبہ کی آیت ۱۰۸ میں اس طرح ہے :

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ

''جس مسجد کی بنیاد اوّل روز سے تقویٰ پر پڑی ہے'وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں۔''

مسجد جمعہ : قُبا کے راستہ سے مشرق کی جانب وادی ''رانونا'' میں ''بُستان الجزع'' کے پاس ہے۔اس جگہ بنو سالم آباد تھے۔ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ آقا علیہ السلام نے اسی جگہ پڑھا تھا جہاں بعد میں مسجد بنا دی گئی۔

مسجد قبلتین : مدینہ منوّرہ کے شمال مغرب میں وادیٔ عقیق کے قریب ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔اس میں ایک محراب بیت المقدس کی طرف ہے اور دوسرا کعبہ کی طرف۔چونکہ تحویل قبلہ کا واقعہ جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۴۲ تا ۱۴۴ و مابعد کی چند آیات میں ہے' اسی مسجد میں ہوا تھا' اس لئے اسے مسجد قبلتین کہتے ہیں۔

☆ یہ مُصعب بن عمیر وہی ہیں جن کی شہادت پر کفارِ مکّہ اور منافقین مدینہ نے یہ بات اُڑادی تھی کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے کیونکہ ان کی شکل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل وصورت کے عین مشابہ تھی۔

مسجد الاجابۃ: البقیع سے شمال کی جانب ''بستان سمان'' کے پاس ہے۔ یہاں معاویہ بن مالک بن عوف رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن یہاں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد دیر تک دعا میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین درخواستیں کیں: ایک تو یہ کہ میری اُمّتِ (اجابت) کو قحط سالی کے عذاب سے تباہ نہ فرمایئے' دوم یہ کہ میری اُمّت کو غرقِ عام سے ہلاک نہ کیجئے۔ یہ دونوں دعائیں مقبول ہوگئیں۔ سوم یہ کہ باہم اختلاف اور خانہ جنگی نہ ہو' یہ دعا منظور نہیں ہوئی۔

مسجد غمامہ (مسجد مصلّٰی): یہ مناخہ کے جنوب مغرب میں ہے۔ آپ ﷺ یہاں عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔

بئر رُومہ (بئر عثمان): مدینہ منوّرہ کے شمال مغرب میں وادیٔ عقیق کے کنارے پر جنگل میں مدینہ منوّرہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا جس کا پانی بہت شیریں اور صاف تھا۔ یہودی اس کا پانی فروخت کرتا تھا۔ مسلمانوں کو پانی کی قلت کی بہت تکلیف تھی۔ رسولِ مکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کے خریدنے کی ترغیب دلائی تو سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

سلام وداع: جب آقائے نامدار محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور مساجد ومشاہد کی زیارت سے فارغ ہوں اور وطن کی طرف واپسی کا ارادہ ہو تو مسجدِ نبوی یا محرابِ نبوی میں یا اُس کے قریب جہاں جگہ ملے' دو رکعت نماز پڑھیں۔ اس کے بعد مرقدِ اطہر پر حاضر ہو کر سلام پڑھیں۔ پھر دین و دنیا کی حاجات کے لئے اور حج و زیارات کے قبول ہونے اور گھر عافیت سے پہنچنے کی دعا مانگیں اور یوں کہیں:

اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْ ھٰذَا آخِرَالْعَھْدِ نَبِیِّكَ وَمَسْجِدِہٖ وَحَرَمِہٖ وَیَسِّرْلِیَ الْعَوْدَ اِلَیْہِ وَالْعَکُوْفَ لَدَیْہِ وَارْزُقْنِیَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَرُدَّنَا اِلٰی اَھْلِنَا سَالِمِیْنَ غَانِمِیْنَ آمِیْن بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

''اے اللہ! آپ اپنی نبی علیہ السلام' مسجد نبوی اور حرم نبوی کی اس زیارت کو آخری نہ بنائیں بلکہ میرے لئے دوبارہ آنا اور ٹھہرنا سہل اور آسان فرما دیں۔ ان کی حضوری میں میرے لئے دین و دنیا کی سلامتی اور عافیت مقدّر فرما اور میں اپنے گھر اجر و ثواب لے کر عافیت اور سلامتی کے ساتھ جاؤں یا ارحم الرّاحمین۔''

اُس وقت جس قدر حزن و ملال اور رنج و غم کا اظہار ہو سکے کریں اور آنسو بہانے کی کوشش کریں کہ اس وقت آنسوؤں کا نکلنا اور دل پر حزن و ملال کا غلبہ ہونا قبولیت کی علامت ہے۔ پھر روتے ہوئے اور دربارِ نبوی پر حسرت و افسوس کرتے ہوئے چلیں اور جو کچھ میسر ہو' فقرائے مدینہ پر صدقہ کریں اور اس سفر کی دعائیں پڑھتے ہوئے چلیں۔ کھجور' زمزم اور تبرکات کا ساتھ لانا مستحب ہے۔ اپنا شہر اور مسکن قریب آنے پر یہ دعا پڑھیں: آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ گھر سے قریب کی مسجد میں دو رکعت شکرانے کے پڑھیں بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں: تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا أَوْبًا لَا یُغَادِرُ عَلَیْنَا حُوْبًا۔ پھر گھر میں بھی دو رکعت شکرانہ کے پڑھیں۔ سفرِ حج کی تکالیف بیان کرنا جائز نہیں۔ ملنے والوں سے ضرور ملیں اور اُن کی فرمائش پر دعا بھی ضرور کریں کہ حاجی کی دعا مقبول ہے۔

''حج بدل: ایک آدمی پر حج کرنا فرض ہو گیا اور اُس نے حج کرنے کا وقت پا بھی لیا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے وہ حج نہ کر سکا۔ مثلاً وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس سے اُسے صحت یاب ہونے کی امید نہ رہی یا وہ نابینا یا کسی حادثے میں مقطوع الاعضاء ہو گیا یا بڑھاپے کی وجہ سے وہ سفر کی صعوبت برداشت نہیں کر سکتا تو اِن تمام صورتوں میں اُس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو حج کرنے کے لئے مقرر کرے یا یہ وصیّت کرے کہ اُس کی موت کے بعد اُس کے مال میں سے اُس کی طرف سے حج کرنے کا انتظام کیا جائے۔''

حج بدل کے مسائل : (۱) ''اپنی طرف سے حجِ بدل کرا دینے کا اصول یہ ہے کہ اگر وہ عذر جس کی وجہ سے وہ حج خود نہیں کر سکا' حج بدل کرانے کے بعد دُور ہو جاتا ہے تو فریضہِ حج خود ادا کرنا اُس کے ذمّہ باقی رہے گا اور وہ حجِ بدل جو اُس نے اپنی طرف سے کسی کو کرایا' اُس کا حجِ نفل بن جائے گا۔''

(۲) ''اگر کسی عورت کے پاس حج کرنے کے لئے سرمایہ تو ہے لیکن اُسے ساتھ جانے کے لئے کوئی مَحرَم نہیں ملتا' یا اُسے محرَم ملتا تو ہے لیکن وہ اپنے ہمراہ لے جانے میں اُس کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتی تو اس صورت میں اُس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حجِ بدل کرا دے یا ایسا کرنے کی وصیّت کر دے۔ (محرم میں والد' بیٹا' بھائی' بھانجا' بھتیجا وغیرہ کے علاوہ خاوند بھی شامل ہے)۔

(۳) ''بہتر ہے کہ حجِ بدل اُس سے کرایا جائے جس نے پہلے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ اگر حج بدل اُس شخص سے کرایا گیا جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اور حج اُس پر فرض بھی نہ تھا تو حجِ بدل ہو تو جائے گا لیکن یہ قابلِ ترجیح نہیں ہے۔''

(۴) '' حج فرض ہونے کے باوجود اگر اس شخص نے حج نہیں کیا تو اُسے کسی کی طرف سے حجِ بدل پر جانے کی اجازت نہیں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی اور گناہ کی بات ہے۔ تاہم اُس کی طرف سے جو اُسے حجِ بدل کے لئے بھیج رہا ہے' حج ہو جائے گا۔''

(۵) ''حجِ بدل اجرت اور تنخواہ پر کرانا درست نہیں ہے۔ ایسے حج پر کسی قسم کی اجرت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور اس صورت میں اجرت دینے اور لینے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ تاہم آمر (یعنی جس نے اُسے حج بدل کے لئے بھیجا) کا حج ہو جائے گا اور لی گئی اجرت لینے والے کو واپس کرنا ہو گی اور حج پر کئے گئے صرف مصارف کا لینا جائز ہو گا۔ حجِ بدل پر ہونے والے تمام ضروری اخراجات آمر کے ذمّہ ہوں گے جن میں آمد و رفت کا کرایہ' سفر کے دوران کے اخراجات' حرمِ مکّہ اور حرمِ مدینہ میں رہائش کے اخراجات' کھانے پینے' کپڑے دُھلانے' خیمہ کرنے اور اِحرام کے اخراجات' دورانِ سفر ضروری برتنوں اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی فراہمی تمام کی تمام آمر کی ذمّہ داریاں ہیں لیکن لباس اور برتن حجِ بدل کرنے کے بعد آمر کو لوٹانا ہوں گے۔ اسی طرح حجِ بدل کرنے کے بعد

اگر کچھ رقم بچ جائے تو وہ بھی آمر کو لوٹانا ہوگی۔ لیکن اگر آمر اُسے وہ رقم اپنی خوش دلی سے دے دے تو مامور (حجِ بدل کرنے والے) کے لئے اُس رقم کا لینا درست ہے۔ اگر حجِ بدل کسی متوفّی کی جانب سے کیا گیا تو ایسی رقم لینے کے لئے متوفّی کی وصیّت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر متوفّی کی جانب سے ایسی کوئی وصیّت نہیں اور وہ رقم متوفّی کے تہائی ترکے سے بڑھ رہی ہے تو اس صورت میں متوفّی کے تمام وارثوں کا اس بچی ہوئی رقم کے بارے میں متفق ہونا ضروری ہے۔''

(۶) ''مامور کے لئے اُس شخص کے لئے حج (بدل) کی نیت کرنا ضروری ہے جس کی طرف سے وہ حج پر جارہا ہے۔ یہ بات بھی بہتر ہے کہ تلبیہ کے الفاظ میں وہ تلبیہ عَن فلان کے الفاظ ادا کرے یعنی وہ تلبیہ میں عَن کے لفظ کے بعد آمر کا نام لے۔'' اگر نائب نے حج کی نیت اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا

(۷) ''مامور (نائب) کے لئے آمر کی ہدایات اور شرائط کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ اگر مامور (نائب) ان ہدایات کو بجا نہیں لاتا اور اُن کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو یہ حجِ بدل نہیں رہے گا بلکہ مامور کی طرف سے سمجھا جائے گا اور اس حج میں کئے گئے مصارف نائب کی جانب سے آمر کو لوٹانا ہوں گے۔ مثلاً اگر آمر نے مامور کو حجِ افراد کرنے کو کہا تو اُس کے لئے حجِ قِران یا حجِ تمتع کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہیں بلکہ مامور (نائب) کی طرف سے ہوگا اور مامور (نائب) کو حج پر کئے گئے تمام اخراجات آمر کو لوٹانا ہوں گے۔''

(۸) ''اگر حجِ بدل کرنے والا شخص (یعنی نائب) آمر کی ہدایات اور شرائط کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو جیسا کہ بیان ہوا، یہ حج مامور (نائب) کی طرف سے ہوگا۔ تاہم مامور (نائب) کے ذمّہ حج کا فریضہ باقی رہے گا اور اُس کا کیا ہوا حجِ بدل اُس کا نفل حج شمار ہوگا۔ اگر بعد ازاں اُس کے پاس حج کرنے کی رقم جمع ہو جائے اور حج کی دوسری شرعی شرائط بھی پوری ہو جائیں تو وہ دوبارہ اپنا حجِ فرض ادا کرے گا۔''

(۹) ''اگر آمر نے مامور (نائب) کو عمومی اجازت دے دی اور اُس کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح چاہے، حج کرے (حجِ اِفراد، حجِ قِران یا حجِ تمتع کرے)، تو عمرہ ادا کرنے کے بعد وہ مکّہ مکرّمہ میں حج کا اِحرام باندھے اور حج کرے۔ اس صورت میں مامور کے حجِ اِفراد اور حجِ قِران کے جواز کے بارے میں فقہاء متفق الرائے ہیں لیکن حجِ تمتع کے بارے میں وہ باہم مختلف الرائے ہیں۔ لیکن چونکہ آمر نے مامور کو حجِ تمتع کرنے کی بھی اجازت دے رکھی ہے، اس لئے اگر وہ کسی ضرورت کے تحت حجِ تمتع کر لے تو امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حج کرانے والے کے فرض کی ادائی کو قبول فرمالے۔'' (''اِرشاد السّاری'' لِمُلّا علی قاری)

(۱۰) ''عورت اور غلام بھی حجِ بدل کر سکتے ہیں۔'' (کتاب الفقہ لعبدالرحمٰن الجزیری، ج ۱، ص ۱۱۶۷)

نوٹ: یہ تمام اصول فقہِ حنفی کے مطابق ہیں۔ دیگر مسالک کے لئے متعلقہ کتبِ فقہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۶۱) حجاب (پردہ)۔۔Hijaab

(نوٹ: مؤلف کا یہ مضمون گورنمنٹ کالج ملتان کے میگزین ''نخلستان'' ۱۹۸۲ء-۱۹۸۳ء میں بہ عنوان Purdah System in Islam چھپا تھا۔ کچھ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اُسے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔)

''پردہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی اوٹ اور گھونگٹ کے ہیں۔ اس کے لئے قرآن مجید نے سورۃ النُّور کی آیت ۳۱ میں خُمُر (واحد خِمَار) اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں حِجاب کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اِن الفاظ سے عیاں ہے کہ اسلام نے حجاب (یعنی پردہ) کا لفظ جن احکام کے مجموعہ پر بطورِ عنوان استعمال کیا ہے' وہ اسلامی حیاتِ معاشرت کے ضابطہ کے اہم اجزاء ہیں۔ اُن کی تشریح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا ستر چہرہ' کلائی کے جوڑ تک ہاتھ اور ٹخنے' پاؤں کے سوا اُس کا سارا جسم ہے جسے باپ اور بھائی تک سے چھپا کر رکھنا چاہئے۔ آج ہم جس چیز کو پردہ کہتے ہیں' اُس میں عملی طور پر افراط و تفریط ہو گئی ہے لیکن اصول' ضابطے اور قاعدے وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے مدینہ کے مسلم سماج میں جاری کئے تھے۔

پردے کا الٰہی حکم غزوۂ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں' کے بعد ۵ ہجری میں نازل ہوا جس میں ربّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے محبوب علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے اُن کی اُمّت کی عورتوں کو یہ حکم فرمایا:

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا O (الاحزاب: ۵۹)

''(اے نبی مکرّم!) اپنی بیویوں' بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر سے تھوڑی سی نیچی کر لیا کریں۔ اِس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے اُنہیں ستایا نہیں جائے گا' اور اللہ تو بڑی ہی مغفرت والا' بڑی ہی رحمت والا ہے۔'' (۳۳ : ۵۹)

''یعنی اِس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اوّل نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف عورت اور عزّت دار بیبیاں ہیں' بے حیا نہیں ہیں اور اس لئے اُن سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہو گی۔ عورت کی عصمت کے تحفظ میں اُس کی وضع اور لباس کے وقار کو بڑا دخل ہے۔ جو عورت اپنی وضع و قطع و پوشش سے آوارہ معلوم ہوتی ہے' اُسے دیکھ کر محض لفنگوں اور بدمعاشوں ہی کے نہیں' بلکہ دوسروں کی طبیعتوں میں بھی گدگدی پیدا ہوتی ہے' بخلاف اس کے جس عورت کی وضع و قطع' چال ڈھال سنجیدہ' حیادار اور شریفانہ ہے اور وہ اپنا رکھ رکھاؤ قائم کئے ہوئے ہے' اُسے چھیڑنے کی ہمت بدمعاشوں کو بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ فقہاء نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جوان عورت پر نامحرموں سے اپنے چہرے کا پردہ واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ باہر نکلنے پر پردہ کا اہتمام کرے۔ آیت کے آخری حصے میں یہ بتا دیا کہ اللہ خواہ مخواہ اور بہت سختی سے گرفت نہیں کرتا چنانچہ سر اور چہرہ کے ڈھانپنے کے حکم میں اگر بلا قصد کچھ کمی یا بے احتیاطی رہ جائے گی تو وہ اُسے معاف فرما دے گا۔'' (تفسیر ماجدی اُردو' صفحہ ۸۵۶' نوٹ: ۱۳۶' ۱۳۷)

آیتِ مذکورہ بالا میں لفظ جَلابِیب (واحد جلباب) کی تشریح میں مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:
اَلْجِلْبَابُ ثَوب'' وَّاسِع '' لِلْمَرْأَةِ دُوْنَ الْمِلْحَفَةِ أَوْمَاتُغَطِّی بِهَا ثِيَابَهَا مِنْ فَوْقِ كَالْمِلْحَفَةِ أَوْ هُوَالْخِمَارُ (اَلْقَامُوس الْمُحِيط، جلداوّل، صفحہ ۴۷)
''جلباب جو کمبل کی طرح تو نہیں لیکن ایسی کھلی چادر ہے جسے عورت اپنے جسم کے اوپر سے ڈال کر اپنے جسم کو چھپاتی ہے یا یوں کہئے کہ جلباب بذاتِ خود حجاب (پردہ) ہے۔''

اور ایڈورڈ ولیم لین کی Arabic-English Lexicon نے جلباب کا یہ معنیٰ دیا ہے:
''یہ وہ کپڑا اور چادر ہے جس سے آدمی کا تمام جسم مکمل طور پر چھپ جاتا ہے۔'' (جزءدوم، صفحہ ۴۳۹)

''زمانہ جاہلیت میں کچھ عورتیں اپنے جسم کے پُرکشش حصوں یعنی گردن، چھاتی کے بالائی حصے اور سر کے بالوں کو کھلا اور ننگا کر کے باہر نکلا کرتی تھیں اور غنڈے اور بدمعاش لوگ اُن کا تعاقب کیا کرتے تھے۔ اِس پریکٹس کے ردّ میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ چادروں سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیا کریں تاکہ اُن کے جسم کا جنسی انگیخت پیدا کرنے والا کوئی بھی حصّہ نظر نہ آئے کیونکہ اُس کا یہ عمل ہر ایک کو صاف طور پر بتادے گا کہ وہ پاکدامن، مسلمان عورت ہے اور اس طرح کسی آوارہ، لُچے لفنگے یا منافق کو اُسے چھیڑنے کی جراٴت نہ ہوگی۔''

''اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے (جیسا کہ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے) کہ اس حکم کا سبب عورت کی بے راہروی یا اُس پر عدمِ اعتماد نہیں ہے بلکہ پردے کے حکم کا اصل سبب عورت کو آوارہ مزاج اور بدکردار لوگوں کی طرف سے خطرہ ہے، کیونکہ جو عورت بیبا کانہ طور پر باہر نکلتی ہے، ورغلانے والی اور فریب کار چال سے چلتی ہے، یا دل کشی کے ساتھ کسی سے بات کرتی ہے، تو لازمی طور پر شہوانی لوگوں کو اُس کی طرف کشش ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں موجود ہے، اگرچہ اس میں براہِ راست خطاب نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہّرات کو ہے:
فَلاَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَض'' وَّقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوْفًاO (الاحزاب: ۳۲)
''تو تم کلام میں نزاکت اختیار مت کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدے کے موافق بھلی بات کیا کرو۔'' (۳۲ : ۳۳) (بحوالہ یوسف القرضاوی)

''عورت کی آواز میں جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے، اُسے مرد کی خواہشِ نفسانی کے اُبھارنے میں بڑا دخل ہے۔ اسلام کے ہمہ داں، ہمہ بیں، شارع عزّ وجلّ نے نفس کے اس محرّک کو بھی اِجرائے احکام میں پوری طرح پیشِ نظر رکھا ہے اور اس کی ہدایت اُمّت کی ہر عورت کے لئے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے اور ازواجِ نبی کے لئے اُن کے شرف و احترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔ اور جب مطلق گفتگو کے بارے میں یہ اہتمام ہے تو ظاہر ہے کہ عورت کے حلق و دہن سے نکلا ہوا نغمہ و موسیقی نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔ لہٰذا حکم ہوا کہ حیا و عزت کے جو قاعدے شرفاء میں رائج ہیں، اپنا لب و لہجہ اُن کے مطابق رکھو تاکہ

بدکردار اور فاسد المزاج کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔ اس حکم کی جو اہمیت مدینہ کی ناموافق فضا میں تھی، وہی اہمیت عام مؤمنات کے لئے آج کی غیر صالح، فاسقانہ، فاجرانہ فضا میں بھی ہے۔ فقہاء نے اس پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ اسی طرح مَردوں کو بھی تلذّذِ فاسقانہ کی باتیں کرنا حرام ہیں اور خود مَردوں، مَردوں، عورتوں عورتوں کے درمیان بھی۔ فقہائے حنفیہ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد مسئلے بیان کئے ہیں مثلاً یہ کہ (۱) عورت کے لئے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے مرد سُنیں۔ (۲) عورت کے لئے اذان دینا ناجائز ہے۔ (۳) جب عورت کے پاؤں کے زیور یعنی پازیب کی آواز ممنوع ہے (بحوالہ سورۃ النور: آیت ۳۱) تو جوان عورت کے کلام کی آواز تو بدرجہ اُولیٰ ممنوع ٹھہرے گی۔'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۸۴۷، نوٹ: ۶۰، ۶۱)

مسلمان کو گمراہ کرنے اور اُسے راہِ حق کی پٹڑی سے اتارنے کی متشدّد اور عصبیّت زدہ کوشش میں دشمنانِ اسلام نے فقہائے اسلام کی تحریروں کا مطالعہ کوئی ایسا فقہی بیان نکالنے کی غرض سے کیا جس سے اُن کے مخصوص مفاد کے حصول کی راہ ملے۔ اور یہ سب کچھ ''آزادیٔ نسواں'' کے پردے میں کیا گیا۔ شدید کوشش کے بعد اُنہوں نے قرآن اور سنتِ نبوی سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے:

(۱) کچھ مسلمان علماء کے نزدیک عورت کو اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت ہے۔
(۲) بیرونی ضروریات کی تکمیل کے لئے اُسے اپنے گھر سے باہر جانے کی بھی اجازت ہے۔
(۳) اسلام کی تاریخ میں عورت کا مسلمان زخمی مجاہدین کو طبی امداد دینے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے کی مثالیں اور میدانِ جہاد میں اُن کا مجاہد مسلمانوں کو پانی پلانے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔
(۴) مسجدوں کی پنجگانہ نماز میں مسلمان عورتوں کا شامل ہونا، تحصیلِ علم اور قرآن وحدیث پڑھانے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

عورت کو پردہ کی پابندی سے آزادی دلانے کی وکالت میں پردے کے مخالفین کے لئے درجِ بالا چار نکات کا ہی مواد کافی تھا۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف علماء اور فقہائے کرام مندرجہ بالا چار نکات کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور اُن کے نزدیک محوّلہ بالا قرآنی عبارت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ کا کیا معنیٰ ومفہوم ہے۔

(1) <u>عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کا مسئلہ</u>: ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کھلا رکھنے کا جواز سورۃ النور کی آیت ۳۱ کے الفاظ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سوائے اس کے جو اُس میں سے کھلا ہی رہتا ہے) سے معلوم ہوا۔ اس سلسلہ میں مختلف علماء وفقہائے کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک جلباب کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے جسم کو سر سے لے کر پاؤں تک کو چہرہ اور ناک سمیت مکمل طور پر چھپائے اور راستہ دیکھنے کے لئے اُس کی صرف ایک آنکھ کھلی ہونی چاہئے۔ اِس حالت میں

بھی عورت کو خوشبو لگا کر یا جھنکار پیدا کرنے والے زیورات پہن کر باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ اُسے مَردوں سے خلط ملط ہونے کی بھی اجازت نہیں بلکہ اُسے مَردوں سے ہٹ کر راستے کے ایک طرف چلنا چاہئے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ بحوالہ ''معارف القرآن'')

(۲) امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں: ''سورۃ الاحزاب کی عبارت یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ عورت بے حیا اور فاحشہ نہیں ہے۔ کیونکہ چہرہ چھپانے والی عورت (اور چہرہ ستر میں شامل نہیں) سے ستر کھلا رکھنے کی توقع نہیں ہوسکتی اور اُسے اپنے ستر کو مَردوں سے چھپانا فرض ہے۔ اس طرح ہر ایک کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ شریف و باحیا ہے جو کسی بے حیائی اور ننگے پن کا مظاہرہ نہیں کرتی۔'' (تفسیر کبیر' ج ۶' ص ۵۹۱)

(۳) ''عورتوں کو چادر کا کچھ حصّہ اپنے اوپر سے جسم پر ڈال لینا چاہئے۔ لہٰذا اس آیت میں مسلمان عورتوں کو اپنا چہرہ اور سر چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (''غرائب القرآن'' از نظام الدین نیشاپوری' جلد دوم' صفحہ ۳۲)

(۴) یہ آیت نوجوان مسلمان عورتوں پر غیر مَردوں سے اپنے چہرے چھپانے کو فرض قرار دیتی ہے اور یہ کہ وہ اپنے گھر سے جہاں کہیں بھی جائیں تو اپنے جسموں کو مکمل طور پر چھپا کر جائیں تا کہ شہوانی نظریں اُن کا تعاقب نہ کریں۔ (''احکام القرآن'' لابی بکر جصاص' جلد سوم' صفحہ ۴۵۸)

(۵) ''اُمّ سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انصار کی عورتیں گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنے چہروں کو ایسے مضبوط بندھن سے چھپاتی تھیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے سروں پر کوئی پرندہ بندھا بیٹھا ہے اور وہ کالی اوڑھنیاں اپنے سروں کے اوپر سے لے کر اُن سے اپنے جسموں کو چھپاتی تھیں۔'' (تفسیر ابن کثیر' جلد چہارم' سورۃ الاحزاب کی اُسی آیت ۵۹ کے تحت)۔

(۶) ''لفظِ جلباب کا اطلاق ایک ایسی کھلی چادر پر ہوتا ہے جو جسم کے اوپر سے لی جائے اور پورے جسم کو چھپالے۔ یہ خِمار اور رداء سے زیادہ کھلی ہوتی ہے جسے عورتیں اپنے سروں اور چہروں پر ڈالتی ہیں اور کپڑے کا باقی حصّہ اُن کی چھاتی کو چھپاتا ہے۔ پس سورۃالاحزاب کی عبارت یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کا معنیٰ یہ ہوا کہ مسلمان عورتیں اُن جلابیب کو اپنے جسموں پر ڈالیں جن سے وہ اپنے چہروں اور پہلوؤں کو چھپالیں۔''
(تفسیر ''الکشّاف'' لعلامہ زمخشری' ج دوم' صفحہ ۲۲۱)

(۷) ''نامور ماہرِ لغت امام کِسائی کا تبصرہ یوں ہے: عورتیں اپنے جسموں کے اوپر سے اوڑھنی کے ذریعے اپنے جسموں کو مکمل طور پر ڈھانپ لیں۔'' (بحوالہ تفسیر الکشّاف لزمخشری)

(۸) ''معزّز و باوقار خواتین جب اپنے گھروں سے باہر جائیں تو وہ اپنے لباس سے باندیاں نظر نہ آئیں کہ جن کے چہرے کھلے ہوں اور بال پریشان ہوں بلکہ اُنہیں اپنی چادروں کے کچھ حصّے کو اپنے اوپر لے لینا چاہئے تا کہ

بُری اور شہوت کی نظر اُنہیں چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔'' (''جامع البیان'' لابن جریر طبری' جلد ۲۲' صفحہ ۳۳)

(۹) ''اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عورت جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلے تو اُسے اپنا جسم اور چہرہ مکمل طور پر ڈھانپ لینا چاہئے اور اُسے کھلے چہرے اور جسم کے ساتھ باہر نہیں نکلنا چاہئے تاکہ بدچلن لوگ اُسے لونڈی یا باندی نہ سمجھیں۔''
(''روح البیان'' لاسمٰعیل حقی)

(۱۰) ''چہرہ اور دونوں ہاتھ اس چھپانے میں شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ اعضائے جنسی نہیں ہیں۔ بلکہ اغلب بات یہ ہے کہ اِن اعضاء کا نہ چھپانا نماز کے مقصد کے تحت ہے نہ یہ کہ لوگ اُنہیں تاکیں۔ دراصل آزاد عورت کا تمام جسم ستر کا حکم رکھتا ہے اور اُس کا کوئی بھی حصہ خاوند اور محرم کے سوا کسی کو نظر نہیں آنا چاہئے۔ ہاں ضرورت کے تحت اور بات ہے مثلاً یہ کہ اُسے طبی امداد کی ضرورت ہو یا عدالت میں اُسے گواہ کے طور پر پیش ہونا ہو۔'' (تفسیر بیضاوی)

علاوہ ازیں کئی ایسی احادیثِ نبویہ بھی اس بات کے ثبوت کے لئے موجود ہیں کہ آیاتِ حجاب کے نزول کے بعد نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات اور مسلمان خواتین غیر محرم مَردوں سے پردہ کرتی تھیں اور اُنہوں نے اپنے آپ کو اپنے گھروں میں پابند کر لیا تھا اور وہ کسی حقیقی ضرورت کے وقت ہی اپنے گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ مثلاً:

(i) سیّدہ اُمِّ سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھی تھیں کہ ابنِ اُمِّ مکتوم نام کے ایک نابینا صحابی نبی علیہ السلام کے پاس آئے۔ نبی علیہ السلام نے ہمیں پردہ کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ نابینا نہیں اور ہمیں دیکھنے کے قابل نہیں؟ آپ نے فرمایا: کوئی شک نہیں کہ وہ نابینا ہے لیکن تم تو نابینا نہیں ہو۔ کیا تم اُسے نہیں دیکھ رہیں؟'' (ترمذی؛ ابوداؤد؛ مسند احمد)

کچھ متشدد علماء مندرجہ بالا حدیث کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو کسی غیر محرم کے جسم کے کسی حصے کو بھی دیکھنے کی اجازت نہیں۔

(ii) سیّدہ اُمِّ سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم عورتوں میں سے کسی کے غلام نے اُس سے اپنی آزادی خریدنے کا معاہدہ کر لیا ہو اور اس کی پوری رقم بھی ادا کر دی ہو تو اُسے اُس غلام سے پردہ کرنا چاہئے۔'' (ابنِ ماجہ' ترمذی' ابوداؤد)

(iii) سیّدہ اُمِّ سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ اللہ کے رسول اُن کے ساتھ تھے' تو وہاں ایک خواجہ سرا تھا جس نے اُمِّ سلمٰی کے بھائی عبداللہ ابنِ اُمیہ سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کل طائف کو تمہارے لئے فتح کر دے تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی کی طرف لے جاؤں گا جس کے اگلے حصے پر چربی کی چار تہیں اور پچھلے حصے پر آٹھ تہیں ہیں۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دیا کرو۔ (بخاری' مسلم بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ)

(iv) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبکہ ایک آدمی میرے پاس بیٹھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ہمیں دیکھنے پر آپ کے روئے انور پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے تو میں نے عرض کی کہ وہ میرا

رضاعی بھائی ہے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: اس بات کا خوب یقین کر لو کہ کون تمہارا رضاعی بھائی ہے کیونکہ رشتہِ رضاعت صرف اُس وقت قائم ہوتا ہے جب بچے کی خوراک صرف اور صرف دودھ ہو۔'' (بخاری)

(۷) جب اُمِّ خالد کا ایک بیٹا ایک جنگ میں شہید ہو گیا تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی جبکہ حسبِ معمول اُس نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے موقعوں پر لوگ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور قواعد وضوابط کی پابندی کرنا بھول جاتے ہیں۔ جب اُمِّ خالد سے چہرہ چھپانے کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ بے شک میں نے اپنا بیٹا کھو دیا لیکن میں نے شرم وحیا نہیں کھوئی۔ (ابوداؤد)

تاریخی شہادت چہرہ ڈھانپنے کی تائید کرتی ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ سورۃ النّور اور سورۃ الاحزاب میں احکام حجاب کے نازل ہونے کے بعد انصار اور مہاجرین کی عورتیں جب بھی کسی ضرورت کے تحت اپنے گھروں سے باہر نکلتیں تو وہ اپنے آپ کو ایک بیرونی چادر سے ڈھانپ کر نکلتیں۔ نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانوں میں وہ نہ صرف سادہ اور غیر مزیّن لباس پہنتیں بلکہ اپنے چہروں کو ڈھانپ کر اور پوری طرح اپنے جسموں کو چھپائے ہوئے باہر نکلتی تھیں۔ اسلامی تاریخ سے اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ''اسلام کے ابتدائی دَور میں خواتین اپنے چہروں پر حجاب ڈالنے میں اس قدر متشدّد تھیں کہ حج کے دوران بھی اگر کوئی غیر محرم اُن کے پاس سے گزرتا تو وہ اپنے سر کی اوڑھنیاں اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور اپنے چہروں سے اُنہیں اُس وقت ہٹاتیں جب لوگ گزر جاتے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' صفحہ ۲۳۹)

(۲) ''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں مناسکِ حج کی ادائی کے دوران اگر سوار اُن کے پاس سے گزرتے تو خواتین اپنے سر کی اوڑھنیاں نیچے کر کے اپنے چہروں کو چھپا لیتیں اور جب وہ لوگ گزر جاتے تو وہ اپنے چہرے کھلے کر لیتیں۔'' (ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۳) ''فاطمہ بنت مُنذِر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بحالتِ اِحرام ہم اپنے چہروں کو بیرونی چادروں سے چھپاتی تھیں۔ ایک مرتبہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہمارے ساتھ تھیں لیکن اُنہوں نے ایامِ حج کے دوران ہمیں اس سے منع نہیں کیا (یعنی اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ بحالتِ اِحرام حجاب کی ممانعت کا اطلاق ہمارے چہروں کے ڈھانپنے پر بھی ہوتا ہے)۔'' (مؤطا امام مالک)

(۴) ''سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واقعہِ اِفک کی بابت جس کا ذکر سورۃ النّور میں ہوا' فرماتی ہیں کہ جب میں خیمے کی طرف واپس آئی اور مجھے معلوم ہوا کہ قافلہ جا چکا ہے تو میں لیٹ گئی اور نیند مجھ پر غالب آ گئی۔ صبح کو جب صفوان بن معطّل اُس راہ سے گزرے تو اُنہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اس پر میں جاگ اٹھی اور اپنے چہرے کو اپنی اوڑھنی سے چھپا لیا۔'' (بخاری' مسلم' مسند' ابن جریر' ابن ہشام بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' صفحہ ۲۳۹)

''اِفک کے اِس واقعہ میں جس میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی' اس حقیقت کا کامل ثبوت موجود ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات پردے کی اس قدر پابند تھیں کہ سفر کے دوران بھی وہ پردے میں چھپی رہتی تھیں اور اپنے (اونٹ کے پالان یا) ہودج میں ہی رہتی تھیں خواہ وہ اونٹ پرسوار ہوتیں یا کسی جگہ تھوڑی دیر کے لئے رُکتیں۔ سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رفع حاجت کے لئے گئیں اور اونٹ کے ساربان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ عائشہ ہودج ہی میں ہیں (اس لئے کہ آپ ہلکے پھلکے جسم کی تھیں)' قافلے کے ساتھ چل پڑا اور اس طرح آپ پیچھے رہ گئیں۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ پردے کے الٰہی حکم کی تعمیل سفر و حضر دونوں حالتوں میں کس پابندی کے ساتھ کی جاتی تھی۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ' صفحہ ۲۲۱)

''جب سورۃ الاحزاب کی مذکورہ بالا آیت یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِهِنَّ کو سورۃ النُّور کی آیت اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمہ داں و ہمہ بیں شارع عزّ وجلّ نے قانون کی تمام مناسبتوں کو پروان چڑھانے اور معاشرے میں رویّے کے اخلاقی معیار کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہا ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جنہیں انسانی سرگرمی کے مختلف شعبوں میں اپنے فرائضِ منصبی کی بجا آوری کے لئے جانے کی حقیقی ضرورت ہو' غیر ضروری تکلیف اور صعوبت سے بچانے کے لئے نرمی اور لچک فراہم کرے۔ اسی لئے ایسے لوگوں کے لئے حجاب کی کچھ نرم پابندیاں رکھی گئیں اور اُنہیں اُن اعضاء کے ڈھانپنے میں معذور رکھا گیا جو از خود کھلے رہتے ہیں کیونکہ اُنہیں ڈھانپنا جہاں ایک طرف غیر ضروری تکلیف کا موجب ہے تو دوسری طرف روزمرّہ کے معمولات کی انجام دہی میں بھی رکاوٹ کا باعث ہے۔ اس استثناء کا اطلاق بہ ظاہر ہاتھوں اور چہرے پر ہوتا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے علمائے حنفیہ کا یہی نظریہ ہے۔ عورتوں کو قصداً اور ارادتاً اپنے بناؤ سنگھار اور زیورات کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر بغیر کسی ارادہ کے کوئی چیز از خود ظاہر ہو جائے تو اس میں اُن کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔'' (ایضاً صفحات ۲۳۹' ۲۴۰)

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ عورت کو اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اُنہیں ڈھانپنا اُس کے لئے تکلیف کا موجب ہے بالخصوص جب اُسے کسی جائز حاجت کے لئے گھر سے باہر جانا ضروری ہو۔ مثلاً ایک بیوہ کو اپنے بچوں کے طعام و لباس کے لئے باہر کا کوئی کام کرنا ہو یا ایک عورت کو اقتصادی لحاظ سے کمزور اپنے خاوند کی معاونت کرنا ہو۔ اگر اُس کے لئے چہرے اور ہاتھوں کو ڈھانپنا لازمی قرار دیا جائے تو یہ اُس کے لئے کافی تکلیف اور دشواری کا موجب ہوگا۔ علاّمہ قرطبی فرماتے ہیں :

''اغلب گمان یہی ہے کہ چونکہ چہرہ اور ہاتھ بالعموم کھلے رہتے ہیں اور علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ نماز و حج جیسی عبادات کے دوران اُن کے کھلے رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو سورۃ النور کی عبارت اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا میں استثناء کا تعلق چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ ہے۔ ہمارے اس نتیجہ کی تائید سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ سیّدہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سیّدہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس نور گزار (Transparent) لباس پہنے ہوئے آئیں، نبی علیہ السلام نے

اُن سے اپنا رُخِ انور پھیرتے ہوئے اُنہیں کہا کہ اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے اور شادی کی عمر کو پہنچ جائے تو اس اِس چیز کے سوا اُس کی کوئی چیز نظر نہیں آنی چاہئے اور آپ ۔نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔'' (الحلال والحرام فی الاسلام'' یوسف القرضاوی' انگریزی ترجمہ' ص ۱۵۷)

''ہمارے اس دَور میں عام پھیلی ہوئی اخلاقی اور جنسی بے راہروی اور تعلیماتِ اسلامی سے انحراف کے پیشِ نظر مسلمان خاتون کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ چہرے سمیت اپنی تزئین کو چھپا کر رکھے بالخصوص حسین وجمیل لڑکی یا عورت کے لئے یہ پابندی تو انتہائی ضروری ہے (ایضاً صفحات ۱۵۷' ۱۵۸)۔ حکیم مطلق خلّاقِ عالم بشری کمزوری کے اس پہلو کو بہ خوبی جانتا ہے کہ ''حسن و جمال جتنا زیادہ ہوتا ہے' اُس میں جاذبیت اور کشش اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے''۔ چنانچہ اِسی حقیقت کی تائید میں سورۃ النُّور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَایَرْجُوْنَ نِکَاحًافَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاح'' أَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَأَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْر'' لَّهُنَّ (النُّور: ۶۰)

''اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید نہ رہی ہو (یعنی عمر رسیدہ ہو گئی ہوں) تو اُنہیں (اس بات میں) کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں (بشرطیکہ) زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں اور اگر (اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو اُن کے حق میں اور بہتر ہے۔''

قدرتی یا مصنوعی سنگھار کے موقعوں کو غیر محرموں کے سامنے بے پردہ کرنا اُن عمر رسیدہ بوڑھیوں کے لئے بھی جائز نہیں جو حدِّ نکاح سے گزر ہو چکی ہوں اور محلِّ رغبت نہ رہی ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہان لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے جسم کے چُھپانے کے بارے میں کتنا اہتمام چاہئے' یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخلِ ستر نہیں' بہ قولِ فقہاء فتنہ کے احتمال سے وہ بھی داخلِ ستر ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام کو حکم دیا گیا:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَاب ذٰلِکُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

''اور جب تم اُن (ازواجِ رسول) سے کوئی چیز مانگو تو اُن سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔'' (۳۳:۵۳)

اللہ اللہ! ایسی حد درجہ احتیاط اُن قدسی صفات ہستیوں کے حق میں جو صحبتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر آن' ہر گھڑی بامشرف ہوتے تھے اور جن پر اللہ اور اُس کے رسول علیہ السلام کی نظرِ کرم تھی کہ جن سے ازواجِ مطہرات اور ماؤں جیسی مقدّس ہستیوں کے حق میں ذرّہ بھر بھی شیطانی تصوّر تک محال تھا' تو آج کے اِس پُرفتن دَور میں اس احتیاط کی کیا نوعیت ہونی چاہئے بالخصوص اُن حسین وجمیل غیر محرم لڑکیوں کے بارے میں جن سے دینی رشتے کے سوا ہمارا کوئی اور رشتہ نہیں! تو اِس

سوال کے جواب میں کہ ایسی بے مثال مقدس وخدا خوف ہستیوں اور ماؤں اور بیٹوں کے درمیان پردے کی ایسی پابندی کیوں رَوا رکھی گئی' علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں :

''اس پردے کا مقصد اُن فاسد خیالات کا روکنا اور سدِّ باب کرنا ہے جو مَردوں کو عورتوں کے بارے میں اور عورتوں کو مَردوں کے بارے میں آتے ہیں۔ پردے کی یہ پابندی اُنہیں کسی ممکنہ شک وشبہ اور الزام بازی سے دُور رکھے گی اور اُن کی عصمت وعزت کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس حکم کا بالواسطہ یہ بھی مطلب ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں ملنے پر اپنے آپ پر اعتماد نہ کرے کیونکہ دل کی پاکیزگی اور صفائی' روح کی تقویّت اور تحفظِ عصمت کے لئے ایسی صورتِ حال سے بچنا بہتر ہے۔'' (جلد ۱۴' صفحہ ۲۲۸' بحوالہ ''الحلال والحرام'' یوسف القرضاوی' انگریزی ترجمہ' صفحہ ۱۵۰)

''نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو خاوند کے بھائی اور ہم نژاد (Cousin) جیسے سسرالی مَردوں سے بالخصوص خلوت وتنہائی میں ملنے پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ اس معاملہ سے لوگ بالکل غافل ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس کے مہیب نتائج نکلتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی اور غیر کی نسبت ایک رشتہ دار کو عورت تک آسان رسائی حاصل ہوتی ہے اور اس رسائی میں کوئی اُس سے سوال بھی نہیں کرتا۔ یہ چیز بیوی کے غیر محرم رشتہ داروں پر بھی صادق آتی ہے کہ اُن میں سے کسی کو بھی اُس سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

''جہاں عورتیں ہوں' وہاں جانے سے بچو۔ انصار میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! سسرالی رشتہ (یعنی دیور) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تو موت ہے۔'' (بخاری' مسلم)

اس ارشاد میں آپ کا مطلب یہ تھا کہ ''ایسی خلوت میں فطری خطرات بلکہ تباہی ہے: اگر وہ گناہ کا ارتکاب کریں تو مذہب کی تباہی ہے۔ اس صورت میں اگر خاوند اُسے طلاق دے تو وہ تباہ وبرباد ہو جاتی ہے اور اگر رشتہ دار ایک دوسرے سے شک وشبہ کرنے کا شکار ہو جائیں تو رشتہ داریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔''

''خطرہ صرف جنسی انگیخت کے امکان میں ہی نہیں بلکہ غیر محرم مرد وعورت کی تنہائی کی اُس گپ شپ میں بھی ہے جیسی میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ ایسی آزادانہ گپ شپ نے اِزدواج کے کئی رشتوں کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا ہے اور کئی گھرانوں کو اُجاڑ دیا ہے۔''

حدیثِ بالا کہ ''سسرالی رشتہ (دیور) موت ہے'' کی تشریح میں ابن الاثیر لکھتے ہیں :

''یہ عربی طرزِ تکلم کا ایک انداز ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ ''شیر موت ہے'' یا ''بادشاہ آگ ہے'' جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شیر سے ملنا موت سے ملنا ہے اور بادشاہ سے ٹکر لینا آگ میں پڑنے کی طرح ہے۔ پس عورت

کا اپنے کسی سسرالی رشتے کے مرد سے تنہائی میں ملنا غیر آدمی سے ملنے کی نسبت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ وہ اُسے غلط کاری اور بدکاری پر اُکسا سکتا ہے اور خاوند کے علم میں آنے پر یہ بات رشتۂ ازدواج میں دراڑیں ڈال سکتی ہے۔'' (الحلال والحرام فی الاسلام'' یوسف القرضاوی' انگریزی ترجمہ' ص ۱۵۰' ۱۵۱)

خلوت میں ملاقات: ''اسلام غیر محرم مرد و عورت کی خلوتی ملاقاتوں کے خلاف ہے جس کی وجہ ایک دوسرے پر عدم اعتماد کا فقدان نہیں بلکہ اس کا سبب اُنہیں اُن فاسد جنسی خیالات سے بچانا ہے جو مرد و زن میں قدرتی طور پر ابھرتے ہیں جب وہ تنہائی میں ملتے ہیں اور اُنہیں کسی تیسرے آدمی کی مداخلت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' وہ ہرگز کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے جب تک وہاں اُس کا محرم نہ ہو' ورنہ اُن دونوں کے ساتھ شیطان تیسرا ہوگا۔'' (مسند امام احمد بہ سند حضرت عامر بن ربیعہ)

عورت کا خوشبویات لگانے کا کھلے بندوں اظہار پر بندش: اسلام کے شرم و حیا کی فطرت اس قدر حساس اور نفیس ہے کہ وہ کسی مسلمان عورت کو مردانہ اجتماعات میں خلط ملط ہونے یا خوشبو میں رسا بسا لباس پہن کر شارع عام سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ وہ لباس میں مکمل طور پر ڈھکی چھپی ہو۔ اس کی وجہ صاف اور عیاں ہے کہ اُس کا معطر جسم یا لباس جنسی انگیخت پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے' یہاں تک کہ اُسے پاؤں سے آواز پیدا کرنے تک کی بھی اجازت نہیں کہ کہیں اُس کی مخفی تزئین لوگوں پر ظاہر نہ ہونے پائے (بحوالہ سورۃ النور: آیت ۳۱)۔ اسلام اس سلسلہ میں اس حد تک محتاط ہے کہ نبی علیہ السلام نے مسلمان عورت کو عطر لگا کر مسجد میں آنے سے منع فرما دیا۔ (موطا امام مالک' صحیح مسلم)

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مردوں کے لئے وہ عطر بہتر ہے جس کا کوئی رنگ نہ ہو اور جس کی خوشبو نمایاں اور ممتاز ہو اور عورتوں کے لئے عطر کی وہ قسم بہتر ہے جس کا رنگ نظر آئے اور جس کی خوشبو نمایاں نہ ہو۔'' (ابوداؤد' ترمذی)

(3) جہاں تک عورت کا زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی اور اُنہیں پانی پلانے کے مسئلے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں بلاخوف تردید یہ کہنا کافی ہوگا کہ مسلمان خواتین مختلف مہمات میں آپ کی اجازت سے آپ ﷺ کے ساتھ جایا کرتی تھیں اور اِن واقعات کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دراصل میدانِ کارزار میں عورتیں بہتر خدمات انجام دیتی ہیں اور اس طرح مجاہدین کو غیر اہم کاموں کی انجام دہی سے نجات دیتی ہیں۔ یہ ضرورت بالخصوص اور بھی اہم اور ناگزیر ہو جاتی ہے جب اَفرادی قوّت (Manpower) کی کمی ہو اور محاذِ جنگ پر ہر نوجوان مجاہد کی ضرورت ہو۔ علاوہ ازیں اُن کی شمولیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے ساتھ مشروط تھی تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ کس قسم کی عورتیں آپ کا ساتھ دے رہی ہیں اور اُن کے تحفظ کے لئے غیر پسندیدہ عناصر کے مقابل کن حفاظتی تدابیر کا اہتمام کیا گیا ہے اور یہ

بھی کہ آیا اُس مہم میں اُن کی ضرورت بھی ہے کہ نہیں۔ مزید برآں اُن عورتوں کے قبیلوں کے انتہائی با اعتماد اور باکردار' قریبی رشتہ دار اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ عورتیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے بغیر مجاہدین کے ساتھ ہولیں۔ اس کا علم ہونے پر نبی ﷺ نے اُنہیں تنبیہ فرمائی۔ اس سلسلہ میں حشرج بن زیاد رضی اللہ عنہا اپنی دادی سے روایت کرتی ہیں:

'میں دوسری نو (۹) عورتوں کے ساتھ غزوہ خیبر میں مجاہدین کے ہمراہ چلی گئی۔ جب نبی علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ہمیں بلا بھیجا۔ میں نے آپ کو ہمارے خلاف سخت غصّے میں دیکھا۔ آپ نے ہمیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے کس کی اجازت سے اور کس کے ساتھ جانے کی جرأت کی؟'' (مسند امام احمد' جلد پنجم' صفحہ ۲۷۱' ابوداؤد: کتاب الجہاد)

میدانِ جہاد میں عورتوں کی خیرِ خلق کی خدمات (Humanitarian Services) اُن کے اپنے قریبی رشتہ داروں تک محدود تھیں اور جب بھی کوئی ہنگامی صورت پیش آئی' اُنہوں نے کبھی بھی غیر محرم مجاہدین کی مدد کرنے اور مرہم پٹی کرنے میں قانونی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ میدانِ جہاد میں اُن کی خدمات کی نوعیت پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بحث کی ہے:

''میدانِ کارزار میں عورتوں کا زخمی اور اپاہج مجاہدین کو طبی امداد فراہم کرنا صرف اُن کے اپنے قرابت داروں تک محدود تھا۔ اور اگر اس علاج معالجے کا دائرہ دوسرے مجاہدین تک وسیع ہوتا تو ان مجاہدین کے جسم اُن عورتوں سے چھوتے نہیں تھے' البتہ ضرورت کے وقت ایسا ہو جاتا تھا۔'' (شرح صحیح مسلم)

تاہم اِن نازک اوقات میں بھی جہاد میں عورتوں کی شمولیت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

''(۱) اُن کی خدمات کی فی الواقع ضرورت ہو اور وہ مغربی (WACS: Women's Army Corps) کی طرح مجاہدین کے ساتھ اُن کے جنسی بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے نہ جا رہی ہوں۔''

''(۲) صرف اُنہی عورتوں کا انتخاب ہو جو وہاں خدمت کرنے کی اہل ہوں بغیر اس کے کہ وہ کسی شہوت پرست سپاہی کے لئے کسی طرح کی بھی کشش کا باعث ہوں۔ بہ الفاظِ دیگر یہ بات سب کے مفاد میں ہوگی اور جنگ کے ان نازک لمحات میں اسلامی اقدار کے قیام میں مفید ثابت ہوگی اگر عمر رسیدہ خواتین کو جوان لڑکیوں پر ترجیح دی جائے۔''

''(۳) اس خدمت کے لئے صرف تربیت یافتہ اور ماہر پیشہ ور خواتین کا چناؤ کیا جائے۔''

''(۴) یہ منتخب شدہ خواتین انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ اپنا کام اس طرح کریں گی کہ اُن کا مردوں کے ساتھ کم

سے کم ملنا ہو' اُنہیں آیاتِ حجاب میں بیان شدہ شرائط کی پابندی کرنا ہوگی اور وہ کسی بھی صورت میں اپنی زینت و آرائش کو ظاہر نہیں کریں گی۔''

''اگر خواتین اِن شرائط کی پابندی کریں تو جنگ کے وقت قومی مفاد کی خاطر اُن کی خدمات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اہم نقطہ اسلامی معاشرے کی پاکیزگی اور شرم وحیا کا تحفظ کرنے کے پہلو بہ پہلو ریاستِ اسلامی کے محاذوں کی دشمن کی جارحیت سے حفاظت کرنا ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ' جلد پنجم' صفحات ۳۲۷ تا ۳۲۹)

(4) جہاں تک مساجد کی پنجگانہ نمازوں میں عورت کی شمولیت کا تعلق ہے تو یہ بات پُرزور طور پر کہی جاسکتی ہے کہ عورت کا اصل میدانِ عمل اُس کا اپنا گھر ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور اُس کے دائرۂ عمل کی اس آیت میں حد بندی کر دی ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (الاحزاب : ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیتِ قدیم کے مطابق اپنے آپ کو دکھاتی مت پھرو۔'' (۳۳:۳۳)

یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو اور مردوں سے اختلاط کا موقع نہ آنے دو۔ شرعی یا دنیاوی ضرورتوں سے بہ پابندیِ ستر وحجاب باہر نکلنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس حکم سے مقصود عفت و پارسائی کا قائم رکھنا ہے اور اگر کوئی فاحشہ عورت فحش کاری کے باوجود پردہ کرتی ہے تو وہ بھی اس حکم کی مخالف اور گنہگار کہلائے گی۔ افسوس صد افسوس' ستر وحجاب کی اتنی تاکید و پابندی کے بعد بھی ''آزادیِ نسواں'' کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے!

''لفظ اُولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب اَلْجَاهِلِيَّةُ الاُخریٰ کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیشِ نظر رہا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۸۴۷' نوٹ: ۶۳)

ابنِ خزیمہ اور ابن حبان نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس طرح روایت کی ہے:

(۱) ''عورت جب اپنے گھر میں ہوتی ہے تو وہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔'' (ترمذی)

(۲) ''سوائے جائز اور حقیقی ضرورت کے عورت کو گھر سے باہر جانے کا کوئی حق نہیں۔'' (الکنز لطبرانی' ج ۸' ص ۲۶۳)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ بات اہم ہے کہ وہ اجتماعی نمازوں اور دوسری بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں حاضر ہونے کی بجائے اپنے شعبۂ عمل یعنی گھر میں رہے۔ اُس کا سماجی پروگراموں سے دُور رہنا معاشرے کے لئے اتنا ضرر رساں نہیں جتنا اُس کا اپنے مرکز یعنی گھر کو چھوڑ دینے میں ہے۔ اجتماعی نمازوں میں حاضر نہ ہونے میں فائدوں کے ضیاع کی تلافی کئی دوسرے طریقوں سے ہوسکتی ہے لیکن اُس کا اپنے مرکز (گھر) کو چھوڑ دینے سے پیدا شدہ خلا کو کسی اور طریقہ سے پُر نہیں کیا

جا سکتا۔ اسی وجہ سے عبادات اور زندگی کے دیگر فرائض کو اجتماعی شکل میں عورت پر یا تو لازم نہیں کیا گیا یا جہاں اُنہیں لازم کیا گیا ہے تو یہ عبادات اور فرائض ایسے نہیں جو اُسے اپنے صحیح مقصد سے غافل کر دیں۔ مثلاً عبادت کی انتہائی اہم شکل نماز ہی کو لیجئے۔ مرد کے لئے اس کی ادائیگی اجتماعی شکل میں لازم ہے لیکن عورت کے لئے فرض ہونے کے باوجود اجتماعی نماز فرض نہیں ہے۔ اگر مرد بغیر کسی معقول وجہ کے اجتماعی نماز ادا نہیں کرتا تو وہ شریعت کی نگاہ میں قابلِ ملامت اور قابلِ سرزنش ہے۔ اس کے برعکس عورت کو اپنے گھر کے کسی کونے میں نماز ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) ''اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکا کرو لیکن اُن کے گھر اُن کے لئے بہتر ہیں۔'' (ابوداؤد)
(۲) ''عورتوں کے لئے عبادت کی بہتر جگہیں اُن کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔'' (مُسند احمد' ج ۶)

ابوحمید ساعدی کی بیوی بارگاہِ نبوی میں آئیں اور عرض کیا :

''یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہتی ہوں' آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا: مجھے یقین ہے کہ یہ تمہاری آرزو ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا گھر کے کسی تنگ کونے میں نماز ادا کرنا کسی وسیع وفراخ کمرے میں ادا کرنے سے بہتر ہے' تمہارا کسی کمرے میں نماز ادا کرنا گھر کے وسط میں ادا کرنے سے بہتر ہے' تمہارا گھر میں نماز ادا کرنا کسی قریبی مسجد میں ادا کرنے سے بہتر ہے اور تمہارا کسی قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا میری اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔'' (مسند احمد)

راوی بیان کرتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی نصیحت کا ابوحمید ساعدی کی بیوی پر اس قدر اثر ہوا کہ اُنہوں نے اپنے گھر میں نماز کے لئے ایک تنگ کونہ بنا لیا تھا جہاں وہ باقی تمام عمر نماز ادا کرتی رہیں۔ (ایضاً)

''پیغمبر ﷺ کی عورت کو مسجد کی بجائے گھر میں نماز پڑھنے کی تاکید معاشرے میں عورت کے اسلامی کردار کو ظاہر کرتی ہے کہ اُسے ہمیشہ اپنے مرکز میں اپنے آپ کو پابند رکھنا چاہئے بالخصوص جبکہ اس کے بچے بھی ہوں اور جہاں تک ہو سکے بغیر کسی جائز اور ہنگامی ضرورت کے اُسے بیرونِ خانہ نہیں جانا چاہئے۔ درحقیقت امورِ خانہ داری بذاتِ خود اُس کی آزمائش کا میدان ہیں اور اپنے خاوند' بچوں اور رشتہ داروں کے لئے ہمدردی' شفقت و الفت اور امداد اُس کے ایمان و یقین کا ثبوت ہیں۔''

''یہ اِقدام بھی سماج کو گندے خیالات اور فحش واقعات سے بچانے اور صاف ستھرا رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اور اُسی کے ساتھ ساتھ دونوں شرکائے حیات کے درمیان اُن کی فطری صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنیاد پر تقسیمِ کار کے ذریعے معاشرے میں حُسنِ کارکردگی (Efficiency) کو بھی قائم رکھنا ہے۔''

''نمازِ جمعہ نہ صرف سماجی جذبے کی آئینہ دار ہے بلکہ افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور اُنہیں اسلامی تعلیمات و احکامات سے متعارف کرانے کا بھی ایک ذریعہ ہے لیکن عورت کو اس اہم اجتماعی شکل سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''سوائے غلاموں، عورتوں، چھوٹے بچوں اور بیمار لوگوں کے نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (ابوداؤد)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''علمائے دین اور فقہائے کرام اس مسئلے میں باہم متفق الرائے ہیں کہ مسجد میں عورت کا داخلہ مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(١) وہ نہ تو معطر لباس میں ملبوس ہو اور نہ ہی بھڑکیلے کپڑوں میں۔
(٢) وہ زیورات و جواہر سے آراستہ نہ ہو۔
(٣) اُس نے ایسے جوتے نہ پہن رکھے ہوں جو دوسروں کی توجہ کو اس کی طرف مبذول کرنے کا سبب ہوں
(٤) وہ مَردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔
(٥) وہ جوانی کی اُس عمر میں نہ ہو جس میں اس کا جسم یا جسمانی قد و قامت شہوانی نظروں کے لئے جنسی انگیخت کا سبب بنے۔ (صحیح مسلم، جلد اوّل، صفحہ ١٨٣)
(٦) نماز میں عورت کو اپنی آواز بلند نہیں کرنی چاہئے۔ اگر امام کو نماز میں اُس کی کسی غلطی پر مطلع کرنا ہے تو صرف مرد حضرات سُبحانَ اللّٰہ کہہ کر اُسے درست کریں گے۔ (صحیح بخاری، ابوداؤد)

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :
''عورت چُھپائے جانے کی چیز ہے، لہٰذا اُسے اپنے گھر میں ہی رکھو۔'' (''عیون الاخبار'' لابن قُتیبہ، جلد چہارم، صفحہ ٧٨)

پردے کے مخالفین کی طرف سے ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بحالتِ احرام عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے کا تاکیدی حکم ہے اس لئے اُن کے خیال میں عورت کے لئے پردہ کرنا لازم نہیں ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ ذیل کی حدیثِ نبوی کا سہارا لیتے ہیں:

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالتِ احرام عورتوں کو اپنے چہروں پر پردہ ڈالنے اور ہاتھوں میں دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی، مؤطا امام مالک)

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ نبی علیہ السلام کے دَورِ مبارک میں عورتوں کا اپنے چہروں اور ہاتھوں کا چھپانا رائج الوقت تھا۔ اگر ایسا نہیں تھا تو نبی علیہ السلام اُنہیں اِن مخصوص ایّام میں پردہ

کے استعمال سے منع نہ فرماتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کے چہرے لوگوں کو دکھانے کے لئے برہنہ رہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بحالتِ احرام پردہ عورت کے لباس کا حصّہ نہ بن جائے اور اِحرام تو اللہ تعالیٰ کے حضور خالصتاً فقیری و محتاجی کا انداز اور بھیک مانگنے کا لباس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کو سفر کرنے کے واقعہ میں قرآن مجید حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کا مَردوں سے ایک طرف ہو جانے کا ذکر یوں کرتا ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَأَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ O (القصص : ۲۳)

''اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے چشمہ پر پہنچے تو اُس پر لوگوں کا ایک مجمع پانی پلاتے دیکھا اور اُن لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں: جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے' ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔'' (۲۳ : ۲۸)

موسیٰ علیہ السلام اور اُن عورتوں کے درمیان یہ مختصر سا مکالمہ اُن کی شرم وحیا اور شرافت ونجابت کا مظہر ہے۔ یہ اُن کے عائلی ماحول کی جھلک پیش کرتا ہے جسے اس سے اگلی آیت میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے:۔

فَجَآءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا

''اُن دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس شرماتی ہوئی آئی۔ بولی کہ میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ وہ تمہیں اُس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلایا تھا۔'' (۲۵ : ۲۸)

تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ میں اِس امر پر صاف دلالت ہے کہ شریف زادیوں کے لئے چنک مٹک اور تیزی و طراری نہیں ہوا کرتی بلکہ غیرت وحیا' لجانا اور شرمانا اُن کا امر فطری اور طبعی ہوتا ہے۔ اب اگر عورت کے لئے تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ غیرت وحیا داری اس درجہ میں مطلوب ومقصود نہیں تو آخر قرآن کو بار بار اِن تصریحات کی ضرورت ہی کیا تھی؟ روایاتِ اسلامی میں آتا ہے کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام جب اُس لڑکی کے ساتھ روانہ ہوئے جن کا نام صفورہ بتایا جاتا ہے تو اُن سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو' مجھے یہ پسند نہیں کہ نامحرم پر بلاضرورت اور بلاقصد نظر بھی پڑے۔ آیت میں یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ محسن کے احسان کا شکریہ ادا کرنا اور حتی الوسع اُس کا حق ادا کرنا اَخلاقیاتِ اسلامی کا جزء ہے۔

جناب شعیب علیہ السلام کا گھرانہ خدا خوف اور متقی گھرانہ تھا اور اُنہوں نے اپنی بیٹیوں کی پرورش اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مطابق کی تھی جس کے تحت عورتوں کا مَردوں میں خلط ملط ہونا کوئی خیر اور بھلائی کا کام نہیں ہوتا۔

پردہ پر پابند سماج کے اصول وضوابط : جیسا کہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ چار اصول ہیں جن

کی بنیاد پر خاندان اور معاشرہ کو پردہ نظام کے تحت منظم کیا جانا چاہئے۔ وہ اصول یہ ہیں :

''(۱) مرد کا کام اہلِ خانہ کے لئے روزی کمانا اور تہذیب وثقافت کے تمام امور وخدمات کو انجام دینا ہے۔ اِن مقاصد کے حصول کے لئے اُس کی تعلیم وتربیت کو اُسے زیادہ سے زیادہ قابل اور اہل بنانا چاہئے۔''

''(۲) بچوں کی پرورش' خانہ داری کے فرائض کی انجام دہی اور گھریلو زندگی کو امن وآشتی اور خوشیوں کا گہوارہ بنانا عورت کی ذمّہ داریوں میں شامل ہے۔ اُسے بہترین ممکنہ تعلیم وتربیت کے ذریعے اِن ذمّہ داریوں کی انجام دہی میں اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہئے۔''

''(۳) عائلی تنظیم کے تحفظ کے لئے فرد کو قانونی حدود کے اندر حکم کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار اور قدرت عطا کی گئی ہے تاکہ عائلی زندگی بلا قائد فوج کی طرح انتشار اور بدنظمی کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ فرد صرف مرد ہی ہوسکتا ہے کیونکہ گھر کے اُس فرد کو جس کے دل ودماغ کی کیفیات ماہواری حیض اور حمل وزچگی کی وجہ سے بار بار خلل پذیر ہوتی رہیں' ایسے اختیارات سپرد نہیں کئے جاسکتے۔''

<u>عورت کی صلاحیتوں کی بابت کچھ ماہرینِ نفسیات کی آراء</u>: Simon de Beauvoir نامی ایک فرانسیسی فلسفی' نظریہ وجودیت کا ماہر (Existentialist) اور ناول نگار اِس سلسلہ میں یوں لکھتا ہے:

''عورت مرد سے زیادہ کمزور ہوتی ہے' اُس کی اعصابی قوّت کم ہوتی ہے' اُس کے چند سرخ خونی خلیے (Corpuscles) ہوتے ہیں' پھیپھڑوں کی استعداد کار کم ہوتی ہے' وہ کم رفتاری سے چلتی ہے' کم تر وزن اٹھا سکتی ہے' کسی مشغلے میں وہ مرد کا بہ مشکلِ تمام ہی مقابلہ کرسکتی ہے اور کسی لڑائی جھگڑے میں وہ اُس کے مدِّ مقابل نہیں ٹھہر سکتی۔ اِن تمام کمزوریوں پر تلوّن مزاجی' ضبطِ نفس کی کمی اور اُس کی جنسی جسمانیت اور تولیدی طریقِ کار کی نازکی اور کمزوری ان کے علاوہ ہیں۔ یہ سب حقائق ہیں۔ اس طرح قول وقرار پر اُس کی گرفت زیادہ محدود ہوتی ہے۔ مختلف منصوبوں کی تکمیل میں اُس کی قوّتِ ارادی کمزور اور غیر مستقل ہوتی ہے اور اس لئے اُنہیں تکمیل تک پہنچانے کی وہ اہل نہیں ہوتی۔ بہ الفاظِ دیگر اُس کی انفرادی زندگی مرد کی زندگی سے کم زرخیز اور کم صلاحیتوں کی حامل ہوتی ہے۔'' ("A History of Sex", p. 56)

ایک مصری عالم علاّمہ فرید وجدی اس مسئلہ کو مزید طراری اور کرختگی کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں :

''کتابِ فطرت' سائنسی علوم اور یورپ کے فلسفیوں نے پُرزور طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ عورت اگرچہ لاکھ کوشش کرے اور اَوجِ ثریا کے ستاروں تک پہنچنے کی جدّ وجُہد کرے' تب بھی وہ مرد کی جسمانی اور ذہنی

قوّتوں کے مساوی نہیں ہوسکتی۔ اُسے بچے جننے اور نسلِ انسانی کی افزائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اُسے ایسی قوّتیں اور صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں جن کے لئے وہ فطری طور پر موزوں ہے۔ اُس کے فطری مناصب کار اُسے مرد کی اطاعت گزار رہنے پر مجبور کرتے ہیں اور اسی اطاعت گزاری سے وہ بامعنیٰ شناخت کی حامل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اُس کے اپنے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مکمل طور پر مرد کے قابو میں رہے یہی وہ اطاعت گزاری اور زبردستی ہے جس کا اسلام نے اپنے ضابطۂ قانون میں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ کے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔''

''اگر عورت اس فطری زبردستی کو نہیں مانتی' تو اُسے اس کے ماننے پر مجبور کیا جائے گا۔۔۔ خارجی دنیا کی خطرناک اور شدید جدّ وجُہد میں کامیاب ہونے کے لئے بنیادی شرط جسمانی قوت اور قوّتِ برداشت ہے۔ تمام قسم کی صعوبتوں اور محرومیوں کا سامنا کرنے میں حوصلے اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان تمام خصوصیات سے عورت یکسر محروم ہے۔''

''(۴) جنسیات کا شعبہ اور روزمرّہ کی سرگرمیوں کا شعبہ دو الگ الگ شعبے ہیں۔ اِن دونوں شعبوں کے استحکام اور تحفظ کی خاطر سماج اور تہذیب کی تنظیم میں ضروری ضمانتیں اور تحفظات فراہم کئے جائیں تاکہ غیر معقول لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے مرد وزن کے شعبہ ہائے کار کو باہم گڈمڈ کرنے کے ذریعے تہذیب وسماج کے ایسے صالح نظام کو تہ وبالا نہ کرنے پائیں۔''

مرد وزن کی ہر دو جنسوں کی اپنی اپنی شاخوں میں تقسیم کو سمجھ لینے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ اصول کی طرف چلتے ہیں اور وہ اصول یہ ہے کہ ممنوعہ اعمال وافعال اور مشغولیتوں کی طرف راہ نمائی کرنے والے ذرائع' ترغیبات اور محرّکات بذاتِ خود ممنوع ہیں۔ مثلاً:

(۱) غضِّ بصر (نگاہ کا نیچا رکھنا): برہنگی' بے حیائی' بے شرمی اور جنسی بے راہروی کی طرف لے جانے والی تمام ممکنہ راہوں کو بند کرنے کے لئے مؤمنوں اور مؤمنات کو پہلا حکمِ الٰہی سورۃ النّور میں یوں ہوا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ" بِمَا يَصْنَعُوْنَ○وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (النّور: ۳۰' ۳۱)

"(اے نبی مکرّم!) ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے حق میں زیادہ پاکیزگی کی بات ہے' بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی سب خبر ہے۔ اور ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس سے کھلا ہی رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔''

"مِنْ أَبْصَارِهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی (۱) ہر نظر حرام نہیں ۔صرف بعض نظریں حرام ہیں اور وہ حرام نظریں' نظرِ اجنبی اور نظرِ شہوت ہیں ۔(۲) ضرورت اور مفادِ عامّہ کے تقاضا کے تحت جنسِ مخالف کو اُچٹتی نظر سے دیکھ لینے کی اجازت ہے ۔حِفظ کا لفظ نظر و لمس وغیرہ سب کے لئے عام ہے ۔عشقیہ افسانے' ڈرامے' ناول' بے حیائی کے مناظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما' شہوت انگیز تصویریں وغیرہ سب اس کے تحت میں آ جاتی ہیں ۔سنگار کے تحت میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو مرد کے لئے باعث شوق و رغبت ہو سکے خواہ وہ خِلقی ہو جیسے حُسنِ اعضاء' حُسنِ صورت' خوش خرامی وغیرہ اور خواہ وہ کسبی ہو جیسے لباس' خوشبو' زیور' پاؤڈر اور غازہ وغیرہ ۔''

''سر اور سینہ خاص طور پر زینت کے مقام ہیں لہٰذا اُن کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے ۔جاہلیتِ فرنگ ہی سے ملتا جلتا دستور جاہلیتِ عرب میں بھی یہ تھا کہ عورتیں لباس اس طرح کا پہنتیں کہ پشت کا حصّہ تو خیر ڈھکا رہتا اور سامنے سے سینہ ننگا رہتا ۔نفسیاتِ بشری کی محقق' راز داں اور بدکاری کے مبادی و مقدّمات کی بیخ کنی کرنے والی شریعتِ اسلامی نے ٹھیک اس کے برعکس یہ فیشن چلایا کہ سینہ کا کوئی حصّہ عریاں رہ جانا تو کیا معنیٰ' وہ تو خاص طور پر ڈھکا رہے ۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۷۱۷' نوٹ: ۵۱' ۵۲' ۵۶)

آنکھ جذبات کی چابی ہے' نظر خواہشِ نفسانی کی پیغام رساں ہے جو زناکاری کا سبب بنتی ہے ۔اس سلسلے میں عصرِ حاضر کے ایک شاعر کے شعر کا ترجمہ یہ ہے:

'' پہلے نظر بازی' پھر مسکراہٹ' پھر رضامندی کے اظہار میں سر کو جنبش دینا' پھر ہم کلامی' پھر وعدہ وعید اور اِن سب کے بعد نرم و گداز بستر کی گرماہٹ ۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب علی کرّم اللہ وجہہ' سے فرمایا تھا:
'' اے علی! پہلی نظر کا تعاقب دوسری نظر نہ کرے ۔پہلی نظر دیکھنے کی تمہیں اجازت ہے لیکن دوسری نظر کی اجازت نہیں ۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنسِ مخالف کو بھوکی اور شہوانی نظر سے دیکھنے کو'' آنکھ کا زنا'' کہا ہے اور فرمایا:
'' آنکھیں بھی زِنا کرتی ہیں اور اُن کا زِنا شہوت کی نظر سے دیکھنا ہے ۔'' (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نے شہوانی نظر کو زِنا اس لئے فرمایا کہ یہ غیر قانونی طور پر جنسی لذّت اور لطف و سرور دیتی ہے ۔دراصل ایسی بھوکی اور شہوت کی نگاہیں پاکیزگیِ کردار کے لئے ہی خطرہ نہیں بلکہ وہ ذہنی اضطراب اور منتشر خیالات کا نتیجہ بھی بنتی ہیں ۔ایک شاعر کے اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''اگر آپ اپنی نگاہوں کو شترِ بے مہار کی طرح آوارہ چھوڑ دیں گے
تو بہت سے دل فریب نظارے تمہارے دل کو حسرت میں مبتلا کر دیں گے۔
ہر وہ چیز جسے آپ دیکھتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ ہر طرح آپ ہی کی ہو جائے
اور نہ ہی تمہارا دل اُس تھوڑی سی چیز کے دیکھنے پر قناعت کرے گا۔''

زیب و زینت کے اظہار کی تحدید (بندش): مسلمان خواتین کے زیب و زینت اور سنگار کے اظہار کی ایک خاص حد تک بندش ہے۔ سورۃ النّور کی آیت ۳۱ میں مسلمان خواتین کو اس طرح حکم دیا گیا ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (النور: ۳۱)

''اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر، اپنے والد پر، اپنے شوہر کے والد پر، اپنے بیٹوں پر، اپنے شوہر کے بیٹوں پر، اپنے بھائیوں پر، اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر، اپنی بہنوں کے بیٹوں پر، اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر، اپنی باندیوں پر، اُن مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) اُنہیں ذرا توجہ نہ ہو اور اُن لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے۔'' (۳۱ : ۲۴)

یہ حکم نامہ مسلمان خواتین کو اپنے پوشیدہ اعضاء کی زیب و زینت کے اظہار سے روکتا ہے جیسے کان، گردن، چھاتی یا ٹخنے اگرچہ ٹخنے ستر میں داخل نہیں۔ اس ممانعت سے بارہ قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اُن کے خاوند: خاوند سے کسی قسم کا پردہ اور حجاب نہیں ہے۔ ایک حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اپنے ننگے پن (عورۃ) کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی کے سامنے۔''

(۲) اُن عورتوں کے باپ: اس میں ماں اور باپ دونوں کی طرف سے باپ یعنی نانا، پرنانا، اور دادا، پردادا بھی شامل ہیں۔

(۳) اُن کے خاوندوں کے باپ: یعنی سسر۔ کیونکہ وہ بھی بمنزلہ والد کے ہوتا ہے۔

(۴) اُن کے بیٹے: اولاد ہی میں اولاد در اولاد پوتے، نواسے وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) اُن کے شوہر کے بیٹے: یعنی سوتیلے بیٹوں کے آگے بھی اظہارِ زینت کی ممانعت نہیں۔

(۶) اُن عورتوں کے بھائی: ان سے سگے بھائی یا ایک باپ کی اولاد یا ایک ماں کی اولاد یا دودھ شریکے مراد ہیں اور کسی قسم کے چچیرے، ممیرے یا خلیرے بھائی جو عرفاً اور رواجاً ہندوستان میں محرم سمجھ لئے گئے ہیں، مراد نہیں ہیں۔

(۷) اُن عورتوں کے بھائیوں کے بیٹے: یعنی بھتیجے کیونکہ وہ بھی محرم ہیں اور اُن سے اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔

(۸) اُن عورتوں کی بہنوں کے بیٹے : یعنی بھانجے۔ یہ بھی محرم ہیں اوران کا نکاح اپنی خالہ سے نہیں ہوسکتا۔
(۹) اُن کی عورتیں : ان سے مراد رشتہ دار مسلم عورتیں اور دیگر مسلمان عورتیں ہیں۔ شریعتِ اسلام میں کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے اور اس سے پردہ واجب ہے (ماجدی' ص ۷۱۷' نوٹ:۵۹)۔ ابنِ جریج نے کہا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس سے مراد مسلم خواتین ہیں اور کسی مسلم خاتون کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی باطنی زینت کسی مشرکہ کو دکھائے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کی باندی ہو (جامع البیان' رقم الحدیث: ۱۹۶۷۱ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۸' ص ۱۳۰)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب والیِ شام حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے نام کا منقول ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی' یہودی عورتیں) مؤمن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے پائیں۔ اللہ اللہ کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی اور کہاں اس اُمت کو فرنگیوں سے ارتباط واختلاط پر فخر ہونے لگا! فقہاء نے لکھا ہے کہ فاحشہ عورت اگرچہ مسلمان ہو' پاکدامنوں میں نہ آنے پائے۔
(۱۰) باندیاں : حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد باندیاں ہیں' غلام نہیں۔ غلام اجنبی مَردوں کے حکم میں ہیں۔
(۱۱) مردنوکر جنہیں جنسی خواہش نہ ہو : تابعی یا طفیلی وہ ہے جو محض کھانے پینے کے لئے پڑا رہتا ہو اور اُسے عورتوں کی بالکل خواہش نہ ہو اور جس نوکر یا خادم کو عورتوں کی طرف رغبت ہو' اُسے گھروں میں عورتوں کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ عورتوں میں خواجہ سراؤں یعنی مخنثوں کی آمد ورفت فقہاء نے ممنوع لکھی ہے۔ عورت کو اجنبی مَردوں سے ایسے کام لینا جن میں جسم کو چھونا پڑے' جائز نہیں۔ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اُس پر نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہّرات کے پاس ایک مخنّث آتا جاتا تھا اور گھر والوں کو یہ گمان تھا کہ اُسے عورتوں کی خواہش نہیں ہے۔ ایک دن نبی ﷺ تشریف لائے اور وہ آپ کی ازواج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ایک عورت کی تعریف کررہا تھا کہ وہ اتنی موٹی ہے کہ اُس کے جسم پر سلوٹیں پڑتی ہیں۔ جب وہ آتی ہے تو اُس کے جسم پر چار سلوٹیں پڑتی ہیں اور جب وہ جاتی ہے تو اُس کے جسم پر آٹھ سلوٹیں پڑتی ہیں۔ نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا: میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ اِن تمام چیزوں کو سمجھتا ہے۔ یہ تمہارے پاس نہ آیا کرے۔ پھر ازواجِ مطہرات اُس سے پردہ کرنے لگیں۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۱۸۱؛ سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۱۰۷ ؛ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۴۷)
(۱۲) وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے: اس سے مراد اُس عمر کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنیٰ ہی سے واقف نہیں۔ یہ معنیٰ نہیں کہ ابھی بالغ نہیں ہوئے۔

نوٹ : چچا اور ماموں بھی محرم میں شمار ہوتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں ان دونوں کا ذکر اس لئے نہیں کہ رواجاً اُن کا شمار باپ ہی کے زمرے میں ہوتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''چچا اور ماموں مثل والد کے ہوتے ہیں۔'' (صحیح مسلم بحوالہ یوسف القرضاوی' صفحات ۱۵۸' ۱۵۹)

''محرم رشتہ داروں کی مندرجہ بالا بارہ اقسام کے سامنے عورت کو اپنے بال' کان' گردن' سینے کا بالائی حصّہ' بازو

اور ٹانگوں کے کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ جسم کے دوسرے حصّوں مثلاً کمر، پیٹ، رانوں اور دو دیگر مخفی حصّوں کو کسی کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت نہیں ہے، مرد ہو یا عورت سوائے عورت کا اپنے خاوند کے آگے۔'' (یوسف القرضاوی، ص ۱۵۹)

عربی لفظ ''عَورۃ'' کا معنیٰ: لفظ ''عَورۃ'' زبانِ عربی کا لفظ ہے جس کا معنیٰ خاتون کے جسم کا وہ حصّہ ہے جسے انتہائی محفوظ سمجھا جاتا ہے اور غیر محرم کے سامنے اُس کے اظہار کی سختی سے ممانعت ہے۔ ''عَورۃ'' کا لفظ جسم کے اُن حصّوں پر بھی بولا جاتا ہے جنہیں شرم و حیا کے تحت چھپایا جاتا ہے (سورۃ النور: آیات ۳۱ و ۵۸)۔ عربی زبان میں ''عَورۃ'' کا ایک اور معنیٰ وہ چیز بھی ہے جو آنکھ میں آزاری اور چبھن کا باعث ہو (''لسان العرب'' لابن منظور الافریقی، ج ۴، ص ۳۱۶۴؛ ''تاجُ العَروس مِن جَواھِرِ القاموس'' لزَّبیدی، ج ۱، ص ۲۵۳؛ ''مفردات القرآن'' لراغب اصفہانی، ص ۸۰۴)

سورۃ النُّور کی آیات ۳۱، ۵۸ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۳ میں واقع ہونے والا لفظ ''عَورۃ'' اس حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ اس لفظ کو ازراہِ تعظیم و احترام اور پاکبازی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ چیز معاملہ کو روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح کر دیتی ہے کہ باری تعالیٰ کی اِس صنفِ نازک مخلوق (یعنی عورت) کی حفاظت کی جائے جب بھی کوئی غیر مجاز آنکھ اُس کے جسم کی کسی حصّے پر پڑے۔ لہٰذا کسی مرد کا نوجوان لڑکی یا عورت کے مخفی حصّوں کو دیکھنا شہوانی جذبات کو اُبھارتا ہے جس کا بالآخر نتیجہ معاشرتی اور اخلاقی بے راہروی میں نکلتا ہے۔ اگر ایسی ناپاک حرکتوں پر شروع ہی سے بند باندھ دیا جائے تو اسلامی معاشرہ غیر شریفانہ نتائج سے دُور رہ سکتا ہے۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذباتِ شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور اُنہیں کھلی چھٹی دے دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوّت سے لوگوں کو برائی سے بچا لیں گے، بڑی نادانی اور ابلہی ہے۔ کیونکہ آگ لگا کر اُسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آگ لگانے کی حماقت ہی نہ کی جائے۔ اور اسی وجہ سے قرآنِ حکیم نے مسلمان مرد و زَن کو اپنی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

''مسلمان خاتون کا عَوْرَۃ: مسلمان خاتون کے جسم کے جس حصّہ کے دکھانے کی اجازت نہیں وہ سارے کا سارا اُس کا ''عَورۃ'' ہے۔ اس کا چھپانا فرض ہے اور اُس کا ظاہر کرنا حرام ہے۔''

''جیسا کہ اوپر بیان ہوا، غیر محرم مَردوں اور غیر مسلم عورتوں کے لئے مسلمان خاتون کے ہاتھوں اور چہرہ کے سوا اُس کا تمام جسم عَورۃ ہے۔ ہمیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس دلیل سے اتفاق ہے کہ اسلام نے عورت کو اپنے جسم کے اُن حصّوں اور چہرہ اور ہاتھوں کے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے جنہیں کھلا رہنے کی ضرورت ہے تاکہ روزمرّہ کے اور لینے دینے کے کام انجام دئے جاسکیں۔ اسلام نے اُسے اُن حصّوں کے چھپانے کا بھی حکم دیا ہے جن کے کھلے رہنے کی ضرورت نہیں اور اُن کے اتفاقی، حادثاتی اور غیر ارادی طور پر یا ضرورتاً کھلا رہنے پر

اُسے معافی دی ہے۔یہ سب کچھ اسلام کی لچک کا غماز ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

''چونکہ چہرے اور ہاتھوں کا کھلا رہنا ضروری ہے'اس لئے فقہائے کرام کو اس بات سے اتفاق کرنا پڑا کہ چہرہ اور ہاتھ عورۃ میں شامل نہیں اور چونکہ پاؤں کا کھلا رہنا ضروری نہیں' اس لئے وہ اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ آیا وہ عورۃ ہیں یا نہیں۔''

(۳) چہرہ کے چھپانے کا حکم :گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

(۴) نسوانی آواز پر پابندی:صفحہ ۱۷۵۰ کے آخر میں ملاحظہ ہو۔اس سلسلہ میں ایک غیر مسلم رائٹر کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

''ہمیں آواز اور موسیقی کو بطور جنسی انگیخت کے طریقے کے خاصی اہمیت دینی چاہیے۔ اس نکتے پر ہمیں Moll سے اتفاق ہے جب اُس نے کہا تھا:''کانوں کے ذریعے جنسی تحرک (Motivation) عام طور پر سمجھے جانے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔''("Psychology of Sex".. Havelock Ellis, p. 61)

مسلمان خاتون کا روزمرّہ معمولات میں رویّہ کیسا ہونا چاہیے؟: مسلمان عورت کا صحیح اسلامی رویّہ جو اُسے مستی بھری' اوباشانہ اظہارِ جاذبیت سے دُور رکھے' مندرجہ ذیل خصائص کے ساتھ ممتاز ہے :

(الف) غضِ بصر (نگاہ کا نیچا رکھنا) : اِسی جلد کے صفحہ ۱۷۶۵ پر ملاحظہ ہو۔

(ب) اُس کا غیر محرم مَردوں سے اختلاط ایسے نہ ہو کہ اُن کے جسم مَردوں کے جسموں سے چھوئیں یا مَردوں کے جسم اُن کے جسموں کو چھوئیں جیسا کہ آج کل مووی تھیئیٹروں' عام جلسہ گاہوں' بسوں' سٹریٹ کاروں اور اسی قسم کی دوسری گاڑیوں میں ہوتا ہے۔مقبل بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کسی فولادی میخ سے تمہارے سروں کا چبھویا جانا اُس عورت کے چھونے سے بہتر ہے جس کا چھونا ناجائز اور خلافِ شرع ہے۔'' (البیہقی' طبرانی بحوالہ یوسف القرضاوی)

(ج) اُس کا لباس شریعتِ اسلامی کے مقرر کردہ حسبِ ذیل معیار کے مطابق ہونا چاہیے:۔

(i) اُس کا لباس چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو چھپا دے۔

(ii) لباس اتنا نور گزار (Transparent) نہ ہو جس سے اُس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ" مَّعَهُمْ سِيَاطٌ" كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَاالنَّاسَ وَنِسَاءٌ" كَاسِيَاتٌ" عَارِيَاتٌ" مُمِيْلَاتٌ" مَائِلَاتٌ" رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِلَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَايَجِدْنَ رِيْحَهَا وَاِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا (صحیح مسلم: کتاب اللباس و الزینة: باب النساء الکاسیات المائلات الممیلات' رقم الحدیث : ۲۱۲۸)

''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (یعنی یہ بعد میں ہوں گی): ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے (بیل) کی دُموں کی مانند کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور دوسرے وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ دوسروں کو رِجھاتی ہیں اور خود دوسروں پر رِجھتی ہیں۔ اُن کے سر بختی اونٹ کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح (ناز سے) ٹیڑھے ہوں گے۔ یہ عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دُور سے آتی ہے۔'' (بحوالہ ریاض الصالحین)

یہاں ''بہ ظاہر لباس میں ملبوس لیکن دراصل ننگی'' سے مراد اُن کا چست و تنگ' باریک اور نورگزار (ٹرانسپیرنٹ) لباس ہے جو جسمانی اعضاء کے چھپانے کا مقصد پورا نہیں کرتا بلکہ اُن کی نمائش کا سبب بنتا ہے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنوتمیم کی کچھ عورتیں جو نورگزار لباس میں ملبوس تھیں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئیں تو آپ نے اُنہیں فرمایا: ''اگر تم ایمان والی ہو تو تمہارے یہ کپڑے ایمان والیوں کے مناسب نہیں۔'' ایک اور موقع پر جب ایک دلہن باریک و نورگزار اوڑھنی پہنے سیّدہ کے پاس آئی تو آپ نے فرمایا: ''جو عورت اس قسم کا لباس پہنتی ہے' اُس کا سورۃ النُّور پر ایمان نہیں۔''

''<u>عورتوں کے باریک لباس کے نقصانات اور جدید سائنس</u> : (۱) ڈاکٹر Led Beater روحانیت (Parapsychology) کا بہت بڑا محقق ہے' اُس کا کہنا ہے کہ جس لباس سے نسوانی جسم کی جھلک نظر آئے' اُس جسم سے میں نے غلیظ اور نسواری لہروں کو نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (''تصوراتِ اسلام'')

(۲) ''سورج میں موجود بنفشی شعاعیں (Ultraviolet Rays) سخت گرمی میں جلد اور جسم کے لئے بہت نقصان دِہ ہوتی ہیں۔ اگر لباس موٹا ہو تو یہ شعاعیں لباس سے باہر ہی رُک جاتی ہیں اور اگر لباس باریک ہو تو یہ شعاعیں جلد کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔'' (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد دوم' صفحات ۴۹' ۵۰ بحوالہ ''میثاق'')۔

(iii) اُس کا لباس اتنا تنگ نہ ہو جس سے اُس کے اجزائے بدن بالخصوص جسم کی سلوٹیں نظر آئیں اگر چہ وہ نورگزار (Transparent) نہ ہو۔ اس قسم کے لباس میں ملبوس عورتیں بروئے حدیث ''ملبوس لیکن برہنہ'' کے زمرے میں آتی ہیں کیونکہ ایسا لباس نورگزار لباس کی نسبت زیادہ شہوت انگیز ہوتا ہے۔

<u>تنگ لباس اور فزیالوجی</u>: تنگ لباس سے لوکل اعصاب (Local Muscles) مُردہ اور کمزور ہو جاتے

ہیں کیونکہ باہر کے مسلز میں جیسے حرکت ہوتی ہے' ایسے ہی اندرونی باریک باریک مسلز میں حرکت ہوتی ہے جیسا کہ اگر سوئی جلد کے اندر چلی جائے تو وہ ان باریک مسلز کی حرکت کی وجہ سے کہاں سے کہاں چلی جاتی ہے۔ تو تنگ لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے اِن باریک مسلز کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور اُن کی حرکات کم ہو جاتی ہیں جس سے ذہنی دباؤ' اعصابی تناؤ اور کھچاؤ جیسے اَمراض پیدا ہوتے ہیں۔ (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد دوم' صفحہ ۲۳۶)

(iv) عورت کا لباس ٹخنوں سے نیچے تک ہونا چاہئے جبکہ مردانہ لباس اُس کے ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہئے۔

<u>عورت کے لباس کا ٹخنوں سے نیچے ہونے میں حکمت</u> : اس سلسلہ میں حکیم محمود چغتائی لکھتے ہیں:

''مسٹر طاہر منیر ایک پڑھے لکھے انسان اور قوم کا کاروبار کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ امریکہ میں قیام کے دوران میرا ایک دوست مجھے کچھ عجیب وغریب اور نادر چیزیں دکھانے کے لئے وہاں کے ایک پلازہ میں لے گیا۔ ہم دونوں پلازہ کے مختلف شعبوں میں گئے اور اُن میں گھومتے گھماتے ہم بالآخر ملبوسات کے شعبہ میں گئے جس کی ایک جگہ پر یہ لکھا تھا: ''مرد اپنے لباس کو ٹخنوں سے اوپر رکھیں۔ اس سے وہ ٹخنوں کی سوجن' جگر کی اندرونی سوجن اور دیوانگی (پاگل پن) سے بچ جائیں گے۔ اور عورتیں اپنے لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھیں۔'' میں یہ پڑھ کر چونک سا گیا اور اپنے دوست سے پوچھا کہ کیا یہ پلازہ مسلمانوں کا ہے؟ اُس نے کہا: نہیں بلکہ یہ پلازہ مسیحیوں کے ایک تحقیقی ادارے کا ہے جہاں حفظانِ صحت (ہائیجین) کے مختلف شعبوں پر تحقیق کی جاتی ہے اور تحقیق کے دوران کچھ اسلامی نکات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔''

''مسٹر طاہر منیر نے مجھے بتایا اگر مرد اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے رکھے تو ٹخنوں سے نیچے کی بہت اہم شریانیں اور رگیں جنہیں تازہ ہوا اور صاف پانی کی ضرورت ہوتی ہے' کشادہ اور کھلی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سکڑ جاتی ہیں۔''

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے کرنے کا حکم فرمایا ہے (مدارج النبوۃ) اور یہ ہدایت بھی پلازہ مذکور کی مندرجہ بالا تحریر کے ساتھ ہی درج تھی۔ طاہر منیر نے بتایا کہ وہ پلازہ کے متعلقہ افراد سے ملے اور اُن سے عورتوں سے متعلق اُس ہدایت کے پسِ پردہ حکمت کے متعلق معلوم کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے تعجب کی حد تک اُنہوں نے بڑے ہی حیران کن طبی نکات سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ اگر عورتیں اپنے ٹخنے ننگے رکھیں تو اُن میں مہیجے یعنی ہارمونز (اعتدال پیدا کرنے والا ایک مادّہ جو کسی عضو میں پیدا ہوتا اور خون یا رطوبت کے ذریعے سرایت کر کے خلیوں کو فعّال بناتا ہے) یا تو کم پڑ جائیں گے یا زیادہ ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غلفی (اندامِ نہانی کی) سوجن' دردِ کمر' اعصابی کمزوری اور اعصابی تناؤ کا شکار ہو جائیں گی۔ طاہر منیر بیان کرتے ہیں کہ تجربہ شاہد ہے کہ سنتِ رسول ﷺ سے انحراف کرنے والی عورتوں کی صحت کی کیفیت بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اُنہیں بتائی گئی ہے۔'' (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد اوّل' صفحات ۱۵۲ تا ۱۵۶)

(iv) اُسے مردانہ لباس بھی نہ پہننا چاہئے جیسے ہمارے دَور کا پاجامہ اور پینٹ ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مَردوں سے مشابہت کریں اور اُن مَردوں پر بھی جو عورتوں جیسی وضع قطع بنائیں ۔ آپ نے عورتوں کو مَردوں جیسا لباس اور مَردوں کو عورتوں جیسے کپڑے پہننے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) ۔ لباس کی ایسی نقالی میں اندازِ گفتگو، چال ڈھال اور حرکات وسکنات بھی شامل ہیں ۔

فرمانِ رسول ﷺ کی مخالفت میں یہی قابلِ صد افسوس حال ہمارے زمانہ کے اُن نام نہاد ''مسلمانوں'' کا ہے جو اہلِ فرنگ کی پیروی میں اپنے ''خَیرَ اُمَّۃٍ'' ہونے کے اعلیٰ وارفع مقام کو فراموش کئے ہوئے ہیں ۔ یوں لگتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر صدیوں پہلے آج کے اِس دَور پر تھی جس دَور کی عورتیں اور لڑکیاں نیم برہنہ لباس پہن کر، بالوں کے شیطانی ماڈل بنا کر اور شہوانی اور ہیجانی شکل میں بن ٹھن کر ''ماڈرن اور فیشن ایبل'' کہلوانے میں فخر محسوس کرتی ہیں اور نہیں سمجھتیں کہ اِس شیطانی عمل میں وہ اپنے خالق ومالک کے ابدی غضب کا سودا کر رہی ہیں !

(v) لباس کے انتخاب میں اُسے غیر مسلموں (یہودیوں، عیسائیوں یا ہندوؤں وغیرہ) کی نقالی بھی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اسلام غیر مسلموں سے کسی بھی معاملے میں موافقت پسند نہیں کرتا اور اپنے پیروکاروں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ شکل وشباہت، عقائد اور رویّوں میں اپنے ممتاز خصائص کو پروان چڑھائیں اور اسی لئے مسلمانوں کو کئی جہتوں میں غیر مسلموں سے مختلف رہنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ نبی ﷺ نے فرمایا :

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ

''جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ اُنہی میں سے شمار ہوگا ۔''

غیر مسلموں کی نقل اتارنا اور جدید سائنس : ''نقل دراصل ذہن کے اُس حصّے کا عکس ہے جس سے آدمی دوسرے کی طرح بننے کی کوشش کرتا ہے ۔ نقل میں تقلید کا پہلو بھی ہے اور اختیار کا بھی ۔ یعنی بعض اوقات کسی کی عادتِ بد کے اظہار کے لئے بالکل وہی عمل کیا جاتا ہے حالانکہ ایسا عمل انسانی سوچ وسمجھ پر ایسا بُرا اثر ڈالتا ہے جس سے زبان کی لکنت، اور آواز کی کمی جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں (فرائڈ کے نظریات)

''نقل سے ذہنی صلاحیتوں کا نکھار تقریباً ختم ہوجاتا ہے ۔ انسان گہری سوچوں کو چھوڑ کر صرف لکیر کا فقیر بن جاتا ہے ۔ اُس کی اپنی سوچیں کم اور دوسروں کی نقل زیادہ سے زیادہ ہوتی ہیں جس کا نقصان اُس کی عملی زندگی میں زوال کا باعث بنتا ہے ۔'' (ہومر تجربات بحوالہ ''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، جلد دوم، صفحہ ۵۴)

(د) مسلمان عورت کی چال ڈھال اور گفتار باوقار اور متین ہوتی ہے اور اُس کے چہرے کے تاثرات اور حرکات وسکنات میں جنسی لگاوٹ نام کو نہیں ہوتی ۔ جنسی لگاوٹ اور رِجھنے رِجھانے کا رویّہ شیطانی ذہنوں کا خاصہ ہوتا ہے نہ کہ کسی مسلمان کا ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO (الاحزاب: ۳۲)
''تو تم کلام میں نزاکت اختیار مت کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدے کے موافق بھلی بات کیا کرو۔'' (۳۲ : ۳۳)

(ذ) مسلمان عورت عطر و خشبویات' یا پاؤں کی جھنکار یا اپنے زیورات کی آواز یا اس قسم کی دوسری چیزوں کے ذریعے اپنی مخفی زیب و زینت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول نہیں کرتی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (اَلنُّور: ۳۱)
''اور وہ اپنے پیر (زمین پر) زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔'' (۳۱ : ۲۴)

زیور دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو از خود نہیں بجتے بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بجتے ہیں جیسے پازیب' کڑے وغیرہ۔ قرآن حکیم نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کی پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں گویا اُن کا پہننا فی نفسہٖ درست ہے لیکن اُن کی آواز یا جھنکار فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے درست نہیں۔ دوسری قسم کے وہ زیور ہیں جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو مثلاً گھنگرو۔ اُن کا پہننا ہی سرے سے ناجائز ہے۔

اس سے یہ مفہوم بھی معلوم ہو گیا کہ (۱) جب زیور کی آواز کے چھپانے کا اتنا اہتمام ہے تو صاحبۂ زیور کی آواز کے چھپانے کا کس قدر اہتمام ہونا چاہئے کہ اکثر فتنہ و میلان کی وجہ آواز ہی بنتی ہے اور (۲) جب آواز کے چھپائے جانے پر پابندی ہے تو صورت کیوں نہ قابلِ اِخفاء ہوگی کہ فتنے کا اصل مبداء تو یہی صورت ہی ہے۔ (۳) آیت میں صرف پاؤں مار کر مَردوں کی مجلس سے گزرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا رہا بلکہ ہر ایسی چیز جو اُنہیں غیر محرموں کی توجّہ کا مرکز بنا دے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ بھڑ کیلے لباس پہن کر یا تیز خوشبو لگا کر مجمع عام میں جانا بھی عورت کے لئے جائز نہیں۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا' اُس سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اُسے فرمایا: اے خداوندِ جبّار کی بندی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کیا تو نے خوشبو لگا رکھی ہے؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اُس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک کہ وہ گھر لوٹ کر غسلِ جنابت نہ کرے۔'' (''ضیاء القرآن''۔ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۳۱۹' نوٹ : ۴۸)

''وہ عورتیں جو زرق برق بھڑ کیلے لباس پہن کر خراماں خراماں مٹکتی ہوئی اجنبی مَردوں کے پاس آتی جاتی ہیں' دخترانِ اسلام اُن کے متعلق اپنے پیارے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی سن لیں۔ میمونہ بنتِ سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلرَّافِلَةُ فِي الزِّيْنَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا (ترمذی)
''وہ عورت جو آراستہ پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اِترا اِترا کر چلتی ہے' قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہوگی۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ۳۲۰)

''شہری مزدور طبقے کی خواتین کا پردہ: غیر تعلیم یافتہ یا معمولی پڑھی لکھی خواتین کو اپنے خاوندوں کی آمدنی کو پورا کرنے یا اپنے بوڑھے' معذور والدین کی کفالت کے لئے کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ اُن میں سے کچھ خواتین صفائی کرنے' بیت الخلاء کی ملازمت کرنے اور سکولوں' ہسپتالوں' ہوائی اڈوں اور دفتروں وغیرہ کی ملازمت میں کھپ جاتی ہیں۔ وہ حجاب (پردہ) کے اصول وضوابط کی انتہائی ممکنہ حد تک من وعن پابندی کرنے میں بہت سی تکلیف اور اُلجھن سے دوچار ہوتی ہیں۔ تاہم اگر اُن کا اللہ تعالیٰ اور یومِ جزا وسزا پر فی الواقع ایمان ہے تو اُنہیں حکمِ الٰہی کی پابندی کرنا ہوگی۔''

''چونکہ پردے کی انتہائی ممکنہ اور مشکل حد کی پابندی اُن کے لئے غیر ضروری تکلیف کا باعث بن سکتی ہے تو پردے کی کم مشکل اور کم سے کم ممکنہ حد تک کی شکل کی پابندی کرنا بھی اس حکمِ خداوندی کو شامل ہے۔ تاہم اُنہیں شارع کے مقصد کی تکمیل کے لئے اور مسلم معاشرے میں نیکی' نفاست اور پاکیزگی کی فضا قائم رکھنے کے لئے شریعت کی کم سے کم ممکنہ حد تک پابندی ضرور کرنی چاہئے۔''

''اُنہیں اپنے بالوں کو رومال یا کسی کپڑے سے مناسب طور پر چھپالینا چاہئے اور پوری طرح یقین کر لینا چاہئے کہ اُن کی چھاتی قمیص سے پوری طرح ڈھانپی ہوئی ہے اور مغربی عورت کی طرح وہ کسی بھی طرح لوگوں کے دکھانے کے لئے کھلی ہوئی نہیں ہے۔ اُن کے لئے یہ بات بھی از حد ضروری ہے کہ بالوں کو چھپانے والا رومال یا کپڑا بھی زیب وزینت اور آرائش کا موجب نہ ہو۔ یہ نہ تو باریک اور نہ ہی اتنا رنگ دار ہو کہ لوگوں کی توجہ اور نظریں اس کی طرف مبذول ہوں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ)

دیہاتی خواتینِ خانہ کا پردہ: ''اپنے گھروں میں کام کرنے والی عام دیہاتی عورتوں کی زندگی بڑی سادہ ہوتی ہے۔ وہ نہ تو حیاتِ انسانی کی مہنگی تعیشات کی عادی ہوتی ہیں اور نہ ہی شہری' باشعور خواتین کی طرح اُن کی بہت سی معاشرتی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ اُن کے نہ تو خرید وفروخت کے مسائل ہوتے ہیں اور نہ ہی شہری عورتوں کی طرح اُن کے ذمے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اُن کا لباس سادہ ہوتا ہے جس میں ایک سادہ قمیص' سادہ شلوار اور اپنے بالوں اور چھاتی کو چھپانے کے لئے ایک دوپٹہ ہوتا ہے۔''

''علاوہ ازیں ہر بستی ایک محدود طبقہ ہوتی ہے اور ہر فرد کا دوسرے فرد سے کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا ہے۔ کسان طبقہ بالعموم ایک دوسرے سے قریبی رشتہ کے ذریعے جُڑا ہوتا ہے اور دیہی علاقے میں دوسرے لوگ پیشہ ور دستکار' ہنر مند

کاریگر اور تاجر ہوتے ہیں۔ دیہاتوں میں کئی نسلوں سے رہنے کی وجہ سے وہ دیہات کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کا جزوِ لاینفک بن چکے ہوتے ہیں۔ دیہاتی لڑکیاں اور خواتین ایسے محدود طبقے کے افراد کے درمیان بیرونِ خانہ امور کی انجام دہی کے سلسلے کی آمد و رفت میں پردے کی شرائط کی اتنی سختی سے پابندی نہیں کرتیں۔ اس طرح دیہاتی طبقات نہ تو محرم رشتہ داروں کے زمرے میں آتے ہیں جن کے سامنے خواتین اپنی زیب و زینت کے ساتھ آزادانہ طور پر آتی جاتی ہیں اور نہ اُن طبقات کا شمار مکمل اجنبیوں میں ہوتا ہے جن سے اُنہیں مکمل طور پر پردہ کرنا چاہئے۔''

''اِن دونوں طبقات کے درمیان پردے کی صحیح حدود کی تشکیل کرنا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ شریعت نے اس کا تعیّن نہیں کیا۔ اس لئے ہمیں قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں اِن دونوں طبقات میں خواتین کے لئے صحیح لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لئے اپنی قوتِ فیصلہ کو بروئے کار لانا ہوگا۔''

''پردے کی پابندی کا انحصار لازمی طور پر کنبے کی باہمی رشتہ داری، عورتوں اور مَردوں کی عمر، خاندان کے باہمی روابط اور دوسرے حالات پر ہوتا ہے (مثلاً ایک ہی گھر یا محلے میں رہائش)۔ اس معاملے میں نبی ﷺ کی ذاتی مثال میں ہمیں اسی قسم کی راہنمائی ملتی ہے۔ متعدّد احادیث اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی سالی حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کے پاس چہرہ اور ہاتھوں کو چھپائے بغیر بے پردہ آتیں۔ حجۃ الوداع تک یہی صورتِ حال رہی جو نبی علیہ السلام کے وصال سے چند مہینے پہلے واقع ہوا۔'' (ابوداؤد بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ، صفحات ۲۷۰، ۲۷۱)۔

''اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی ایک قریبی رشتہ دار اُمِّ ہانی بنتِ ابی طالب رضی اللہ عنہا آخر وقت تک نبی علیہ السلام کے پاس چہرہ اور ہاتھوں کو چھپائے بغیر آتی رہیں۔ اِس حقیقت کی تائید میں اُنہوں نے خود فتحِ مکّہ سے متعلق ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ بحوالہ ابوداؤد)

''پھر مدینہ منوّرہ میں کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کے درِ اقدس پر ملنے آتی تھیں اور آپ خود بھی گاہے گاہے اُن سے ملنے جاتے تھے۔ اُن سب نے کبھی بھی آپ ﷺ سے اپنے چہرے اور ہاتھ نہیں چھپائے۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ منوّرہ میں اکثر اُمِّ سُلیم، اُمِّ شریک، اُمِّ عمارہ اور دوسری خواتین سے ملنے جایا کرتے اور اپنے دولت کدہ پر مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والیوں کا آزادانہ طور پر استقبال فرماتے اور اُن میں سے کئی عورتیں آپ سے اپنے چہرے اور ہاتھ نہیں چھپاتی تھیں۔''

''دیہاتی لوگ کم و بیش قرابت داری یا قریبی تعلق داری کے رشتوں میں منسلک ہوتے ہیں اور اس طرح کسانوں، پیشہ ور کاریگروں اور دستکاروں کی خانہ دار خواتین جو بیرونِ خانہ اُمور کو نمٹانے کے لئے محرموں کی ہمراہی کے

بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتیں، پردے کی سخت پابندی نہیں کرسکتیں۔ تاہم اگر اُنہیں اپنے گھروں سے باہر اُن جگہوں اور کھیتوں میں جانا بھی پڑے جہاں لوگوں کی گاہے گاہے آمدورفت رہتی ہے تو اُنہیں گھر سے نکلتے ہی اپنے سروں کو پیشانی سے نیچے تک اپنے دوپٹہ یا کسی گردپوش (Wrapper) سے چھپالینا چاہئے۔ اور اگر وہاں کوئی اجنبی مرد نہیں ہے تو وہ اس پابندی سے آزاد بھی ہوسکتی ہیں لیکن اِس صورت میں بھی اُنہیں اپنا تحفظ خوب کرنا چاہئے کہ کہیں کوئی اُنہیں ناموزوں اور اُکھڑ صورت میں دیکھ کر کہ جس میں اُن کے بال بھی بکھرے ہوئے ہوں اور تزئین کے دوسرے اعضائے جسمانی بھی کھلے ہوں، آنہ جائے۔''

''اس سلسلہ میں ایک اور چیز جسے فراموش نہیں کرنا چاہئے، وہ دیہاتی علاقوں میں حسبِ معمول حالاتِ کار ہیں۔ ذرا کسان کی اُس بیوی، بیٹی یا بہو کا تصوّر کیجئے جو کھیت یا کھلے میدان میں جانوروں کا چارہ تیار کررہی ہو۔ اُس سے مکمل لباس میں ملبوس ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی جس سے اوڑھنی کے ذریعے اُس کا سر، چہرہ اور جسم چھپ جائے۔ اُن عورتوں کی اس قسم کی زندگی میں یہ قابلِ عمل بھی نہیں کیونکہ جسم ولباس کو گندہ کردینے والے ایسے کاموں میں مصروف ہونا اُن کی مجبوری ہے جس میں اُنہیں اوڑھنی اتارنا پڑتی ہے، اپنی قمیص کی آستینوں کو لپیٹ کر اوپر چڑھانا پڑتا ہے اور اپنی شلوار کو یا تو گسنا پڑتا ہے یا اُس کے پائچوں کو لپیٹ کر اوپر چڑھانا پڑتا ہے۔ ایسی عورتوں کا اس قسم کے کاموں میں پڑنے کے دوران اپنے ستر کو بڑے ہی محفوظ طریقے سے چھپانا بہت ہی ضروری ہے۔ لیکن اِن کاموں سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے دوپٹوں یا گردپوشوں سے اپنے سروں اور بالوں کو چھپالیں اور اس طرح پردہ کے تقاضوں کی پابندی کریں۔''

''لیکن ان تمام چیزوں کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس قسم کا کام کررہی ہیں اور کہاں اور کن لوگوں کے درمیان اُن کا دائرۂ کار ہے۔ یہ عوامل اس بات کا تعیّن کریں گے کہ کس شدّت یا نرمی کے ساتھ وہ شریعت کی طرف سے پردے کی مقرر شدہ ضروری پابندیوں کی تعمیل کریں۔ بلا شک وشبہ ایک سچی اور پکی مسلمان خاتون بہر حال دوسرے لوگوں کی موجودگی میں پردے کے کم سے کم ممکنہ تقاضائے شریعت اور اُس کی حد کا تو ضرور خیال رکھے گی اور اُن کے سامنے اپنے اعضائے تزئین یا ستر کو نہیں کھولے گی۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ)

''<u>دیہاتی (بدوی) مزدور پیشہ ورخواتین</u>: عام لوگوں اور مزدوروں کا معاملہ کسانوں اور دستکاروں سے بالکل مختلف ہے۔ اُنہیں اپنے آجروں کے گھروں یا کھیتوں میں کام کرنا ہوتا ہے۔ ایسی صورتوں میں بعض اوقات اُن کے لئے پردہ کے شرعی ضوابط کی کماحقہٗ تعمیل ممکن نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار نوعیتِ کار اور ماحول پر ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک ان پابندیوں کی تعمیل کرسکتی ہیں یا پردے کی کم سے کم ممکنہ حد سے عہدہ برآ ہوسکتی ہیں۔ تاہم یہ بات ضروری ہے کہ وہ دوپٹہ یا گردپوش سے کم از کم اپنے سروں کو چھپانے کی پوری کوشش کریں اور بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں مصروفیت کے دوران وہ موٹی قمیص پہنے رہیں جس سے اُن کا سینہ اجنبیوں کی نگاہوں سے مناسب طور پر چھپا رہے۔ پہاڑوں کی وادیوں میں بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرانے والی بدوی لڑکیاں دوسرے لوگوں سے اپنے سر اور سینے کو چھپانے کے لئے عام قسم کا موٹا گردپوش استعمال کرتی ہیں۔ وہ اپنے سر، چہرے اور چھاتی کو عملی طور پر چھپالیتی ہیں لیکن اپنے مویشیوں کو چرانے کے دوران سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے بچنے کے لئے وہ اپنی آنکھوں کو کھلا رکھتی ہیں۔''

''صحیح معنیٰ میں اگر دیکھا جائے تو شہری خواتین سے متعلق پردے کی پابندیوں کا اطلاق دیہاتی عورتوں یا کھیتوں میں کام کرنے والیوں پر ہوتا ہی نہیں۔ شہری خواتین تو لوگوں کے اِزدحام (رَش) میں کام کر رہی ہوتی ہیں اور اُن میں آجا رہی ہوتی ہیں جہاں اُنہیں پردے کے تقاضوں کا بڑی شدّت سے خیال رکھنا چاہئے اور پردے کی شرائط سے اُنہیں آزادی بھی حاصل نہیں۔ اُنہیں مختلف قسم کے مزاج' مختلف قسم کی طبیعت اور فطرت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور شہری زندگی میں بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں جن میں وہ مختلف قسم کی جاذبیتوں کا شکار ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اُن کے لئے پردے کی حدود کا شدّت سے خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن دیہاتی عورتیں کھیتوں اور وادیوں میں تن تنہا کام کر رہی ہوتی ہیں جہاں وہ کسی دیہاتی لڑکی یا بعض اوقات کسی دیہاتی لڑکے کو اپنے مویشی چراتے ہوئے دیکھنے کے سوا شاذ و نادر ہی کسی مرد کو دیکھتی ہیں اور وہاں اجنبیوں سے رابطہ کے بہت ہی کم مواقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُس مفہوم میں وہاں پردے کے تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پردے کی عملی شکل جسے عورت کو اپنانا چاہئے' دو غایتوں (Extremes) یعنی بدرجہ اتم (Maximum) ممکنہ مقدار اور کم سے کم (Minimum) ممکنہ مقدار کے تقاضوں کے درمیان مختلف اور متنوع ہوتی ہے اور نوعیت کار' ماحول کار' ثقافتی اور معاشرتی معیار' لوگوں کے تقاضوں اور افرادِ معاشرہ کے باہمی روابط کی نوعیّت کے مطابق ہوتی ہے۔ اِن عوامل کا نسوانی پردے کی عملی شکل پر بہت ہی گہرا اثر ہوتا ہے اور پردے کی یہ پابندیاں شہری اور دیہاتی عورتوں اور خواتینِ خانہ اور مزدور خواتین کے درمیان مختلف ہوتی ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ)

''<u>عوامی غسل خانوں (حماموں) میں جانے والی خواتین</u>: خاتون کے عَورہ (سَتر) کو چھپانے سے متعلق نبیِ مکرّم ﷺ نے مسلمان خاتون کو عوام کے نسوانی حماموں میں جانے اور دوسری عورتوں کے سامنے اپنے کپڑے اتارنے پر تنبیہ فرمائی ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ عورتیں اُس کے جسمانی امتیازات و خصائص کو اپنی گپ شپ اور بازاری' گھٹیا تبصروں کا موضوع بنالیں۔ اس بارے میں اسلامی مزاج اس قدر حسّاس ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہاں تک فرمادیا:

لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ' يَنْظُرُ اِلَيْهَا (مُتَّفَق '' عَلَيْهِ)

'' کوئی عورت دوسری عورت سے مل کر اُس کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے (اِس طرح) بیان نہ کرے گویا کہ وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین للنووی' ج ۲' ص ۵۳۴)

اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمان مَردوں کو کمر کے گرد پوش کے بغیر عوامی حماموں میں جانے سے روکا ہے۔ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' وہ کمر کے گرد پوش کے بغیر عوامی حمام میں نہ جائے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' وہ اپنی بیوی کو عوامی حماموں کو نہ جانے دے۔'' (ترمذی' نسائی' مستدرک للحاکم)

''اس ممانعت سے وہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو ایسے مرض میں مبتلا ہوں جس کے لئے گرم حمام مفید ہیں اور زچگی کے ایام کے بعد کی عورتیں بھی مستثنیٰ ہیں۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی مکرّم ﷺ نے عوامی حماموں کی بابت فرمایا: ''اگر کوئی عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے (یعنی ننگی ہوتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اُس کے درمیان پردے کو پھاڑ دیتا ہے۔'' (یعنی عذابِ الٰہی اور اُس عورت کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں رہتا)

''جب اسلام کا عورت کے عوامی حماموں میں داخلے سے متعلق ایسا شدید نظریہ ہے جن کی بہر حال چاردیواری بھی ہوتی ہے اور جن میں صرف عورتیں ہی داخل ہونے کی مجاز ہیں' تو اسلام کا اُن نیم برہنہ عورتوں کی بابت کیا خیال ہے جو ساحلِ سمندر اور تیراکی کے تالابوں پر اپنی عریانی کی ہر راہ گیر کی بھوکی اور شہوانی نگاہوں کے آگے نمائش کرتے ہوئے بغیر کسی شرم وحیا کے پڑی رہتی ہیں۔ اُنہوں نے یقیناً اپنے اور اپنے آقائے رحیم و کریم کے درمیان ہر پردے کو تار تار کر دیا ہے۔ کاش کہ اُنہیں معاملہ کی سنجیدگی کا کچھ بھی احساس ہوتا!'' (الحلال والحرام فی الاسلام' 'یوسف القرضاوی' انگریزی ترجمہ ص ص ۱۶۱ تا ۱۶۳)

مندرجہ بالا توضیحات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح صاف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عورتوں کے پردہ کا معاملہ زنا کے گناہِ کبیرہ کے وقوع کی بندش کا ایک مانع ذریعہ ہے۔ مغرب کے بے حیا ماحول کے خلاف جہاں مرد و زن کی خفیہ ملاقاتیں اور عشق معشوقی کوئی بُرائی کی بات نہیں ہیں' تو اسلام کے قائم کردہ سماج میں پاکیزگی کردار اور پاکبازی و پاکدامنی کا اعلیٰ و ارفع نمونہ اور نصب العین ہے جو اُس کی تمام عمرانیات پر محیط ہے۔ لیکن اسلام کے بے رحم دشمن نے پردے کو بعض اوقات اس کی مضحکہ خیز اور مہیب تصویر کھینچ کر اور بعض اوقات یہ فریب دے کر کہ پردہ عورت کے لئے ''قیدِ بے جا'' ہے' جو ''ہمہ گیر آزادی'' کے فطری قانون کے بالکل خلاف ہے' ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا۔ پردہ کے مخالفین کا استدلال یہ ہے کہ عورت کو ایسی پابندیوں کے ذریعے تمام معاشرتی زندگی اور سرگرمیوں سے خارج کر دینا سماج کی خوش آہنگ اور مترنم ترقی کے خلاف ہے۔ اُن کے نزدیک پردہ ہی مسلمانوں کے زوال اور پسماندگی کا اصل سبب ہے جو اس خلافِ معمول صورت میں بدلتے ہوئے حالات اور ترقی پذیر قوموں کے شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتا۔

مسلمان جو پہلے ہی بے رحم مادیّت کی بہ ظاہر چمک دمک اور طرزِ فریب حُسن سے مرعوب ہو چکا تھا' اِن گھٹیا' فاسد اور غیر اہم حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ اپنے حکیمِ مطلق خالق و مالک پر غیر متزلزل ایمان و یقین کی قوّت کے ذریعے دشمنِ اسلام کے خلاف سخت اقدام کرنے اور اُسے زوردار ہلاکت انگیز تھپڑ رسید کرنے کی بجائے وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اپنی بیوی کے متعلق ''کفن پوش جنازہ میں ملبوس'' اور ''چلتے پھرتے خیمے'' اور اسی قسم کے نعرے سن کر شرما سا گیا اور ذلّت محسوس کرنے لگا۔ کاہلی اور سستی نے اُس میں پہلے ہی سے جذبہ جہاد کا گلا گھونٹ دیا تھا اور اُس کی اقتصادی بدحالی اور مالی طور سے دوسروں کی محتاجی اور دست نگری نے اُس کے لئے اپنے ''آقا'' کے طرزِ زندگی کو اندھا دُھند اپنانے کے سوا کوئی راستہ نہ چھوڑا۔ اس طرح تمام برائیوں کے خلاف نبرد آزما زمانہ ماضی کی حق وصداقت

کی یہ لڑا کی قوت اَب مغرب کے نقشِ قدم پر چلنے لگی جو اُسے ''کامیابی'' اور ''طاقت'' کا آسان ترین اور کم مسافت کا راستہ نظر آنے لگا۔ اس طرح اُس نے اپنے آپ کو اُس آئینہ کی طرح بنالیا جو حسن و جاذبیت کے منظر کا تو انعکاس کرتا ہے لیکن بذاتِ خود اس سے خالی ہوتا ہے۔ ایک مشہور اردو شاعر اکبر الہ آبادی شرم و ذلت کی اُس قابلِ مذمت صورتِ حال پر بجا طور پر نوحہ کناں ہے جس کا مسلم سماج شکار ہو کے رہ گیا تھا:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمین میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

ایک اور مشہورِ زمانہ اردو شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سچی مسلمان عورت کی تصویر یوں کھینچی ہے:

وہ حُسن کی شہزادیاں — پردے کی ہیں آبادیاں
چشمِ فلک نے آج تک — دیکھی نہیں اُن کی جھلک
سرمایہ چشم و حیا — زیور ہے اُن کے حُسن کا
کب سامنے آتی ہیں وہ — غیرت سے کٹ جاتی ہیں وہ

درحقیقت مسلمانوں نے اختراع اور جعل سازی کے خوف کے بغیر مغربی طرزِ زندگی' لباس' ثقافت' آداب و انداز اور ہر غیر ملکی اور غیر اسلامی طریقے فیشن کے طور پر اپنا لئے۔ قرآن و سنتِ رسول میں بیان شدہ اپنے مذہب کی مبادیات تک سے ناواقف ہونے کے باعث مسلمان کے لئے اُن قرآنی احکامات اور احادیثِ نبویہ کی غلط تاویل و تعبیر کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا جنہیں اُس کے بے رحم دشمن نے تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

پردہ اور ترقی : جیسا کہ بیان ہوا' دشمنِ اسلام نے عورت کے پردے کو قومی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ قرار دیا۔ ''ترقی'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی آگے بڑھنا' اونچا ہونا' بلندی کی زیادتی اور برتری کے ہیں۔ گویا ترقی سے مراد حیاتِ انسانی کے ہمہ جہت پہلوؤں کی نشوونما ہے۔ اگر کوئی قوم معاشی' معاشرتی' سیاسی' مذہبی' تہذیبی اور اَخلاقی وغیرہ تمام پہلوؤں کو افضل بنالیتی ہے تو ترقی یافتہ قوم کہلاتی ہے۔

ترقی کا اسلامی تصوّر : ''ترقی'' کے جامع تصوّر کی نمائندگی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفتِ ''ربوبیت'' کرتی ہے۔ ''ربوبیت'' کسی چیز کو اُس کے نقطہِ آغاز سے تکمیل تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے۔ جو بذاتِ خود ترقی کے مفہوم کے مترادف ہے' لہٰذا ربُّ النّاس کا عام فہم معنیٰ' افرادِ انسانیت کو شاہراہِ ترقی پر گامزن کرنے والا اور اُنہیں آگے بڑھنے کی صلاحیتوں کو چلا دینے والا ہے۔ اور یہ ترقی ہمہ جہتی ہے مادّی بھی' روحانی بھی' دُنیوی بھی اور اُخروی بھی۔ لہٰذا انسانی زندگی کے کسی رخ سے ترقی کا انکار اللہ کی صفتِ ربوبیت کی جامعیت کا انکار ہوگا۔ گویا اسلام کے تصوّرِ ترقی میں دُنیوی ترقی اور اُخروی ترقی کے دونوں پہلو شامل ہیں۔ اسی لئے اسلام نے دنیا و آخرت دونوں کی ترقی کے لئے کوشاں معاشرے کو بہتر قرار دیا ہے (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال 'ج ۳' ص ۲۳۸) اور یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا کو مذموم قرار نہ دیا جائے کہ وہ صاحبِ ایمان کے لئے بہتر سواری کی مانند ہے کہ اُس کے ذریعے وہ کارِ خیر انجام دیتا ہے اور اُسی کی بدولت شر سے نجات حاصل کر کے اپنے رب کی رضا پاتا ہے (ایضاً ج ۳' ص ۲۳۹)۔

''پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ ترقی کے اسلامی تصوّر میں اگر مادّی ترقی اور دنیاوی غلبے کی گنجائش نہ ہوتی تو قرآنِ حکیم اہلِ ایمان سے خلافتِ ارضی، غلبہِ دین اور پُر امن معاشرت کے قیام کا وعدہ نہ کرتا (بحوالہ سورۃ النّور: آیت ۵۵) اور محض اُخروی ترقی کی نوید و بشارت پر ہی اکتفا کرتا۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، جولائی ۲۰۰۷ء، ص ۳۴)

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ایک معمولی عقل کا انسان بھی بہ آسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ الٰہی حکم ہونے کے لحاظ سے عورت کا پردہ ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ ''تاریخِ عالم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے پردے کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی غرض و غایت تک رسائی حاصل کی ہے، تو اُن میں ابنِ سینا اور الخوارزمی جیسے علم کے ستارے پیدا ہوئے۔ خالدؓ بن ولید اور طارق بن زیادؒ نے جنگی مہارتوں میں نام پیدا کیا۔ لیکن جب مسلمان عورتوں نے اپنا دائرہ عمل بدل لیا اور مردوں نے اُن سے کارخانوں اور دفتروں میں کام لینا شروع کر دیا تو قوم کو صحیح وارث نہ ملے، خداداد صلاحیتیں دب کر رہ گئیں اور آخر غلامی مقدر بنی۔ پردہ پر بحث اِسی غلامی کا کرشمہ ہے۔ ورنہ حقیقت کا رُخ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یونان کی ترقی کا راز پردہ میں پنہاں تھا، عورت گھر کی مالکہ تھی اور اُس کے فرائض کا دائرہِ کار گھر تک محدود تھا اور وہ ان حدود میں پوری طرح با اختیار تھی۔ لیکن جب یونان نے اپنی اقدار کو بدلا تو عورت شمعِ محفل بنی تو یہ قوم اخلاقی لحاظ سے تباہ ہو گئی جو غلامی پر منتج ہوئی۔ کچھ ایسی ہی مثال رومانیہ کی ہے۔'' ایک زمانہ میں مسلمان خلیج بنگال سے لے کر بحر اوقیانوس تک کے وسیع علاقے پر حکمران رہے اور زندگی کے کسی بھی میدان میں کوئی اُن کی ہمسری نہ کر سکا۔ اگر ''ترقی'' اِسی کا نام ہے تو یہ ترقی اُنہوں نے اُس معاشرے میں کی جس میں پردے کی پابندی تھی۔ جب پردہ ہمارے اسلاف کے قدم، ترقی تک پہنچنے میں نہ روک سکا تو یقیناً ہمارے بھی نہیں روک سکے گا۔ کیونکہ پردہ تو الٰہی حکم ہے اور وہ اللہ جو معبودِ برحق ہے، ہماری ہمہ جہت ترقی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

''غرض پردہ میں رہ کر ایسی مائیں تیار کی جا سکتی ہیں جو خالد بن ولید اور طارق بن زیاد پیدا کریں۔ ایسی عورتیں میدانِ عمل میں آ سکتی ہیں جو علم کا ستارہ بنیں اور اُمِّ سلمٰی جیسی سیاسی بصیرت کی حامل ہوں۔ عورت یا معاشرہ کی ترقی کی راہ میں پردہ حائل نہیں۔ وہ معاشرہ جس کی نقالی پر ہم نازاں ہیں، اُس نے خود ہی عورت کو تنزلی اور پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے۔ ہم شاید یہ بھول گئے کہ مغربی معاشرت اور ترقی کی جس نقالی کو ہم باعثِ افتخار سمجھتے ہیں، اُن سے خود اہلِ یورپ چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور شاید ہم یہ بھی بھول گئے کہ جب ہماری معاشرت اور اُن کی معاشرت کے اصول الگ الگ ہیں تو ہم اُن کی معاشرت کیسے اپنا سکتے ہیں! دراصل ماں کی گود پہلی درس گاہ ہے جس میں عالمِ غیب سے نکل کر بچہ قدم رکھتا ہے۔ اُس کا ذہن آئینے کی طرح صاف اور ہر قسم کے اثرات قبول کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ ماں جو اُس کی فطری مصوّر ہوتی ہے، وہ اُس پر ایسے نقوش ڈالتی ہے جو کسی تعلیم و اثر سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ یہ کارخانے جو انسان تیار کرتے ہیں، جوتے اور پستول بنانے والے کارخانوں کی نسبت کم ضروری نہیں۔ ان کارخانوں کے چلانے کے لئے کیل اور کانٹے سے لیس کر کے قدرت نے عورت کا انتخاب کیا ہے اور اُسے پردے کا پابند بنا کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اس کارخانے میں دل جمعی سے کام کرے تاکہ اُس کی سوچ اور توجہ غلط سمتوں میں نہ بٹے۔'' (ماہنامہ ''مومن'' لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ص ۴۱، ۴۲)

(۶۲) تاریخ نگاری (Historiography)

"مخصوص قسم کے ماضی کے واقعات کو منظم طریق سے محفوظ یادداشت میں رکھنے (ریکارڈ کرنے) کا نام "تاریخ" ہے۔ منظم مطالعہ اور اس مقصد کے لئے مختلف طریقوں کا اس مطالعہ پر اطلاق کرنا بھی "تاریخ" کی تعریف میں آتا ہے۔"

لفظ History یونانی زبان کے مصدر سے ہے جس کا معنیٰ بیان، خاکہ کشی اور معلومات ہے۔ پھر اس لفظ کو اساطیر (Mythology) کے قریب قریب معنیٰ میں لیا گیا اور اس صورت میں اس میں نہ تو "تاریخی تحقیق" یا "تقابلی طریق" کی تعبیر تھی اور نہ ہی "چھان پھٹک" یا "کیوں، کیا" کے معیار کی کوئی بات تھی۔" (A-One Compre-hensive Gen. Knowledge" .. Mirza Muhammad Yusuf, p. 618) Lahore 1988.

"<u>تاریخ نگاری (Historiography)</u>: واقعاتِ ماضی اور بالخصوص اُن واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانا جو ذرائع کے تنقیدی جائزے، مخصوص واقعات کے مستند مواد سے انتخاب اور اُن مخصوص واقعات سے ترکیب پایا ہوا مواد ایسے بیان پر مبنی ہو جو تنقیدی طریقوں کے معیار پر پورا اتر سکے، تاریخ نگاری کہلاتا ہے۔" (Micropaedia Britannica, Vol. V, p. 949)

"قرآنِ حکیم اقوامِ عالم کی تاریخ کے واقعات سے پُر ہے۔ یہ زمانہِ ماضی کے لوگوں، انبیائے سابقہ، جنگوں، بغاوتوں، محبتوں، موت، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اُس کی سزا و عذاب کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن قرآن مجید اور اسلام دونوں تاریخ اقوام کی تاریخی اہمیت سے بالکل لاتعلق ہیں۔ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں اور بائبل کے برعکس اس کا تاریخ سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں۔ قرآن مجید میں بیان شدہ تاریخی واقعات دراصل حیاتِ روح کا رزمیہ (Epic) ہیں۔ اس کے صفحات میں بیان شدہ حق و باطل کی قوتیں خود ہمارے اندر موجود ہیں اور انبیاء و رسول اندر کے اُس انسان کے لئے خارجی جزوِ لازم اور تکمیل کنندہ ہیں جو انسان کے قلب و دماغ کو روشن کرتا ہے۔ صفحاتِ قرآن کی تلاوت گویا کہ انسان کی اپنی ذات کی تاریخ ہے، اپنی روح کی قوتوں اور زندگی کے سفر کے حالات سے واقف ہونا ہے جس کے بعد موت اور الٰہی فیصلہ ہے۔ انسان کی قسمت کو بنانے اور اس کے تانے بانے میں انسان کے اپنے کردار میں رضائے الٰہی کو دیکھنا ہے۔ بالآخر سفرِ حیات ختم ہوتا ہے اور ہم اپنے آپ کو اپنے خالق کے آگے جوابدہی کی اَن مٹ صداقت میں موجود پاتے ہیں۔" (Encyclopaedia of Islamic Spirituality, Vol. 1, p. 6) Lahore 2000.

<u>قرآن مجید اور واقعہ نگاری</u>: یہ سچ ہے کہ قرآن مجید قطعاً تاریخ کی کتاب نہیں بلکہ یہ رُشد و ہدایت

اور خیر و فلاح کی کتاب ہے۔ تاریخ کے کچھ واقعات بیان کرتے ہوئے قرآن واقعات کے صرف اُن پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جو ہدایت اور صراطِ مستقیم تک پہنچانے میں مُمد و معاون ہیں۔ لہٰذا قرآنِ مجید ترتیبِ زمانی (Chronology) کا مقالہ نہیں ہے۔ بعض اوقات وہ کسی خاص مقصد کے مدِّ نظر ایک ہی جملہ میں ایسے واقعات بیان کر جاتا ہے جن کا آپس میں صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن مجید حسبِ معمول قصّہ کے اخلاقی اسباق پر زور دیتا ہے اور غار میں سونے والوں کا تعارف نہیں کراتا۔ گبن کا زبان زدِ عام قول کہ اصحابِ کہف کی تعداد سات ہے' قرآن کے نزدیک کچھ معنیٰ نہیں رکھتا بلکہ اُس کے نزدیک اصل اور لازمی نقطہ اخلاقی سبق ہے۔ قرآن مجید کا یہی انداز اور رویّہ افراد کے گزشتہ واقعات کے ذکر کرنے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اور یہی امتیازی خصوصیت قرآن مجید کو دنیا کی تمام مشہور مذہبی کتابوں میں نمایاں مقام عطا کرتی ہے۔

''یہ امر پیشِ نظر رہے کہ قصّہ گوئی قرآن میں مقصود بالذات نہیں۔ قصّہ گوئی کے خاص فنّی اَغراض و مقاصد ہوا کرتے ہیں جن کا پورا کرنا ایک لازمی امر ہے مگر یہاں معاملہ مختلف ہے۔ قرآن نے جس طرح دینی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے دیگر وسائل کو اختیار کیا ہے' اسی طرح واقعہ نگاری بھی اُن ذرائع میں سے ایک ہے۔ قرآن کا بنیادی مقصد دعوتِ دین ہے اور قصّہ گوئی یا واقعہ نگاری دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے اور بس۔ قرآن جس طرح قیامت اور اُخروی ثواب و عذاب کی منظر نگاری کرتا ہے یا جس طرح بعث بعد الموت اور قدرتِ الٰہی کے اِثبات میں دلائل دیتا ہے یا جس طرح شرائط کی تفصیل ذکر کرتا ہے اور ضرب الامثال بیان کرتا ہے' بالکل اسی طرح وہ دینی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے واقعات بھی بیان کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن کے بیان کردہ واقعات اپنے موضوع' طرزِ ادا اور حوادث کے رُونما ہونے کے اعتبار سے دینی مقاصد کے زیرِ اثر ہیں۔ مگر دینی مقاصد کے یہ معنیٰ نہیں کہ واقعات کو پیش کرنے میں فنی خصوصیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بخلاف ازیں دینی مقاصد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی واقعات فنّی خصوصیات کے بھی حامل ہیں بالخصوص منظر نگاری تو اس کا لازمی خاصہ ہے۔'' (''اَلتّصویر الفنّی فِی القرآن'' -- سیّد قطب شہید' ص۲۲۴) طارق اکیڈمی فیصل آباد۔ جون ۲۰۰۴ء

گزشتہ واقعات کے بیان کرنے میں قرآن مجید کا مقصد اور لُبِّ لباب یہ ہوتا ہے کہ اپنی مخلوقات کے لئے صرف اور صرف اللہ ہی ملجا و ماویٰ ہے اور اُس کے غیظ و غضب سے بچ نکلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کائنات میں کسی بھی جگہ -- نہ ہی خشکی میں' نہ ہی بلند و بالا پہاڑوں میں اور نہ ہی سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں میں کوئی بھی تو انسان کو بچانے والا اور پناہ دینے والا نہیں ہے چاہے وہ خشکی سے سمندر کو اور سمندر سے پھر خشکی کو فرار اختیار کر جائے اور بالآخر نتیجہ ڈوب جانے کا ہوگا۔ اس حقیقت کو سورہ بنی اسرائیل (یا سورۃ الاسراء) میں یوں بیان کیا ہے:

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ○ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا○ (بنی اسرائیل: ۶۸' ۶۹)

''کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی تُند ہوا بھیج

دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ۔ کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر) کی طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے، پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے اور تمہیں اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے۔'' (۶۸، ۶۹ : ۱۷)

یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت و نادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ عذابِ الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آ جانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے ہو یا اوپر سے۔ اور تمہاری اِس غرقابی پر ہم سے نہ کوئی بدلہ لے سکے اور نہ بازپُرس کر سکے۔

قرآن مجید میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے لاتعداد واقعات میں سے ہم نے چند ایک کا انتخاب یہ دیکھنے کے لئے کیا ہے کہ یہ مقدّس کتاب تاریخ نگاری سے کیسے نمٹتی ہے اور اس بیان کے پس پردہ کون سے اغراض و مقاصد کارفرما ہیں۔ یہاں ایک اہم نقطہ قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ تاریخ یہودیت کے حقائق کے بیان میں قرآن مجید کا عمومی طریقہ دوسرے طریقوں کی نسبت مختلف ہے اور وہ یہودیت کے واقعات کو اِذْ کے لفظ سے شروع کرتا ہے۔ مثلاً:

(1) وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ (البقرۃ: ۴۹)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تم پر بڑا عذاب توڑ رہے تھے، وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔'' (۲:۴۹)

''اب مصر پر حکمرانی کرنے ایک نیا بادشاہ آیا۔۔۔ اور اُس نے اپنے لوگوں سے کہا: دیکھو، بنی اسرائیل تعداد و قوّت میں ہم سے کہیں زیادہ ہیں۔ آؤ تاکہ ہم اُن سے معقول طریقے سے نمٹیں کہ کہیں وہ ہم سے تعداد میں بڑھ نہ جائیں۔۔۔ اس لئے اُنہوں نے اُن پر مشقّت گیر آدمی مقرر کر دیئے جو سخت محنت و مشقّت کا بوجھ اُن پر ڈالتے تھے۔۔۔ اور اہلِ مصر بنی اسرائیل سے سخت مشقّت کی مزدوری کرواتے تھے اور اُنہوں نے اُن کی زندگی تعمیری مسالہ اور اینٹیں اُٹھوانے اور ہر قسم کی ادنیٰ خدمات لینے کے ذریعے تلخ اور شدید غلامی میں بنا ڈالی تھی اور جہاں کہیں بھی اُن سے خدمت لی جاتی تھی، سخت مشقّت سے خالی نہ تھی۔'' ("Exodus" : The Second Book of Moses .. 1 : 8 - 14)

''اور فرعون نے اپنے لوگوں کو یہ حکم دیتے ہوئے کہا کہ بنی اسرائیل کے ہر پیدا ہونے والے لڑکے کو قتل کر دیا جائے اور ہر پیدا ہونے والی کو تم زندہ رہنے دو۔'' (ایضاً 1.15 : ۲)

(2) وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ O (البقرۃ: ۵۰)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں فرعونیوں سے نجات دی اور تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے ہم نے فرعونیوں کو ڈبو دیا۔'' (۵۰ : ۲)

''اس واقعہ کا اصل سبب خواہ کچھ بھی ہو۔۔۔اس کی تاریخی صداقت اور تیقّن پوری طرح مستحکم اور مسلّم ہے۔'' ("History of Israel"... Ewald, p. 498)

مندرجہ بالا ہر دو آیات (۴۹، ۵۰) کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُن میں ترتیب زمانی نہیں ہے کیونکہ فرعونیوں کی غرقابی بنی اسرائیل کی نجات سے پہلے ہوئی۔ بہ الفاظِ دیگر اسرائیلیوں کی نجات فرعون اور اُس کے ہمنواؤں کی غرقابی کا نتیجہ تھی۔ لیکن ان دونوں واقعات کو ترتیب واقعات سے قطع نظر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا یہی انداز تمام واقعاتِ ماضی کے بیان کرنے میں ملتا ہے۔ نہ صرف ترتیب زمانی میں عدمِ اہتمام ہے بلکہ قرآن مجید کا اس قسم کا انداز اُس کی تمام ہیئتِ ترکیبی میں کارفرما ہے۔ مثال کے طور پر اِن آیات کو ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے :

(۱) وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ O (الٓمّٓ السجدة : ۲۰)

''اور جو لوگ نافرمان رہے تو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے، اُسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

(۲) وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O (الٓمّٓ السجدة : ۲۱)

''اور ہم اُنہیں اس بڑے عذاب کے علاوہ قریب کا عذاب بھی ضرور بالضرور چکھا کر رہیں گے تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔'' (۲۱ : ۳۲)

مندرجہ بالا دونوں آیات جو ایک دوسرے سے بالکل متصل ہیں، دشمنانِ خدا کے عذاب سے متعلق ہیں۔ یہاں قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ آیت ۲۰ یومِ آخرت کے عذاب سے متعلق ہے جبکہ آیت ۲۱ دنیاوی عذاب سے متعلق ہے۔

(3) وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (البقرة : ۶۰)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی، سو ہم نے کہا : (اے موسیٰ!) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔'' (۶۰ : ۲)

مشہور ماہرِ اثریات سر فلنڈرز پٹری (Petri) تیس آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ 1904-05 میں جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے۔ اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہرِ اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبانی سنئے :

''یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے جس میں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری

گہری وادیاں اور شگاف جابجا نخلستانوں کے ساتھ فاصلے جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں' ان ناہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے ہیں۔ پینے کے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں' آج بھی اُن کا تجربہ ہو رہا ہے۔'' (ماجدی)

''اُس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹوٹیاں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے مطابق الگ الگ جاری ہوگئیں۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں' قرآن نے کہاں سے گھڑ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل جو انگریزی زبان میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے' آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:

''ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے' بہ تصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا۔''

اور ایک دوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:

''چٹان میں اس وقت ۲۴ سوراخ موجود ہیں' جو بہ آسانی شمار کئے جاسکتے ہیں۔ بارہ ایک طرف ہیں اور بارہ اُن کے مقابل جانب۔''

پادری ڈین سٹینلے (Dean Stanley) نے جو اُنیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں' صدی کے وسط میں بائبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافی تحقیق کے لئے بہ نفسِ نفیس فلسطین اور اُس کے ملحقات کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات وتحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی۔ اُس میں اس چٹان کا ذکر کر کے وہ لکھتے ہیں:

''یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے۔ آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفصفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف اور دراڑ جابجا پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ مٹے ہوئے ہیں' کچھ بڑے ہیں اور کچھ چھوٹے۔ گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں۔ اگر بعض کو چھوڑا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہی شگافوں کی طرف ہے۔'' (Sinai and Palestine صفحات ۳٦' ۳۷)

''عرب کے اُمّی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جایئے۔ صدیاں گزر جانے پر اُس کے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق منکرین ومعاندین کی زبان سے ہو رہی ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۲۵' نوٹ: ۲۰۴)

(4) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (البقرۃ: ٦١)

''اور اُن (یہود) پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے۔'' (۶۱ : ۲)

سوال یہ پیدا ہوا کہ مالداری تو یہود کی ضرب المثل ہے تو پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کہنا چہ معنیٰ دارد؟ لیکن یہ محض دھوکا اور رائج الوقت مغالطہ ہے۔ دولت و ثروت جتنی بھی ہے' وہ قومِ یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے ورنہ عوامِ یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے۔ یہ بیان خود محققینِ یہود کا ہے۔ Jewish Encyclopaedia میں ہے:

(۱) ''گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہلِ تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں' وہاں کی آبادی میں اُنہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔'' (ج ۱۰' ص ۱۵۱)

(۲) ''عوامِ یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اُن کے چند افراد بہت زیادہ دولتمند ہیں۔'' (ج اوّل' ص ۶۱)

۲۳ جنوری ۱۹۳۴ کے مانچسٹر گارڈین سے شائع ہونے والے ایک پمفلٹ میں یہ لکھا تھا:

''جرمنی میں بہت سے یہودیوں نے اپنی مذہبی روایات' عقیدے اور رواجوں کو ترک کر دیا ہے اور مکمل طور پر ''جرمن'' بن گئے ہیں لیکن چونکہ یہودیت کا سرکاری جائزہ اب مذہبی نہیں رہا بلکہ نسلی بن گیا ہے' اور وہ لوگ جن کے آباء و اجداد یہودی تھے' یہودی سمجھے جاتے ہیں' اُنہیں تصبیغ (بپتسمہ) ☆ کئے جانے کے عمل یا شکل و صورت سے ''جرمن'' بن جانے کی صورت میں ستم رانی اور آزار دہی سے فرار نہیں۔ وہ یہودی جنہوں نے اپنے آپ کو ''جرمن'' بنانے کی کوشش کی اور اُن میں سے کچھ نے مذہب یہودیت بھی ترک کر دیا' اُنہیں خوفناک حد تک مارا جاتا ہے اور کئی یہودیوں نے خودکشی کر لی ہے۔''

ایک اور تبصرہ نگار Cohen لکھتا ہے:

''یہ یقینی بات ہے کہ دنیا کی کوئی بھی تاریخ اس قدر رقت آفریں حسرت ناکی اور ماتم گساری سے پُر نہیں جتنی یہود کی ہے۔ حسرت ناکی کے ساتھ ساتھ یہ سبق آموز بھی ہے اس طرح کہ اپنی تمام دولت' تجارت اور اثر و رسوخ کے باوجود سال 39-1938 میں اُن کے اپنے مطالع میں دل دہلا دینے والی ستم رانیوں' قتل' اذیتوں' لوٹ مار' تخویف (بلیک میلنگ)' گرفتاریوں' قید' عوامی اور نجی ذِلتوں کے حوالہ جات چھپے جن کے وہ ''تہذیب یافتہ'' یورپ کے کئی علاقوں میں مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ آزار دہی مذہبی نہیں بلکہ نسلی

☆ ''تصبیغ یا بپتسمہ عیسائی مذہب میں داخل کرنے اور (عموماً) عیسائی نام رکھنے کی رسم کا نام ہے جو ماتھے پر پانی چھڑک کر یا (بالغوں کو) غوطہ دے کر ادا کی جاتی ہے۔'' (اوکسفورڈ اردو انگلش ڈکشنری۔ شان الحق حقی' صفحہ ۹۹)

ہے اور مذہب تبدیل کرنے کے بعد بھی اس سے فرار ممکن نہیں کیونکہ ہمیں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ نہ تو تصبیغ شدہ یہودی اور نہ ہی تصبیغ شدہ یہودیوں کے پڑپوتوں تک کو اس وحشت ناک عذاب سے چھٹکارا حاصل ہے۔'' ("Jews in Germany"... Cohen, p. 2)

جہاں تک یہود پر اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب اور اُن پر لامتناہی سلسلہِ اُفتاد پڑنے کا تعلق ہے' تو اس بارے میں Jewish Encyclopaedia کی یہ عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) ''حاصل شدہ شماریات یہ بتاتی ہیں کہ جدید زمانہ کے یہودیوں میں اندھے پن کی بیماری اُن کے غیر یہودی ہمسایوں کی نسبت زیادہ ہے۔ آنکھوں کے کُکروں (روہے)' سبز موتیا (زرق الماء Glaucoma)' قرنیہ (Cornea) کی مختلف بیماریاں اور آنکھ کے بیرونی پرت کے نیچے (عنوبیہ) کی بیماریاں یہودیوں میں غیر یہودیوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔'' (جلد سوم' صفحات ۲۴۹' ۲۵۰)

(۲) ''یہودیوں میں اندھے پن' بہرے پن اور گونگے پن کے ساتھ ساتھ غیر یہودیوں کے مقابلے میں ۲:۱ کی نسبت ہے۔'' (ایضاً' ج چہارم' ص ۴۸۰)

(۳) ''یہودیوں میں پاگل پن کا تناسب بہت زیادہ دیکھنے میں آیا ہے۔ Kushan کی اکٹھی گئی شماریات سے اُس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہودی غیر یہودیوں کی نسبت چار سے آٹھ گنا زیادہ ذہنی امراض کے شکار ہیں۔'' (ایضاً' جلد ششم' صفحہ ۶۰۳)

(۴) ''دوسری نسلوں اور اُن لوگوں کی نسبت جن کے ساتھ یہودی رہتے ہیں' اعصاب کی بیماریوں کا زیادہ شکار یہودی ہیں۔ شدید جذباتی ہیجان (Hysteria)' اعصابی تھکن اور بے دلی (Neurasthenia) کی شکایات عام ہیں۔ یہودیوں کے خاصے تجربہ کار طبیبوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اکثر یہودی ہسٹیریا اور اعصابی تھکن کے مریض ہیں۔ Tobler کا دعویٰ ہے کہ فلسطین کی تمام عورتیں ہسٹیریا کی مریضہ ہیں' اور ریمنڈ کا کہنا ہے کہ ہسٹیریا کا مرض وارسا (پولینڈ) میں یہودی مَردوں اور یہودی عورتوں دونوں میں بالعموم پایا جاتا ہے۔ صرف اُسی شہر وارسا کی یہودی آبادی بڑا اعظم کے تمام شفاخانوں اور ہسپتالوں کو ہسٹیریا میں مبتلا مَردوں کی فراہمی کا کبھی ختم نہ ہونے والا ذریعہ ہے۔'' (ایضاً' ج ۹' ص ۲۲۵)

''نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے اور اُس کے قتلِ جائز کی کوئی صورت ہے ہی نہیں۔ لیکن قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو وزائد نہیں' بِغَیْرِ الْحَق کو کیوں لایا؟ اس اضافہ سے مقصود یہ ہے کہ خود اُن قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناجائز اور ناحق تھے یعنی خلافِ عدل تو خیر تھے ہی' قانونِ وقت کے لحاظ سے خلافِ قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! بعض نے کہا کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو)

''<u>یہودیوں پر ذلّت مسلّط کئے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ</u>: یہودیوں پر

ذلت اور مسکنت ڈالے جانے سے مراد یہ ہے کہ اُنہیں ذلیل اور غیروں کا محتاج رکھا گیا ہے۔ اگر چہ یہودی مالدار ہیں لیکن مالدار ہو کر بھی وہ غریب اور بہت ہی خسیس وبخیل ہیں۔ مال جمع کرنے کی حرص میں وہ ہمیشہ ذلت' خواری اور بدحالی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ''اُن کا دل غریب اور چہرہ غریبوں کا سا اور اُن کے ساتھ برتاوا غریبوں سے بدتر ہوتا ہے۔ جرمنی نے جب یہودیوں کو اپنے ملک سے نکالا تھا تو بہت سے قبائلِ یہود کو زمین پر جگہ نہ ملتی تھی اور اُن کا جہاز سمندر میں پھرتا پھراتا تھا اور کوئی ملک اُنہیں اپنے یہاں اُترنے نہیں دیتا تھا۔ یہ مالداری کس مصرف کی؟ اس سے ذلت و مسکنت بہر حال ظاہر ہے۔'' (تفسیر نعیمی' جلد اوّل' صفحہ ۴۹۳' مطبوعہ لاہور' ۱۳۷۸ھ)۔ ہر چند کہ یہودیوں کی اسرائیل میں حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن وہ اس حکومت کے قیام میں اور اپنی اقتصادیات' سیاست اور فوجی قوت میں بڑی طاقتوں خصوصاً امریکہ کے محتاج ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۱۲)

''وہ جہاں کہیں بھی رہیں' اُن پر خوار ہونا لازم کر دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) اللہ کی رسّی کا سہارا لیں۔'' (۱۱۲ : ۳)

'' اس آیت سے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جن لوگوں پر ہر جگہ خدا کی مار اور لعنت پڑی ہو' وہ تمہارا کیا بگاڑ سکیں گے اور جو لوگ غیروں کے سہارے کے بغیر اپنی حکومت قائم نہیں کر سکتے' وہ تمہاری حکومت کو کیا نقصان پہنچا سکیں گے! مسلمانوں کے لئے یہ اطمینان اور تسلی اور یہودیوں پر غلبہ کی بشارت صرف اُس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کے اطاعت گزار رہیں اور جب مسلمان اجتماعی طور پر دینی اقدار سے منحرف ہو جائیں' اسلامی اقدار پر عمل کرنا اُن کے لئے باعث ننگ و عار ہو (جیسا کہ آج کل کے کسی مسلمان نوجوان کا داڑھی رکھ لینا' ٹخنوں سے اوپر شلوار پہن لینا اور سر پر عمامہ باندھنا اسی طرح باعثِ ملامت ہے اور عورتوں کا برقعہ پہننا' نامحرموں سے پردہ کرنا' گھر کی چار دیواری میں رہنا' بچوں کو جہاد و شہادت کی لوری دے کر سلانا وغیرہ اس نام نہاد ''ترقی یافتہ'' اور ''نیولائٹ'' کے جدید معاشرہ میں گنوار پن کی علامت سمجھے جاتے ہیں) اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانا اُن کے لئے فخر کا باعث ہو۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر اسلامی احکام اُنہیں بوجھ معلوم ہونے لگیں تو پھر ان مسلمانوں کا ان لعنتی اور مغضوب یہودیوں کے ہاتھوں مسلسل شکست کھانا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔'' (''تبیان القرآن''۔ علامہ غلام رسول سعیدی' جلد دوم' صفحہ ۳۱۸)۔

''ویسے تو اُن کی پیشانی پر ذلت و مسکنت کی مُہر لگا دی گئی ہے' ہاں دو صورتوں میں اُنہیں امن و سکون میسر ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ بروئے عبارت حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وہ اللہ کے عہد میں داخل ہو جائیں۔ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کے پُر امن شہری بن جائیں تو اُن کے حقوق' اُن کی عزت و ناموس اور اُن کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی اور وہ تمام رعایتیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں' وہ اُنہیں بھی حاصل ہوں گی اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاس سے یہ مراد لی گئی ہے کہ کوئی دوسری

طاقت اُن کی پشت پناہی کرے تو اُس کے سہارے اُنہیں طمانیتِ خاطر نصیب ہو سکتی ہے۔ اپنے زورِ بازو سے اُنہیں کہیں بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ قلبِ اسلام میں اسرائیلی حکومت کا قیام یہود کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ مغربی سیاست کی ایک سازش ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اسلام کے خلاف کی گئی ہے۔ اسرائیلی حکومت کی بقاء کا انحصار یورپ اور امریکہ کی امداد پر ہے۔ اگر وہ دست کش ہو جائیں تو یہ ریاست اپنی موت آپ مر جائے۔ یہ ایک غم انگیز اور ہوش رُبا حقیقت ہے کہ اگر شرقِ اوسط کے مسلمان فرمانروا باہمی رقابت کا شکار نہ ہوتے اور مجاہدینِ اسلام سے غداری نہ کرتے تو یہودی ریاست آج دنیا کے نقشے پر موجود ہی نہ ہوتی لیکن اب شرقِ اوسط کے سیاسی مطلع پر ایسے مردانِ کار رُونما ہو چکے ہیں جن سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بہ توفیقہٖ تعالیٰ اِس زقوم کے درخت کو ایک روز انشاء اللہ جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔'' (ضیاء القرآن' ج ا' ص ۲۶۶)

(5) وَاِلٰی ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ قَدْجَآءَ تْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ آیَۃً فَذَرُوْھَا تَأْکُلْ فِیْ أَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْءٍ فَیَأْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O (الاعراف : ۷۳)

''اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو (بھیجا)۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا اور کوئی تمہارا معبود نہیں ہے۔ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا (نشان) بھی تمہارے پالنہار کی طرف سے آ پہنچا' یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے حق میں ایک نشان ہے' سو تم اُسے چھوڑے رہو کہ وہ اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اُسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذابِ دردناک آ پکڑے گا۔'' (۷:۷۳)

''انگریز مترجمِ قرآن' سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بہ طور خارقِ عادت برآمد ہوئی تھی' اُس میں اب تک ساٹھ فٹ کا ایک شگاف موجود ہے اور جزیرہ نمائے سینا میں جبلِ موسیٰ کے قریب ناقۃ النبی کا نقشِ قدم آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۳۴۱' نوٹ ۹۹)

''قدیم عرب میں بہ ظاہر صالح نام کے دو آدمی ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں سے صالح بن عُبید زیادہ اہم ہے جس کے قتل کی وجہ سے شمالی جانب میں واقع میدانِ صالح کے لوگوں پر تباہی آئی۔'' ("Sheba's Daughters"... Philby, p. 301)

ماضی کے واقعات کو براہِ راست بیان کرنے کے علاوہ قرآن مجید اپنے قارئین کو بالواسطہ بھی اُس تباہی و بربادی پر نظر کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو اقوامِ ماضیہ پر آئی تاکہ وہ اُن کی المناک تباہی کے نشانات سے عبرت پکڑیں:

(۱) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ O

''تم سے پہلے یقیناً مختلف طریقے گزر چکے ہیں' سوتم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔'' (۱۳۷ : ۳)

''تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطہ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔''

(۲) تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ○ (هُود : ۱۰۰)
''یہ اُن بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم (اے نبیِ مکرّم!) آپ سے بیان کرتے ہیں۔ اُن میں سے (کچھ) قائم ہیں اور (کچھ فصل کی طرح) کاٹ دی گئیں۔'' (۱۰۰ : ۱۱)

''یعنی مغضوب و مقہور بستیوں میں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کو بیان کر دیا ہے۔ ایک وہ جو سرے سے ملیا میٹ ہوگئیں مثلاً قوم لوط کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف آبادی ہلاک کر دی گئی لیکن وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمینِ مصر کہ فرعونی ڈبو دئے گئے لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔''

(۳) وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِىْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ○ (اَلْفُرقان : ۴۰)
''اور (یہ لوگ) اُس بستی پر سے گزرتے رہتے ہیں جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے' تو کیا یہ لوگ اُسے دیکھتے نہیں رہتے' بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرکر جی اُٹھنے کی اُمید ہی نہیں رکھتے۔'' (۴۰:۲۵)

(۴) اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ (السجدة:۲۶)
''کیا اُن کی ہدایت کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم اُن سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔''

(۵) اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (اَلْمُؤمن : ۸۲)
''کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں' اُن کا کیا انجام ہوا' وہ لوگ تعداد میں ان سے زیادہ اور قوت میں ان سے بڑھ کر تھے اور زمین پر اپنی جو یادیں چھوڑ گئے ہیں' اُن کے لحاظ سے بھی لیکن اُن کی یہ کمائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی۔'' (۸۲ : ۴۰)

مشرکینِ مکّہ کا گزر قومِ عاد' قومِ ثمود' قومِ صالح اور سدوم کی تباہ شدہ بستیوں کے پاس سے اکثر ہوتا رہتا

تھا۔ اُنہیں اس آیت میں تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ ان کھنڈرات سے اپنی کھلی آنکھوں کے ساتھ عبرت حاصل کریں اور تاریخ کی اس اٹل حقیقت کو مدِّ نظر رکھیں کہ بڑی بڑی متمدّن قومیں جب خدائی قوانین وضوابط کے توڑنے میں جری اور نڈر ہوگئیں تو اُن کی مادّی ترقیاں اور تمام ترقوّتیں اُن کے کچھ بھی آڑے نہ آسکیں اور وہ بیخ وبُن سے اُکھاڑ دی گئیں۔

قصہ نگاری کے قرآنی اَغراض و مقاصد : قرآن میں واقعات خاص دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ ان دینی مقاصد کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اُن کا احاطہ کرنا ناممکن سا ہے۔ واقعہ نگاری اور قصہ نگاری میں قرآنی مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(1) اِثباتِ وحی و رسالت : قرآنِ حکیم میں ان واقعات کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعات وحی کے ذریعے آنجناب ﷺ کو بتائے گئے ورنہ اُمّی ہونے کے ناطے سے ان واقعات کا کہیں سے آپ کا پڑھ لینا امرِ غیر متصوّر رہے۔ اور یہود ونصاریٰ کے علماء سے استفادہ کرنا بھی کہیں سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اپنے نبی کو اطلاع بالوحی کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) زکریا علیہ السلام اور مریم سلام اللہ علیہا کے واقعہ کے ضمن میں فرمایا:

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ۝ (آلِ عمران: ۴۴)

''یہ باتیں اَخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم (اے نبیِ مکرّم!) آپ کو وحی کرتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطورِ قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون بنے تو آپ اُن کے پاس تو نہیں تھے اور نہ ہی اُس وقت آپ اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔'' (۳ : ۴۴)

(۲) طوفانِ نوح اور اس سے متعلق جزئیات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا فَاصۡبِرۡ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (هُود: ۴۹)

''یہ باتیں اَخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم (اے نبیِ مکرّم!) آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے اُنہیں نہ تو آپ جانتے تھے اور نہ ہی آپ کی قوم کے لوگ۔ سو صبر کیجئے، یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔'' (۱۱ : ۴۹)

(۳) سورہ یوسُف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے فرمایا:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ۝ (یوسُف: ۳)

''ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے، تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ کو ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے آپ اس سے (محض) بے خبر تھے۔'' (۱۲ : ۳)

(۴) سورۃ القَصَص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے فرمایا :

نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَإِ مُوسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O (اَلْقَصَص : ۳)

''(اے نبی مکرّم!) ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر اُن لوگوں کے سناتے ہیں جو ایمان والے ہیں۔'' (۳ : ۲۸)

اور جہاں یہ واقعہ ختم ہوا، وہاں فرمایا :

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلٰى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ O وَلٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ O وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ O (اَلْقَصَص : ۴۴ تا ۴۶)

''اور جب ہم نے موسیٰ کو احکامات دیئے تھے تو آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود تو نہ تھے اور نہ آپ موجود لوگوں میں سے تھے۔ لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی نسلوں کو پیدا کیا پھر اُن پر زمانہ دراز گزر گیا اور نہ آپ اہلِ مدین میں قیام پذیر تھے کہ ہماری آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے۔ اور نہ آپ طور کے پہلو میں اُس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی لیکن آپ اپنے پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا تا کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔'' (۴۴ تا ۴۶ : ۲۸)

یعنی اے رسولِ معظم! موسیٰ علیہ السلام پر نزولِ وحی و کتاب کے وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔ یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہو ہی نہیں سکتے تھے، ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ پھر آپ جو انہیں اتنا صاف و صحیح بتا رہے ہیں تو وحی کے سوا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد کئی نسلیں گزر گئیں اور لوگوں نے پیغامِ الٰہی کو فراموش کر دیا، تورات میں تحریف کر دی اور دینِ موسوی کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضور نبی کریم ﷺ کی آمد کی جو اطلاع دی تھی اور اُن پر ایمان لانے کی تاکید کی تھی، اُسے بھی فراموش کر دیا۔ اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُنہوں نے اپنے نبی کی مخالفت شروع کر دی۔ مطلب یہ کہ دنیا پھر نئے سرے سے ہدایت کی محتاج ہو گئی اور خاتم الکتب قرآن کے نزول سے قبل ہر دَور میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد یہی ہوتا رہا۔ اس لئے آپ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتا دیں اور آپ کے اس دعویٰ نبوّت پر دلیل قائم کرنے کو آپ کو یہ تمام علوم صحیح عطا کر دیئے گئے ہیں۔

''علامہ قرطبی نے اِس آیت ۴۶ کی توضیح کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہاں اللہ ربُّ العزّت نے اُمّتِ محمدیہ کو ندا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اُمّتِ مصطفیٰ! تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا کو قبول کیا، تمہارے مانگنے سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا اور تمہارے استغفار سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور رحم فرمایا۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ کی

فضیلت اور حضور کی اُمّت کی شان بیان فرمائی تو آپ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے اُن کا دیدار کرایا جائے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: تم اُنہیں دیکھ نہیں سکتے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اُنہیں بلاتا ہوں اور اُن کی آواز تمہیں سناتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ہاں مجھے آواز ہی سنوا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی: ''اے محمد ﷺ کی امت!'' تو اپنے باپوں کی پشتوں سے اُمّتِ محمد یہ نے جواب دیا تو آیت کا یہ معنیٰ ہوگا کہ اے نبی معظم! آپ اُس وقت طور کے پاس نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ کی اُمّت کو آواز دی اور موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے آپ کو اور آپ کی امّت کو اتنی شان دی ہے۔'' (ضیاء القرآن۔۔جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۴۹۵' نوٹ:۴۹) ۱۳۹۹ھ لاہور

(۵) حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے سورہ ص میں فرمایا:

قُلۡ هُوَنَبَا" عَظِيم" O اَنۡتُمۡ عَنۡهُ مُعۡرِضُوۡنَ O مَا كَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ O اِنۡ يُّوۡحٰى اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡر" مُّبِيۡن" O (ص: ۶۷ تا ۷۱)

''(اے نبی مکرّم!) فرما دیجئے یہ ایک عظیم الشان خبر ہے جس سے تم (بالکل) بے پرواہ ہو رہے ہو۔ مجھے عالمِ بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (یعنی فرشتے) گفتگو کر رہے تھے۔ میرے پاس وحی تو اس لئے آتی ہے کہ میں ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا گیا ہوں۔'' (۶۷ تا ۷۱ : ۳۸)

(2) وحدتِ اَدیان: فرنگی محققین حسبِ معمول مدّتوں اس مسئلہ میں بھٹکتے رہے اور اُن میں سے اکثر یہی کہتے رہے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک اور کثرت پرستی (Polytheism) تھا۔ شروع شروع میں وہ ایک ایک چیز کو معبود سمجھتا تھا۔ اور عقیدہ توحید تک تو نسلِ انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی و دماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس بے بنیاد عقیدے کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسلِ انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک اور واحد تھی اور اس میں ''مذہب'' اور ''اَدیان'' کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جسے تسلیم کرنے کے لئے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے' آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں اور ''ارتقائے توحید'' کا وہ نظریہ جو اُنیسویں صدی کے آخر میں بطور فیشن کے چلا ہوا تھا' علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو چکا ہے۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین' انسانیات اور اجتماعیات کے علماء سر چارلس مارسٹن' پروفیسر لنگڈن (Langden) اور پروفیسر شمڈٹ (Schmidt) کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین توحید تھا اور جس کے متعلق قرآن نے خبر دی ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ وَ اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًا بَيۡنَهُمۡ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ (البقرة: ۲۱۳)

''لوگ ایک ہی اُمّت تھے۔ پھر اللہ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور اُن کے ساتھ کتبِ حق نازل کیں کہ وہ لوگوں کے درمیان اس بارے میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا مگر اُنہی نے جنہیں وہ ملی تھی اُنہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ اُنہیں

کھلی نشانیاں پہنچ چکی تھیں۔ پھر اللہ نے اپنے فضل سے اہلِ ایمان کو وہ امرِ حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے۔" (۲۱۳ : ۲)

بَغْيًا بَيْنَهُمْ میں صاف بتا دیا کہ اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی نہ یہ کہ اصل احکامِ الٰہی یا پیغامِ حق میں کسی طرح کا اینچ پیچ تھا اور نہ یہ کہ مسائلِ اجتہادی میں کسی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ اسی مضمون کی حامل سورہ یونس کی آیت ۱۹ بھی ہے۔

قرآن میں قصہ گوئی کا ایک مقصد اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جملہ ادیان و شرائع من جانب اللہ ہیں۔ تمام اہلِ ایمان اُمّتِ واحدہ ہیں اور صرف خدائے واحد ہی سب کا معبودِ برحق ہے۔ چونکہ وحدتِ اَدیان کا ذکر و بیان دعوتِ اسلام کی بنیادی غرض ہے، اس لئے انبیائے کرام کے واقعات بہ اختلافِ الفاظ و عبارت و بہ تکرار و اعادہ قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کئے گئے ہیں تاکہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا جائے۔ مثالیں حسب ذیل ہیں :۔

(۱) وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسٰى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ O الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ O (الانبیاء : ۴۸، ۴۹)

"اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) پرہیزگاروں کے لئے عطا کی جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا خوف بھی رکھتے ہیں۔" (۴۸، ۴۹ : ۲۱)

(۲) وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ O إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ O (الانبیاء : ۵۱، ۵۲)

"اور ہم ابراہیم کو (اس سے بھی) پہلے ہدایت عطا کر چکے تھے اور ہم اُنہیں خوب جانتے تھے۔ جب اُنہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے بیٹھے ہو۔" (۵۱، ۵۲:۲۱)

(۳) وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعَالَمِيْنَ O وَوَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ O وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ O وَلُوْطًا آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ O وَأَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا إِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ O (الانبیاء : ۷۱ تا ۷۵)

''اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچا لیا جسے ہم نے جہان والوں کے لئے بابرکت بنایا ہے اور ہم نے اُنہیں اسحٰق اور یعقوب ''پوتا'' عطا کیا اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے اُن سب کو پیشوا بنایا' وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے اُن کے پاس وحی سے نیک کاموں کے کرنے کا' نماز کی پابندی کا اور ادائے زکوٰۃ کا حکم بھیجا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے اُنہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کرتے تھے' بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا' بے شک وہ بڑے نیکوکاروں میں سے تھے۔'' (۷۱ تا ۷۵ : ۲۱)

(۴) وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ○ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ (الانبیاء : ۷۶' ۷۷)

''اور نوح (علیہ السلام کا قصہ بھی یاد کیجئے) جب (اس سے) پیشتر نوح نے ہمیں پکارا تو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمالی اور اُنہیں اور اُن کے (دینی) ساتھیوں کو بڑے غم سے نجات دے دی اور ہم نے اُن کا ایسے لوگوں سے بدلہ لے لیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا' بے شک وہ لوگ بہت ہی بُرے تھے' سو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔'' (۷۶' ۷۷ : ۲۱)

(۵) وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ○ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○
(الانبیاء : ۷۸ تا ۸۰)

''اور داؤد و سلیمان (کا بھی ذکر کیجئے) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اُس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں اور ہم اُن لوگوں سے متعلق فیصلہ دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اُس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور حکمت و علم ہم نے ہر ایک کو دے دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا کہ وہ (سب مل کر) تسبیح کیا کرتے تھے اور (یہ) کرنے والے ہم تھے اور ہم نے داؤد کو تمہارے فائدہ کے لئے زرہ کی صنعت سکھا دی تھی تاکہ وہ تمہیں تمہاری لڑائی میں بچائے' تو کیا تم شکر ادا نہیں کرو گے؟'' (۷۸ تا ۸۰ : ۲۱)

''حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام' باپ بیٹا دونوں پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم و فرمانروا بھی تھے اور قدرتی طور پر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فرمانروا اور حکمراں ہونا نبوّت کے منافی نہیں' چہ جائیکہ ولایت کے۔'' (تفسیر ماجدی اُردو' صفحہ ۶۶۹' نوٹ : ۹۸)

از روئے کتبِ تفاسیر مقدمہ کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کھیت میں گھس گئیں اور اُسے اُجاڑ کر رکھ دیا۔ کھیت والا دادرسی کے لئے جناب داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بکریوں کے مالک کو بھی بلایا گیا۔ دونوں کے بیان سن کر آپ نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اُس کے نقصان کی تلافی ہوسکے کیونکہ کھیت کا جو نقصان ہوا تھا' بکریوں کی قیمت اندازاً اُس کے لگ بھگ تھی۔ جنابِ سلیمان نے جو اُبھی کم سن تھے' جب یہ فیصلہ سنا تو کہا کہ اِس سے بھی فیصلہ کی ایک بہتر صورت ہوسکتی ہے کہ بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کو دے دی جائیں۔ وہ اُن کا دودھ پئے اور اُن سے دوسرے فوائد حاصل کرے اور بکریوں والے کو حکم دیا جائے کہ وہ اُجڑے ہوئے کھیت کی نگرانی اور حفاظت کرے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر آجائے تو کھیت والے کو اُس کا کھیت دے دیا جائے اور بکریوں کا مالک اپنی بکریاں لے لے۔ یہ فیصلہ سن کر جنابِ داؤد علیہ السلام کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ اولاد کی برتری سے جو خوشی ماں باپ کو ہوتی ہے' وہ اپنے کمالات کی خوشی سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے مطابق عمل کیا گیا۔'' (''ضیاء القرآن'' ---جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحات ۱۷۷'۱۷۸)

عارفین نے ''سو ہم نے اُس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی'' سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ صحتِ نظر اور جودتِ قیاس بھی محض فضلِ ربانی سے ملتا ہے۔ اِسی لئے اُسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ ہم نے سمجھا اور سمجھا دیا۔

''پہاڑوں اور پرندوں کی یہ تسبیح کس قسم کی تھی' بعض لوگوں نے کہا کہ جب آپ تسبیح کہا کرتے تو پہاڑ گونج اُٹھتے اور یہی گونج اُن کی تسبیح تھی لیکن علامہ آلوسی اور دیگر علمائے محققین نے تشریح کی ہے کہ پہاڑ زبانِ قال سے تسبیح کیا کرتے تھے جس طرح فخرِ دوعالم ﷺ کے حکم سے کنکریوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا تھا اور سب لوگوں نے سنا تھا۔ اس تسبیح سے گونج مراد لینے میں اصلاً کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بالکل لغو بات ہے کیونکہ پھر اس میں داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی؟ کوئی شخص بھی اگر پہاڑ میں بلند آواز سے بولے گا تو اس سے گونج پیدا ہوگی' خواہ وہ آواز دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۷۸)

''صنعتِ زرہ سازی کو قرآن نے خاص محلِ نعمت میں بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ فنون وصنائع حرب مطلق صورت میں حرام نہیں بلکہ اُنہیں حرام ولغو مقاصد کے لئے نہ استعمال کیا جائے تو عین مستحسن وقابلِ قدر ہیں۔ ھَلْ کلمہ استفہام ہے لیکن یہاں کام اَمر کا دے رہا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اُردو' ص ۶۷۰' نوٹ: ۱۰۴)

(۶) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ○ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ○ (الانبیاء: ۸۱' ۸۲)

''اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی جو اُن کے حکم سے اُس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی (یعنی ملکِ شام) اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں اور جنوں (کی جماعت کو بھی اُن کے تابع کر دیا کہ اُن) میں سے بعض اُن کے لئے غوطے مارتے تھے اور اس کے اور کام بھی کرتے تھے اور ہم اُن کے نگہبان تھے۔''

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ باپ کے لئے کثیف ترین جسم یعنی چٹان اور پتھر تابع کئے گئے اور بیٹے کے لئے لطیف ترین جسم یعنی ہوا کو تابع کیا گیا۔ (تفسیر کبیر)

(۷) وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ۝ (الانبیاء)

''اور ایوب (کا بھی ذکر کر دیجئے) جب اُنہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اُن کی فریاد قبول فرمالی اور جو تکلیف اُنہیں پہنچ رہی تھی، ہم نے وہ دُور فرما دی۔ اور ہم نے اُن کے ساتھ اُنہیں بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی رحمتِ خاص کے ساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لئے یہ نصیحت ہے۔'' (۲۱ : ۸۴،۸۳)

''اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے کئی انداز ہیں۔ کبھی وہ انعامات و احسانات کا مینہ برسا کر آزماتا ہے اور کبھی آلام و مصائب میں مبتلا کر کے امتحان لیتا ہے۔ پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا جنہیں عزت و شاہی اور جاہ و جلال سے نوازا۔ پہاڑ، پرندے، ہوا اور شیاطین کو اُن کا حلقہ بگوش بنایا۔ اس کے باوجود وہ شکر و ذکر سے کبھی غافل نہ رہے۔ اب ایک اور بندے یعنی ایوب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے جن پر تکالیف و شدائد کی انتہا ہو گئی لیکن اُن کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا اور ہر حال میں اپنے رب کی حمد و ثنا میں سرگرم رہے تا کہ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اُسوہ حسنہ سے روشنی حاصل کر سکے۔ جناب ایوب علیہ السلام کے نسب، قوم اور زمانہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح یا اُس سے پہلے کا ہے۔ آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے۔ آپ بڑے ہی دولتمند تھے۔ آپ کے پاس کھیتی باڑی کے لئے بیلوں کی ۵۰۰ جوڑیاں تھیں، ہزاروں بھیڑ بکریاں تھیں۔ سات بچے اور سات بچیاں تھیں۔ زوجہ محترمہ کا نام ''رحمت'' بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرائیم کی لختِ جگر تھیں۔ بڑی حسین و جمیل اور صحتمند تھیں۔ اِن گوناگوں انعامات کے باوجود آپ اپنے خالق کی عبادت اور اُس کی مخلوق کی خدمت میں ہر طرح سرگرم رہا کرتے۔ مشیتِ الٰہی نے جب آزمانا چاہا، کھیتیاں جل کر راکھ ہو گئیں، مال مویشی میں ایسی وبا پھوٹی کہ ایک بھی زندہ نہ رہا۔ آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے۔ مکان گرا اور سب لقمہ اجل بن گئے۔ آپ کے جسم میں آبلے نمودار ہوتے گئے۔ خارش کی وجہ سے اُنہیں کھجلایا تو اُنہوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی۔ اُن میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگے، جسم سے پیپ بہنے لگی۔ سب نیازمند اپنا سلسلہ نیاز و عقیدت توڑ کر الگ ہو گئے، سب دوستوں نے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں۔ شہر والوں نے بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے۔ آزمائش کی اِن ہوش رُبا گھڑیوں میں نہ زبان پر حرفِ شکایت آیا اور نہ دل سے کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا۔ کافی عرصہ اِسی حالت میں گزر گیا۔ بعض نے سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ زبان پھر بھی اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا میں مصروف رہی۔ آخر یہ التجا زبان پر آ ہی گئی أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ الٰہی! مجھے مصیبتوں اور بیماریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اس کے

بعد یہ عرض نہیں کی کہ میری تکلیفوں اور بیماریوں کو دُور فرما دے اور مجھے اِن مصیبتوں سے رہائی بخش دے۔ صرف اتنا ہی عرض کیا: وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔ گویا یہ کہہ کر سب کچھ ہی کہہ دیا۔'' (ضیاء القرآن -- جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۱۸۰' نوٹ: ۶۸)

(۸) وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَاالْکِفْلِ☆ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ O وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ O (الانبیاء: ۸۵' ۸۶)

''اور اسمٰعیل' ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام کا بھی ذکر کر دیجئے)' یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے اُنہیں اپنی رحمت میں داخل کیا' بلاشبہ وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔'' (۲۱:۸۶'۸۵)

(۹) وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ O (الانبیاء: ۸۷' ۸۸)

''اور ذوالنون (کا بھی تذکرہ کر دیجئے) جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصّے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم اُن پر تنگی نہیں کریں گے'☆☆ پھر آپ نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے' بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔

☆بعض ''کرم فرماؤں'' نے ذُوالْکِفْل کا ترجمہ ''کپل وستو والا'' میں کر کے اس سے مراد گوتم بدھ لیا ہے جو کپل وستو کا رہنے والا تھا اور اس طرح اُسے انبیاء علیہم السلام کی صف میں لا کھڑا کیا ہے حالانکہ گوتم بدھ کی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں متذبذب اور گومگو کے عالم میں تھا یعنی کبھی وہ اُس کے وجود کا اقرار کرتا اور کبھی انکار۔ تو وہ نبی ہی کیا جو اپنے بھیجنے والے خالق کے بارے میں متشکک ہو۔ نبی کا تو کام ہی بندگانِ خدا کی جبینوں کو اغیار سے ہٹا کر ایک خدائے واحد کے حضور جھکا دینا ہوتا ہے اور اس میں شک کو ذرّہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ذُوالْکِفْل سے مراد کوئی اور ہستی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی خوب خوب ذہن نشین رہے کہ اللہ کے کسی سچے نبی یا رسول کو نبی یا رسول نہ ماننا کفر ہے' تو ایسے شخص کو نبی ماننا بھی صریحاً کفر ہے جو فی الواقع نبی یا رسول نہ ہو۔ (مؤلف)

☆☆قرآن مجید کے اکثر و بیشتر تراجم میں اس عبارت کا ترجمہ ''ہم ذوالنون پر قابو نہ پا سکیں گے'' پڑھ کر انتہائی دُکھ ہوا کہ نبی کی ذات ارفع و اعلیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ اللہ اُس پر قدرت نہ پا سکے گا' نبی کے حق میں انتہا درجے کی گستاخی اور بدعقیدگی ہے۔ ایسے مترجمین کو معلوم نہیں کہ نَقْدِرَ کا لفظ قَدَر سے ماخوذ ہے نہ کہ قدرت سے۔ اور قرآن مجید نے یہاں تنگی اور گرفت کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ وَیَقْدِرُ یعنی اللہ رزق کو پھیلاتا اور تنگ کرتا ہے۔ نیز یہ بات بھی کہ ربّ ذوالجلال والاکرام یہاں پیغمبر یونس علیہ السلام کا نام لینے کی بجائے اُنہیں ذواالنُّون (مچھلی کا مالک) کا لقب عطا کر کے اُن کی شان وعظمت کو ہشت بالا کر رہا ہے کہ ذواالنُّون میں ذُوْ (بمعنی ''والا'') کا لفظ عزت و عظمت کا مظہر ہے جیسے ذُوالْجلال (جلال کا مالک) ذُوالْعَرش (عرش کا مالک) ذِیْ قُوَّۃٍ (قوت و طاقت کا مالک)۔ معلوم ہوا کہ مچھلی آپ کی مالک نہیں بلکہ آپ اُس کے مالک تھے اور مچھلی کا پیٹ یونس علیہ السلام کے لئے عبادت گاہ بن گیا۔ کیا ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ نہ ہی پیغمبر نے اور نہ ہی مچھلی نے برابر ۴۰ دن تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور ذکرِ الٰہی ہی اُن کی زندگی کا سبب بنا۔ اس سے حیاتِ نبی کا عقیدہ ثابت ہوا۔ نیز یونس علیہ السلام کا اپنے آپ کو ظالم کہنا ازراہِ تواضع اور انکساری تھا۔ کسی کو اُنہیں (معاذ اللہ) ایسا کہنے کا حق نہیں پہنچتا (مؤلف)

سوہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُنہیں غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں۔'' (۸۸٬۸۷ : ۲۱)

جناب یونُس علیہ السلام اہلِ نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اہلِ نینوا کو آپ نے صراطِ مستقیم تک بلانے میں بہت سمجھایا لیکن اُن کی ہٹ دھرمی بڑھتی ہی چلی گئی۔ عرصہ دراز تک جب تبلیغ و ارشاد کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ اُن سے دل برداشتہ ہو گئے' اس لئے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہیں مانتے تھے اور اُس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے۔ غضبناک ہو کر اذنِ الٰہی کے بغیر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ راستہ میں دریا تھا۔ کشتی میں سوار ہوئے۔ جب کشتی دریا کے بیچ میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کشتی میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنے مالک سے بھاگ آیا ہے اور اُسی کی نحوست کی وجہ سے کشتی ڈوبنے لگی ہے۔ آپ نے کھڑے ہو کر اعتراف کیا کہ وہ میں ہوں۔ چنانچہ آپ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں۔ جب کشتی ڈوبنے لگی تو باقی سواریوں کے بچانے کے لئے ایک آدمی کو دریا میں پھینکنا ناگزیر معلوم ہوا۔ تین بار قرعہ اندازی کی گئی۔ ہر بار آپ کا ہی نام نکلا۔ آپ نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ حکمِ الٰہی سے وہاں ایک بڑی (وہیل) مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی۔ اُس نے فوراً آپ کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا: یہ تیری خوراک نہیں بلکہ ہم نے تیرے شکم کو ان کی پناہ گاہ بنایا ہے۔ خبردار! اُنہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ مچھلی سے نکلے جانے پر آپ نے اپنے مولیٰ کریم کو اِن پیارے الفاظ سے پکارا' اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اُس کی وحدانیت اور سبوحیّت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی التجا کو قبول فرمایا۔ مچھلی نے کنارے پر آپ کو اُگل دیا۔ یہ دعائیہ کلمات بارگاہِ الٰہی میں اتنے مقبول ہوئے کہ فرمایا کہ ہم اہلِ ایمان کو غم واندوہ کے اندھیروں سے یونہی نجات دیتے ہیں۔ اس واقعہ کا سورہ یونس (۱۰) کی آیت ۹۸ اور سورہ الصافات (۳۷) کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ میں بھی ذکر ہے۔ امام احمد' ترمذی اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت ذوالنون کی وہ دعا جو اُنہوں نے مچھلی کے شکم میں کی تھی' جو مسلمان جس مشکل میں ان الفاظ سے دعا کرے گا' اللہ تعالیٰ اُس کی دعا قبول فرمائے گا۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ص ۱۸۲' ۱۸۳)

(۱۰) وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ (الانبیاء : ۸۹' ۹۰)

'' اور زکریا (علیہ السلام کا بھی ذکر فرما دیجئے) جب اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پالنہار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے' تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُنہیں یحییٰ عطا کیا اور اُن کی بیوی کو اُن کی خاطر قابل اولاد بنا دیا۔ بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں سبک رُو تھے اور ہمیں شوق اور خوف کے ساتھ پکارتے رہتے تھے اور ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔''

یعنی حقیقی وارث تو اللہ ہے جسے کبھی فنا نہیں' لیکن میں جو ظاہری اور مادّی وارث کو اس لئے مانگ رہا ہوں کہ میں جو خدمتِ دین کر رہا ہوں' اُس کا سلسلہ اُس کے ذریعہ سے میرے بعد بھی چلتا رہے اور میرے بعد بند نہ ہو جائے۔

رب تعالیٰ نے اُن کی دُعا کو قبول فرماتے ہوئے یحییٰ جیسا فرزند صالح بطورِ وارث عطا فرمایا۔ زوجہ محترمہ پیدائشی طور پر بانجھ تھیں۔ رب تعالیٰ نے اُنہیں قابلِ اولاد بنا دیا ☆۔ سعید ابن جُبیر' قتادہ وغیرہ تابعین سے مروی ہے کہ بیوی صاحبہ کا شباب لوٹا دیا گیا تھا۔

''حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ قیاماً دُعا رَغبت ہے اور قعوداً دُعا رَھبت ہے۔ سینے تک ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں جوڑ کر دعا مانگنا رَغبت ہے اور ہاتھ بہ شکلِ سجدہ زمین پر رکھ کر سجدے میں رب تعالیٰ سے دعا مانگنا رَھبت ہے۔ اور ہمارے یہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اتنی رَغبت محبوبیت اور رَھبت مرعوبیت کے باوجود کَانُوا لَنَا خَاشِعِین ہمارے قربِ حضوری میں کمال خشیّت سے رہنے والے ہیں۔ ہماری رغبت اُن کے کلاموں میں' رَھبت اُن کی دعاؤں میں اور خشیّت اُن کی اداؤں میں ہوتی ہے کیونکہ رَغبت زبان میں' رَھبت عقل میں اور خشیّت قلب میں ہوتی ہے۔ غرضکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا خلاصہِ حیات مقدسہ یہی تین چیزیں ہیں' یہی تعلیم انبیاء ہے اور یہی تربیت ہے۔'' (تفسیر نعیمی۔۔ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی' جلد ۱۷' ص ۴۵۴)

آیت مذکورہ میں دوسرا اہم نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جیسی پاکیزہ ہستیوں کو قربِ بارگاہِ ایزدی میں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہوتا ہے کہ وہ جب چاہیں' جو چاہیں دعا مانگیں' قبول ہوتی ہے اور کبھی نامنظور نہیں ہوتی اگرچہ وہ دعا قانونِ فطرت کے خلاف ہو۔ بروئے روایات دعا مانگنے کے وقت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک چھیانوے برس اور اُن کی زوجہ محترمہ کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی اور یہ عمر تولید کے قابل بالکل نہیں ہوا کرتی لیکن رب تعالیٰ نے اپنے نبی زکریا علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے قانونِ فطرت توڑ دیا۔ یہ مقام اور مرتبہ عالی صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی کتنے ہی بڑے مرتبے والا ہو' وہ اگر کبھی اس قسم کی دعا مانگے تو کبھی قبول نہ ہوا اور اس پر کوئی سابقہ مشاہدہ بھی نہیں ہے۔

(۱۱) وَالَّتِیٓ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ O اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ O (الانبیاء : ۹۱' ۹۲)

''اور (اُس ہستی کا بھی ذکر کیجئے) جس نے اپنا ناموس بچالیا' پھر ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی

☆ آیت مذکورہ (۹۰) میں پہلے فرمایا گیا وَهَبۡنَا لَهٗ يَحۡيٰى (ہم نے زکریا علیہ السلام کو) یحییٰ عطا کیا۔ پھر فرمایا وَاَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ' (اور ہم نے اُن کی زوجہ کو بچہ جننے کے قابل بنا دیا) حالانکہ بانجھ پن پہلے ختم ہوا یعنی بچہ جننے کے قابل وہ پہلے ہوئیں اور یحییٰ اُنہیں بعد میں عطا کئے گئے۔ اس بظاہر ترتیب معکوس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب قرآنی بالکل درست ہے کیونکہ دُعا فرزند کے لئے تھی نہ کہ اصلاحِ زوجہ کے لئے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور فرزند عطا کر دیا۔ اگر قبولیتِ دعا (فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ) کے بعد اصلاحِ زوجہ (اَصۡلَحۡنَا لَهٗ' زَوۡجَهٗ) کی عبارت لائی جاتی تو بات غلط ہو جاتی اور معنیٰ یہ ہو جاتا کہ ہم نے دعا قبول کر لی کہ بیوی کو بچہ جننے کے قابل بنا دیا یعنی اصلاحِ زوجہ قبولیتِ دعا بن جاتی حالانکہ یہ دعا تو نہیں تھی۔ فَاسۡتَجَبۡنَا کے بعد وَهَبۡنَا کا ذکر بتا رہا ہے کہ دعا یہ تھی۔ عطا کے بعد اصلاحِ زوجہ کا ذکر کرنا ذریعہِ قبولیت بتا رہا ہے یعنی ہم نے فرزند اس طرح دیا کہ اُن کی بیوی کا بانجھ پن ختم کر کے اُنہیں قابلِ اولاد بنا دیا۔'' (ایضاً' صفحہ ۴۶۵)

اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے فرزند کو جہان والوں کے لئے نشان بنادیا۔ بے شک یہی تمہارا طریقہ ہے' طریقہِ واحد اور میں (ہی) تمہارا پروردگار ہوں' سوتم میری عبادت کرو۔'' (۹۱' ۹۲ : ۲۱)

''توصیف جناب عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیّدہ مریم سلام اللہ علیہا کی ہو رہی ہے کہ اُس سچی' نیک و پاکیزہ بی بی کا بھی کردیجئے جس نے ظاہری و باطنی لحاظ سے اپنی عصمت کی بہت اچھی طرح حفاظت فرمائی اور اپنے رِحم کو حملِ نبوّت کے لئے پاکیزہ رکھا اور اس طرح نبی کی والدہ بننے کا شرف حاصل کیا اور کائناتِ عالم میں انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کی طہارت' دیانت وامانت اور ایمانِ کامل کا حسین نقشہ بتا دیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح شرک' کفر' بے دینی' گمراہی' فسق وگناہ' بغاوت' فحاشی اور ہر قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے پاکیزہ اور اپنے آپ کو بچائے رکھنے والی ہوتی ہیں۔ اُن کے دامنِ عصمت وطہارت سے تو حورانِ جنّت برکتیں حاصل کرتی ہیں۔ نہ کوئی کافر اُن کا خاوند بن سکتا ہے اور نہ کوئی بدکار اور فاسق۔ جب اُس پاکیزہ بی بی نے اپنی عصمت کی حفاظت قائم رکھی تو ہم نے اُس طاہرہ' مطہرہ' عابدہ' زاہدہ' نفیسہ' بتولہ عورت کے پاکیزہ باطن میں اپنی روحِ نبوّت کو پھونک دیا۔ جو ہماری قدرت سے مُجسّم زندہ ہو کر اُس کا بیٹا کہلایا۔ روح پھونکنے سے مراد زندگی بخشنا ہے اور ہم نے اُس بی بی کو اور اُس نمونہِ قدرت والے خصوصی' منفرد بیٹے کو تمام جہانوں کے لئے ایک عظیم تر نشانی مخلوق بنا دیا۔ کیونکہ بن باپ کے اور بغیر نطفہ کے اُن کا وجود پوری کائنات کے لئے قدرت کا بے مثال اور حسین نمونہ ہے۔ جنم دینے والی والدہ بھی اور جنم لینے والا بیٹا بھی۔'' (تفسیر نعیمی۔ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی' جلد ۱۷' صفحہ ۴۵۸) اِبنَہا کا لفظ کہہ کر عقیدہِ ابن اللہ کی صاف تردید ہوگئی' کہ چونکہ آپ بن باپ کے ہیں اس لئے خلافِ عادت ورواج ابنِ مریم کہلائے۔

''چند انبیاء علیہم السلام کی عظمتوں کا چرچا فرمانے کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کی عظمتِ شان بیان فرما دی اور بتا دیا کہ اے میرے محبوب کے اُمّتیو! یہ دین جو ہم تمہیں اپنے اِس رسولِ معظم کے واسطے سے عطا کر رہے ہیں' یہی دین ہمارے صفی آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ تک مکمل ہوگیا۔ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام کو سب قوّتیں اور عظمتیں درجہ بدرجہ عطا فرمائی گئیں' اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا دین بھی ایک ہی ہے اور ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ اِس دین مبارکہ کی جڑ توحیدِ الٰہی ابدِ قدیم سے ثابت وقائم' موجود و مضبوط ہے اور اُس کی شاخیں یعنی نبوّتِ انبیاء آسمانِ توحید میں لہلہاتی ہیں۔ دین شجرِ عقائد کا نام ہے اور اُس کے پھل توحید ورسالت ہیں۔ شروع ہی سے ہر نبی نے اپنی اپنی اُمّت کو اسی توحید ورسالت کی تبلیغ وتعلیم فرمائی اور کسی بھی نبی نے صرف توحید کی تبلیغ نہیں فرمائی۔ پس اے مسلمانو! عقائدِ توحید ورسالت میں تمہارا یہ دین ایک ہی دین شروع سے چلا آ رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ تمام انبیائے سابقہ پر ہمارا ایمان ہے اور گزشتہ اُمّتیں کہتی تھیں کہ گزشتہ وآئندہ دونوں زمانوں کے انبیاء علیہم السلام پر ہمارا ایمان ہے۔'' (ایضاً' صفحات ۴۷۵' ۴۷۶)

(۱۲) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَیْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنَاهَا آیَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ۝ (العنکبوت: ۱۴' ۱۵)

''اور بالیقین ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ اُن کے درمیان پچاس کم ایک ہزار برس رہے' پھر اُن لوگوں کو طوفان نے آ دبایا اور وہ (بڑے ہی) ظالم لوگ تھے۔ پھر ہم نے نوح (علیہ السلام) اور کشتی والوں کو بچا لیا اور ہم نے اس (واقعہ) کو جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔'' (۲۹ : ۱۵'۱۴)

امام طبری نے کہا کہ نوح علیہ السلام کا اصل نام عبدالغفار ہے اور علامہ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) کے مطابق ''نوح'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال تک افسوس کرتے رہے اور رو رو کر گریہ وزاری کرتے رہے۔'' (''تبیان القرآن''۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ۹' صفحات ۵۳'۵۴)

۹۵۰ سال کہنے کی بجائے ''پچاس کم ایک ہزار'' کہنے میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ اپنے محبوب ﷺ کو تسلی وتشفی دینے کا ہے۔ اَلف (ہزار) کا لفظ مقدم کر کے اور بعدہٗ اس میں سے پچاس نفی کر کے نبی علیہ السلام کو نفسیاتی طور پر یہ تاثر دینا ہے کہ آپ کو مکہ میں تبلیغ کرتے ہوئے چند سال گزرے ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہیں تو آپ رنج وافسوس نہ کریں۔ اپنے (دینی) بھائی نوح علیہ السلام کو دیکھیں کہ وہ ایک ہزار سال (پچاس کم) تک تبلیغ کرتے رہے اور اَسّی افراد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا تو نوح علیہ السلام کی بہ نسبت آپ صبر کرنے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ آپ کی مُدّتِ تبلیغ اُن سے بہت کم ہے اور آپ کے متبعین اُن کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں۔ اَلف (ہزار) جیسا بڑا عدد (کہ زبانِ عربی میں اس جیسا بڑا عدد کوئی ہے ہی نہیں)' پہلے لانے میں تسلی وتشفی دینا پوشیدہ ہے۔

طوفانِ نوح کا آنا علمِ ارضیات کی رُو سے ایک ناقابلِ تردید' مسلمہ تاریخی حقیقت ہے۔ تورات کے علاوہ قدیم ہندو کتب میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ بھوپال (ہندوستان) کے مولانا سیّد احمد حسین نے اپنی کتاب بہ عنوان ''تاریخ ادب الہندی'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

<u>کیا طوفانِ نوح پوری دنیا میں آیا تھا یا ایک مخصوص علاقہ میں؟</u> طوفانِ نوح کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ایک مخصوص علاقے میں آیا تھا یا تمام روئے زمین پر۔ اکثر علماء نے کہا کہ وہ پوری دنیا میں آیا تھا اور اس سلسلہ میں اُنہوں نے اپنے اپنے دلائل بھی دیئے ہیں۔ تورات بھی پورے عالم میں طوفان کے آنے کی تائید کرتی ہے۔ آیئے ہم دینی حوالہ جات کی روشنی میں اس کی غیر جانبدارانہ تحقیق کریں:

ذیل کی قرآنی آیات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ نوح علیہ السلام صرف اپنی ہی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے:
(۱) لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ (سورۃ الاعراف: ۵۹ ؛ ھُود: ۲۵ ؛ العنکبوت: ۱۴)

''بالیقین ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا۔''

(۲) إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ (سورہ نوح : ۱)

''بالیقین ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا کہ اُنہیں (عذابِ الٰہی سے) ڈراؤ۔''

قرآن مجید کی کسی بھی آیت سے یہ ثابت نہیں کہ طوفان آفاقی تھا اور پوری دنیا میں آیا تھا۔ نوح علیہ السلام کا تبلیغی مشن صرف اپنی قوم کے لئے تھا کیونکہ اُس وقت دنیا میں صرف یہی انسانی قوم تھی اور صرف نوح علیہ السلام ہی پوری روئے زمین پر واحد نبی تھے اور آدم علیہ السلام کی تیئیس سو سالہ یہی پچیس لاکھ کی اولاد تھی۔ یہ سیلاب صرف نوح علیہ السلام کے علاقہ کردستان، آرمینیا، دیارِ بکر اور نینوا ہی میں آیا تھا، نہ کہ پوری دُنیا میں (تفسیر نعیمی، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۶)۔

اُس زمانہ کی انسانی آبادی کی صورتِ حال کو زیرِ بحث لانے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

وَالَّذِىْ يَمِيْلُ الْقَلْبُ إِلَيْهِ أَنَّ الطُّوْفَانَ لَمْ يَكُنْ عَامًّا (روح المعانی)

''اور جس چیز کی طرف دل مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا۔''

ایک ممتاز محقق لیفٹیننٹ کرنل Wagstaff رقم طراز ہے:

''قدیم بابل کے اور سامی روایتی قصّوں میں اُس طوفان کا ذکر ملتا ہے جس نے دنیا کی اُس وقت کی معلوم شدہ آبادی کو تباہ کر دیا تھا۔ یہ سیلاب آفاقی نہیں تھا بلکہ دریائے فرات اور دجلہ کی زیریں وادی تک محدود تھا۔ قیاس ہے کہ یہ طوفان چار سو میل لمبے اور ایک سو میل چوڑے کے علاقے پر اثر انداز ہوا ہوگا اور وہاں کی آبادی کی تباہی کا موجب بنا ہوگا اور اس وسیع و عریض علاقے کی تباہی سے یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ طوفان آفاقی تھا اور پوری دنیا میں آیا تھا۔''

اور ترکی کے ایک سکالر ہارون یحییٰ لکھتے ہیں :

''تورات اور دوسری آسمانی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں طوفانِ نوح کا ذکر تورات وغیرہ سے مختلف ہے۔ تحریف شدہ تورات میں طوفان کو آفاقی بتایا گیا ہے کہ وہ پوری دنیا پر آیا تھا۔ اس کے برعکس طوفان کے آفاقی ہونے کے متعلق قرآن میں کہیں حوالہ موجود نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ طوفان پوری دنیا میں نہیں آیا تھا بلکہ ایک مخصوص علاقے تک محدود تھا اور صرف نوح علیہ السلام کو جھٹلانے والی قوم اس کا شکار ہوئی۔''

''قرآن مجید ہمیں واضح طور پر بتاتا ہے کہ نوح علیہ السلام صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے

اور یہ کہ طوفان میں تباہ ہونے والے نوح علیہ السلام کو صرف جھٹلانے والے لوگ تھے۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات کے مدِّ نظر بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آیتِ قرآن ملاحظہ ہو:

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَه‘ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَاالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بآيٰتِنَا (الاعراف : ۶۴)

''سو انہوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے نوح کو اور اُن لوگوں کو بچالیا جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے اُن لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔'' (۷ : ۶۴)

''تو جب قرآنی آیات اس قدر واضح اور غیر مبہم ہیں تو یہ کہنا کہ طوفان پوری دنیا میں آیا تھا' انتشارِ ذہنی پیدا کرنے اور ناواقفوں کو مغالطے میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔''

''ایک اور وجہ سے بھی یہ ممکن نہیں کہ قرآن طوفانِ نوح کو آفاقی کہے۔ ربّ قدیر فرماتا ہے کہ ہم کسی قوم پر اُس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک اُن میں کوئی ڈرانے والا نبی یا رسول نہ بھیج دیں۔ اُس قوم کی تباہی اور ہلاکت اُس رسول اور نبی کے جھٹلانے اور الٰہی نافرمانی کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ قہرِ الٰہی کے عام قانون کے حوالے سے ذیل کی آیاتِ قرآنی ملاحظہ ہوں:

(۱) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً (سورہ بنی اسرائیل : ۱۵)

''اور جب تک ہم کسی رسول کو بھیج نہیں دیتے' ہم کبھی سزا نہیں دیا کرتے۔'' (۱۷ : ۱۵)

(۲) وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ أُمِّهَا رَسُوْلاً يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُوْنَ○ (سورة القَصَص : ۵۹)

''اور (اے نبیِ مکرّم!) آپ کا ربّ بستیوں کا ہلاک کرنے والا نہیں جب تک کہ اُن کے صدر مقام میں کسی پیمبر کو نہ بھیج لے جو اُنہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں سوائے اِس کے کہ وہاں کے باشندے سخت شرارت کرنے لگیں۔'' (۲۸ : ۵۹)

''مندرجہ بالا آیات سے اخذ شدہ نتیجہ کی رُو سے کسی قوم کو رسول یا نبی بھیجنے سے پہلے تباہ و برباد کر دینا الٰہی قانون کے خلاف ہے۔ پیغمبر نوح علیہ السلام کو صرف اپنی قوم کی طرف اُنہیں عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کے مکذّبین کو غرقاب کیا نہ کہ دوسرے لوگوں کو جن کی طرف ابھی رسول اور نبی آئے ہی نہیں تھے۔''

''طوفانِ نوح سے متعلق بحث کا دوسرا موضوع یہ ہے کہ آیا طوفان نے علاقے کے تمام پہاڑوں اور اُن کی چوٹیوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کشتیِ نوح ''جودی'' پر رُک گئی تھی (سورہ ھُود: ۴۴)۔ ''جودی'' کے لفظ کو ایک خاص پہاڑ کے معنیٰ میں لیا گیا ہے لیکن زبانِ عربی میں اس کا معنیٰ کسی جگہ کا ''بلند حصّہ'' ہوتا ہے۔

لہٰذا ہم قرآنی بیان سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تورات کے بیان کے برعکس طوفان کی تباہی پوری دنیا اور تمام پہاڑوں پر محیط نہیں تھی بلکہ ایک مخصوص علاقے تک محدود تھی۔''

''مزید برآں محکمہ آثارِ قدیمہ کی طرف سے کھدائیوں سے جہاں یہ معلوم ہوا ہے کہ متعلقہ علاقے طوفان سے متاثر ہوئے ہیں' وہاں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ طوفان کا یہ واقعہ آفاقی نہیں تھا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو بلکہ یہ ایک علاقائی آفت تھی جس نے میسوپوٹامیا کے وسیع وعریض علاقے کو ڈھانپ لیا تھا۔'' ("How do the Unwise Interpret the Quran?"... Harun Yahya, pp. 65-67)

ہوسکتا ہے کہ اُس وقت تک نسلِ انسانی زیادہ نہ پھیلی ہو بلکہ اُسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اُس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اسے عالمگیر کہہ دیا گیا ہو اور یہ بات قابلِ فہم ہے۔

جن لوگوں کا کہنا ہے کہ طوفان پوری دنیا میں آیا تھا' اپنے موقف کی تائید میں سورہ نوح کی یہ آیت پیش کرتے ہیں جس میں نوح علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے فریاد کی تھی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًاO (نُوح : ۲۶)

''اے میرے پروردگار! تو زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (بستا) مت چھوڑ۔'' (۲۶:۷۱)

جوابًا عرض ہے کہ (۱) ''اَلاَرض سے یہاں مراد ارضِ عراق ہے۔ اُس وقت زمین پر کُل انسانی آبادی اِسی علاقہ میں تھی۔'' (ماجدی) (۲) اَلاَرض سے پہلے الف لام کا لانا زمین کو معرفہ بنا رہا ہے یعنی وہ نوح علیہ السلام کے علاقے کی ایک مخصوص زمین ہے جیسا کہ سورہ یونس کی آیت ۸۳ میں فرعونِ مصر کے بارے میں فرمایا گیا: وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ (واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا)۔ تو جیسے اِس آیت ۸۳ میں الْاَرض سے مراد پوری دنیا کی زمین نہیں ہے بلکہ صرف ملکِ مصر مراد ہے (اور ظاہر ہے کہ فرعون صرف ملکِ مصر کا بادشاہ تھا نہ کہ پوری دنیا کا)' یہی صورت نوح علیہ السلام کی بددعا میں واقع لفظ الْاَرض کی ہے۔ (۳) مِنَ الْكَافِرِيْن میں بھی وہی بات ہے کہ اس سے پہلے الف لام کا سابقہ (Prefix) ہے جس سے مراد نوح علیہ السلام کو جھٹلانے والے مخصوص قسم کے کافر ہیں۔ (۴) مِنَ الْكَافِرِيْن کا لفظ بتا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی بددعا سب کافروں کے لئے نہیں تھی کیونکہ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی بعض کافر۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّواب

آیت میں مذکور لفظ جَعَلْنَاهَا میں هَا ضمیر مؤنث تین مطالب کی طرف راجع ہوسکتی ہے: (۱) ہم نے اِس سزائے طوفان کو عالمین کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ یا (۲) ہم نے کشتی نوح کو عالمین کے لئے نشانی بنا دیا۔ یا (۳) ہم نے نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کی نجات کو دنیا والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

(3) ایمان باللہ : قرآن میں واقعات کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہی نہیں کہ سب اُدیان خدائے واحد کی جانب سے ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جملہ ادیانِ سماوی کی اصل اور اساس ایک ہی ہے۔ اسی کے زیر اثر انبیاء علیہم السلام کے اکثر واقعات یکجا بیان کئے گئے ہیں اور اُن میں اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی ایمان باللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

(ا) لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف: ۵۹)
"بالیقین ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو اُنہوں نے اُن سے کہا: اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔" (۵۹ : ۷)

(۲) وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف: ۶۵)
"قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا: اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔" (۶۵ : ۷)

(۳) وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف: ۷۳)
"اور قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا تو صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔" (۷۳ : ۷)

(۴) وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف: ۸۵)
"اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تو اُنہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔"

(۵) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ O الانبیاء : ۲۵)
"(اے نبی مکرّم!) اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' سو میری ہی عبادت کرو۔" (۲۵ : ۲۱)

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا عقیدۂ توحید ہے اور فَاعْبُدُونِ عملِ توحید ہے۔ یہ دینِ توحید جس کا دوسرا نام دینِ اسلام ہے' دُنیا کا قدیم ترین دین ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی ہے۔ دینِ شرک تمام تر ذہنِ انسانی کی اختراع ہے اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

(4) انبیاء علیہم السلام کے طریقِ دعوت کا یکساں ہونا : قرآن میں واقعات ذکر کرنے کا ایک مقصد اس امر کا اظہار بھی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقِ دعوت ایک ہی ہے۔ اسی طرح اُن کی قوموں کا جورِ عمل ہوا' وہ بھی یکساں نوعیت کا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :

(۱) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ O اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ O فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ O (ھُود : ۲۵ تا ۲۷)

''اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو نوح نے اُن سے کہا: میں تمہیں (عذابِ الٰہی سے) کھلم کھلا ڈرانے والا اور یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' مجھے تمہارے بارے میں دردناک عذاب کا خوف ہے۔ تو اُن کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے: ہم تجھے اپنے ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی سرسری رائے سے اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔'' (۲۵ تا ۲۷ : ۱۱)

مِنْ فَضْلٍ سے مراد مال' جاہ وثروت وریاست ومنصب ہیں جو دُنیوی اعتبار سے معیارِ فضیلت سمجھے جاتے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہلِ جاہلیّت میں سے تھے ہی' دنیا کے صرف ظاہری و مادّی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اِسی مرضِ حُبّ دُنیا میں مبتلا ہیں اور عزّت وتحقیر کا معیار اِسی دولتِ دُنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ صاحب مدارک نے بھی اُن کی تقلید میں بعض اِنہی فقروں کو دُہرا دیا ہے۔ حُبّ دُنیا اس اُمّتِ مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں اس قدر غالب آ چکی تھی تو پھر اب پندرھویں صدی ہجری کا تو ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی' اُن کے باطنی کمالات' اُن کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔

(۲) وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ' اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ O یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ O قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ O اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىکَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰہَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ O (ھُود : ۵۰ تا ۵۴)

''قومِ عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا: اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ (تم شرک کر کے اللہ پر) محض بہتان باندھتے ہو۔ اے میری قوم! میں اِس (وعظ ونصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا' میرا صلہ تو اُس کے ذمّے ہے جس نے مجھے پیدا کیا' بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ اور اے میری قوم! اپنے پالنہار سے بخشش مانگو پھر اُس کے آگے توبہ کرو' وہ تم پر آسمان سے موسلادھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو)

گنہگار بن کر رُوگردانی نہ کرو۔ وہ بولے: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی ظاہر دلیل تو لائے نہیں ہو اور ہم (صرف) تمہارے کہنے پر نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہی تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی دیوتا نے تمہیں شامت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ھود علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو' میں اُن سے بیزار ہوں۔''

(۳) وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ O قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ مُرِيْبٍ O (هُود: ۶۱، ۶۲)

''اور (قوم) ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا تو آپ نے (اُنہیں) کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اُسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اُس میں تمہیں آباد کیا تو اُس سے بخشش مانگو اور اُس کے آگے توبہ کرو' بے شک میرا پالنہار نزدیک (بھی) ہے اور دُعا قبول کرنے والا (بھی) ہے۔ وہ بولے: اے صالح! اِس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) اُمیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں)۔ کیا تم ہمیں اُن (معبودوں) کے پوجنے سے روکتے ہو جنہیں ہمارے آباء و اَجداد پوجتے آئے ہیں؟ اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو' اُس میں ہمیں بڑا شبہ ہے۔'' (۱۱:۶۱'۶۲)

''وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (اور اُس میں تمہیں آباد کیا)۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقّتِ نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی شکل میں ہو۔'' (جصاص)

''فَاسْتَغْفِرُوْهُ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ میں آئندہ کی اصلاح کی جانب۔'' (ماجدی)

(5) <u>اَدیان کے مابین اصل مشترک</u>: قرآن مجید میں واقعات بیان کرنے کی غرض یہ بھی تھی کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اصل و اَساس بطورِ خاص مشترک ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے دین اور بنی اسرائیل کے (اصل) دین میں بھی علی العموم اشتراک پایا جاتا ہے اور یہ اتصال و اشتراک اُس ربط و تعلق سے کہیں زیادہ مضبوط ہے جو دوسرے اَدیان کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے قرآن میں جہاں بھی حضرات ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں' اُس کی طرف ضرور اشارہ ہوا ہے۔ مثلاً:

(۱) اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (آلِ عمران: ۶۸)

''بے شک ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔'' (۶۸ : ۳)

(۲) أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسٰى O وَإِبْرٰهِيمَ الَّذِي وَفّٰى O (اَلنَّجم : ۳۶، ۳۷)
''کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں' اُن کی خبر اُسے نہیں پہنچی اور ابراہیم کی جنہوں نے (حقِ اطاعت و رسالت) پورا کیا۔'' (۳۶، ۳۷ : ۵۳)

(۳) إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى O صُحُفِ إِبْرٰهِيمَ وَ مُوسٰى O (الاعلیٰ : ۱۸، ۱۹)
''یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔'' (۱۸، ۱۹: ۸۷)

(6) **انبیاء علیہم السلام کی کامیابی اور مکذّبین کی تباہی و ہلاکت**: قرآن مجید میں قصہ گوئی کا ایک مقصد انجام کار انبیاء علیہم السلام کے مشن کی کامیابی اور مکذّبین کی ہلاکت و بربادی کا ذکر و بیان بھی ہے تاکہ نبی مکرّم کے لئے وجہِ اطمینان ہو اور جن لوگوں کو آپ دعوتِ ایمان دے رہے ہیں' وہ بھی اس سے متاثر ہوں۔ مثلاً فرمایا:

(۱) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ O فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ O (العنکبوت: ۱۴، ۱۵)
''اور بالیقین ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ اُن کے درمیان پچاس کم ایک ہزار برس رہے' پھر اُن لوگوں کو طوفان نے آدبایا اور وہ (بڑے ہی) ظالم لوگ تھے۔ پھر ہم نے نوح (علیہ السلام) اور کشتی والوں کو بچا لیا اور ہم نے اس (واقعہ) کو جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔'' (۱۴، ۱۵ : ۲۹)

(۲) وَ إِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ O فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ O وَ عَادًا وَّ ثَمُودَاْ وَ قَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَ كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ O وَقَارُونَ وَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سٰبِقِينَ O فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ O (العنکبوت : ۳۶ تا ۴۰)
''اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تو اُنہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روزِ قیامت سے ڈرو اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو اُن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا' پس اُنہیں زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔ اور عاد و ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کیا) اور یہ تم پر اُن کے مسکنوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور شیطان نے اُن کے اعمالِ (بد) کو اُن کی نظر میں خوشنما بنا دیا تھا اور اُنہیں راہِ حق سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے۔ اور قارون' فرعون اور ہامان کو بھی (ہم نے ہلاک کیا) اور یقیناً موسیٰ اُن لوگوں کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تھے لیکن اُنہوں نے زمین پر سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے۔ سو ہم نے (اُن میں سے) ہر ایک کو اُس کے گناہ کی پاداش میں

پکڑ لیا' سو اُن میں سے کسی پر تو ہم نے تند و تیز ہوا بھیجی اور اُن میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آ دبایا اور اُن میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور اُن میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا' اور اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا البتہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔'' (۳۶ تا ۴۰ : ۲۹)

(۳) جنابِ لوط علیہ السلام کی قوم کے انجامِ بد کی خبر پیغمبرِ وقت کو یوں دی گئی: ''ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔'' (الحجر: ۶۶)

(۴) جنابِ شعیب علیہ السلام کی قوم کے انجامِ بد کو یوں بیان کیا گیا: ''ایک زوردار چیخ نے اُنہیں صبح سویرے آ پکڑا اور جو کام وہ کرتے تھے' وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے۔'' ((الحجر: ۸۴)

(7) أنبیاء و أصفیاء پر انعاماتِ ربّانی کا ذکر : قرآنِ حکیم میں انبیاء و أصفیاء کے واقعات اس لئے بھی بیان ہوئے ہیں تاکہ اُن پر جو انعاماتِ ربّانی ہوئے تھے' اُن پر روشنی ڈالی جائے مثلاً حضرات داؤد' سلیمان' ایوب' ابراہیم' مریم و عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات اُن انعاماتِ الٰہی کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں۔

(8) بنی آدم کو شیطان کی عداوت سے آگاہ کرنا : قرآن مجید میں قصہ گوئی کا ایک مقصد بنی نوعِ انسان کو اس بات سے آگاہ کرنا بھی ہے کہ شیطان انسان کے جدِّ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے بنی آدم کا ازلی و ابدی دشمن چلا آتا ہے۔ وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ لہٰذا شیطان کی عداوت کو بہ طریقِ قصہ ظاہر کرنا مؤثر تر ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ انسان ہر اُس وسوسہ سے انتہائی پرہیز کرے جو اُسے غلط راہ پر ڈالنے کا موجب ہو۔

(9) دیگر اسباب و وجوہ: قرآن مجید میں واقعہ نگاری کے کچھ دیگر اسباب و وجوہ بھی ہیں مثلاً:

(۱) اس امر کا اظہار کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے (خوارق) کی قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی بن ماں باپ تخلیق' عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت' زکریا علیہ السلام کو اُن کے انتہائی بڑھاپے میں' اُن کی زوجہ محترمہ کا بانجھ پن دُور کر کے یحییٰ علیہ السلام بچے کا عطا کرنا وغیرہ۔

(۲) خیر و بھلائی اور شر و فساد کے نتائج سے آگاہ کرنے کے لئے بھی قرآن مجید نے واقعہ نگاری کی ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (ہابیل اور قابیل کا واقعہ بحوالہ سورۃ المائدۃ کی آیات ۲۷ تا ۳۱) کا واقعہ' دو باغوں والے کا واقعہ (سورۃ الکہف کی آیات ۳۲ تا ۴۳)' بنی اسرائیل کی نافرمانی کے واقعات' اصحاب الأخدود کا واقعہ وغیرہ۔

(۳) انسان چونکہ جلد باز واقع ہوا ہے اس لئے وہ حاضر اور موجود فائدہ چاہتا ہے جبکہ حکمتِ الٰہی دُور رس نتائج و فوائد چاہتی ہے۔ اس لئے انسان کی حکمتِ عاجلہ اور ربِّ تعالیٰ کی حکمتِ بعیدہ آجلہ میں فرق و امتیاز ظاہر کرنے کے لئے بھی قرآن مجید میں بعض واقعات مذکور ہوئے ہیں مثلاً حضرات موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ (بحوالہ سورۃ الکہف آیات ۷۴' ۸۰' ۸۱)۔

<u>قوموں کے عروج وزوال کا قرآنی فلسفہ</u>: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ قرآنِ حکیم بنیادی طور پر رُشد و ہدایت کی کتاب ہے۔ اقوامِ ماضیہ کی تاریخ بیان کرنے میں اس کا اوّلین اور مقدّم مقصد اپنے قارئین کے آگے بدنصیب طبقوں کی اُن بدعملیوں کو پیش کرنا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر بربادی و ہلاکت لائے جس کے وہ خود ذمّہ دار تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن واضح طور پر ہمیں بتاتا ہے:

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ O (الزُّخرُف : ۷۶)

"اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی (اپنے حق میں) ظالم رہے ہیں۔" (۴۳ : ۷۶)

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید اپنے قارئین کو خطرناک چھپے جالوں اور چور گڑھوں (Pitfalls) سے بچ نکلنے کی ترغیب دیتا ہے کہ کہیں وہ اُن صفحۂ ہستی سے نابود نسلوں کی سنگین بدعملیوں کا شکار نہ ہو جائیں جن کی یاد آج قصّۂ پارینہ بن کے رہ گئی ہے اور اُن کا اب نام لیوا بھی کوئی نہیں رہا۔ قوموں کے تنزل اور زوال کی تفصیلی تاریخ سورۃ الشُّعراء کی آیات ۱۰ تا ۱۹۱ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قوموں کے عروج وزوال میں کارفرما جس بنیادی نکتے کو قرآن نے بیان کیا' وہ یہ ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا O (اَلنِّساء : ۱۴۷)

"اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تو بڑا قدردان' بڑے علم والا ہے۔" (۴ : ۱۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والے اور اُن نعمتوں کو اُس کی خوشنودی میں استعمال کرنے والے اور اُن سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین عذابِ الٰہی سے دُور رہیں گے۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا اُن پر فیضانِ مسلسل ہوتا رہے گا۔ بہ الفاظِ دیگر اُن پر کسی قسم کی تنزلی اور زوال نہیں آئے گا۔ اسی حقیقت کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا گیا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ" O(ابراهيم : ۷)

"اگر شکر کرو گے تو ضرور بالضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بڑا سخت ہے۔" (۱۴ : ۷)

"زیادہ دیئے جانے" سے مراد عروج ہے اور "عذاب" سے مراد زوال اور تنزّلی ہے خواہ وہ انفرادی سطح پر ہوں یا اجتماعی اور قومی سطح پر۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر قوموں کے عروج اور زوال دونوں کے فلسفہ کو ایک ہی مقام پر بڑے بلیغانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ O ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O (الاعراف : ۹۴ تا ۹۶)

''اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو (جب نبی کو جھٹلایا گیا) ہم نے وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں۔ پھر ہم نے بدحالی اور تکلیف کی جگہ راحت بدل دی حتیٰ کہ اُنہیں خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ داداؤں کو بھی (یونہی) پیش آتی رہی تھی' اس پر ہم نے اُنہیں یکا یک پکڑ لیا (اور اس کا) اُنہیں خواب وخیال بھی نہیں تھا۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم اُن پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن اُنہوں نے تو جھٹلایا' سو ہم نے اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں اُن کو پکڑ لیا۔'' (۹۴ تا ۹۶)

بلاؤں کا نزول اور قوموں کا تنزل اور اِدبار اصلاً اِسی لئے ہوا کرتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی اور پاکبازی کی راہ اختیار کریں۔ لیکن کج فہم اور خود بین لوگ اِن مصائب سے عبرت حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی بجائے ''اِن مصائب وآلام کو اپنی اخلاقی کمزوری یا کاروباری بددیانتی' غریبوں پر ظلم وتعدی اور گناہوں کی سزا نہیں سمجھتے بلکہ اُسے آئے دن کا معمول (Routine Matter) قرار دے کر تلافیِ مافات سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ آج کی مادّہ پرستانہ ذہنیت جس نگاہ سے اِن حوادث وآلام کو دیکھتی ہے اور پھر اُس کے لئے جو علاج تجویز کرتی ہے' اُن تباہ شدہ قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اسی کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ قرآنی بیان کا یہ مقصد نہیں کہ ہم گزشتہ اقوام کی ناعاقبت اندیشیوں پر طنزیہ قہقہے لگائیں یا رسمی طور پر اظہارِ افسوس کر دیں۔ بلکہ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اُس دردناک انجام سے بچائیں جس سے سابقہ قوموں کو اپنی سرکشیوں کے باعث دوچار ہونا پڑا تھا۔''

آیت ۹۶ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ''ایمان اور تقویٰ کسی قوم کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے جیسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے باعث تو رحمتِ الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے اور ہر جانب سے خیر وبرکت کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ زمین اپنے شکم میں پوشیدہ خزانوں کو اُس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں اور برکتوں کو بے دریغ نچھاور کر دیتا ہے۔ برکاتِ آسمان سے مراد بارش اور الٰہی برکات ونِعم کا نزول ہے اور برکاتِ زمین سے مراد زراعت ونباتات ہے۔'' (''ضیاء القرآن'' ---جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد دوم' صفحات ۶۱' ۶۲)

قوموں کے عروج کے فلسفہ واسباب کو سورۃ النُّور کی آیت ۵۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (غلبہ تم ہی کو حاصل ہوگا اگر تم مومن رہے) میں بھی قوموں کے عروج کا نکتہ پوشیدہ ہے۔ علو وغلبہ کا یہ الٰہی وعدہ ہر قسم کے علو وغلبہ کو شامل ہے خواہ وہ مادّی ہو یا روحانی لیکن اس غلبہ کے لئے شرطِ ایمان کا ہونا ضروری ہے اور شرط کے بغیر مشروط کا ہونا محال ہوتا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کے فلسفہ کو حکیم الامت علامہ اقبال نے اس شعر میں پیش کیا ہے:

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر   اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

قوموں کے عروج و زوال کا یہ قرآنی فلسفہ یکسانیت پسندانہ اصول (Uniformitarian Principle) پر مبنی ہے یعنی قطع نظر اعلیٰ وادنیٰ یا رنگ ونسل' معاشرتی مقام یا جغرافیائی حدود کے اس کا اطلاق سب پر یکساں طور پر ہوگا۔ ظلم واستبداد کی چکی میں پستی ہوئی اور زوال و اِدبار کی پستیوں کو چھوتی ہوئی قوم' چاہے تو الٰہی قانون کو بہ دل وجان قبول کر کے اور عملاً اس پر عمل کر کے عروج واقبال کی بلندیوں کو چھولے اور چاہے تو اپنے خالق سے منہ موڑ کر اُسی طرح زوال کی پستیوں میں دھنستی چلی جائے۔ اِس یکسانیت پسندانہ نظریہ کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

(۱) سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًاO (بنی اسرائیل: ۷۷)

''(جیسا کہ ہمارا) دستور اُن کے بارے میں رہا ہے جنہیں آپ سے پہلے ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے (اِس) دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔'' (۱۷: ۷۷)

یعنی اطاعت گزاروں کی مدد ونصرت اور ہمارے مخالفین کی پامالی اور مغلوبیت تو ہمارا قطعی اور غیر متبدّل قانون رہا ہے اور اس میں کسی شک اور تردّد کی گنجائش نہیں ہے۔

(۲) وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًاO (فاطر: ۴۳)

''اور بُری چال کا وَبال اُنہی چال والوں پر پڑتا ہے۔ سو کیا یہ اسی آگے والوں کے دستور کے منتظر ہیں' آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو منتقل ہوتا دیکھیں گے۔'' (۳۵:۴۳)

وہ دستور یہ ہے کہ مخالفین ومکذّبین پر وقتِ مقرر پر سزا اور ہلاکت آئے۔ تبدیلی یہ کہ مثلاً ایسے مجرموں کو سزا کی بجائے انعام واِکرام ملنے لگے اور منتقلی یہ کہ مثلاً مجرموں کی بجائے عذاب کسی اور کو ہونے لگے۔ بہر حال تاریخِ عالم کا سبق یہی ہے کہ جو قوم بھی خدا فراموشی میں مبتلا ہوئی اور مقصدِ حیات کو نہ سمجھ سکی' وہ بالآخر تباہ وبرباد ہو کر رہی اور اِسی سبق کو سورہ فاطِر کی اس سے اگلی آیت ۴۴ میں پڑھایا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے فرعونِ مصر سے دو مطالبے تھے: (۱) وہ یعنی فرعون اُس پیغام الٰہی کو قبول کر لے جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور ظلم وجور سے رُک جائے۔ (۲) وہ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دے دے تا کہ موسیٰ اُنہیں اپنے ساتھ مصر سے نکال کر لے جائیں۔ لیکن اِن مطالبوں کو تسلیم کرنے کے بجائے اُن کا مذاق اڑایا گیا جس کے نتیجے میں فرعون اور اُس کے ہمنوا طاعون کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کی کہ وہ اپنے رب سے اس بیماری سے نجات کی دعا کریں اور انہوں نے اُن سے توبہ کرنے کا وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور طاعون سے اہلِ مصر کو نجات ملی۔ لیکن اس کے فوراً بعد وہ اپنے قول وقرار سے پھر گئے یہاں تک کہ اُنہیں قدرت کے ''قانونِ مکافات'' (Poetic Justice) کا شکار ہونا پڑا۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعونِ مصر کے اس واقعہ سے ہم یہ نتائج اخذ کرتے ہیں: (۱) تمام زمانوں میں بدعمل لوگوں کا یہی رویہ رہا ہے جیسے فرعونیوں کا تھا۔ (۲) اگر دعا قبول ہو جاتی ہے تو بدعملوں کو اصلاحِ نفس کا موقع اور مہلت دی جاتی ہے جو ایک عالمی صداقت کا اصول ہے۔ (۳) قدرت کا قانونِ مکافات عجلت پسند (جلد باز) نہیں ہے۔ اگر بدعمل لوگ اُس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے' اصلاحِ نفس نہیں کر پاتے اور اس رعایت کو اللہ کا محبوب ہونے پر محمول کرتے ہیں تو اللہ بعض اوقات اُنہیں مال و دولت اور ثروت و خوشحالی دے کر اور بعض اوقات قحط' اشیائے ضروریہ کی نایابی' بیماریوں اور سماوی و ارضی آفات کے ذریعے آزماتا ہے۔ اگر یہ دونوں طریقے اُنہیں صراطِ مستقیم پر لانے میں باثمر ثابت نہ ہوں تو اَب قدرت کا قانونِ مکافات حرکت میں آتا ہے اور مجرمین سطحِ زمین سے اس طرح مٹا دیئے جاتے ہیں کہ وہ قصہ پارینہ بن کے رہ جاتے ہیں اور اُن کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ملتا۔ اسی حقیقت کو سورۃ' الانعام کی اِن آیات ۴۵'۴۶ میں بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ○

''پھر جب وہ اُس چیز کو جس کی اُنہیں نصیحت کی جاتی تھی' بھول گئے' تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے' یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو اُنہیں ملا تھا' اِترانے لگے تو ہم نے اُنہیں یکا یک پکڑ لیا اور وہ نااُمید ہو کر رہ گئے۔ اس طرح اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرتے تھے اور تمام تر حمد و ثنا سارے جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے۔'' (۴۵'۴۶ : ۶)

یعنی پہلے سختیوں میں اور پھر آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے اُنہیں آزما دیکھا کہ اب بھی وہ فطرتِ سلیمہ سے کام لے کر کسی طرح راہِ حق پر آ جائیں۔ اگر اس طرح بھی وہ باز نہ آئیں تو اُن کے لئے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' ہر چیز کی فراوانی ہو جاتی ہے اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں اور عیش و عشرت کا یہ دَور کبھی ختم نہ ہوگا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے شکر گزار اور فرمانبردار بندے بن جائیں' وہ الٹا اکڑنے لگتے ہیں اور اس ناپائیدار اور سرور و نشاط میں وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ڈوری یکایک کھینچ لی جاتی ہے' غضبِ الٰہی کی بجلی گرتی ہے جو اُنہیں اور اُن کے سارے متاعِ غرور و حیات کو دم بھر میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

ظالم قومیں جن کی چیرہ دستیوں سے بندگانِ خدا تنگ آچکے ہوتے ہیں' جب تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں تو ہر طرف اطمینان اور آرام کا سانس لیا جاتا ہے اور واقعی وہ لمحہ اس قابل ہوتا ہے کہ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ اپنے ربِّ کریم کی حمد و ثنا کے گیت گائیں جس نے اُن کی بیکسی اور بے بسی پر ترس کھا کر اُن کو اُن جابر ظالموں کی قیدِ غلامی اور ظلم و جور سے نجات بخشی۔

<u>آیت سے ماخوذ چند نکات</u>: (۱) جس قوم پر عذابِ الٰہی آتا ہے' اُس کی نسل نہیں چلتی کیونکہ بروئے آیت

مذکورہ اُن کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے' لہٰذا موجودہ بندر' کتے وغیرہ اصلی مخلوق ہیں اور کسی مسخ شدہ قوم کی نسل سے نہیں جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے۔ (۲) جس بستی پر ہلاکت والا عذابِ الٰہی آتا ہے وہ بستی پھر کبھی آباد نہیں ہوتی اور اس کے کھنڈرات لوگوں کے لئے باعثِ عبرت ہوتے ہیں۔ ہمارے وطنِ عزیز پاکستان میں موہنجوداڑو' ہڑپہ اور ٹیکسلا کے کھنڈرات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (۳) کفار اور اللہ کے باغیوں کی ہلاکت اللہ کی نعمت اور اُس کا مومنوں پر احسان ہے۔ مسلمانوں کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ابوجہل کے قتل پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ شکر ادا کیا۔ عاشورہ کے دن کے روزے کا حکم فرمایا کہ وہ فرعون کے ڈوبنے کی تاریخ ہے۔ لہٰذا مومن کے مرنے پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اور ظالم وجابر کے مرنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا ہمارے قرآن کا سکھایا ہوا سبق ہے۔ (تفسیر نعیمی' ج ۷' ص ۳۴۴)

خوشحال' مرفہ الحال طبقہ قانون شکنی کے باعث عذابِ الٰہی کا اصل سبب رہا ہے: آیت ملاحظہ ہو:

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا○

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس (بستی) کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں' مگر وہ اُس میں (اُلٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں' تو اُن پر حجت واجب ہو جاتی ہے (یعنی فرمانِ عذاب واجب ہو جاتا ہے)' پھر ہم اُس (بستی) کو غارت کر ڈالتے ہیں۔'' [بنی اسرائیل (۱۷) ۱۶ :۱۷]

احکامِ الٰہی کی اطاعت کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو اُمت کے عوام وخواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت چونکہ پیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اُن کا ذکر بالخصوص کیا گیا' عوام تو بس اُنہی کے پیرو ہوتے ہیں۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ کے الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ گرفت یکا یک اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی۔ پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اِتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ رؤسائے قوم اور اُن کا بااقتدار طبقہ اطاعتِ رسول کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا کر اُس کی مخالفت بڑھ چڑھ کر کرنے لگتا ہے اور اُس بستی کو گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بنا دیتا ہے۔ اُس وقت عذابِ الٰہی کی بجلی کوندتی ہے اور اُن کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ اس سے اگلی آیت ۱۷ میں فرمایا کہ اگر تم ہمارے اس قانون کا عملی ثبوت چاہتے ہو تو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی قوموں کے حالات پر نگاہِ عبرت ڈالو کہ کس طرح اُنہیں اُن کی بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک کیا گیا۔

دنیاوی زندگی پر اِترانے اور ریجھنے کی بجائے آخرت کا توشہ اکٹھا کرنے پر اس طرح زور دیا گیا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا○

''جو صرف دنیا کا طلبگار ہو' تو ہم اُسے دنیا میں سے جتنا چاہیں' جس کے واسطے چاہیں' فوراً ہی دے دیتے ہیں' پھر ہم اُس کے لئے دوزخ مقرر کر دیتے ہیں' اُس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر (اُسے) تاپے گا۔ اور جو کوئی آخرت کا طلبگار رہا اور اُس کے لئے کوشش بھی اُس کے لائق کرے درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔'' (بنی اسرائیل: ۱۸' ۱۹)

''یعنی جس کے دل میں اُخروی زندگی سنوارنے کا کبھی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی ساری تگ و دَو اِسی زندگی کو باعزّت اور آرام دہ بنانے پر مرکوز رہتی ہو' اُسے ہم اسی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق اُس کی کوشش کا معاوضہ دے دیتے ہیں لیکن قیامت کے دن اُس کی محرومیاں دیدنی ہوں گی۔ طالبِ دنیا کا انجام بیان کرنے کے بعد آیت ۱۹ میں طالبِ مولیٰ کا ذکر فرمایا کہ اُس کی کوئی نیکی فراموش نہیں کی جائے گی بلکہ راہِ حق میں جو بھی قدم اُس نے اٹھایا ہوگا اور جو عمل بھی اُس نے کیا ہوگا' اُسے ضرور شرفِ قبول بخشا جائے گا۔ طالبِ مولیٰ کی پہچان کے لئے تین علامتوں کا ذکر کیا ہے: (۱) ہر عمل سے اُس کا مقصد آخرت کی سرخروئی ہو اور کوئی دُنیوی مقصد اُس کے اعمال کا محرّک نہ ہو۔ (۲) اُس کے لئے وہ پوری طرح اپنی اِمکانی کوشش بروئے کار لائے۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ دنیا کے طلبگار تو اپنی لیلائے مقصود کے دوڑ دھوپ کی انتہا کر دیں اور طالبِ مولیٰ صرف باتیں بنانے اور آرزوئیں کرنے پر ہی اکتفا کرے۔ (۳) اُس کا دل نورِ ایمان سے چمک رہا ہو' کفر و شرک اور نفاق کا کوئی اندھیرا موجود نہ ہو کیونکہ اعمال کی قبولیت کا انحصار صرف ایمان پر ہے۔''

''طالبِ دنیا کی مساعی کا معاوضہ دینے کے لئے وعدہ اس طرح فرمایا: مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ (ہم جتنی مقدار چاہیں گے اور جسے چاہیں گے' اُسے دیں گے) لیکن طالبِ مولیٰ کو یوں سرفرازی بخشی: فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اُن کی ساری کاوشیں قبول فرمائی جائیں گی اور کوئی عمل رائیگاں نہ جائے گا)۔ نیاز و اِخلاص جتنا زیادہ ہوگا' جزا میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک کے بدلے دس' ایک کے بدلے ستر' ایک کے بدلے ہزار اور ایک کے بدلے بے حساب کا وعدہ بھی فرمایا گیا۔'' (''ضیاء القرآن'' جلد دوم' صفحات ۶۴۷' ۶۴۸' نوٹ: ۲۵' ۲۷)

خوشحالی اور آرام و آسائش کی زندگی پر رِیجھنا اور غرور کرنا اپنے خالق کی اس نعمت کی بے قدری کرنا ہوتا ہے جس کے ملنے پر انسان کا سرِ نیاز اُس منعمِ حقیقی کے حضور جھک جانا چاہئے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اُممِ ماضیہ کے انجام پر نظر کئے بغیر انسان اپنی جہالت اور نفسِ امارہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر فخر و مباہات کے شیطانی دھندے میں پڑ جاتا ہے جس میں وہ ایک طرف اپنے محروم القسمت بھائیوں کی دل آزاری کا سبب بنتا ہے تو دوسری طرف اپنے منعمِ حقیقی کے غیظ و غضب کا مَورِد بنتا ہے۔ لیکن اللہ رحیم و کریم ہونے کے ناطے سے اُسے مہلت پر مہلت دیئے چلا جاتا ہے تاکہ بندہ کسی نہ کسی وقت نادم ہو کر اُس کے حضور توبہ کر لے اور اپنے گناہوں کی بخشش کی بھیک مانگ لے۔ جب بندہ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور تلافیِ مافات کی بجائے اپنی سینہ زوری میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو ربّ تعالیٰ کا ''قانونِ مکافات'' اور حقیقی انصاف (Poetic Justice) حرکت میں آتا ہے اور اپنے باغیوں کو انصاف کی چکی میں پیس کے رکھ دیتا ہے۔ اس ضمن میں موسیٰ علیہ السلام کے دَورِ مبارک کے سب سے بڑے دولتمند قارون جس کے بے پناہ خزانوں کی صرف چابیوں کو طاقتور جوانوں کا گروہ اٹھاتا تھا' کا نقشہ سورۃ القصص (۲۸) کی آیات ۷۶ تا ۸۲ میں بڑے ہی بلیغانہ اور مؤثر انداز میں کھینچا گیا ہے۔ ان آیات (۷۶ تا ۸۲) سے ہمیں مندرجہ ذیل سبق آموز نِکات ملتے ہیں:

(۱) دولت مندی نمود ونمائش' نخوت اور تعیّش کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ یہ رزّاقِ حقیقی کی طرف سے ایک امانت ہے جسے اللہ کی خوشنودی کے لئے اُس کے مستحق بندوں میں خرچ کیا جانا چاہیئے ۔ اقتصادی خوشحالی کو جب تک مذہبی ضابطہ اور خدا خوفی کی حدود تک محدود نہ کیا جائے تو یہ معاشرہ کے اخلاق کو بگاڑ دیتی ہے۔

(۲) سورۃ القصص کی آیات ۷۸' ۷۹ نہ صرف اُس زمانے کا بلکہ ہر آنے والے وقت کی مادیت گزیدہ ذہنیت کا سچا آئینہ ہیں۔

(۳) دنیادار لوگ خوشحال طبقے کی بظاہر آن بان اور خوشی ومسرت پر رشک کرنے والے ہوتے ہیں اور خوشحال طبقے کا اپنے خالق کے خلاف باغیانہ رویّہ دنیادار لوگوں کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اُن کے نزدیک دولت ہی سب کچھ اور دولت ہی منتہائے مقصد ہوتی ہے جبکہ ہوشمند اور عقلمند اُس دولت کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہیں۔ قارون کی بے قیاس دولت اور اُس کی شان وشوکت کا عروج صراطِ مستقیم سے اہلِ حق کے پاؤں نہ لڑکھڑا سکی اور اُنہوں نے دنیادار لوگوں کو سرزنش کی کہ وہ قارون کی بظاہر شان وشوکت پر غلط طور پر رشک کناں ہیں۔ ان مؤخر الذکر لوگوں کے نزدیک یہ حقیقت کہ مجرموں کو اُن کے جرموں اور گناہوں کی پاداش میں فوراً سزا نہیں دی جاتی' کوئی سربستہ (چھپا ہوا) راز نہ تھا۔

(۴) انسان کا اصل ملجا وماویٰ اور پناہ گاہ صرف خالق ومالک کی ذات ہے۔ جب اُس کا قانونِ مکافات و تعزیر حرکت میں آتا ہے تو کوئی بھی اُس کے غیظ وغضب سے مجرموں کو نہیں بچا سکتا۔

(۵) جب تک اقتصادی خوشحالی اور معاشرتی مقام' عاجزی' انکساری اور اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کے جذبات کے دوش بدوش نہ چلیں تو طاقت ومنصب معاشرتی بیماریوں کا منبع بن جاتے ہیں۔

(۶) صرف اہلِ علم اور اصحابِ بصیرت ہی طاقت ومنصب والوں کی ظاہری شان وشوکت کی حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں کیونکہ اُنہیں جانچنے اور بھانپنے کی روحانی صلاحیت حاصل ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف اُسی طاقت و اختیار اور اقتصادی خوشحالی کو جن کی بنیاد خیر وفلاح پر ہو اور جن کا مقصد انسان کی فلاح و بہبود ہو' امتیازی اور قابلِ اعتنا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اگر اقتصادی خوشحالی ان خصوصیات سے خالی ہو تو وہ تاریخی عمل کے ذریعے جلد ہی بھولی بسری چیزوں میں گم ہو کے رہ جائے گی۔

نوٹ : بقایا نکات جلد سوم کے صفحات ۱۰۲۱' ۱۰۲۲ پر ملاحظہ ہوں۔

<u>سدِّ مارب</u>: سورہ سبا کی آیات ۱۵ تا ۱۹ میں مُلکِ سبا کا ذکر ہوا ہے جو عرب کے جنوب میں اب علاقہ یمن کہلاتا ہے۔ وہ کسی زمانے میں نہایت سرسبز' شاداب اور زرخیز خطہ تھا۔ سبا میں مارب جو صنعاء سے ساٹھ میل مشرق میں ہے' سطحِ سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ بلند ہے۔ اہلِ سبا نے مارب کے قریب ایک وادی میں بڑا زبردست بند (ڈیم) سدِّ مارب کے نام سے تعمیر کیا ہوا تھا۔ "اہل سبا کے دوسرے رفاہِ عامہ کے کاموں کے علاوہ انجینیرنگ کا یہ شاہکار ڈیم اس بات کا مظہر ہے کہ سبائی معاشرہ امن پسند معاشرہ تھا اور وہ نہ صرف تجارتی طور پر ترقی یافتہ تھا بلکہ تکنیکی مہارت میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ الاصفہانی نے سدِّ مارب کے ٹوٹنے کے المیہ کا زمانہ چار سو سال قبل از اسلام بتایا ہے لیکن

یاقوت حموی نے اس المیہ کا زمانہ اہلِ حبشہ کا زمانہ حکومت بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔۔۔۔قرآن میں مارب سے متعلق جس المیہ کا ذکر ہے اُس کا زمانہ ۵۴۲ قبل مسیح کے بعد اور ۵۷۰ قبل مسیح سے پہلے کا ہے۔ ("The Near East in History" --- P. K. Hitti, pp. 55, 64) 1961 Edition.

اقوام ماضیہ کی تباہ کاریاں بیان کرنے میں قرآن مجید کا اصل مقصد یہ ہے کہ: اے حضرت انسان! چونکہ میں ہی تیرا خالق و مالک، روزی رساں اور محافظ ہوں اور تیرے رگ و پے میں جاری سانس میرے ہی حکم کی رہینِ منت ہے، اس لئے تجھے چاہئے کہ تو صرف میرا ہی بندہ بن کر رہے۔ تیری تمام تر عبادت اور تیرا تمام تر جھکنا صرف اور صرف میرے ہی آگے ہونا چاہئے۔ اگر اس منطقی اصول کی پابندی بہ خلوصِ دل اور کماحقہٗ طور پر تو نے کر لی تو پھر تیرا خالق و مالک تجھ پر اپنی رحمت و عنایت کے چشمے ارض و سماء سے ارزاں کر دے گا اور تیری یہ دنیا بھی اور آخرت بھی رشکِ جناں بن جائے گی۔''

قرآنی نظریہِ تاریخ بمقابلہ جدید فلسفہ ہائے تاریخ: تلخیص ("The Qur'anic Concept of History"... Mazheruddin Siddiqi, pp. 197-225)

''یہاں تاریخ کے کچھ جدید فلسفوں کا تنقیدی مطالعہ اور اُن کا قرآنی نظریہ تاریخ کے ساتھ تقابل کی بحث بہتر رہے گی تاکہ دونوں نظریات کے درمیان فرق قائم ہو سکے۔ اِن فلسفہ ہائے تاریخ میں نمایاں کارل مارکس، سپینگلر اور ٹائن بی کے نظریات ہیں اور انہی کو زیر بحث لانے کے لئے یہاں منتخب کیا گیا ہے :-

''کارل مارکس : کارل مارکس کے نزدیک انسانی فیصلے اختیار اور آزادانہ رائے سے نہیں کئے جاتے بلکہ لوگ بیشتر طور پر طبقاتی مفادات کے زیر اثر ہوتے ہیں لہٰذا حیاتِ معاشرہ سے متعلق اُن کے فیصلے لازمی طور پر اُن کے طبقاتی شعور کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر انسانی معاملات میں غیر شعور کا شعبہ یعنی اندھے جذبات کا شعبہ غالب قوت ہوتی ہے اور انسانی فطرت میں غیر معقول عنصر مکمل طور پر معقول عنصر پر چھا جاتا ہے۔''

''یہ مارکسی نظریہ قرآن مجید کے نظریہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید کی رُو سے لوگ اپنے ''حقیقی مفادات'' اور غیر حقیقی مفادات میں امتیاز و فرق کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ بالخصوص گہری بصیرت اور بلند اخلاق کے حامل لوگ اُس کھچاؤ پر غلبہ پا لیتے ہیں جو مفادات نے اُن پر روا رکھا ہوتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ O (الاعراف: ۲۰۱)

''یقیناً جب متقی لوگوں کو جب کوئی شیطانی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں جس سے یکایک اُنہیں سوجھ آ جاتی ہے۔'' (۷ : ۲۰۱)

یہ اِنہی اللہ کا خوف رکھنے والوں کی بدولت اور اُن کی بدولت جنہیں قلبی بصیرت اور علم سے نوازا گیا ہے ہو' اپنے اور اپنے اَبنائے جنس کے حقیقی مفادات کو جانتے ہیں' قوموں کی تقدیر کی تشکیل ہوتی ہے اور اُنہی نے اِقدامات کی بدولت تاریخ کا دھارا بنتا ہے۔

قرآن کا مذکورہ بالا نظریہ کارل مارکس کے پرولتاری (عوام سے متعلق) نظریے کا رَدّ کرتا ہے جس کے مطابق عوامی اکثریت تاریخ کے دھارے کی تشکیل کرتی ہے۔

جیسا کہ مارکسی نظریہ کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ لوگ لالچی' حاسد اور طاقت و منصب کے بھوکے ہوتے ہیں' اس وجہ سے نہیں کہ یہ مفسدات انسانی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ رائج الوقت معاشرتی نظام کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ''انسانی فطرت'' دراصل معاشرتی اقتصادی نظام کا پرتو ہے جو انسانی ذہن پر حکمران ہے۔

تاریخی حقائق انسانی فطرت کے مارکسی نظریہ کو جھٹلاتے ہیں۔ زمانۂ قدیم سے انسان شہنشاہیتوں' اُمرائے شاہی' جمہوریتوں' جاگیرداری نظاموں' سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت نظاموں اور مختلف سیاسی و اقتصادی نظاموں کے تحت رہتا آیا ہے۔ غلامی کی بنیاد پر قائم شدہ نظام کے تحت بھی وہ رہا ہے۔ تاہم ان معاشرتی سیاسی حالات میں انسانی فطرت نے خاصی یگانگت کا مظاہرہ کیا ہے اور اِس فطرت کی یکسانیت کو تاریخ کے مختلف ادوار میں اور مذکورہ بالا مختلف سیاسی اور اقتصادی نظاموں کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے ہر معاشرتی نظام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنی اندرونی فطرت کو بدل سکتے ہوتے تو تاریخ مکمل طور پر نا قابلِ فہم ہوتی۔ انسانی فطرت میں ودیعت شدہ خیر اور شر کا انکار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا (الشّمس : ۸)

''اللہ نے اُس کی بدکاری اور اُس کی پرہیزگاری کا اُسے القاء کیا۔'' (۸ : ۹۱)

تعلیم و ترغیب' ذاتی مثال اور صحتمند معاشرتی' سیاسی نظاموں کو پیدا کرنے کے ذریعے انسان میں خیر کے اندرونی جذبے کو باہر لا کر اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن لالچ' حسد' طاقت کی غیر صحتمندانہ آرزو اور جنسی لذّات کی محبت کی خام قوّتیں کسی مصلح یا انقلابی کی راہ میں سنگِ گراں ہوتی ہیں۔ اِن شیطانی قوّتوں کو کنٹرول کرنے کے لئے دائمی مستعدی اور اُن کے خلاف مسلسل جنگ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

(۱) وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (الانفال : ۳۹)

''اور ان (شیطانی قوّتوں) سے لڑو یہاں تک کہ فسادِ (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے (خالص) ہو جائے۔'' (۳۹ : ۸)

(۲) وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ (اَلْحج : ۷۸)

''اور اللہ کی راہ میں کوشش کرتے رہو جو اُس کی کوشش کا حق ہے۔'' (۷۸ : ۲۲)

قرآن کا نظریہ تاریخ انسانی فطرت کو گہرائی سے سمجھنے پر مبنی ہے جبکہ مارکسی نظریہ انسانی فطرت کے تمام تر معاملے کو موقوف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تاریخ کے عمل سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ اِسی وجہ سے قرآن مجید میں پیش کیا گیا نظریہ تاریخ حقائقِ حیات پر ٹھیک ٹھیک صادق آتا ہے۔ قرآن ہمیں انبیاء و رُسل کی زبانی یہ بتاتا ہے کہ کس قسم کی اخلاقی تعلیمات، عقائد اور معاشرتی، اقتصادی اَقدار سماجی تنزلی کے عمل کو روکتی ہیں اور ایک معاشرے کو کیسے مادّی اور روحانی طاقت سے بہرہ ور کرتی ہیں۔

سپینگلر (Spengler): اپنی کتاب "The Decline of the West" کے صفحہ 118 پر (جس کا ترجمہ سی ایف اٹکنسن نے ۱۹۵۴ میں لندن سے کیا) سپینگلر نے تاریخ کی ایک بنیادی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ تاریخ پر ''نظریہ تقدیر'' حکمران ہے لیکن اُس نے علت و معلول (سبب و نتائج کا باہمی ربط Causality) کو تاریخ سے خارج کر دیا ہے، اس حقیقت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہ علت و معلول کا سلسلہ تاریخ میں اور بالخصوص اخلاقی ضابطے میں بہت زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو بڑے ہی تاکیدی انداز میں قرآن نے یوں پیش کیا ہے:

(۱) اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (هُود : ۱۱۴)
''کوئی شک نہیں کہ نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔'' (۱۱ : ۱۱۴)

یعنی ''طاعت کے انوار سے معصیت (گناہ) کی ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں اور طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت کمزور پڑ جاتا ہے، اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب و غریب شق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حَسَنۃ بجائے خود تو خیر اور نیکی ہے ہی، وہ بدی کو مٹانے کا بھی ایک خاصہ رکھتی ہے۔ نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے! اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانونِ رحم و کرم کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا۔'' (ماجدی اردو، ص ۴۸۲)

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرَّعْد : ۱۱)
''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے۔'' (۱۳ : ۱۱)

یہاں یہ قانون بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو عدلِ مطلق ہے، اُس کی طرف سے کسی ظلم و زیادتی کا امکان ہی نہیں۔ وہ جب کسی قوم کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں ہی لیتا ہے۔ کسی خستہ حال قوم یا فرد کو بلاوجہ خوشحال نہیں بنا دیا جاتا بلکہ پہلے اُسے اپنی مذموم خصلتیں چھوڑنا پڑتی ہیں اور خصائلِ حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرنا پڑتا ہے، تب اُس کی حالت بدلی جاتی ہے۔

قرآن کا پیش کردہ یہ قانون، نظریہ جبریہ (Determinism) کی نفی کرتا ہے، اور انسان کی آزادیٔ عمل کا

اِثبات کرتا ہے۔ اس قانون میں اس بات کا اعلان ہے کہ انسان علّت و معلول کے زیر دست نہیں۔ قرآن مجید بتا کید کہتا ہے کہ ہر عمل کا ایک مربوط اثر ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جب ایک قوم اس بات کا یقین کر لیتی ہے کہ اُس کا ایک مشن ہے جس کی اُس نے تکمیل کرنی ہے یا بہ الفاظِ دیگر جب وہ تقدیر پر یقین کر لیتی ہے تو وہ علّت و معلول کے قانون کو توڑ دیتی ہے اور اُس کے زیر دست ہونے کی بجائے وہ اِس قانون کو اپنے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیتی ہے۔

تاہم سپینگلر میں نظریہ تقدیر کا ایک پہلو ایسا ہے جس سے قرآن کا نظریہ حیات متفق نہیں ہے۔ سپینگلر وحدتِ انسانی اور انسان میں ایک مشترک روح کی موجودگی کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان میں ایک ہی مشترک روح جاری و ساری ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل آیت میں بالکل واضح کر دیا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء: ۱)

''لوگو! اپنے پالنہار سے ڈرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔'' (۴ : ۱)

سپرینگلر نے فریب کاری اور بے ثمری کو آزاد خیال باشندے کی طرف منسوب کیا ہے جو عدم معتمد ہونے پر مجبور ہے کیونکہ اُس کا لذّتیت (Hedonism) پر مبنی طرزِ زندگی اُسے تمام فریب کاریوں کے اپنانے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے اَبنائے جنس کی فلاح و بہبود کا کبھی سوچتا بھی ہے تو یہ اُس کے اپنے وقت' قوت اور اپنی جیب پر بوجھ ڈالنے پر ہی ہوگا جنہیں وہ دوسروں کی خوشیوں کی بجائے اپنی ذاتی لذّتوں کے حصول میں ہی صَرف کرے گا۔ اس طرح ہم اُس مخصوص بیان کی طرف آتے ہیں جسے قرآن نے ''اِسراف'' کہا ہے یعنی آرام و آسائش کی محبت اور زندگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اور حظ اندوز ہونا۔ وہ تمام کچھ جو سپینگلر نے آزاد خیال باشندے کی بابت کہا ہے' اُسے قرآن مجید نے مختصر مگر جامع انداز میں اُن تمام آیات میں بیان کر دیا ہے جن میں مُتْرَفِین (آرام و آسائش اور لذّتوں کے محبتی) کی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا:

(۱) وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا O

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس (بستی) کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں' مگر وہ اُس میں (اُلٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں' تو اُن پر حجت واجب ہو جاتی ہے (یعنی فرمانِ عذاب واجب ہو جاتا ہے)' پھر ہم اُس (بستی) کو غارت کر ڈالتے ہیں۔'' [بنی اسرائیل (۱۷) ۱۶ :۱۷]

(۲) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ O لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ O (المؤمنون: ۶۴' ۶۵)

''یہاں تک کہ جب ہم اُن کے خوشحال لوگوں کی گرفتِ (اُخروی) کریں گے تو وہ فوراً چلا اُٹھیں گے۔ اب چلاؤ مت' ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی۔'' (۶۴' ۶۵ : ۲۳)

سامراجی نظام ☆ اور توسیع پسندانہ نظام (Imperialism & Expansionism): سپرینگلر اِن دونوں نظاموں میں کوئی فرق قائم نہیں کرتا۔ ضروری نہیں کہ توسیع پسندانہ نظام سامراجی ہو۔ سامراجی نظام جنگ اور تشدد پر پلتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اُس کے پاس یہی بڑا ذریعہ ہے جبکہ توسیع پسندانہ نظام اپنے اَقداری نظام کی تشہیر پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔ توسیع پسندانہ نظام اپنے اصول ونظریات کی پُرامن ترویج کا قائل ہے جبکہ سامراجی نظام وحشیانہ قوّت پر یقین رکھتا ہے۔ لہٰذا توسیع پسندانہ نظام کے تحت لڑی گئی تمام جنگیں سامراجی اور تشدد کی جنگیں نہیں تھیں۔ یہ بات بالخصوص اُن جنگوں کے بارے میں صادق آتی ہے جو اخلاقی اقدار کے تحفظ کی خاطر لڑی گئیں۔ ابتدائی زمانے کی اسلام کی جنگیں جن میں شام اور فارس کے ممالک فتح ہوئے' خالصتاً حِکمیاتی اور فکریاتی تھیں جن میں حِکمیاتی طبقات کی جانب سے عسکری قوّت کو مدافعانہ ذریعہ کے طور پر استعمال کیا گیا جبکہ اس کے برعکس فریقِ مخالف کا اِقدام جارحانہ تھا۔

ٹائن بی (Toynbee) : فلسفہِ تاریخ سے متعلق ٹائن بی کا بنیادی خیال وہ کردار ہے جو تخلیقی صلاحیّت رکھنے والی قیادت ادا کرتی ہے۔ ("A Study of History"... Arnold Toynbee, Vol. 6, pp. 175, 176)
ٹائن بی کے نزدیک ترقی پذیر سماج اور اَبتر سماج کے درمیان وہ فرق نہیں ہے جو تخلیقی صلاحیتوں کے ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہوتا ہے (ایضاً)۔ ٹائن بی کے نزدیک ترقی پذیر تہذیب میں تخلیقی صلاحیت رکھنے والے قائد کا کردار ایک فاتح کا کردار ہوتا ہے جس کا ہر چیلنج کا جواب فاتحانہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک اَبتر معاشرہ میں تخلیقی صلاحیت رکھنے والے اُسی قائد کو نجات دہندہ کا کردار ادا کرنا پڑتا ہے جو اُس سماج کو بچانے کا اِقدام کرتا ہے جس میں چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی (ایضاً صفحہ ۱۷۷)۔

قرآن کا نظریہِ تاریخ دورِ جدید کے فلسفہ ہائے تاریخ سے کہیں بلند و بالا ہے کیونکہ قرآن مجید نے زندگی کے تمام گوشوں کا پیغمبروں کے اُن واقعات میں احاطہ کرلیا ہے جن میں اُنہیں اپنی قوم کے سرداروں سے نمٹنا پڑا تھا۔ مثلاً سردارانِ قوم کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب نوح علیہ السلام نے یوں دیا:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ '' وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (هُود : ۳۱)

"اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور (نہ یہ کہتا ہوں کہ) میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور (نہ میں یہ کہتا ہوں کہ) میں فرشتہ ہوں اور نہ میں اُن لوگوں کے لئے کہتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ اُنہیں اللہ بھلائی دے گا ہی نہیں۔ جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے' اللہ ہی خوب جانتا ہے'' (۱۱:۳۱)

یہاں نوح علیہ السلام اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہ کا ازالہ فرمارہے ہیں۔ آیت میں ہر دو فریقین کے فیصلہ کے معیار کو بیان کیا گیا ہے۔ نوح علیہ السلام کا رویّہ اپنے مشن کی صداقت پر ایمان کے ساتھ ساتھ عاجزی اور فروتنی

☆ محکوم ممالک پر اقتدار حاصل کرنے اور اپنی عملداری' اثر ونفوذ کو بڑھانے کی پالیسی۔

کا تھا جبکہ اُن کے مخالفین کسی ایسے روحانی قائد پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے جو بلند و بانگ دعوے نہ کرتا ہو۔ اُن کی نگاہ پیغام کے مشمولات اور مافیہ پر نہیں تھی بلکہ اُنہوں نے پیغمبرِ وقت کو اُن کے پیروؤں کے معاشرتی مقام کی رُو سے پرکھا جن سے وہ اُن کی غربت کے باعث نفرت کرتے تھے۔ اُن کا خیال یہ بھی تھا کہ اللہ اپنے انعامات معاشرہ کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والوں پر نہیں کرتا۔ اس کے برعکس نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ انعاماتِ الٰہیہ سماج کے کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہیں اور کسی کو اُس کے معاشرتی مقام کی رُو سے نہیں بلکہ اُس کے عقائد اور رویّہ کی رُو سے پرکھنا چاہئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروکار اخلاقی اقدار کے ایک مختلف نظام کے زیرِ اثر تھے جبکہ اُن کے مخالفین کے اخلاقی معیار تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانے کے اہل ہی نہیں تھے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں شعیب علیہ السلام کی وہ مختصر گفتگو بھی درج ہے جو آپ نے اپنی قوم سے کی اور جو مسائلِ حیات سے متعلق اُن کی قوم کی رسائی پر روشنی ڈالتی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ (هُود: ۸۵ تا ۸۸)

"اور اے میری قوم! ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ تمہارے حق میں اللہ کے دئے میں سے بچا ہوا کہیں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو ہوں نہیں۔ وہ بولے: اے شعیب! کیا یہ تمہاری نماز تمہیں (یہی) تعلیم دیتی ہے کہ ہم اُنہیں چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں، نہ تصرّف کریں (وہ ازراہِ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا، نیک چلن رہ گئے ہو۔ شعیب بولے: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے پالنہار کی جانب سے روشن دلیل پر قائم ہوں اور اُس نے مجھے اپنے پاس سے عمدہ روزی عطا کی ہو اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف اُن کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں، میں تو بس اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کرسکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوئی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، اُسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" (۱۱ : ۸۵تا۸۸)

یہ آیات اُن عوامل پر روشنی ڈالتی ہیں جو اُس قوم کی تخلیقی صلاحیت کو کھوکھلا کر رہے تھے جس میں شعیب علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ اخلاقی طور پر وہ لوگ بگڑ چکے تھے اور اپنے ہی اَبنائے جنس کی قیمت پر ناجائز منافع خوری کے عادی ہو چکے تھے۔ تعمیری اور اصلاحی کام کرنے کی بجائے وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ

کمانے کی غرض سے وہ لوگوں کا حق مارنے کے عادی بن گئے تھے۔ مال و دولت کے نظریہ کے معاملہ میں وہ غلط فہمی کا شکار تھے۔ اُن کا اس بات پر ایمان و یقین ہی نہ تھا کہ ملکیتِ جائداد کے حقوق اور حقوقِ مالکانہ سماجی بہبود کا خیال ولحاظ رکھنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حضور اپنی جوابدہی کے متعلق بھی اُن کا کوئی نظریہ نہیں تھا اور اس چیز نے اُنھیں بے مہار، لا قانون اور غیر منظم قوم بنا دیا تھا۔ چونکہ تخلیقی صلاحیت قوم کے روحانی رویّوں کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اس لئے یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید اُن عوامل کے متعلق بہت کچھ کہتا ہے جو تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اس کے برعکس ٹائن بی تخلیقی صلاحیت کے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر ہمیں یہ بتلائے بغیر کرتا ہے کہ کون سی اخلاقی خصوصیات اور روحانی رویّے لوگوں کو تخلیق کار بناتے ہیں یا تخلیق کاری کے فقدان پر منتج ہوتے ہیں۔

قرآن کے نظریہ تاریخ کے کچھ نمایاں پہلو

("The Qur'anic Concept of History"... Mazheruddin Siddiqi, pp. 1-44)

(الف) اقوامِ عالم کے معاملہ میں تاریخ کا طریقِ عمل جانبدارانہ ہے: قرآن مجید کسی ابہام کے بغیر واضح طور پر یہ اعلان کرتا ہے:

إِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ۝ (النّحل: ۱۲۸)

''بے شک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے جن میں خوف خدا ہوتا ہے اور اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو حسنِ سلوک کرتے رہتے ہیں۔'' (۱۶ : ۱۲۸)

تقویٰ میں احکامِ الٰہی کی مکمل تعمیل اور اُن کی عدم تعمیل میں اللہ کے عذاب کا خوف شامل ہے اور ''مکافاتِ عمل'' کا یہی قانون تاریخ کے طریقِ عمل پر حکمران ہے۔ اگر کسی معاشرے کو اس بات کا شعور ہے کہ اِس قانون میں نافذ العمل ہونے کی صلاحیت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اپنے ابنائے جنس اور اغیار کے ساتھ رویّہ خیر و بھلائی کا ہے تو اُسے مخالف قوّتوں کے خلاف اپنی کوشش میں الٰہی امداد پر اعتماد اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

(ب) غلط کاری فوز و فلاح اور خوشحالی میں معاون اور سازگار نہیں ہوتی: تاریخ کا طریقِ عمل غلط کاروں کے مقاصد کو شکست خوردہ کر دیتا ہے۔ اِس سلسلہ میں قرآن مجید کا اعلان بالکل واضح ہے:

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ (البقرة: ۱۲۴)

''اور (وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا اور اُنہوں نے وہ انجام دے دئے تو ارشاد ہوا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ آپ بولے: اور میری نسل سے بھی؟ فرمایا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا۔'' (۲:۱۲۴)

آیتِ مذکورہ میں لفظ عَھْد کی بابت امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیادت (اِمامت) ہے اور اس معنیٰ کی رُو سے امامت وقیادت کو پیغام بری (رسالت) کے مفہوم میں لیا گیا ہے جس میں ذیلی اشارہ اور جس کا ضمنی مفہوم (Implication) یہی ہے کہ نبوّت ورسالت کا منصبِ اعلیٰ غلط کاروں کو عطا نہیں کیا جائے گا۔ رازی کے نزدیک اگر عَھْد کا معنیٰ رحمت اور فضلِ الٰہی لیا جائے تو اس میں ذیلی اشارہ یہ ہوگا کہ غلط کاروں کے لئے اللہ کی رحمت وفضل کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ امام رازی کے نزدیک عَھْد کا ایک اور معنیٰ حکمِ الٰہی کا ہے۔ عَھْد کی جمع عُھُود ہے اور عُھُود سے مراد خلفاء کی طرف سے اپنے عاملوں (گورنروں) اور قاضیوں کو صادر شدہ احکامات ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ کے عہد سے مراد اُس کا حکم ہے تو پھر عَھْدِیْ سے غلط کار لوگ خارج ہوگئے اور اس میں دو ضمنی مفہوم ممکن ہوسکتے ہیں: اوّل تو یہ کہ اللہ تعالیٰ غلط کاروں کو طاقت وقوّت اور احکام صادر کرنے کے مناصب پر مقرر نہیں کیا کرتا' یا اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ غلط کاروں کو ایسے عہدے اور منصب دئے جانے کی اجازت ہی نہیں ہے جن پر وہ رہ کر احکاماتِ الٰہی وصول کر کے اُنہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ پہلی صورت سے مراد حاکم اور قاضی کا عام منصب ہے جبکہ دوسری صورت میں نبوّت ورسالت مراد ہے۔ لہٰذا آیت کا خلاصہ اور مغز یہ ہے کہ کمینے اور بدکاروں کو حاکم یا قائد (لیڈر) نہیں بنانا چاہئے اور اگر ایسے لوگوں کو (خلافِ ضابطہ) کوئی کلیدی اسامی دے بھی جائے تو اُن کا حکم نہیں ماننا چاہئے۔ اسی طرح اُن کی گواہی بھی قبول نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی اُن کی بتائی ہوئی کسی خبر پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اگر وہ کسی قانونی یا مذہبی مسئلے پر کوئی فیصلہ صادر کریں تو اسے بھی قبول نہیں کرنا چاہئے۔'' (''مفاتیح الغیب''۔۔امام فخر الدین رازی' جلد اوّل' صفحات ۴۳۷ تا ۴۸۶) قاہرہ (مصر) ۱۳۰۸ھ۔

(ج) تاریخی طریقِ عمل کا ترجیحی رُجحان (Selectivity): قرآن مجید گندی ذہنیت کے لوگوں اور اُن لوگوں کے درمیان حدّ فاصل قائم کرتا ہے جو اسلام کے قائم کردہ ضابطہِ اخلاق کو سماج میں پُر اثر طور پر نافذ کرنے کے لئے موزوں ہیں۔ قرآن مجید نے اس اصول کو ہمارے روزمرّہ مشاہدے کی مثال دے کر اس آیت میں خلاصۃً اور مختصراً بیان کر دیا ہے:۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرّعد: ۱۷)

''اُس نے آسمان سے پانی اتارا جس سے ندیاں اپنے اپنے اندازکے مطابق بہنے لگیں پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا اور جن چیزوں کو زیور بنانے کے لئے یا دیگر سامان بنانے کے لئے آگ کے اندر تپاتے ہیں' اُن میں ویسا ہی جھاگ اُٹھتا ہے' اللہ تعالیٰ حق وباطل کی اسی طرح مثال بیان فرماتا ہے' پس (بیکار) جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے نفع بخش ہے' وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔'' (۱۷ : ۱۳)

مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لئے اصل چیز کے اوپر نظر آتا ہے لیکن آخر کار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے' اس طرح گو باطل چند روز کے لئے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے اور حق باقی وثابت رہتا ہے۔ اصول یہ بیان ہوا کہ جس چیز سے ہماری مخلوق کو فائدہ پہنچے گا اور جو بزمِ ہستی کی رونق میں افزائش کا باعث ہوگی' اُسے ہم باقی رکھیں گے اور افادیت سے خالی چیز کو فنا کر دیں گے۔

۱۸۲۷ (تاریخ نگاری ۔۔۔Historiography)

یہاں قرآن مجید تاریخ کے طریقِ عمل کے اُس پہلو پر روشنی ڈال رہا ہے جس کا تعلق حق وصداقت کی قدر سے ہے۔حق وصداقت میں ودیعت کی گئی محفوظ ومضبوط قوت اور باطل کی عارضی اور ناپائیدار قوت ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔باطل بالآخر ایسے ہی گم ہو جاتا ہے جیسے پانی پر سے جھاگ گم ہوتا ہے لیکن حق وصداقت تاریخ کے دھارے پر مسلسل اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔پس تاریخ کے طریقِ عمل میں ترجیحی رُجحان کا ہونا اس مفہوم میں ہے کہ وہ نوعِ انسان کے لئے مفید چیز کو باقی رکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو فنا کر دیتا ہے۔

فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت مذکورہ میں بیان کردہ ''پانی'' سے مراد آسمان سے اتارا گیا قرآن مجید ہے۔مذکورہ ندیوں نالوں سے مراد لوگوں کے قلوب واَذہان ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دل کا موازنہ ندیوں سے کیا ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جو قرآنی علوم سے حاصل شدہ روشنی کو محفوظ رکھتا ہے جس طرح ندی نالے آسمان سے نازل شدہ پانی کو محفوظ رکھتے ہیں۔اسی طرح ہر دل اپنی پاکیزگی' پارسائی اور چیزوں کو سمجھنے کی اہلیت کے تناسب سے قرآنی علوم سے پیدا شدہ نور کو محفوظ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تاریخ کا طریقِ عمل بذاتِ خود ایک اخلاقی توسط ہے جس کے ذریعے سے اَخلاق و کردار میں اعلیٰ تر عناصر بلندیوں کو حاصل کر لیتے ہیں ور اخلاق و کردار میں ادنیٰ تر لوگ نیچے تہہ میں ڈوب جاتے ہیں۔اس طرح بلاخوف وخطر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ کے طریقِ عمل میں ترجیحی رُجحان موجود ہے۔اِسی حقیقت کو قرآن مجید نے ایک اور آیت (۲۱ : ۴۵) میں یوں پیش کیا ہے :۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ O (الجاثیة : ۲۱)

''کیا جو لوگ بُرے کام کر رہے ہیں' اس خیال میں ہیں کہ ہم اُنہیں اُن جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ اُن کی زندگی اور موت یکساں ہی رکھیں' سو یہ لوگ کتنا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں!''

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشروں کی معاشرتی' اقتصادی اور فکریاتی ساخت' سماج سماج کے مابین فرق قائم کرتی ہے۔ایک بدعنوان سماج کو تاریخی ارتقاء کے طریقِ عمل میں اس طرح نہیں پرکھنا چاہئے جس طرح اُس سماج کو پرکھا جاتا ہے جسے صحتمندانہ عقائد اور خیر وفلاح کی استعداد بخشی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ اخلاقی لحاظ سے غیر جانبدار نہیں ہے اور وہ صحتمند اور غیر صحتمند سماج میں نمایاں فرق رَوا رکھتی ہے۔

نیکی اور خیر وفلاح کی زندگی جو صحتمندانہ عقیدے کی پیداوار ہوتی ہے' کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی قوت کی بھی لازماً مالک ہوتی ہے اور اس حقیقت کو قرآن مجید نے کچھ مقامات پر دُہرایا بھی ہے' مثلاً:

(ا) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ O (الانبیاء:۱۰۵)

''اور ہم نے لوحِ محفوظ میں لکھنے کے بعد کتبِ آسمانی میں لکھ رکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔'' (۱۰۵ : ۲۱)

(۲) وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (النور : ۵۵)

''تم میں سے جولوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' اُن سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ اُنہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ اُن سے پہلے لوگوں کو حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو اُن کے لئے پسند کیا ہے اُسے اُن کے واسطہ سے قوت دے گا اور اُن کے خوف کے بعد اُسے امن میں تبدیل کر دے گا (بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔'' (۵۵ : ۲۴)

اِن دونوں آیات کا ٹھیک ٹھیک اطلاق ایک سماج کی اجتماعی زندگی پر ہوتا ہے کیونکہ اللہ عزّ وجلّ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کچھ افراد کو اُن کی نیکی اور راستی کے نتیجہ میں اثر و رسوخ اور اختیارات کے عہدوں پر فائز فرمائے گا۔ اپنی اخلاقی نیکیوں کے باوجود افراد گم نام اور غیر مؤثر بھی تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب ایک معاشرتی گروہ صحیح عقیدے کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ خیر و فلاح اور نیکی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو وہ اپنے اندر انفرادی خوبیوں کے علاوہ اعلیٰ درجے کی معاشرتی خوبیوں کا بھی اضافہ کر لیتا ہے۔ صحیح عقیدے کے حامل اور اپنی اجتماعی شخصیت سے قوت پائے ہوئے گروہ کو دوسرے اُن گروہوں سے برسرِ پیکار ہونا پڑتا ہے جن میں مذہبی لحاظ سے اجتماعی چسپیدگی' باہمی جماؤ اور اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی خوبیوں کا فقدان ہوتا ہے۔ اس خلفشار کا نتیجہ ہمیشہ کم نیک معاشرتی گروہ کے بکھرنے اور اُس کے سقوط میں اور عقیدہ میں پختہ کار اور اجتماعی قوت کے حامل گروہ کے برسرِ اقتدار آنے کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہی تاریخ کا وہ طریقِ عمل ہے جس کا مندرجہ بالا دونوں آیاتِ قرآنی میں حوالہ دیا گیا ہے۔

(د) تاریخی تغیّر میں عاملِ وقت : قرآن مجید میں بیان شدہ تاریخی واقعات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تاریخی تغیرات (تبدیلیاں) یکایک اور فی الفور وقوع پذیر نہیں ہوتے بلکہ وہ بتدریج اور نامحسوس طور پر واقع ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کا اجتماع بہت سُست روی سے ہوتا ہے جس کا نتیجہ اچھے خاصے وقت کے بعد ایک بڑی تبدیلی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں قرآن کی آیات (۱۸۳'۱۸۲:۷) واضح ہیں:۔

(۱) وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ○ وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ'' ○ (الاعراف : ۱۸۲' ۱۸۳)

''اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں' ہم اُنہیں رفتہ رفتہ پستی میں اس طرح گرا دیں گے کہ اُنہیں خبر ہی نہیں ہو گی۔ میں اُنہیں مہلت دیتا رہتا ہوں' بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہوتی ہے۔''

(۲) وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَۃِ لَوْیُؤَاخِذُھُمْ بِمَا کَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَھُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّھُمْ مَّوْعِدٌ'' لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِہٖ مَوْئِلًا○ (الکھف : ۵۸)

''اور (اے محبوبِ مکرّم!) آپ کا رب بڑا ہی مغفرت کرنے والا' بڑا ہی رحمت والا ہے' وہ اگر اُن کی گرفت اُن کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو اُن پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اُس نے اُن کے واسطے ایک معیّن وقت ٹھہرا رکھا ہے' وہ اُس وقت اُس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے۔'' (۵۸ : ۱۸)

چونکہ معاشرتی اور اخلاقی اسباب کو اثرات پیدا کرنے میں خاصا طویل وقت لگتا ہے' اس لئے مندرجہ بالا آیات میں وقت کے طریقِ عمل میں ایک خاص قسم کی فطرت پر زور دیا گیا ہے۔ کوئی چیز اپنے وقتِ معیّن سے پہلے وقوع پذیر نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ بدکاروں کو اپنی اصلاح کرنے اور اپنی غلط کاریوں کو حسنِ عمل میں بدلنے کے لئے خاصا وقت اور موقع دیتا ہے۔ اس تاخیر اور مہلت کے پسِ پردہ کارفرما الٰہی حکمت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ O (اَلنَّحل : ۶۱)

"اور اگر اللہ لوگوں پر اُن کی زیادتی کے سبب (فوراً) گرفت کر لیتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والا جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ اُنہیں ایک میعادِ معیّن تک مہلت دیتا ہے پھر جب اُن کی وہ میعاد آجاتی ہے تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔" (۶۱ : ۱۶)

اِس مہلت کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص اللہ کی ہمہ وقت چوکس نگاہ سے بچ جائے گا۔ تمام لوگوں سے سلوک اُن کے اعمال کے مطابق ایسے انصاف کے ساتھ ہوگا جس میں رحم و کرم کی بھی آمیزش ہوگی۔ اگر لوگ اس عرصہ مہلت میں اپنی اصلاح کرلیں اور اپنی بدعملیوں کو حُسنِ عمل سے بدل لیں تو زمانہ ماضی میں کی گئی غلطیوں کو مسترد کر دیا جائے گا اور سماج اپنی کھوئی ہوئی قوّت اور یک جہتی کو دوبارہ حاصل کر لے گا۔ ہاں اگر وہ اپنی بدعملیوں پر قائم رہیں اور الٰہی تنبیہات کی طرف توجہ نہ دیں تو اُن کی بدعملیوں کے اثرات ونتائج کو قوّت ملنا شروع ہوجاتی ہے یہاں تک کہ بالآخر وہ کسی نتائج کسی معاشرتی لرزہ یا سیاسی شکست کی شکل میں پھوٹ پڑتے ہیں جس سے سماج کی بنیادیں تھرتھرا جاتی ہیں اور اخلاق باختہ' بدچلن لوگوں صفحۂ ہستی سے معدوم کردئے جاتے ہیں۔ یہ گویا عاملِ وقت ہی ہے جو انسانی سماج پر اثرانداز ہوتا ہے اور اُس کی تشکیل کرتا ہے۔

(ذ) <u>تاریخی تغیّر کا لگا بندھا عمل (میکانیت)</u> : وہ عوامل جن کے ذریعے تاریخی تغیّرات اثر پذیر ہوتے ہیں' اُن کی وضاحت قرآن مجید میں کردی گئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی تاریخی تغیّر واقع ہونے کو ہوتا ہے تو یہ دوگروہوں یا دوقوّتوں کے مابین آویزش سے آتا ہے جن میں سے ایک فریق دوسرے فریق کو قوّت و اختیار کے منصب سے ہٹا کر کامیاب ہوتا ہے اور یہ اثرانداز ہونے والی آویزشیں اور تاریخی تغیّرات انسانوں کی روحانی بالیدگی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرة: ۲۵۱)

"اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہوجاتا۔" (۲۵۱ : ۲)

یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں' وہ یونہی بلا مصلحت وضرورت "گردشِ گردوں" سے نہیں ہوجایا کرتے بلکہ ہمیشہ با مقصد و پُرحکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور اُن

سے ظلم وعصیان وطغیان کی اصلاح مدّ نظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالمِ اسباب میں مشیّتِ الٰہی جو کام بھی لیتی ہے، بندوں ہی کے واسطے اور ذریعے سے لیتی ہے۔

ایک اور طریقہ جس میں تاریخی تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں، وہ اُس اقلیّت کی طرف سے راہِ بغاوت ہے جس کے افراد کو عرصہ دراز تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا ہو اور وہ ظلم و جبر اور ہر قسم کے تشدد کی چکی میں پستے رہے ہوں۔ اس اصول کو قرآن مجید نے بنو اسرائیل کے مصر سے خروج کے سلسلہ میں بیان کیا ہے جہاں وہ مُدّتِ مدیدہ سے فرعون کی ظالمانہ و جابرانہ حکمرانی میں رہ رہے تھے، چنانچہ فرمایا :

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ O وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ O (القصص: ۵، ۶)

''اور ہمیں یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کو ملکِ (مصر) میں کمزور بنا دیا گیا تھا، ہم اُن پر احسان کریں اور اُنہیں پیشوا بنائیں اور اُنہیں (زمین کا) مالک بنائیں اور ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے تابعین کو اُن میں وہ کچھ دکھا دیں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے۔'' (۵، ۶ : ۲۸)

یعنی ہماری مشیّت میں یہ تھا کہ ہم اُنہیں دُنیوی و دینی عروج دے کر رہیں۔ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً کا ظہور دینی پیشوائی میں یوں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پر صحیفہِ آسمانی نازل ہوا، شریعتِ الٰہی اِسی قوم پر اتری اور اس میں انبیاء علیہم السلام برابر پیدا ہوتے رہے۔ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ اس مشیّت کا ظہور یوں ہوا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی اور آگے چل کر اُنہیں شام و فلسطین کی حکومت بھی مل گئی۔ مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (جس سے وہ بچنا چاہتے تھے) سے مراد فرعونیوں کا زوالِ سلطنت اور ہلاکت ہے جس کا اُنہیں اندیشہ تھا اور یہی واقع ہو کر رہا۔

قدرتی طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمزور اور بے طاقت اقلیّت اپنی ظالم و جابر اکثریت کے مقابلے میں بالخصوص الٰہی طرفداری کی کیوں مورد بنتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی اقلیّت بہت زیادہ با اصول ہوتی ہے، مصائب و آلام سہنے کی عادی ہو چکی ہوتی ہے اور بدعنوانی سے دُور ہوتی ہے جبکہ متشدّد اکثریت طاقت کے ناجائز استعمال سے اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی ہوتی ہے۔ اُن آسائشات اور زندگی کی مسرّتوں، جو اُس کی اقتصادی برتری کا نتیجہ ہوتی ہیں، کا اثر جرأتِ جسمانی اور ذہنی مستعدی کو بے حس کر دینے والا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ اکثریتی طبقہ سیاسی اور اقتصادی برتری کے باوجود اُس جدّ وجہد کے مقابل نہیں ٹھہر سکتا جو اقلیتی طبقے کی جانب سے اُس پر ٹھونس دی گئی ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کی خود قرآن نے انبیائے سابقہ کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف جُہدِ مسلسل کے حوالے سے تائید کی ہے :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ O وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ وَعِيْدِ O وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ O (ابراھیم : ۱۳ تا ۱۵)

''اور کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں سے ہو جاؤ☆ پھر اُن رسولوں پر اُن کے پروردگار نے وحی نازل فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور بالضرور ہلاک کر کے رہیں گے اور اُن کے بعد تمہیں زمین پر ضرور بالضرور آباد کریں گے' یہ (وعدہ) ہر اُس شخص کے لئے ہے جو میرے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور میری تنبیہ سے ڈر رکھے اور اُنہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدّی نامراد ہوا۔'' (۱۳ تا ۱۵ : ۱۴)

(ر) تاریخ میں اخلاقی عوامل کا غلبہ : قرآن مجید کے نظریہ کے مطابق مادّی طاقت کے حصول یا عددی برتری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ طبقہ اخلاقی یا روحانی لحاظ سے دوسروں سے برتر ہے۔ مادّی ترقی اخلاقی اور روحانی ترقی سے مختلف ہوتی ہے اگرچہ یہ دونوں ترقیاں بہ یک وقت ایک ہی جگہ جمع ہوسکتی ہیں اور ایک دوسرے کی معاون ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے :

وَمَا اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ۝ وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ۝ (سبا : ۳۴، ۳۵)

''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر (تمہارے خیال میں) تمہیں بھیجا گیا ہے اور اُنہوں نے کہا ہم تو مال اور اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں اور ہمیں تو عذاب ہونا ہی نہیں۔'' (۳۴، ۳۵ : ۳۴)

یہی خوشحال طبقہ ہر ملک اور ہر دَور میں الٰہی تعلیمات سے انکار میں آگے آگے رہا ہے۔ وہ اپنے برسرِ حق ہونے اور اپنے مسلک کو حق بجانب قرار دینے میں اپنی کثرتِ آبادی اور مرفہ الحالی کو پیش کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ یونہی اقبال مند رہے گا۔ چنانچہ یہاں خوشحال منکرین کا طبقہ اپنے آخرت فراموش مسلکِ زندگی (آئیڈیالوجی) کے جواز میں اپنی کثرتِ آبادی اور اپنی قومی دولت کو پیش کر رہا ہے۔

قرآن مجید نے اُن کی اِس خوش فہمی اور دعوی کا رڈ اس سے اگلی آیت میں کیا ہے :

وَمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ۝ (سبا : ۳۷)

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کوئی بھی) ایسی چیز نہیں جو تمہیں کسی درجہ میں ہمارا مقرّب بنا دے مگر ہاں جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے' تو ایسے لوگوں کے لئے اُن کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا صلہ ہے اور وہ بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔'' (۳۷ : ۳۴)

☆اس کا ترجمہ ''ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آؤ یا واپس آجاؤ'' میں کرنا پیغمبر کے حق میں بہت بڑی گستاخی اور گناہِ کبیرہ ہے جو ''واپس آؤ'' کی عبارت میں پوشیدہ ہے۔ ہر پیغمبر روزِ ازل سے معصوم اور اپنے خالق کے حفظ وامان میں بایں معنیٰ ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اُس سے کوئی کام اپنی مشیّت کے خلاف ہونے ہی نہیں دیتا۔ اُن کی ذاتِ اقدس سے یہ گمان رکھنا کہ وہ (معاذ اللہ) پہلے کفر وشرک کی ملّت میں سے تھے اور بعدازاں کفار ومخالفین کی جانب سے اُنہیں واپس آنے کو کہا گیا' محض بدعقیدگی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا منصبِ رسالت کی اَفضلیت واَرفعیّت کے مدِّنظر ترجمہ وہی درست ہے جو اوپر کیا گیا۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام شرفِ قبول بخشے!

مندرجہ بالا ہر سہ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادّی اور روحانی ترقی دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں اور یہ بھی کہ روحانی دیوالیہ پن اُن لوگوں میں عام ہوتا ہے جو طویل عرصے تک مادّی اور سیاسی قوت کے مالک رہے ہوں۔ طاقت و دولت کی یہ لطف اندوزی اُن پر معقولیت اور مُنصفت (Equity) کی کسی بھی دلیل کو اثر انداز نہیں ہونے دیتی۔ اُنہیں اس بات کا قائل کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں اُس کا انجام بالآخر مادّی اور روحانی تباہی ہی ہے۔ اس نکتے سے سورہ آلِ عمران کی آیات ۱۹۶، ۱۹۷ میں پردہ اُٹھایا گیا ہے:۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِO مَتَاع" قَلِيْل" ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُO

'' کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ چندروزہ بہار ہے' پھر تو اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بُری آرام گاہ ہے!'' (۱۹۶، ۱۹۷ : ۳)

''یعنی اے مخاطب! اہلِ کفر کا دنیاوی لذّات سے بہرہ ور ہونا اور مادّی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ اُن کی حالت بھی قابلِ وقعت اور مستحقِ احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرفرازیوں سے اِن حظوظِ دُنیوای کو نسبت ہی کیا! حدیث نبوی میں ہے کہ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں اگر کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں اُنگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے، پھر دیکھے اُس میں کتنا پانی آیا ہے۔'' (ماجدی، ص ۱۷۳)

اس دلیل کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ القصص کی آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر اسرائیلی فرد تھا۔

(ز) سزا کے مختلف انداز: سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ میں قرآن مجید تین مختلف طریق ہائے عمل کی بات کرتا ہے جن میں لوگوں کو اپنی بدعملیوں کی سزا دی جاتی ہے:

قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الانعام : ۶۵)

''(اے نبی مکرّم!) فرما دیجئے کہ اللہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب مسلّط کر دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے آپس میں بھڑا دے اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے۔'' (۶۵ : ۶)

اوپر سے آنے والا عذاب جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں کی بھی کی گئی ہے۔ نیچے سے آنے والا عذاب زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مراد لئے گئے ہیں۔ اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًاوَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ عذابِ الٰہی کی تیسری قسم یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی

عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ دنیا کو اس کا تجربہ جنگِ عظیم دوم ختم ہونے کے بعد (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) میں بھی ہو رہا ہے۔ مفسّرین کے نزدیک ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذابِ تفرّقہ کا ذکر ہے، اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مؤمنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن محققین اس طرف گئے ہیں کہ یہ مؤمنین کے بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مؤمنوں کے لئے عام ہے۔ امام قرطبی اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے اور صحیح ہونا تو کیا معنی۔ یہ تو مشاہدہ میں آچکا، ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر متشدد ہوئے، آپس میں تلواریں چلیں، جانیں گئیں، مال لُٹا اور ایک نے دوسرے کی جان و مال کو حلال سمجھا۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص۲۹۴، نوٹ: ۹۸)

''عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اوپر کے عذاب سے مراد حکّام اور اُمراء کا ظلم و جور ہے اور نیچے کے عذاب سے مراد غلاموں اور معاشرہ میں کم تر حیثیت کے لوگوں پر تشدّد اور دست درازی ہے۔ گروہ کو گروہ سے بھڑا دینے سے مراد معاشرتی اور سیاسی اتحاد و یگانگت کو پارہ پارہ کر دینا ہے جس سے معاشرہ یک مُشت نہیں رہتا بلکہ وہ ناموافق اور بے آہنگ عناصر کا مجموعہ بن جاتا ہے جس میں سے ہر ایک دوسرے کا سخت دشمن ہوتا ہے۔''

''مولانا محمد علی ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ عذاب و سزا کی یہ تینوں قسمیں اسلام کے ابتدائی دَور میں مخالفینِ اسلام پر آئیں۔ اوپر سے عذاب مشہور جنگِ احزاب (خندق) میں کفارِ مکّہ پر آندھی کی شکل میں آیا جس سے کفارِ مکّہ کو دُم دبا کر بھاگ جانا پڑا۔ نیچے سے عذاب قحط کی شکل میں آیا جس سے اہلِ مکّہ سات سال تک سخت کرب و تکلیف میں رہے جبکہ اُنہیں مسلمانوں کے ہاتھوں اُن جنگوں میں کرب و اضطراب بھگتنا پڑا جس کی ابتدا اِنہی کفار نے کی تھی۔ مولانا یہ بھی لکھتے ہیں کہ دنیائے جدید بھی اُسی قسم کی سزائے الٰہی بھگت رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مغربی سرمایہ کاروں نے جنہیں پہلے مزدور طبقے پر بالا دستی حاصل تھی، اُن پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑ دیئے اور اب بالشوزم سرمایہ دار ممالک سے انتقام لے رہا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ تمام دنیا ایک مسلّح کیمپ میں بدل چکی ہے اور انسان کی انسان کے خلاف دست درازی اس حد تک پہنچ چکی ہے جس کے متعلق پہلے کبھی تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''مندرجہ بالا قرآنی آیت (۶:۶۵) کی تفسیر و توضیح ہمیں اس بنیادی حقیقت کی طرف لاتی ہے کہ قرآن مجید عدمِ اتحاد اور نااتفاقی کو اس کی ہر شکل میں سزا و عذاب ہی سمجھتا ہے جو لوگوں کو اُن کی اخلاقی غلط روی اور ناکامیوں کی بدولت مل کے رہتی ہے۔ یہ نااتفاقی معاشرتی افتراق کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں جہاں ایک طرف انتہائی غربت و مفلسی تو دوسری طرف بے قیاس دولتمندی زور پکڑتی ہے۔ یہ دو یا دو سے زیادہ ریاستوں یا سیاسی جماعتوں کے درمیان غیر مصالحتی سیاسی چپقلش کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے یا یہ ایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں کے درمیان عدمِ تحمّل اور عدمِ رواداری کی شکل میں بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔ اِن تمام صورتوں میں وہ تمام مسائل جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتے ہیں، بالآخر تشدّد کے ذریعے طے کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ معاشرتی مصیبت، ابتری، توڑ پھوڑ اور اقتصادی نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ لوگوں کی بدعملیوں پر عذابِ الٰہی ہے۔ اگر وہ نیک ہوتے

اور جذبہ انصاف اور دیانتداری سے معمور ہوتے اور دوسروں کے جذبات اور اُن کی فلاح و بہبود کا اُنہیں خیال ہوتا تو وہ اِن مصائب و آلام سے دوچار نہ ہوتے جو عدمِ اتحاد اور نااتفاقی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن خیر، نیکی، انصاف، نیک نامی اور اِس قسم کی دوسری خصوصیات کچھ اُن معتقدات اور اصولوں سے پھوٹتی ہیں جن کی تشکیل چند مثالی اور اعلیٰ ترین تصورات کے ساتھ تمسّک (چمٹے رہنے) سے ہوتی ہے۔ اس لئے انجام کار تجزیے میں تاریخی طریقِ عمل پر انسانی معتقدات اور اعلیٰ ترین اخلاقی تصوّرات سے والہانہ وابستگی اثرانداز ہوتے ہیں۔

سورۃ العنکبوت میں قرآن مجید سزا و عذاب کے مندرجہ ذیل چار طریقوں کا ذکر کرتا ہے جو لوگوں کی غلط کاریوں اور اپنے خالق کے خلاف باغیانہ رویّہ کے نتیجے میں اُن پر پڑ سکتی ہے:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ O (العنکبوت: ۴۰)

''سو ہم نے اُن میں سے ہر ایک کو اُن کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، سو اُن میں سے کسی پر تو ہم نے تند و تیز ہوا بھیجی اور اُن میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آ دبایا اور اُن میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور اُن میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا، اور اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا البتہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔'' (۲۹ : ۴۰)

حَاصِبٌ (بحوالہ سورۃ القمر: آیت ۱۹ ؛ سورۃ الحآقّۃ: ۶)۔ اَلصَّيْحَةُ (ہولناک آواز) کی سزا کی مَورِدِ قومِ ثمود (بحوالہ سورہ ھود: آیت ۶۷)، اہلِ مدین (بحوالہ سورہ ھود: آیت ۹۴) اور قومِ لوط (بحوالہ سورۃ الحجر: ۷۳) ہوئیں۔ ''زمین میں دھنسائے جانے'' کی سزا قارون (بحوالہ سورۃ القصص: ۸۱ ؛ سورۃ النّحل: ۴۵) کا مقدر بنی اور غرقِ آب فرعون، اُس کے ساتھی، ہامان اور حضرت نوح علیہ السلام کی رذیل نسلیں ہوئیں۔

سورۃ النّحل میں حسبِ ذیل چند اور اندازہائے عذاب کا ذکر ہوا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْيَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ O اَوْيَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ O اَوْيَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (النّحل: ۴۵ تا ۴۷)

''کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں، اس امر سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ اُنہیں زمین میں دھنسا دے، یا اُن پر عذاب ایسے موقع سے آ پڑے کہ اُنہیں گمان بھی نہ ہو، یا اُنہیں اُن کے چلتے پھرتے میں پکڑ لے 'سو یہ لوگ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' یا اُنہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے' بے شک تمہارا رب بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔'' (۴۵ تا ۴۷ : ۱۶)

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں پھر وہی نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لیتا بلکہ رجوع و توبہ کے لئے بار بار موقع دیتا رہتا ہے۔

(A) قرآن مجید اور اہلِ عرب کی قدیم تاریخ: (ماخذ: ''دی قرآنک کانسپٹ آف ہسٹری'')

(1) سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے مورثِ اعلیٰ ہیں لیکن یہ بات سرتا پا غلط ہے کہ جناب ابراہیم میں مروّجہ یہودیت یا عیسائیت کی کوئی مشرکانہ بات تھی۔ سورہ آلِ عمران کی آیات ۶۷'۶۸ میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف مروّجہ گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت کے منسوب ہونے کی نفی کی گئی ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ O
(آل عمران: ۶۷'۶۸)

''ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی' بلکہ سیدھے سادے مسلم تھے اور (اے یہودیو اور اے عیسائیو! تمہاری طرح) وہ مشرک نہیں تھے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی تھی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اُن پر ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا حامی ہے۔'' (۶۷'۶۸: ۳)

دورِ جدید کا ایک عیسائی مؤرخ اپنے مشاہدات کو یوں رقم کرتا ہے:

''یہودی فکر کا صحیح وارث اسلامزم ہے جو سامی نسل کا مذہب تو ہے۔ عیسائیت کو اس کے یونانی عناصر سے پاک کر کے اور انسان میں خدائی تجسیم کے تصوّر کو علیحدہ کر کے جس نے اللہ اور انسان کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی تھی' محمد (ﷺ) نے سامی توحید کو اس کی اصلی حالت میں بحال کر دیا۔'' (Historians' History of the World", Vol. 2, p. 171)

مزید برآں قرآن مجید مسلم اُمّہ کی ابتدا کے ڈانڈوں کو ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے ہوئے کہتا ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الحج: ۷۸)

''اُس نے تمہارا انتخاب کیا اور اُس نے دین کے بارہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی' تم اپنے باپ ابراہیم کی ملّت (پر قائم رہو)' اُسی نے تمہیں مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔'' (۷۸ : ۲۲)

ابراہیم علیہ السلام کی سوانح عمری اور آپ کی خیر و بھلائی کے کاموں کا جن کا ذکر قرآن نے کیا' مطالعہ کرنے سے ہم فی الفور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق و باطل کی کشمکش میں خونی رشتے کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف نیک لوگوں کی مدد فرماتا ہے' غلط کاروں کی نہیں اگرچہ اُن کا تعلق پیغمبر کی نسل ہی سے کیوں نہ ہو۔ قرآن فرماتا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ O (البقرة: ۱۲۴)

''اور (وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا اور اُنہوں نے وہ انجام دے دیئے تو ارشاد ہوا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔آپ بولے: اور میری نسل سے بھی؟ فرمایا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچے گا۔'' (۲:۱۲۴)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس آیت میں یہودیوں' عیسائیوں اور مشرکین کو تنبیہ ہے کہ اِس دنیا اور اُس دنیا کی بھلائیاں احکاماتِ الٰہیہ کی تعمیل اور خالق کے حضور اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکا دینے کے ساتھ مشروط ہیں۔رازی یہ بھی فرماتے ہیں کہ فقہائے اسلام اور علمِ کلام کے ماہرین اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب تک کوئی فاسق وفاجر اور بداطوار شخص اپنے فسق و فجور پر قائم رہے تو اُس وقت تک اُسے معاشرے کی قیادت یا حکمرانی کا منصب سپرد کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

(2) قرآن مجید میں دوسرا اہم ذکر قومِ عاد کا ہے جن کے متعلق سورۃ الفجر کی آیات ۶ تا ۸ میں یوں فرمایا گیا:

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍO اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ Oالَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِO

''(اے نبی مکرّم!) کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا یعنی قومِ اِرم ستون جیسے قد والی جس کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔'' (۶ تا ۸ : ۸۹)

''قومِ عاد سے یہاں مراد عادِ اُولٰی ہے'' (بحوالہ سورۃ النّجم: آیت ۵۰) جن کا ذکر جلد ہٰذ کے صفحات ۱۸۰۷' ۱۸۰۸ پر ہو چکا ہے''۔اِرم اسی کے شجرہ نسب میں کوئی بڑا شخص ہوا ہے جس کی جانب وہ قوم منسوب تھی۔ ذَاتِ الۡعِمَاد میں اُن کے زور' قوّت اور ستون جیسا ہونے میں قد وقامت کی طرف اشارہ ہے۔'' (ماجدی)

قومِ عاد سام بن نوح علیہ السلام کے اولاد میں سے تھے اور اُنہوں نے اپنی سلطنت جزیرہ نمائے عرب کے اُس حصّے میں قائم کر رکھی تھی جو متصل علاقوں تک چلی گئی تھی۔علامہ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ وہ ملکِ یمن میں رہائش پذیر تھے اور پیغمبر ھود علیہ السلام کو اُن کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اور اُن کا مدفن مبارک یمن ہی میں ہے۔'' (تفسیر ابنِ کثیر' جلد۲' صفحہ ۲۴۴) قاہرہ ۱۳۷۰ھ۔

قرآن مجید قومِ عاد کے متعلق ایک بات تو یہ بتاتا ہے کہ وہ روزِ آخرت اور اُس میں اپنی جوابدہی کو بالکل فراموش کر چکے تھے اور دوم یہ کہ وہ بڑی قوّت وطاقت کے لوگ ہونے کے ناطے سے بڑے سرکش اور مغرور تھے:

(ا) قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَكُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِيۡنَ O اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِيۡنَO وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ O (اَلشُّعراء: ۱۳۶ تا ۱۳۸)

''وہ لوگ (ھود علیہ السلام سے) بولے: خواہ تم نصیحت کرو یا ناصح نہ بنو' ہمارے لئے برابر ہے' یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے اور ہمیں (ہرگز) عذاب ہونے کا نہیں۔'' (۱۳۶ تا ۱۳۸ : ۲۶)

(۲) فَاَمَّا عَاد" فَاسْتَكْبَرُوْا بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰمٓ السجدة : ۱۵)
''پھر عاد کے جو لوگ تھے وہ ملک میں ناحق تکبّر کرنے لگے اور بولے کہ قوت میں ہم سے بڑھ کر کون ہے؟'' (۴۱: ۱۵)

''مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً یہ نعرۂ خودی' اپنی قوت کا زُعم' اپنے قانون و آئین کی بالادستی' یہ ساری خدا فراموش اور آخرت فراموش متمدّن قوموں میں مشترک رہی ہے۔۔ یہی نعرۂ خودی کسی زمانہ میں روس کا بھی رہا تھا' آج امریکہ کا بھی ہے اور اس سے دھیمے لہجہ میں برطانیہ کا بھی اور ابھی کل تک کس شدّ ومدّ کے ساتھ جرمنی' اٹلی اور جاپان کا بھی تھا۔''

ھُود علیہ السلام نے اُنہیں سمجھایا کہ الٰہی انعامات پر اِترانا اُن کی بے قدری کرنے کے مترادف ہے جس سے منعمِ حقیقی ناراض ہوتا ہے۔ اُنہیں چاہئے کہ وہ تکبّر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا خوف کریں اور اُس کا شکر ادا کریں :
وَاتَّقُوا الَّذِیْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَO اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ O وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍO
اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍO (اَلشُّعَرَاء : ۱۳۲ تا ۱۳۵)
''اور اُس (اللہ) سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے تمہاری مدد کی جنہیں تم جانتے ہو (یعنی) مویشیوں' بیٹوں' باغوں اور چشموں سے' مجھے تمہارے بارہ میں بڑے سخت عذاب کے دن کا اندیشہ ہے۔''

خیال رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شاداب وزرخیز ترین علاقہ میں یہ قوم آباد تھی یعنی یمن' حضرموت میں' خلیج فارس کے ساحل پر اور عراقِ عرب کی سرحد تک (ماجدی' اُردو' ص ۳۵۷' نوٹ : ۸۰)۔

قومِ عاد کی دولت وثروت' خوشحالی' تکنیکی اور عسکری مہارت اور اُن کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اقتصادی قوّت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ جب تک یہ گہرا احساس نہ ہو کہ ان انعامات کا منبع رب تعالیٰ ہے جس کے حضور انسان کو جھک جانا چاہئے اور جس کی عظمت وجلالت انسان میں عاجزی وانکساری اور اس کے حضور اپنی جوابدہی کا احساس پیدا کرے جس کا نتیجہ باہمی محبت اور اپنے اَبنائے جنس سے جذبہ اخوّت ہو' تو وہ دولت وثروت سماج کی اخلاقی ساخت اور اقتصادی قوّت کی بنیادیں کھوکھلی کرتی رہتی ہے۔

(3) قرآن مجید میں تیسرا مذکور عرب قبیلہ قومِ ثمود کا ہے جن کے متعلق قرآن یوں کہتا ہے :
وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ" مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ" اَلِیْمٌ"O وَ اذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَO قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ" مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَO قَالَ الَّذِیْنَ

اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ O(الاعراف : ۷۳ تا ۷۶)

''اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو (بھیجا)۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا اور کوئی تمہارا معبود نہیں ہے۔ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا (نشان) بھی تمہارے پالنہار کی طرف سے آ پہنچا' یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے حق میں ایک نشان ہے' سو تم اُسے چھوڑے رہو کہ وہ اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اُسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذابِ دردناک آ پکڑے گا۔ اور (وہ وقت) یاد کرو جب اللہ نے تمہیں (قومِ) عاد کے بعد آباد کیا اور تمہیں زمین پر ٹھکانہ دیا' تم اُس (زمین) کے نرم حصّوں پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو' سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو۔ اُن کی قوم کے متکبّر لوگوں نے اُن کمزور لوگوں سے جو ایمان لائے تھے کہا: کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں۔ وہ بولے: ہم تو اِس (پیام) پر ایمان لے آئے ہیں جسے دے کر اُنہیں بھیجا گیا ہے۔ وہ مغرور لوگ کہنے لگے: ہم تو اُس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔'' (۷۳ تا ۷۶ : ۷)

'یہ مکالمہ قوم کے ''خواص'' اور ''روشن خیالوں'' کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ پیش کر رہا ہے! اَلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنیٰ خیز ہے۔ رؤوسائے منکرین تو متکبّر و نخوت پرست تھے۔ قرآن مجید نے یہ صاف و بے تکلف کہہ دیا۔ مؤمنینِ صادقین بجائے خود ضعیف وحقیر تھے یا نہیں' یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دئے گئے تھے اور حقیر سمجھ لئے گئے تھے۔ تعبیر کے اِن دونوں طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟ متکبّرین میں تو مذمّت خود اہلِ استکبار کی ہے اور مُستَضعَفین میں مذمّت حقیروں کی نہیں' بلکہ اُنہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبّر اہلِ کفر وفسق کا شعار ہوتا ہے اور مؤمنین کو حقیر وضعیف سمجھنا بھی اُنہی کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آ گئی کہ غنیٰ سے فقر بہتر ہے۔'' (ماجدی)

قرآن مجید نے قومِ ثمود کے بارہ میں ایک اور جگہ فرمایا:

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ O اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ O اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ O فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ O وَمَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ O اَتُتۡرَكُوۡنَ فِیۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیۡنَ O فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ O وَّ زُرُوۡعٍ وَّ نَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِیۡمٌ O وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِهِیۡنَ O فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ O وَلَا تُطِیۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ O الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا یُصۡلِحُوۡنَ O قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ O (اَلشُّعَرَاء: ۱۴۱ تا ۱۵۳)

''قومِ ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن کے بھائی صالح نے کہا کہ تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لئے ایک متدیّن پیمبر ہوں' سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا' میرا صلہ تو بس جہانوں کے پروردگار کے ذمّہ ہے۔ کیا تمہیں اِنہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا' باغوں' چشموں' کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے گچھے والے نخلستانوں میں؟ اور تم پہاڑوں

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (سورۃ الشعراء:۱۴۹)

''اور تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔''

"And you carve houses out of (rocky) mountains with great skill." (26:149)
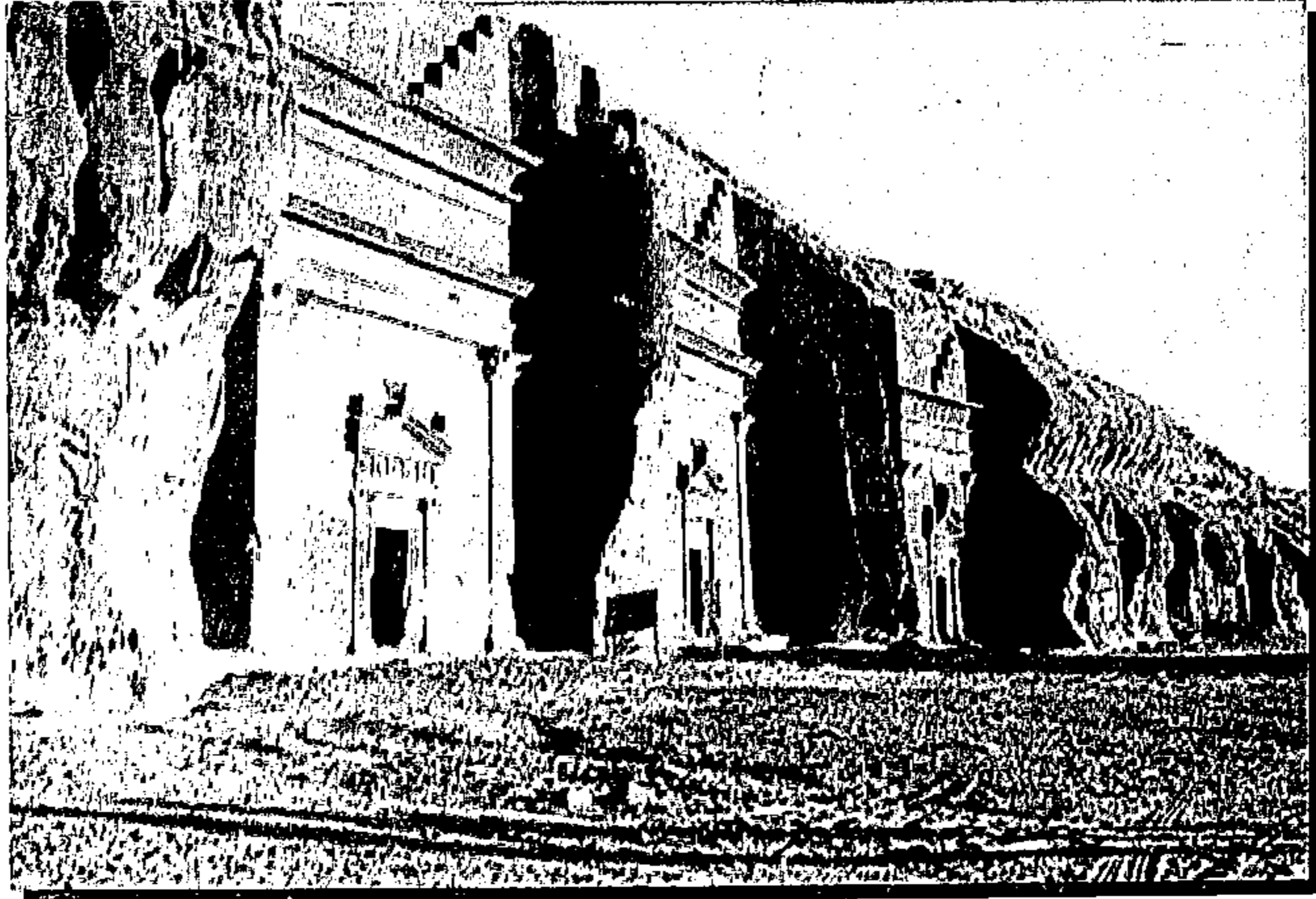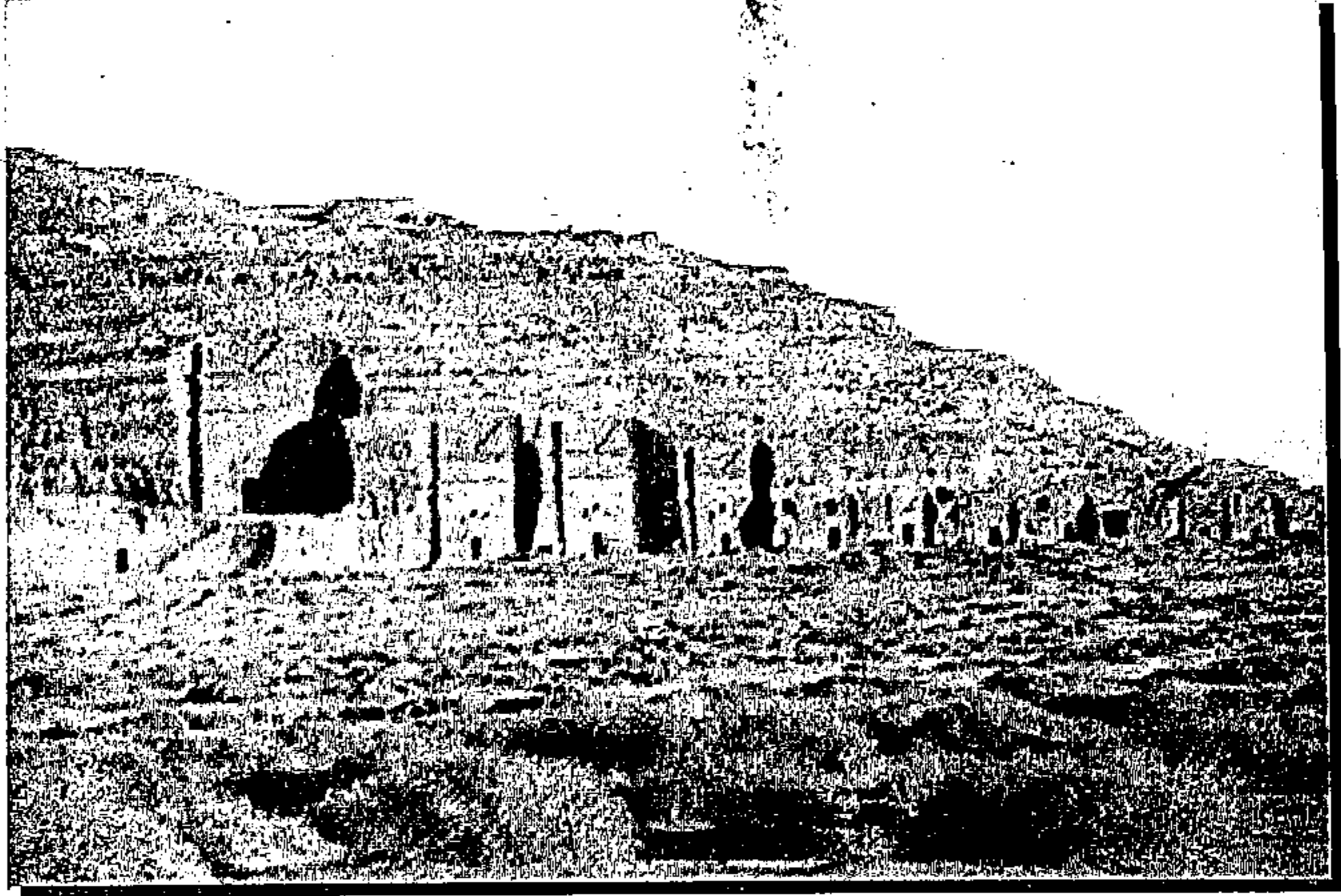
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (الرعد:۳۲)

''اور بالیقین آپ سے پہلے رسولوں کا تمسخر اڑایا گیا لیکن میں کافروں کو ڈھیل دیتا رہا، پھر میں نے اُنہیں پکڑ لیا، سو میری سزا کیسی سخت تھی!''

"Mocked were (many) apostles before thee ; but I respited those who unbelieved, finally I took hold of them, so of what wise has been My Requital ! (13 : 32)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سورۃ الفجر:۱۳)

''پس آپ کے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔''

"So thy Lord poured on them the scourge of His torment." (89 : 13)
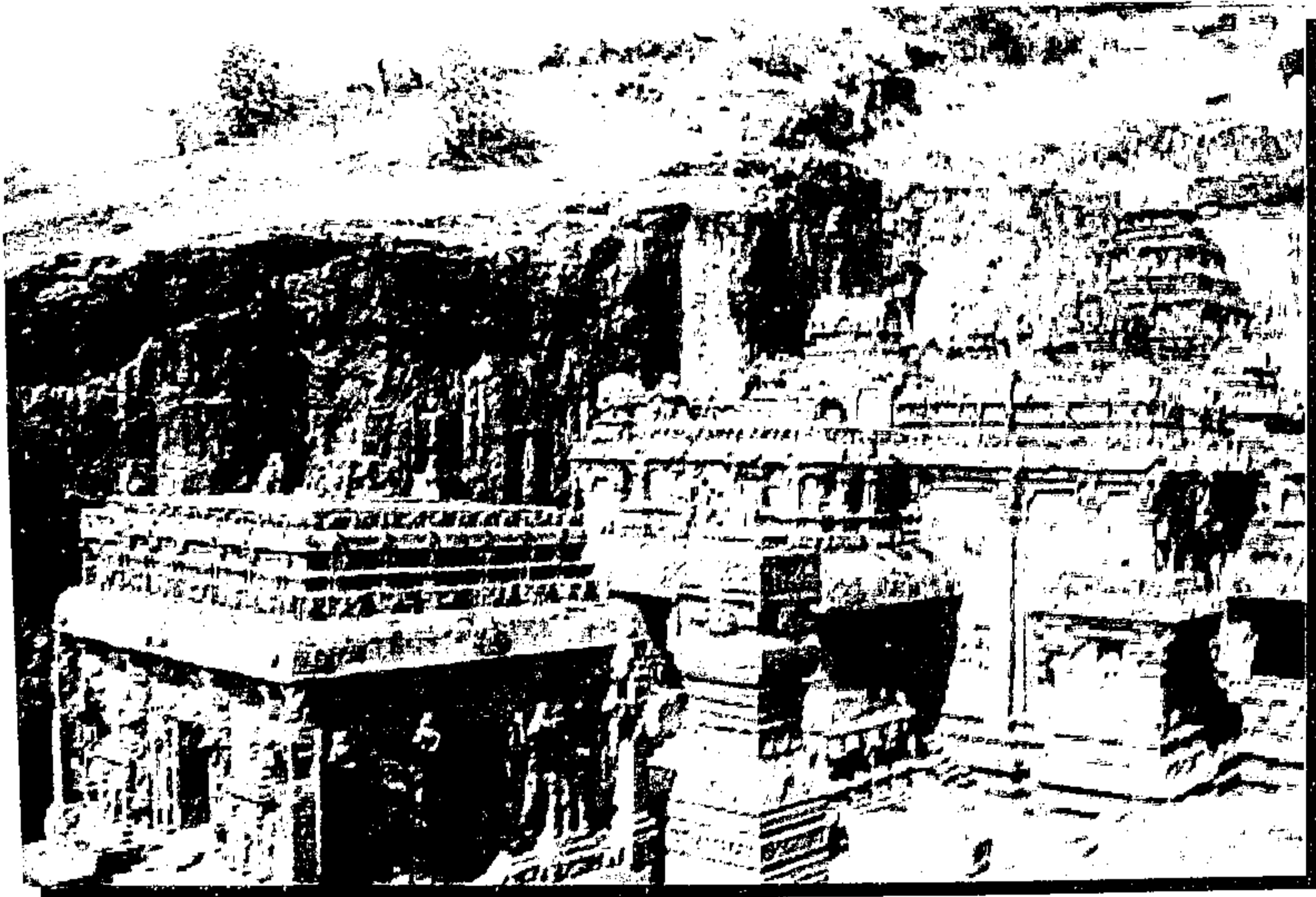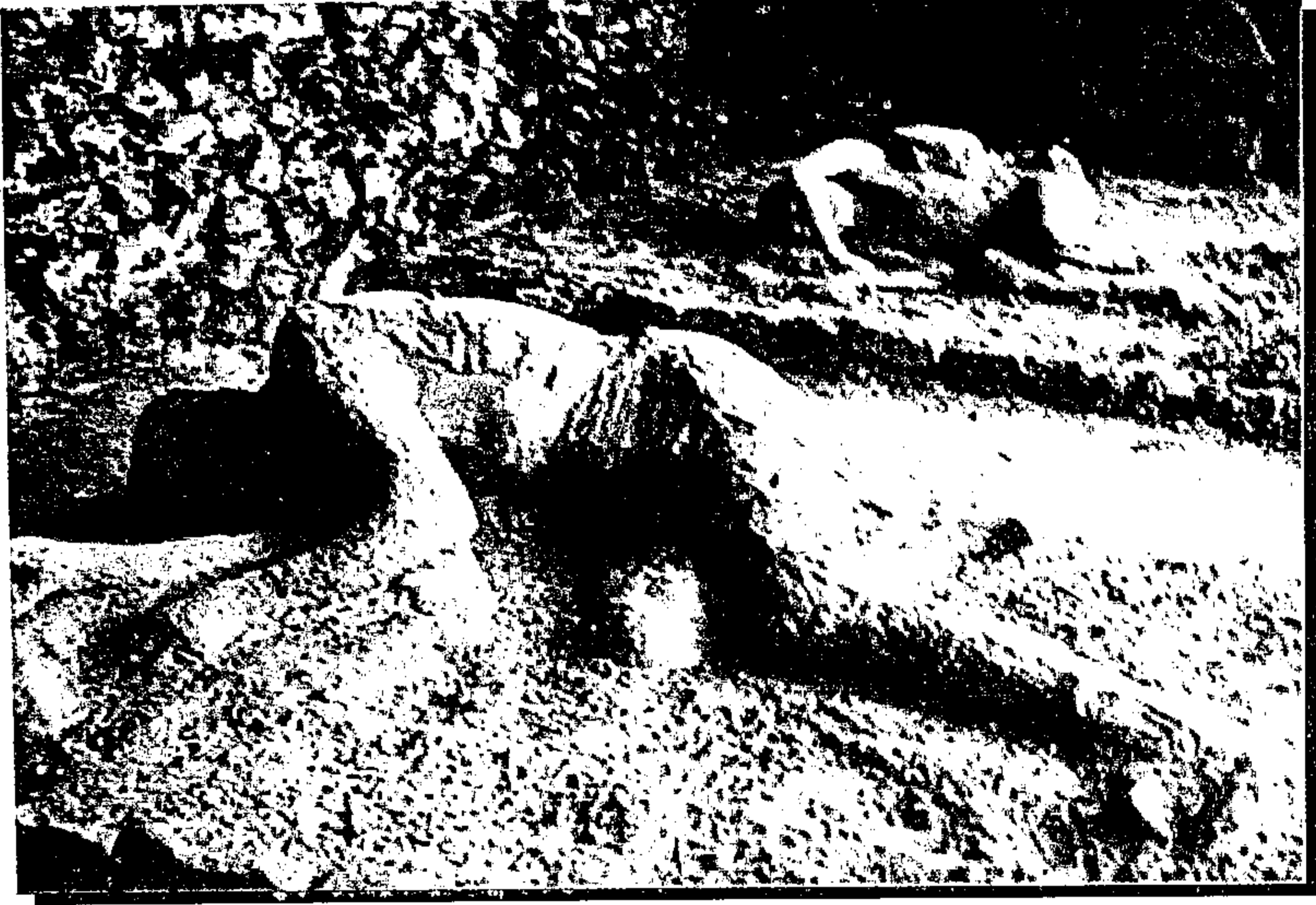
فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ (سورۃ الدخان:۲۹)

''پس اُن (کی بربادی) پر نہ تو آسمان رویا اور نہ ہی زمین، اور نہ ہی اُنہیں مزید مہلت دی گئی۔''

"And neither heaven nor earth shed a tear over them, nor were they respited (again)." (44 : 29)

کو تراش تراش کر اِتراتے ہوئے مکان بناتے ہو' سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ لوگ بولے: کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے۔'' (۱۴۱ تا ۱۵۳ : ۲۶)

قوم ثمود عرب کے شمالی و مغربی علاقہ میں جو خوب سرسبز و شاداب تھا' آباد تھی۔ خیال رہے کہ قوم ثمود نے ایک ہی نبی یعنیٰ صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر ایک رسول کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے ''اَلْمُرْسَلِیْن'' اس لئے فرمایا گیا کہ ایک پیغمبر کی تکذیب سارے سلسلہ نبوّت کی تکذیب کو لازم ہوتی ہے۔ اَخُوْھُمْ (اُن کا بھائی) سے مراد ہم قوم' ہم وطن اور ہم نسل ہے۔

خداوندی قانون کو نہ ماننے اور اُس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں ہی کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ مے خوری' بدکاری' سود خوری' رشوت و خیانت' رشک و حسد سے ہمیشہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں بڑھی ہیں اور ہر قسم کی معاشرتی ابتری پیدا ہوتی رہتی ہے۔ قرآن مجید نے ان سارے انفرادی و اجتماعی اَمراض کے لئے ایک جامع لفظ فَسَاد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اِن آیات سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ غربت و اِفلاس دولتمندی سے بہتر ہے' کیونکہ فخر و غرور اور برتری کا احساس اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنا بہت زیادہ مالداری اور دنیاوی طاقت و منصب کی حد درجہ خواہش کا براہِ راست نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔ حد درجہ دولتمندی' دنیاوی طاقت اور معاشرتی عزّت و احترام ایک طبقے کو جہالت' انکارِ حق اور بے عقیدگی کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ کم دولت و عزّت کسی دوسرے گروہ کو صحتِ ایمان اور اطاعت کی راہ دکھاتی ہے۔ امام رازی یہ بھی فرماتے ہیں کہ لَاتُطِیْعُوْا اَمْرَالْمُسْرِفِیْنَ (حدود سے نکل جانے والوں کا کہا نہ مانو) کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اُس وقت تک مطمئن نہیں ہونا چاہئے جب تک اُس کی حوائجِ اصلیہ پوری نہیں ہو جاتیں اور یہ کہ کسی شخص کے لئے اپنی سفلی خواہشات کی تسکین کے لئے اپنی جائز ضرورت سے زائد سامان و آسائش کی آرزو کرنا جائز نہیں ہے۔ مندرجہ بالا آیات سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ قومی تنزّل کی اُن صورتوں کے علاوہ جن کا حوالہ قرآن مجید نے دیا ہے' ایک اہم عامل ناقص قیادت اور لوگوں کا اُسے قبول کر لینا ہوتا ہے۔

(4) قرآن مجید میں بیان کردہ اہلِ عرب کی چوتھی قسم اہلِ مدین ہیں جن کی طرف شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اُن لوگوں کی اسرائیلیوں سے قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ اُن کا ملک خلیج عقبہ اور بحرِ احمر کا درمیانی علاقہ تھا۔ قرآن مجید نے اُن اسباب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو بالآخر اُن لوگوں کی تباہی کا موجب بنے۔ درجِ ذیل قرآنی آیات اُن اخلاقی برائیوں پر کافی روشنی ڈالتی ہیں جن میں وہ لوگ ملوّث تھے:۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ' قَدْجَآءَ تْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اِصلاَحِهَا ذٰلِکُم خَیر" لَّکُمْ اِنْ کُنتُمْ مُّوُمِنِیْنَO وَلاَتَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْکُرُوْا اِذْ کُنتُمْ قَلِیْلاً فَکَثَّرَکُمْ وَانْظُرُوْا کَیْفَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَO (الاعراف: ۸۵، ۸۶)

''اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اب تو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے کھلی نشانی بھی آ چکی' سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا نقصان اُن کی چیزوں میں مت کیا کرو' ملک میں اُس کی درستی کے بعد فساد برپا نہ کرو' یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور راہ پر اس طرح مت بیٹھا کرو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے اُنہیں روکو جو ایمان لا چکے ہیں اور اس (راہ) میں کجی تلاش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے' پھر اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ رکھو کہ فساد برپا کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔'' (۸۵، ۸۶ : ۷)

اس ٹھیک ٹھاک وعظ و نصیحت کا قوم کی طرف سے ردِّعمل ملاحظہ ہو:

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ آبَآؤُنَا اَوْاَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُO (هُود: ۸۷)

''وہ بولے: اے شعیب! کیا یہ تمہاری نماز تمہیں (یہی) تعلیم دیتی ہیکہ ہم اُنہیں چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں' نہ تصرّف کریں (وہ ازراہِ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا' نیک چلن رہ گئے ہو۔'' (۸۷ : ۱۱)

مندرجہ بالا خط کشیدہ عبارت میں اس بات کا اظہار ہے کہ معاشی خوشحالی نے اہلِ مدین میں ایک ست و کاہل طبقے کو جنم دیا تھا جو اقتصادی یا روحانی مفہوم میں کوئی مفید کام نہیں کرتا تھا اور وہ اپنا وقت اُن لوگوں کے ڈرانے' دھمکانے میں گزارا کرتے تھے جو پیغمبرِ وقت شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتے۔ پھر قومِ شعیب کے الفاظ: ''اے شعیب! کیا یہ تمہاری نماز تمہیں (یہی) تعلیم دیتی ہے کہ ہم اُنہیں چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں' نہ تصرّف کریں'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کا تصوّر تک نہیں تھا۔ جب مال و دولت کو عطیۂ الٰہی سمجھنے کی بجائے اپنی ذاتی ملکیت سمجھنا شروع کر دیا جائے' جب معاشرتی ذمہ داری کا احساس ختم ہو جائے اور جب لوگ اپنے مال و دولت میں اپنے حرماں نصیب بھائیوں کا حق سمجھنے کے لئے تیار نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی بدعنوانی اور روحانی پستی نے لوگوں کے ذہنوں میں گہرے ڈیرے جما لئے ہیں اور اُن کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔

(5) اہلِ مدین سے قریبی تعلق رکھنے والے اَصْحَابُ الْاَیکۃ (جنگل والے) تھے جن کے متعلق قرآن یوں کہتا ہے:

کَذَّبَ اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ الْمُرْسَلِیْنَO اِذْقَالَ لَهُمْ شُعَیْب" اَلاَ تَتَّقُوْنَO اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْل"

اَمِین "Oفَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِO وَ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَO وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِO وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ O وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَO وَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ "مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ O فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَO (الشّعراء : ۱۷۶ تا ۱۸۷)

''اصحاب اَیکہ نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جبکہ شعیب نے اُن سے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک متدین پیمبر ہوں' سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ تو مانگتا نہیں' میرا صلہ تو بس پروردگارِ عالم کے ذمہ ہے۔تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا نقصان اُن کی چیزوں میں نہ کیا کرو اور ملک میں فساد مت مچایا کرو اور اُس (خدا) سے ڈرو جس نے تمہیں اور (ساری) اگلی مخلوقات کو پیدا کیا۔وہ لوگ بولے کہ تم تو بس سخت سحر زدہ ہو۔اور تم ہو ہی کیا بجز ہمارے ہی جیسے آدمی کے اور ہم تو تمہیں جھوٹوں ہی میں سمجھتے ہیں۔اچھا تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا گراؤ اگر تم سچے ہو۔'' (۱۷۶ تا ۱۸۷ : ۲۶)

''اَصحابُ الایکہ (بَن والے) مدین سے متصل رہتے تھے اور شعیب علیہ السلام ہی کی اُمّت میں سے تھے۔نولڈیکے (Noldeke) وغیرہ اہلِ فرنگ نے اصحابِ اَیکہ کو اصحابِ مدین ہی قرار دیا ہے۔ہمارے ائمۂ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب تھیں لیکن ہمارے ہاں بھی بعض اقوال ایسے ملتے ہیں کہ ان دونا موں کی قومیں دو تھیں' ایک ہی نہیں۔تفسیر مدارک میں ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھے۔'' (ماجدی اردو' ص ۵۴۵)

اِن آیات کی تفسیر میں امام جلال الدین السیوطی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے اُن پر ایک زہریلی آندھی آئی جس نے اُن کے گھروں کو بہت ہی زیادہ گرم کر دیا اور کنوؤں میں پانی پینے کے قابل نہ رہا۔اپنی زندگیاں بچانے کے لئے وہ وہاں سے بھاگے لیکن اللہ تعالیٰ جھلسا دینے والی گرم دھوپ کو اُن کے سروں پر لے آیا اور اُن کے قدموں سے نیچے کی ریت کو اس قدر گرم کر دیا کہ اُن کے پاؤں کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو کر گر گیا۔اس طرح وہ سب لوگ تباہ و برباد ہوئے لیکن شعیب علیہ السلام اور اُن کے پیرو بچا لئے گئے۔(اَلدُّرُّ المَنثور لجلال الدین السیوطی' صفحات ۳۴۶' ۳۴۷) قاہرہ ۱۳۱۴ھ۔

(6) قرآن مجید ایک جنوبی عرب قوم اہلِ سبا کا ذکر قدرے تفصیل سے کرتا ہے جن کا زمانہ قومِ عاد و ثمود اور اہلِ مدین کے تباہ و برباد ہونے کے بعد کا ہے۔وہ ایک مالدار اور خوشحال قوم تھی:

لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِھِمْ اٰیَۃٌ" جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَہٗ' بَلْدَۃٌ "طَیِّبَۃٌ" وَّ رَبٌّ "غَفُوْرٌ"O فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰھُمْ بِجَنَّتَیْھِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍO --وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ الْقُرَی الَّتِیْ بٰرَکْنَا

فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوْا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ O فَقَالُوْا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹)

''سباوالوں کے لئے اُن کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا' دائیں بائیں باغ کی دو قطاریں تھیں۔اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو' عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار! سو اُنہوں نے سرتابی کی تو ہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے اُن کے دو رویہ باغوں کے عوض دو باغ اور دئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے۔۔۔اور ہم نے اُن کے اور اُن کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی' (دُور سے) نظر آنے والی بستیاں آباد کر رکھی تھیں اور ہم نے اُس میں سفر ٹھہرا دیا تھا' اُن میں رات دن بے کھٹکے سفر کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور اُنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے اُنہیں افسانہ بنا دیا اور اُنہیں بالکل تتر بتر کر دیا۔''

''سباوالوں کے لئے اُن کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا'' کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا شہر ہر قسم کے مچھروں' مکھیوں اور کیڑوں مکوڑوں وغیرہ سے بالکل محفوظ تھا اور یہ چیز آب و ہوا کی صفائی اور دوسرے عوامل کے باعث تھی لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ رحمتِ الٰہی تھی اور وہ اس لئے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اُسی کی اطاعت کریں۔ پھلوں کی بہتات اس قدر تھی کہ آدمی پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کے نیچے ٹوکری لے کر چلتا تو آدمی کی مشقت کئے بغیر درختوں کے پھل گر کر اُس کی ٹوکری کو بھر دیتے۔ (تفسیر ابنِ کثیر' جلد سوم' ص ۵۳۲)

''دائیں بائیں باغ کی دو قطاریں تھیں'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر پہاڑ کے پہلو میں ایک باغ تھا جبکہ اُن کا دارالسلطنت اُن کے بیچ میں تھا۔ دراصل یہ ایک دوسرے سے متصل کئی باغوں کا مجموعہ تھا اور اگر اُن سب کو ملایا جائے تو وہ ایک باغ بنتا تھا۔''

''اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو' عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار!'' کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تم موحد اور اللہ کے احکامات کی پابندی کرتے رہے' تو اللہ ربّ العزت تمہارے گناہ بخشتا رہے گا۔ ''عمدہ شہر'' کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا شہر ہر ضرر رساں چیز سے محفوظ تھا۔ وہاں نہ کوئی سانپ اور بچھو تھے اور نہ ہی کوئی چھوت کی بیماری۔ شہر کی آب و ہوا نے اُسے ہر قسم کی بیماری سے محفوظ کر رکھا تھا۔

''سو اُنہوں نے سرتابی کی'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ توحید اور خدائے واحد کی پرستش اور انعاماتِ الٰہیہ کا شکر کرنے سے منہ موڑ گئے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے انہوں نے سورج کی پرستش شروع کر دی تھی جیسا کہ ہُدہُد پرندے نے ملکِ سبا سے واپسی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی خبر دی تھی (بحوالہ سورۃ النمل: ۲۳، ۲۴)۔

ایک خدائے واحد کی عبادت اور اپنے سراپا کو اُس کے حضور جھکا دینا انسان میں عاجزی اور انکساری پیدا کرتا ہے اور اُسے فخر اور تکبر سے بچاتا ہے' لیکن جب انسان اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور اس کی اطاعت سے گریز

کرتا ہے تو وہ اپنے اندر فخر وغرور پیدا کرلیتا ہے جو اُس کی ذاتی قوّت وطاقت پر اُسے حد سے زیادہ پُر اعتماد بنا دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ سست وکاہل ہو جاتا ہے اور یہی چیز اہلِ سبا کے ساتھ پیش آئی اور فرمودۂ قرآن کے مطابق اُن کی سرتابی یہی تھی۔

''اور ہم نے اُن کے دورویہ باغوں کے عوض دو باغ اور دئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے'' کے متعلق رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا آبپاشی اور زراعت کا تمام نظام ناقابلِ مرمّت حد تک پارہ پارہ ہو چکا تھا کیونکہ اُن باثمر باغوں کی کئی سالوں تک جب دیکھ بھال نہ ہو سکی تو وہ اُن جھاڑیوں کی طرح ہو گئے جن میں درخت ایک دوسرے سے گندھ جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کئی نباتاتی بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوا جس سے پھلوں کی پیداوار میں کمی ہوئی اور ایسے درختوں کی کثرت ہوگئی جن کے پھل کھائے نہیں جا سکتے تھے۔''
(مفاتیح الغیب۔۔فخر الدین رازی، جلد ہفتم، صفحہ ۹)

(7) اہلِ سبا کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ملکہ سبا کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ کیسے سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ یہ قصہ نبوّت و رسالت کے قرآنی نظریے پر اور اُن رویّوں پر روشنی ڈالتا ہے جو انبیاء و رُسُل علیہم السلام لوگوں کے دل و دماغ پر نقش کرنا چاہتے ہیں۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہُدہُد نامی ایک پرندے نے آپ کو ملکِ سبا کی ایک خاتون کے بارے میں آکر خبر دی کہ وہ ایک بڑے ملک پر حکمران ہے اور اُس کا ایک عظیم الشان شاہی تخت ہے لیکن وہ سورج کی پرستار ہے اور غلط راہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ سلیمانؑ علیہ السلام نے ہُدہُد کو ایک خط دیا کہ وہ اُسے ملکہ (بلقیس) کے آگے ڈال آئے اور کچھ دیر انتظار کرلے کہ وہ اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ ملکہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ سلیمان (علیہ السلام) کی تالیفِ قلبی اور دلدہی کی جائے اور اُنہیں تحفے تحائف بھیجے جائیں۔ قرآن فرماتا ہے:

''جب ایلچی سلیمان علیہ السلام کے پاس وہ تحائف لے کر پہنچا تو آپ نے فرمایا: کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اُس نے تمھیں دی ہے البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اِتراتے ہوگے۔ تو اُن کے پاس لوٹ جا ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں کا ان سے ذرا بھی مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم اُنہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا: اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے جو اُس ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں۔ ایک جنّ بولا کہ میں اُسے آپ کی خدمت میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ جسے علمِ کتاب دیا گیا تھا' اُس نے کہا کہ میں اُسے آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام نے اُسے اپنے پاس رکھا دیکھا تو بولے: یہ بھی میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے' وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے' کریم ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے کہا: اس کے لئے اس تخت کی صورت بدل دو' ہم دیکھیں کہ اُسے اس کا پتہ لگتا ہے کہ نہیں۔ جب ملکہ آگئی تو اُس سے کہا گیا کہ تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی کہ یہ تو بالکل وہی ہے

اور ہمیں حکمِ ایمانی اس سے پیشتر ہی حاصل ہو چکا ہے اور ہم اسلام لا چکے ہیں۔ اور اُس (ملکہ) کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم تھی۔''

قرآن مجید نے مندرجہ بالا قصّہ صرف اس لئے بیان نہیں کیا کہ پیغمبر سلیمان علیہ السلام کی دنیاوی شان و شوکت' اُن کی دولتمندی کے اثاثوں یا اُن کی مملکت کو وسعت دینے کی آرزو کو بیان کیا جائے' نہ ہی یہ قصّہ اپنے قاری کو اس حقیقت کا تاثر دینے کے لئے ہے کہ ملکہ سبا جیسی طاقتور شہنشاہ نے سلیمان علیہ السلام کی دنیاوی جاہ وحشمت سے مرعوب ہو کر اُن کی بذریعہ تحائف دلدہی اور تالیفِ قلبی کی کوشش کی تھی۔ بلکہ اس کے برعکس اس قصّہ کے بیان کرنے میں قرآن مجید کا مقصد اس بات کا اظہار ہے کہ ضروری نہیں کہ روحانیت خود عائد کردہ غربت و اِفلاس میں ہو بلکہ اللہ کا وفادار اور سچا بندہ ہونے میں ہے' بندہ اپنی ذات سے اور اخلاقی قانون سے بھی اُن حالات میں بھی مخلص ہو جب ہر طرف سے اُسے دَھن دولت' حکمرانی' جاہ و منصب اور جنسی انگیخت جیسی دنیاوی جاذبیتیں اور کششیں گھیر لیں۔

اس کے علاوہ قصّہ مذکور میں درج ذیل نتائج بھی اخذ ہوتے ہیں: (۱) انسان اپنے سراپا کو جب مکمل طور پر اللہ کے لئے خالص کر لیتا ہے تو اس میں پارسائی' پاکیزگی اور روحانی قوت آ جاتی ہے اور وہ طبقۂ جنّات سے بھی بلند و بالا ہو جاتا ہے۔ (۲) سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی کی روحانی کیفیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خود سلیمان علیہ السلام' پھر غلامانِ مصطفٰی علیہ السلام اور بالآخر خود خاتم الانبیاء و امام المرسلین ﷺ کی روحانی قوّتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ (۳) روحانیت کی دنیا میں زمان و مکان بے معنٰی ہیں اور یہ ساری بے معنویّت محض عطائے ربّانی کی وجہ سے ہے۔ (۴) ماحول کا اثر بہرحال انسان کے جذبات وعواطف اور قلبی رجحانات پر ضرور پڑتا ہے جیسا کہ قرآنی عبارت وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِيْنَ [اور اُس (ملکہ) کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم تھی] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔ اُسے آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ سورج لائقِ عبادت نہیں بلکہ لائقِ عبادت تو وہ ہستی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ (۵) راہِ مستقیم تک طالبِ حق کی رسائی ربِ تعالیٰ خود بخود پیدا فرما دیتا ہے جبکہ سرکش اور متکبّر کو وہ یہ راہ نہیں دکھاتا۔

(8) اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے پیشرو ہیں اور اس وجہ سے نوح علیہ السلام کا ذکر ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہونا چاہئے تھا لیکن اپنے مرتب ضابطہ کار (Methodology) کے تتبع میں قرآن مجید تاریخ نگاری کے اِقدام میں ترتیبِ زمانی کا خیال نہیں رکھتا اور اسی لئے اُن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

نوح علیہ السلام کی اپنے سردارانِ قوم سے گفت و شنید کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌO اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍO فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَO (هود: ۲۵ تا ۲۷)

"اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو نوح نے اُن سے کہا: میں تمہیں (عذابِ الٰہی سے) کھلم کھلا ڈرانے والا اور یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں دردناک عذاب کا خوف ہے۔ تو اُن کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے: ہم تجھے اپنے ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی سرسری رائے سے اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔" (۲۵ تا ۲۷ : ۱۱)

کافر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کے ہاں مال و دولت اور مادّی ذرائع کی کمی ہے اور یہ کہ اُن کا معاشرتی مقام پست ہے اور اُن کے پیشے گھٹیا اور معیار سے گرے ہوئے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ اعتراضات محض اُن کی جہالت کا نتیجہ تھے کیونکہ ایمان و مذہب کے معاملات میں کسی فرد کے مقام کو نہ تو اُس کی معاشرتی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے نہ ہی اُس کے خاندانی روابط سے اور نہ ہی اُس کی مملوکہ دولت و جائداد کی مقدار سے۔ دراصل دولتمندی کی بجائے فقر و افلاس ہی مذہب کے شایانِ شان ہے۔ رازی یہ بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ وحید لوگوں کو بے جا دنیا داری سے ہٹانا تھا۔ جہاں تک کفّار کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ اُنہیں نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروؤں میں اپنے سے برتری کی کوئی بات نظر نہیں آتی، اس بارے میں رازی کہتے ہیں کہ اُن کا یہ اعتراض بھی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری اور فضیلت وہی ہے جو علم اور نیکی کی پیداوار ہو۔

کفار کے ان اعتراضات کو علامہ ابن کثیر بھی اُن کی جہالت اور کم عقلی پر مبنی سمجھتے ہیں کیونکہ حق و صداقت کو اس وجہ سے ردّ نہیں کیا جاتا کہ اس کے ماننے والے نچلے طبقے کے لوگ ہیں۔ حق و صداقت بہر حال حق و صداقت ہی رہتے ہیں خواہ اس کے قبول کرنے والے شرفاء ہوں یا نچلے طبقہ کے لوگ ہوں۔ ابنِ کثیر یہ بھی کہتے ہیں کہ باوجود غربت و اِفلاس کے حق و صداقت کے قبول کرنے والے شریف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں جبکہ اس کے منکرین اس کا انکار گھٹیا اور فاسد مادّہ سے پیدا ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ علامہ کہتے ہیں کہ اغلب یہی ہے کہ حق و صداقت کے پیروکار بالعموم معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں جبکہ اس کے منکرین سماج کے اونچے درجات کے حامل اور بااثر و بارسوخ ہوتے ہیں۔

نوح علیہ السلام کے قرآنی قصہ کے ایک اور پہلو کا بیان ذیل کی آیات میں ہے :-

وَنَادَى نُوحٌ "رَّبَّهُ" فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ "غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ (هُود: ۴۵، ۴۶)

"اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا: اے میرے پروردگار! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا ہے اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے۔ (اللہ نے) فرمایا: اے

نوح! یہ تمہارے گھر والوں ہی میں سے نہیں' یہ غیر صالح اعمال کا شخص ہے' سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں) نادان نہ بن جاؤ۔''

وہ وعدہِ الٰہی یہی تھا کہ تمہارے اہلِ خانہ میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا' بچا دیا جائے گا۔ محققین نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ شریعتِ اسلامی میں معتبر قرابتِ ایمانی ہے نہ کہ قرابتِ نسبی۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کا (کنعان نامی) بیٹا حضرت نوح کا حقیقی بیٹا تھا لیکن اُس نے آپ کے مشن کو قبول نہ کیا اور اس کی مخالفت کی۔

(B) قرآن مجید اور تاریخ یہودیت: ماخذ: ''دی قرآنک کانسیپٹ آف ہسٹری'' ص ص ۹۷ تا ۱۰۷

تاریخ یہودیت کی ابتدا بنی اسرائیل کی ملکِ مصر سے خروج سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ یہودیت کے مطالعہ سے پہلے جناب یوسف کے قصہ پر کچھ لکھنا قرینِ مصلحت ہوگا جن کے حینِ حیات ہی میں بنی اسرائیل مصر میں آباد ہو چکے تھے۔

قرآن مجید فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ سورج' چاند اور گیارہ ستارے یوسف کو سجدہ کر رہے ہیں۔ گویا اس خواب نے جناب یوسف کی منزل کا تعین کر دیا ہے۔ پہلے یہ بتا دیا گیا کہ گلشنِ خلیل کا یہ لالۂ رنگین قبا شرفِ انسانیت کی جاوداں اور ہر دم جواں عظمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے والا ہے۔ جب آپ نے اپنے والدِ محترم جناب یعقوب علیہ السلام کو یہ خواب سنایا تو اُنہوں نے جناب یوسف کو کہا کہ وہ یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتائیں کہ کہیں وہ از راہِ حسد اُن کے خلاف کوئی چال نہ چلیں۔ ایک دن برادرانِ یوسف نے اپنے والد سے اُن کی مرضی کے خلاف بضد ہوئے کہ وہ یوسف کو سیر و تفریح کے لئے اُن کے ہمراہ کر دیں اور اُنہیں یقین دلایا کہ وہ بذاتِ خود یوسف کے تحفظ کی نگرانی کریں گے۔ والد کی رضامندی کے بعد اُنہوں نے دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے یوسف علیہ السلام کو ایک ویران کنویں میں پھینک دیا جہاں سے اتفاقیہ گزرنے والے ایک تجارتی قافلہ کے لوگ اُنہیں پکڑ کر لے گئے اور آپ کو فرعون کے ایک اونچے درجہ کے افسر کے ہاتھ میں غلام کے طور پر فروخت کر دیا۔ اس طرح جناب یوسف کو مصر کے اہلِ خانہ میں فرد کی حیثیت سے جگہ مل گئی۔

ایک نئی سرزمین اور غیر ملکی لوگوں میں بالکل اجنبی ہونے کے باوجود یوسف علیہ السلام نے مصری شہنشاہ کا اعتماد کیسے حاصل کیا اور مصریوں کے مقدر کو عملاً قابو کیا' اس سارے واقعہ میں ایمان کی قوت اور کردار کی پختگی کارفرما ہے۔

''یوں تو قرآن حکیم میں سابقہ انبیائے کرام کی پُرنور اور درخشاں زندگیوں کے بیسیوں قصّے مذکور ہیں جن کے ہر پہلو رُشد و ہدایت کے انوار برسا رہا ہے لیکن ''اَحسنُ القَصَص'' کے لقب سے صرف یوسف علیہ السلام کی داستانِ حیات ہی کو نوازا گیا ہے جس کی وجہ ظاہر ہے کہ تکمیلِ انسانیت کی منزلِ رفیع کی طرف جو راستہ جاتا ہے' اُس کے سارے پیچ و خم' نشیب و فراز' پیش آنے والی دشواریاں' منزل سے دل برداشتہ کر دینے والے سنگین مرحلے' منزل

سے غافل کر دینے والے حسین وجمیل مناظر اور دل موہ لینے والی دلچسپیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی ابہام والتباس کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ پھر اس جاں گداز' کٹھن اور طویل راہ کو طے کرنے کے لئے مسافر کو جس صبر' عزم' توکل' تقویٰ' عالی حوصلگی اور سیر چشمی کی ضرورت ہوتی ہے' اُس کا ذکر بھی اتنے دل نشیں اور مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر انسان فطرتِ سعیدہ اور قلبِ سلیم کی نعمت سے محروم نہ ہو تو وہ اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ وہ طوفانوں سے کھیلتا' بپھری لہروں سے آنکھ مچولی کرتا' ہلاکت انگیز گردابوں کا منہ چڑاتا' چٹانوں سے بھی ٹکراتا' کبھی دامن بچاتا ہوا' ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ خود انصاف فرمایئے جس ذاتِ اقدس واطہر کی داستانِ حیات کا دامن ایسے انمول حقائق سے لبریز ہو' اگر اُسے اَحْسَنُ الْقَصَص نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور اگر قرآن اُسے اَحسنُ القَصَص نہ کہے تو اور کون کہے؟'' (ضیاء القرآن' ج ۲' ص ۴۰۱)

''اب نہ تاریک کنواں ہے' نہ بھائیوں کی سردمہری اور سرزنشیں ہیں' نہ کارواں والوں کی درشتی ہے اور نہ بازار میں فروخت ہونے کی رُسوائی۔ اب آزمائش ایک نیا روپ اختیار کرتی ہے۔ مصر کے رئیسِ اعظم اور سلطنت کے مدارالمہام کا عظیم الشان محل ہے جہاں ہر سمت زندگی اپنی ساری رنگینیوں کے ساتھ محوِ خرام ہے۔ آرام و آسائش اور خورد ونوش کا شاہانہ اہتمام ہے۔ کئی سال عیش وطرب میں ڈوبے ہوئے اُس ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔ اب کمسن یوسف جوان ہو گیا ہے۔ حُسن کی جلوہ سامانیاں محشر بپا کرنے لگی ہیں۔ محل کی جس روش پر چل نکلتے ہیں' دل قدموں میں بچھے چلے جاتے ہیں۔ خود عزیزِ مصر کی بیوی ہزار جان سے نثار ہے لیکن آنکھیں ہیں کہ بارِ حیا سے اُٹھتی ہی نہیں' ہونٹ ہیں کہ ہلتے ہی نہیں۔ آخر کار اس امتحان کی سنگینی اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب عزیزِ مصر کی بیوی اُنہیں اپنے خلوت کدہ میں لے گئی اور سارے دروازے بند کر دئیے اور ھَیْتَ لَكَ (جلدی کرو' اب کیا دیر ہے) کی اشتعال انگیز دعوت دی لیکن یوسفِ معصوم نے مَعاذ اللہ (اللہ کی پناہ) کہہ کر اُس کی اِس پیشکش کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر رکھ دیا اور بتا دیا کہ مقامِ یوسفی پر پہنچنے کا خواب دیکھنے والو! اس راہ میں ایسے پُرخطر اور ہوش رُبا لمحے بھی آتے ہیں جن سے مردانِ پاک یوں دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔'' (ایضاً صفحات ۴۰۲' ۴۰۳)

فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا مَعاذ اللہ کہنا یعنی اللہ کی پناہ میں آنے کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اس کثرت سے احسانات وانعامات کئے ہیں' اس لئے انسان پر جواباً یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق کا اطاعت گزار بندہ بن کر رہے۔ اور ادائیگیِ فریضہ کا یہی وہ احساس جنابِ یوسف کے ذہن میں تھا جس نے آپ کو اس فعلِ بد سے روکے رکھا۔ رازی یہ بھی کہتے ہیں کہ سورہ یوسف کی متعلقہ آیت (۲۳) کا مطلب یہ بھی ہے کہ انعامات وعطیاتِ الٰہیہ انسان پر یہ فریضہ بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے ابنائے جنس سے بہ نظرِ انصاف پیش آئے اور اُن کے حقوق تلف کرنے سے باز رہے۔ جب جنابِ یوسف کے مالک نے آپ کی خاطر اُس غریب الوطنی میں وہ سب کچھ کیا تو یہ بات جنابِ یوسف کی جلیل القدر ہستی کے شایانِ شان نہ تھی کہ آپ اُس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے اور ایسے فعلِ بد کا ارتکاب کرتے۔

مزید برآں یوسف علیہ السلام کا اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (ظالم فلاح نہیں پاتے) کہنا قرآن کا تاریخ سے متعلق تصوّر کو آشکار کرتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ کسی بھی قسم کی غلط کاری دنیاوی اور اخروی خوشحالی نہیں لاتی۔ اس سے وقتی

حظ اندوزی یا کوئی فوری (بہ ظاہر) بھلائی تو مل سکتی ہے لیکن انجام کار اُس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اگر آدمی نے کوئی قابلِ عزت وتکریم مقام پانا ہے تو اُسے پائیدار نیکیاں کرگزرنی چاہئیں۔

یوسف علیہ السلام کے جواب کے ہر لفظ سے پیغمبرانہ جلالت' متانت اور تمکنت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے فرمایا مَعاذ اللہ یعنی میرا معبودِ برحق اس فعلِ قبیح کو ناپسند کرتا ہے' میں ایسے جرم سے اُس کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا: اِنَّہ' رَبِّیْ تو میرے محسن عزیزِ مصر کی آبرو ہے جس نے مجھ پر اِس غریب الوطنی میں اِتنا احسان اور مروّت کی ہے' بھلا میں ایسے محسن کی آبرو کو کیسے داغدار کرسکتا ہوں! آخر میں اِنَّہ' لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْن (ظالم فلاح نہیں پاتے) کہہ کر مکافاۃِ عمل کے اٹل قانون کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جو شخص اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے' وہ ظالم ہے اور ظلم کرنے والا کبھی کامران نہیں ہوسکتا۔ کتنے حکیمانہ اور باوقار انداز میں زلیخا کو بتا دیا کہ یہ سودا بڑا ہی مہنگا ہے اور یوسف اس کے لئے ہرگز تیار نہیں!

واقعاتی شہادت(Circumstantial Evidence) سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یوسف بے گناہ ہیں اور عزیزِ مصر کو بھی معلوم ہو گیا کہ تمام تر قصور اُس کی بیوی کا ہے تو وہ بول پڑا :

یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِیْنَ O یوسف:۲۹)

''اے یوسف (پاکباز!) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت!) اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی قصورواروں میں سے ہے۔'' (۱۲: ۲۹)

اس آیت سے اُس وقت کے مصری معاشرے پر روشنی پڑتی ہے کہ امراء کی عورتیں کس طرح من مانی کیا کرتی تھیں اور اُن کے شوہر اُنکی برملا خیانتوں کے باوجود کتنے بے بس تھے یا اُن میں جذبۂ غیرت کس حد تک مفقود ہو چکا تھا۔

یوسف علیہ السلام کا اپنے محسن و مربّی کی بیوی کی بدخواہشی کی عدمِ تعمیل کے بعد ایک اور سبق آموز حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے جو اُس زمانہ کے مصر کے اُونچے درجے کے طبقے کی اخلاقی حیثیت کی منظرکشی کرتی ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ جب فوطیفار کی بیوی کے معاشقے کی خبر اُس کی سہیلیوں کو پہنچی تو اُنہوں نے اُسے ایک غلام کی محبت میں گرفتار ہونے کا الزام دیا۔ اس پر فوطیفار کی بیوی نے اُنہیں اپنے گھر بلا کر ایک چاقو اور پھل اُنہیں پیش کئے۔ پھر اُس نے جنابِ یوسف کو اُن عورتوں کے پاس سے گزرنے کو کہا۔ جب آپ اُن کے پاس سے گزرے تو وہ آپ کے حسن و جمال اور تمکنت و وقار سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اُنہوں نے پھل کاٹنے کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اس واقعہ نے اُس عورت کے جذبات کو مزید مشتعل کر دیا اور اُس نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر اُنہوں نے اس کی خواہش کو پورا نہ کیا تو وہ انہیں جیل بھجوا دے گی جس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجَاھِلِیْنَ O (یوسف : ۳۳)

''اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے اِس (گناہ) سے زیادہ پسند ہیں جس کی طرف یہ

مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) مجھ سے اُن کے مکروفریب کو دُور نہ کرے تو میں اُن کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔'' (۱۲:۳۳)

حسنِ یوسف کے چرچے گھر گھر ہونے لگے تو حکومت کے اربابِ بسط وکشاد نے پاکباز اور بے گناہ یوسف کو قید کرنے میں ہی مصلحت سمجھی۔ مِنۡ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ (بعد اس کے کہ وہ یوسف کی پاکبازی کی نشانیاں دیکھ چکے تھے) کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ یوسف کو قطعاً بے گناہ سمجھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ اُن گنہگار نگاہوں کو سرزنش کرتے اور اُنہیں مغضوب گردانتے' اُنہوں نے حضرت یوسف کو ہی قید کرنا آسان سمجھا۔

قید خانہ میں ڈالے جانے کے بعد یوسف علیہ السلام کو وہاں دو قیدی ساتھی ملے جنہوں نے آپ سے اپنا اپنا ایک خواب بیان کیا اور آپ سے اُن کی تعبیر چاہی۔ آپ نے اُن کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے جو جواب دیا' ''اُس سے آپ کی پیغمبرانہ شان کا اظہار شروع ہوتا ہے۔ فرمایا کہ خوابوں کی جو تعبیر میں بتایا کرتا ہوں' یہ ظن وتخمین اور کہانت وقیافہ شناسی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم کیا ہے۔ مصر کے اُس مشرکانہ ماحول میں آپ کا توحید کے موضوع پر خطبہ دینا اپنی مثال آپ ہے۔ اس خطبے کی ابتدا اور اس کے بعد توحید کی صداقت کے دلائل دینا' پھر اُنہیں شرک کو ترک کر کے توحید قبول کرنے کی ترغیب دینا اور آخر کار ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ (یہی دینِ قیم ہے) کا اعلان کتنا بصیرت افروز اور مؤثر ہے! اُن کے جذباتِ عقیدت کو ٹھیس لگائے بغیر کس طرح اپنے مدّعا کو پُر اثر اور دلکش انداز میں بیان فرمایا کہ وہ خود ہی اُس عقیدہ سے دست بردار ہونے کے لئے بیتاب ہو گئے۔ جب تک کسی داعیِ حق میں یہ حکیمانہ فراست اور یہ عالی حوصلگی نہ ہو' وہ اپنی دعوت کے لئے کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ حق کو کسی پر زبردستی تھوپنا حق کی توہین کرنا ہے۔ اُسے یوں پیش کرنا چاہئے کہ ذہن وقلب اُسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور وہ انسان کی روح میں سرایت کر جائے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ دعوت میں تدریج کی عمدہ مثال ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو' تم بتوں کی پوجا کرتے ہو بلکہ اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ میں اُس ملّت سے بیزار ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور روزِ قیامت کی منکر ہو۔''

''آج تک یوسف علیہ السلام کو مختلف مشکلات سے واسطہ پڑا لیکن آپ نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں کس خاندان کا چشم وچراغ ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے بزرگوں کا نام لیا ہے۔ فرمایا: میں بھی توحید کا قائل ہوں اور میرے آباء واجداد حضرت ابراہیم' یعقوب اور اسحاق علیہم السلام بھی اسی عقیدۂ توحید کے قائل تھے۔ آپ کی اس تقریر کا مقصد قید کے اُن دو ساتھیوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرنا ہے اور اسی لئے آپ نے اُن سے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی میرا دین اختیار کر لو بلکہ اُن سے ایک سوال پوچھتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ بہت سے خداؤں کی بندگی بہتر ہے یا ایک اللہ کی جو ہر چیز پر غالب وقادر ہے؟ پہلے ایک خدائے واحد کی بندگی کی معقولیت کو واضح کیا اور اُس کے بعد اُنہیں صاف صاف بتا دیا کہ یہ مختلف قسم کے دیوی دیوتا جو تم نے بنا رکھے ہیں اور اُنہیں مختلف قسم کے اختیارات تفویض کر رکھے ہیں' یہ سب تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔'' (ضیاء القرآن)

نو سال کا قید و بند کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد جب یوسف علیہ السلام کی رہائی کا فیصلہ کیا گیا تو آپ نے اُن سے یہ مطالبہ کیا کہ جیل کی رہائی سے پہلے آپ کی معصومیت اور بے گناہی کو طشت از بام کیا جائے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ O (یوسف : ۵۰)

''تو جب (فرمانِ شاہی لے کر) اُن کے پاس قاصد آیا تو آپ نے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ اُن عورتوں کی حقیقتِ حال کی تھی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے' بے شک میرا پروردگار تو اُن کے مکر (وفریب) سے خوب آگاہ ہے۔'' (۱۲ : ۵۰)

بادشاہ نے اُن خواتین کو بلا بھیجا اور اُن سے حقیقتِ حال دریافت کی۔ سب سے اور سب سے بڑھ کر زلیخا نے جو یوسف کو ملزم قرار دینے میں پیش پیش تھی اور جس کی انگیخت سے اُنہیں قید کیا گیا تھا' اس واشگاف انداز میں آپ کی برأت اور پاکبازی کا اعتراف کیا کہ شک وشبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

یوں وہ نبی جس نے اپنے ربِّ کریم کو راضی کرنے کے لئے مصر کے کوچہ و بازار میں اپنے آپ کو بدنام کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا تھا' آج جب زندانِ مصر سے باہر قدم رکھتا ہے تو دوست و دشمن اُس کی سیرت کی پاکیزگی' اُس کے اخلاق کی بلندی اور اُس کے کردار کی پختگی کو بہ دل و جان تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ آپ کی عظمتِ شان اس طرح بھی آشکارا ہو رہی ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ اگر آپ حضرت یوسف کی جلالتِ مرتبت کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ جملہ غور سے پڑھیں جو اُس وقت اُن کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ زبان پر آ رہا ہے:

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ' بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (یوسف : ۵۳)

''اور میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا' بے شک نفس تو بُرائی کا حکم دیتا ہے مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرما دے' یقیناً میرا رب غفور' رّحیم ہے۔'' (۱۲ : ۵۳)

''اس سے پہلی آیت میں جنابِ یوسف کے الفاظ لَمْ اَخُنْهُ (میں نے خیانت نہیں کی) میں اپنی پاکبازی کا دعویٰ پایا جاتا تھا اور مقبولانِ خدا تو اپنے کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر خوبی اور کمال کو اپنے ربِّ ذوالجلال والاکرام کا محض احسان گردانتے ہیں اس لئے لَمْ اَخُنْهُ کے الفاظ فرمانے کے فوراً بعد ہی فرمایا کہ اس میں میری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ میرے ربِّ کریم و رحیم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے میری دستگیری فرمائی اور میں اُن عورتوں کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بچ گیا۔ اگر اُس کی نگاہِ کرم میری چارہ سازی نہ فرماتی اور مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو میں کیوں کر جذبات کو بے قابو کر دینے والے ان حالات میں ثابت قدم رہتا۔ نفسِ امارہ کی تو عادت ہے کہ وہ گناہ کے خارزاروں میں انسان کو اس بے رحمی سے گھسیٹتا ہے کہ قبائے شرافت تار تار ہو جاتی ہے۔ نفسِ سرکش کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ اگر میں ان صبر آزما اور جاں گسل آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر آیا ہوں تو سب سن لو کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ میرے رب کا کرم ہے۔ بے شک اُس کا دامنِ مغفرت بڑا وسیع ہے اور اُس کا بحرِ رحمت بے پایاں ہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد ۲' صفحات ۴۳۶' ۴۳۷)

بادشاہ تو اپنے خواب کی تعبیر سن کر ہی آپ کے علم وفہم کا معتقد ہو گیا تھا لیکن جب اُس نے آپ کی عالی ظرفی کا مشاہدہ کیا اور یہ دیکھا کہ کل تک جو زبانیں اُس پر بہتان تراشنے میں تیز تھیں، وہ آج سب اُس کی پاکبازی کے گن گا رہی ہیں تو اُس کے دل میں آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ خواب کی تعبیر سن کر اُس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اِیتُونِیْ بِہٖ (اُنہیں فوراً میرے پاس لے آؤ) لیکن آج آپ کی امانت، عصمت اور عالی ظرفی کو دیکھ کر بول اٹھا اِیتُونِیْ بِہٖ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ کہ فوراً جیل سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اُنہیں اپنا معتمد علیہ بنالوں۔ جب آپ کو لایا گیا تو اُس نے بڑی عزت و تکریم کی، اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، اُس کے بعد مصروفِ گفتگو ہوا۔ یقیناً وہ گفتگو سیاسی حالات، ملکی مسائل اور آنے والے معاشی بحران کے متعلق ہوئی ہوگی۔ جب اُسے آپ کی دانائی اور معاملہ فہمی کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ "اَمِیْنٌ" کے الفاظ سے اپنے دربار کے معزز ترین اُمراء میں شامل کر لیا۔ کیا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق و فاجر حکمران یا ایک غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرے؟ اس کے متعلق علمائے اسلام نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر اُسے یہ اندیشہ ہو کہ یہ ظالم و کافر اُسے آلہ کار ہی بنائے گا اور اُس کی ساری قوتیں اُس کے ظالمانہ اور کافرانہ عزائم کی تکمیل میں ہی صرف ہوں گی تو اِس صورت میں اُس کا کوئی عہدہ قبول کرنا ناجائز ہے لیکن اگر اُسے ظنِ غالب ہے کہ وہ عدل و انصاف قائم کرنے میں ممد ثابت ہوگا اور اُس کی خدمات ملک کی معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام کے لئے مفید ثابت ہوں گی تو ایسے حالات میں اُسے فاسقانہ اور کافرانہ حکومتوں میں عہدہ قبول کرنے کی اجازت ہے۔ جنابِ یوسف نے اُس کافر بادشاہ کی مملکت میں وزارتِ مال اور وزارتِ خزانہ کا چارج اسی بناء پر لیا تھا کہ شاہِ مصر نے آپ کو ہر قسم کے اختیارات تفویض کر دئے تھے اور آپ آزادی سے اپنے فرائض انجام دینے کی قدرت رکھتے تھے۔" (ایضاً)

اُسی زمانہ میں مصر اپنی تاریخ کے طویل اور بدترین قحط سے دوچار رہا۔ بادشاہ نے ان بگڑے ہوئے حالات سے نمٹنے کے لئے جنابِ یوسف کو سیاہ و سفید کے مکمل اختیارات سونپ دئے اور آپ نے کسی تذبذب کے بغیر اس سنگین ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ" عَلِیْمٌ "O (یعنی مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، بے شک میں (اُن کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں)

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ حضور علیہ السلام نے جناب عبدالرحمن بن سمرہ سے ارشاد فرمایا:

"اے عبدالرحمن! کوئی عہدہ مت مانگو کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں کوئی عہدہ ملا تو اُس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور اگر طلب کے بغیر تمہیں کوئی عہدہ ملا تو اُس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد پہنچے گی۔" (ضیاء القرآن، ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عہدہ کا خود مطالبہ کرنا درست نہیں تو پھر جنابِ یوسف کا یہ فرمانا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کیونکر جائز ہوگا؟ اس کے متعلق علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ اُس کے بغیر کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان ملکی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام دے سکے تو اُس پر لازم ہو جاتا

ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے اور اُس ذمّہ داری کو اٹھائے لیکن اگر اُس کے علاوہ کوئی اور باصلاحیت لوگ موجود ہوں تو اُس وقت اُسے کسی عہدہ کی خواہش کرنے کی اجازت نہیں۔ جنابِ یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ آنے والے حالات میں اُن کے علاوہ کوئی بھی اِس ذمّہ داری کے اُٹھانے کا اہل نہیں' اس لئے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے سننے والوں کی توجہ اپنی شانِ کریمی اور بندہ نوازی کی طرف مبذول کرا رہا ہے کہ دیکھو کس طرح ہم نے اپنے یوسف کو سرفراز فرمایا۔ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا۔ کنعان کے جنگل کے ایک غیر آباد کنویں کی تاریکی سے نکالا اور مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے سارے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ ذرّوں کو اُٹھانا اور اُنہیں رشکِ خورشید بنا دینا میرا ہی کام ہے۔ آیت ۵۷ کے کلماتِ طیّبات سے ہر نیکوکار کی حوصلہ افزائی فرما دی کہ ہماری رحمت وعنایت کا دروازہ ہر اُس شخص کے لئے اب بھی کھلا ہے جو یوسف کی طرح بے داغ سیرت کا مالک ہو' جو دیانت و امانت جیسی خوبیوں سے متصف ہو' جسے کوئی بیرونی انگیخت اپنی منزل سے غافل نہ کر سکے۔ ہم کسی نیکوکار کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔ مجھے راضی کرنے کے لئے جس شخص میں ہر قسم کی تکلیفوں اور بدنامیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہو' وہ بلا جھجک آگے چلا آئے تو اُس کے برہنہ سر کو عزّت و کرامت کے تاج سے ضرور سرفراز فرمایا جائے گا اور دنیا میں جاہ و جلال بخشنے کے علاوہ ہم قیامت کے دن بھی اُسے اپنی ابدی رحمتوں سے مالا مال فرما دیں گے۔

تاریخِ یہودیت میں جنابِ یوسف علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ہے۔ قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ اور اُس سے متعلق واقعات کو ایک سے زیادہ سورتوں میں بیان کیا ہے کیونکہ قرآن کا مقصد تاریخِ یہودیت کے ارتقاء کو معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے قاری کے ذہن پر لوگوں کی اخلاقی زندگی اور منزلِ مقصود پر اثر انداز ہونے والی اجتماعی بداطواریوں کو نقش کرنا ہے۔ اس موضوع سے متعلق سورت کے افتتاحی الفاظ ہی میں اس بات کو صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ کا مقصد ایمان لانے والوں کے لئے ہے یعنی وہ لوگ جن کا قانونِ علیّت (Law of Causation) پر ایمان ہے:

نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ O وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ O وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ O (القصص: ۵'۶)

''(اے نبی مکرّم!) ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا کچھ قصّہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر اُن لوگوں کے لئے سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ بے شک فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا' اُن میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا' اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا' واقعی فرعون بڑے مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہمیں یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کو ملکِ (مصر) میں کمزور بنا دیا گیا تھا' ہم اُن پر احسان کریں اور اُنہیں پیشوا بنائیں اور اُنہیں (زمین کا) مالک بنائیں اور ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون' ہامان اور اُن کے تابعین کو اُن میں وہ کچھ دکھا دیں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے۔'' (۵' ۶ : ۲۸)

''فرعون ملک میں بہت چڑھ گیا تھا'' یعنی وہ سرکش تھا اور اپنے ملک میں اپنے آپ کو سب سے بڑا قرار دیتا تھا۔ اُس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا۔ اس آیت میں گروہوں کے لئے شِیَعًا کا لفظ آیا ہے جو شِیْعَۃ'' کی جمع ہے' جس کا معنیٰ تقویت کا ہے۔ آیت کے اس حصّہ کا معنیٰ یہ ہے کہ فرعون نے متعدد فرقے بنائے ہوئے تھے جو اُس کی اطاعت کرتے تھے اور اُن میں سے کسی کو اُس کے حکم کے خلاف کرنے کی جرأت نہ تھی۔ یا یہ کہ وہ سب اُس کی خدمت کرتے تھے اور اُسے قوت پہنچاتے تھے یا اُس نے ایسے متعدد گروہ بنا دئے تھے جن میں سے بعض کو اُس نے قوی قرار دیا تھا اور وہ قبطی تھے جو مصر کے قدیم باشندے تھے اور بعض کو اُس نے ضعیف قرار دیا تھا اور یہ بنی اسرائیل تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہِ حکومت میں مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا تھا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

''واقعی فرعون بڑے مفسدوں میں سے تھا'' یعنی وہ جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرا رہا تھا' وہ محض شر اور فساد تھا اور اُس میں خیر و فلاح اور بھلائی کا کوئی پہلو نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو مسترد کرنے کی اُس میں کوئی تاثیر نہ تھی۔''

''ہم اُن پر احسان کرنا چاہتے تھے جنہیں (اُس کے ملک) میں کمزور قرار دیا گیا تھا'' یعنی فرعون بنی اسرائیل کو نچلے درجے کی رعایا قرار دیتا تھا' جیسے بھارت میں برہمنوں کے مقابلہ میں اچھوتوں اور شودروں کو نچلی ذات کی مخلوق میں شمار کیا جاتا ہے اور پنجاب میں زمینداروں کے مقابلہ میں کسانوں کو اور سندھ میں وڈیروں کے مقابلہ میں ہاریوں کو نیچ اور کمی قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مصر میں قبطیوں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو نیچ مخلوق قرار دیا جاتا تھا۔ پھر فرمایا: ''ہم اُنہیں امام بنانا چاہتے تھے اور اُن کے ملک کا وارث بنانا چاہتے تھے''۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کے مطلب میں فرمایا کہ ہم اُنہیں حکمران اور بادشاہ بنانا چاہتے تھے کیونکہ بادشاہ بھی امام ہوتا ہے اور اُس کی اقتداء کی جاتی ہے۔ ''اور ہم اُنہیں وارث بنانا چاہتے تھے'' یعنی وہ فرعون کے ملک اور اُس کی سلطنت کے وارث ہوں اور قبطیوں کے مکانوں میں رہائش پذیر ہوں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت میں فرمایا:

وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا ؕ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُهٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ ○ (الاعراف: ۱۳۷)

''اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا' اُس کو ہم نے اُس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ اُنہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون کی اور اُس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور اُن کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔'' (۷ : ۱۳۷)

''اور ہم اُنہیں (اُن کے) ملک کا اقتدار دینا چاہتے تھے'' یعنی ہم ملکِ شام اور مصر کا اقتدار بنی اسرائیل کے سپرد کرنا چاہتے تھے اور فرعون' ہامان اور اُن کے لشکروں کو اُن کے خواب کی وہ تعبیر دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ

خوفزدہ تھے کیونکہ اُنہیں یہ خبر دی گئی تھی کہ اُن کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں واقع ہوگی۔

سورۃ القصص کی آیت ۵ کی وسیع تر تفسیر میں جلال الدین السیوطی جنابِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ کا منشا یہی ہے کہ کمزور اور بے یار و مددگار لوگوں کو معاشرے میں باوقار مقام دلانے کے لئے اُن کی مدد کی جائے' اِس لئے عمر رضی اللہ عنہ رضائے الٰہی کے اِسی پہلو کی تعمیل میں عاملین اور افسر مقرر فرماتے تھے۔ تاریخِ انسانی میں بار ہا یہ واقع ہوا ہے کہ اگر کمزوروں اور بے یار و مددگار لوگوں کی مدد نہ کی جائے اور اُن کی شکایات دُور نہ کی جائیں تو منشائے الٰہی آڑے آتا ہے اور ایسی قوتوں کو آگے لاتا ہے جو کمزوروں اور بے چاروں کو اُس سطح تک بلند کر دیتی ہیں جسے اللہ چاہتا ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے معاملہ میں بھی یہی کچھ ہوا جنہیں فرعون اور آلِ فرعون نے کمزور اور بے اختیار کر دیا تھا۔ قادر و قدیر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر بنی اسرائیل کو غلامی سے مکمل طور پر نجات دلا دی۔

یہ تمام قرآنی آیات فلسفۂ تاریخ کی گہری ترین اہمیت سے پُر ہیں۔ جو عُقدہ فلسفیوں سے سالہا سال کے سوچ و بچار اور غور و فکر سے حل نہ ہو سکا' قرآن مجید نے اُسے چند لفظوں میں حل کر دیا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے بیان کردہ تاریخی تغیر و تبدّل کو مندرجہ ذیل مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

کوئی با اختیار ہستی قانون کو گھر کی لونڈی قرار دیتے ہوئے قانونِ الٰہی کی اطاعت کرنے سے منکر ہو جاتی ہے۔ ایسے مختارِ کار کی حکمرانی ظلم و جبر اور تشدّد پر مبنی ہوتی ہے اور وہ سماج کے کچھ طبقات کو ذلیل کر دیتی ہے۔ اس طرح سنجیدہ قسم کی عدم مساوات پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے قریب تر ہونے کی بجائے لوگ لایعنی اور مصنوعی اختلافات کے ہاتھوں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے خوش اُسلوبی سے رہیں اور آپس میں روحِ اخوت اور باہمی محبت و تعظیم کو پروان چڑھائیں۔ لیکن تاریخ کا عملی دھارا اُلٹے رُخ بہنا شروع ہوتا ہے۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوت کو پیدا کرنے کے ذریعے مداخلت کرتا ہے جو اُس توازن کو بحال کر دیتی ہے جسے اُس با اختیار ہستی کی جابرانہ حکمرانی نے دگرگوں کر دیا تھا اور جو اپنے اختیارات پر عائد کردہ مذہبی یا اخلاقی حدود کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ عظیم روحانی قوت کا قائد بالعموم زخم خوردہ' نالاں جماعت سے اٹھتا ہے اور وہ اُس ظالم و جابر با اختیار حکمران کی زبردست سیاسی اور اقتصادی طاقت کے باوجود اپنے مخالفین پر اُن اخلاقی طاقتوں کی برتری کے ذریعے ایک فیصلہ کن فتح حاصل کرتا ہے جو اُس کے حکم کے تابع ہوتی ہیں۔

فرعونِ مصر' ملک کے سرداروں اور معاصر شاہی جادوگروں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے حریفانہ ٹکراؤ کو قرآن مجید نے جا بجا بیان کیا ہے۔ مثلاً:

''پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰ و ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف بھیجا' سو اُنہوں نے تکبّر کیا اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے۔ سو جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں یہ

کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا (واقعی) یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر (کبھی) فلاح نہیں پاتے۔ وہ بولے: کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اُس (طریقہ) سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے ہو جائے تو ہم تو تم دونوں کو (کبھی) ماننے والے نہیں۔''
(یونس: ۷۵تا۷۸)

زیرِ نظر قصہ سے متعلق مندرجہ بالا آیات کچھ نئے حقائق سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ فرعون اور اُس کے سردار موسیٰ علیہ السلام کے مشن کو مادّی نگاہ سے سمجھتے رہے۔ اُن کا یہ کہنا کہ موسیٰ (معاذ اللہ) جادوگر ہے جو اُنہیں ملک بدر کرنے ہی کی نیت سے آیا ہے' موسیٰ علیہ السلام کے مشن کی غلط تعبیر کرنے کے برابر ہے۔ اُن کے اس خیال کا موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے تقابل کریں:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف: ۱۲۸)
''کوئی شک نہیں کہ زمین اللہ ہی کی ہے' اپنے بندوں میں سے وہ جسے چاہے اُس کا مالک بنا دے۔''

تو ہر دو فریق کے نظریات میں فرق واضح ہے۔ فرعون نے جدید قومی عصبیّت کے فرد (Nationalist) کی طرح سوچا کہ ملک کی حکمرانی اُس ملک کے لوگوں کی ہونی چاہئے جو اُن کا حق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حکمرانی عطیہ اور انعامِ الٰہی ہے جسے وہ اُن لوگوں کو دیتا ہے جو اپنی اخلاقی برتری کی بدولت اس کے اہل اور مستحق ہوتے ہیں۔ مزید برآں فرعون اور اُس کے سرداروں کی باتوں میں اسی قسم کے رویّہ کا اظہار ہوتا ہے جب اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا: ''کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اُس (طریقہ) سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے ہو جائے؟'' تو فرعون اور اُس کے درباریوں نے یہ سمجھا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سیاسی قوّت حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر اُنہوں نے یہ سمجھا کہ موسیٰ آئے ہی اُن سے طاقت چھیننے کے لئے ہیں نہ کہ اُنہیں صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے۔ مزید برآں آیت اس حقیقت کو بھی طشت از بام کرتی ہے کہ وہ لوگ اپنے آباء واجداد کی عادات و روایات سے اس قدر مضبوطی سے منسلک تھے کہ اُن کی جگہ کوئی بھی چیز اُنہیں قابلِ قبول نہیں تھی' خواہ وہ کتنی ہی معقول اور روحِ انسانی کو مطمئن کرنے والی کیوں نہ ہو' یوں وہ اپنے آباء واجداد سے پائی ہوئی روایات کے خلاف نہیں جاتے تھے۔ یہ دو عوامل یعنی اپنے دنیاوی مفادات سے چمٹے رہنا اور زمانۂ ماضی کے ساتھ تعلق راسخ ہونا اگرچہ وہ ماضی کتنی ہی لغویات اور بدیوں سے پُر کیوں نہ ہو' کسی قوم کی روحانی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوئے ہیں۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی روحانی بیماری پر اس طرح ضرب لگائی ہے:
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ O وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ O (النّمل: ۱۳' ۱۴)
''غرض جب اُن کے پاس ہمارے بصیرت افروز معجزات پہنچے تو وہ بولے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ازراہِ ظلم وتکبر وہ ان (معجزات) سے بالکل منکر ہو گئے درآنحالیکہ اُن کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا' سو دیکھئے تو سہی کہ اُن مفسدوں کا کیسا انجام ہوا!'' (۱۳' ۱۴: ۲۷)

ظلم اور عُلوّ میں فرق یہ ہے کہ ظلم اُن آیات وشواہد کو اُن کے مرتبہ سے گھٹاتا تھا اور علوّ اپنے کو اپنے درجہ سے بڑھاتا تھا (ماجدی)۔ اِن آیات میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ دنیاوی طاقت ومنصب کی خواہش رکھنا یا اپنے اَبنائے جنس پر بالا دستی قائم کرنا روح پر اس قدر غالب آجاتے ہیں کہ انسان بصیرت افروز (آنکھیں کھول دینے والے) حق وصداقت کا انکار کر دیتا ہے' تو یہ ضروری نہیں کہ حق وصداقت کو قبول کرنے کی راہ میں عقل و فہم مانع ہوں بلکہ وہ رسوم ورواج جن میں انسان نے پرورش پائی ہوتی ہے' اُسے حق کے ماننے سے اندھا کر دیتے ہیں اگرچہ وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں اُسے تسلیم کرتا بھی ہو۔ بہ الفاظِ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی موروثی معقولیت پسند فطرت اُس کی عادات وروایات میں مخفی ہوتی ہے۔ یہاں فرعون اور اُس کے درباریوں نے اندرونی طور پر اپنے پیغمبرِ وقت کے پیغام کو تسلیم کر لیا ہے لیکن چونکہ وہ ذی جاہ وحشمت اور ممتاز ہستیوں کے طور پر پہچانے جانے کے عادی ہو چکے تھے تو اُس مقامِ بلند سے ایک عام آدمی کی نچلی سطح پر آنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

مندرجہ ذیل قرآنی آیت جس میں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حکمران جماعت کے خلاف شکوہ کناں ہیں' کچھ تبصرہ چاہتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ اُلوہیّت میں عرض کیا:

رَبَّنَا اِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالاً فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ O قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O (یونس: ۸۸' ۸۹)

''اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو (سامانِ) تجمل اور (طرح طرح کے) مال دُنیوی زندگی میں دے ہی تھے' اس نتیجہ کے ساتھ کہ اے پروردگار! وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں' اے ہمارے پروردگار! اُن کے مالوں کو نابود کر دے اور اُن کے دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے' سو یہ لوگ جب تک دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں' ایمان نہ لائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی' سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو اور اُن کی راہ نہ چلنے لگ جانا جو علم نہیں رکھتے۔'' (۸۸'۸۹:۱۰)

موسیٰ علیہ السلام کے اِس کہنے سے کہ اللہ نے فرعون کو زندگی کی ہر طرح کی آسائش دی کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے' یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ فرعون اور اُسکے ہمنواؤں کو گمراہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیاوی دھن دولت اور شان وشوکت انسان پر (بادل کی طرح) سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور اُسے زندگی کی بلند وبالا اقدار کو ملحوظ رکھنے سے روک دیتے ہیں۔ جاہ ومنصب اور شان وشوکت جب اُسے اپنے منعمِ حقیقی کا شکرگزار بندہ نہیں بننے دیتے' تو پھر قحط سالی اور پھلوں میں نقصان دے کر اُنہیں آزمایا جاتا ہے۔ اِس بارے میں قرآن کا بیان بالکل واضح ہے:

وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ O (الاعراف: ۱۳۰)

''اور ہم نے فرعون والوں کی قحط سالی اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں گرفت کی تاکہ وہ تنبیہ حاصل کریں۔'' (۱۳۰:۷)

موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے (بڑے) بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں بھیجتے ہوئے رب تعالیٰ نے اُنہیں یہ نصیحت فرمائی: فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی O (طٰہٰ:۴۴)
''اُس سے گفتگو نرم کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے۔'' (۴۴ : ۲۰)

مقصود تو بہرحال ایمان لانا اور سچی تعلیم کو سچ تسلیم کرنا ہے خواہ وہ بہ طوع و رغبت' ذوق و شوق سے حاصل ہو یا خوفِ خدا سے یا خوفِ عاقبت سے۔ آیت پر یہ اعتراض بالکل مہمل ہے کہ جب علمِ الٰہی میں فرعون کا ایمان نہ لانا ہی تھا تو یہاں یہ کیوں کہا گیا۔ اصل میں مقصود تو صرف ان بندوں کو ہدایت دینا ہے کہ تم اپنی تبلیغی کوششیں اسی امید پر جاری رکھو۔ علمِ الٰہی و قضائے الٰہی کی صورت بالکل الگ ہے' اُس کو بندوں کی کوشش سے کیا واسطہ! فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قوّت و نصرت کے یقین کے باوجود بھی جیسا کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کو نصرتِ غیبی کا پورا یقین تھا کہ رب تعالیٰ نے اِنَّنِیْ مَعَکُمَا (میں بالیقین تمہارے ساتھ ہوں) کے الفاظ میں اپنی مدد کا وعدہ کرلیا تھا' مبلّغ کے لئے ہر طرح لازم ہے کہ وہ اندازِ تبلیغ نرم رکھے۔

مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کا کہنا ماننے سے انکار کردیا جب پیغمبر نے اُنہیں اہلِ فلسطین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ المائدہ کی آیات ۲۰ تا ۲۶ میں اِس واقعہ کا ذکر ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصر سے خروج کے وقت یہود غیر منظم لوگ تھے۔ اُنہوں نے اپنے پیغمبر اور قائد موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل نافرمانی کی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اُن کا یہ جواب کہ تم اور تمہارا خدا اُن سے جا کر لڑو جبکہ وہ اس دوران خاموش تماشائی بنے رہیں گے' اُن کے قومی کردار میں سنجیدہ قسم کے نقائص کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ اُن کے اس رویّہ میں اپنے اُس قائد کے لئے عدمِ تعظیم کا اظہار ہے جس نے اُنہیں فرعونیوں کی غلامی کی ذلت سے نجات دلائی تھی' اس میں اُن کے عدمِ تشکر کا بھی اظہار ہے جو اُن کے قومی وجود کے لئے ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ جب اپنے محسن قائد کے ساتھ اُن کا ایسا لگاؤ ہے ہی نہیں تو کسی ہنگامی صورت سے نمٹنے کے لئے لوگوں کا تیار کرنا مشکل کام ہوتا ہے۔ اُنہیں قوم عمالقہ سے اُن کی جسمانی برتری کے باعث اپنی شکست کا خوف تھا لیکن وہ اس بات کو بھول گئے تھے کہ جسمانی اور مادّی برتری پر نظم و ضبط' بے خوفی' ایثار و قربانی اور ضابطہ اخلاق کی پوری پابندی کرنے کے ذریعے غالب آیا جاسکتا ہے۔ یہ خصوصیات اللہ تعالیٰ اور حق و صداقت پر غیر متزلزل ایمان ہی سے پیدا ہوسکتی ہیں۔

اب ہم تاریخِ یہودیت کے اُس دَور کی طرف آتے ہیں جن کا تعلق پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی قیادت کے تحت اُن کا ملکِ مصر سے خروج کے بعد کے واقعات سے ہے۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کے رویّہ پر قرآن مجید نے کئی تبصرے کئے ہیں مثلاً اُن کا بت پرستی کی طرف رجوع کرنا' احکاماتِ الٰہیہ کی مسلسل نافرمانی اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کو ماننے سے بار بار کا انکار۔ سورۃ البقرۃ کی آیات ۴۷ اور ۱۲۲ میں فرمایا گیا:

یَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ O
''اے بنی اسرائیل! میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت بخشی۔''

قرآن مجید کے بیان کہ ''میں نے تمہیں (تمام) جہانوں پر فضیلت بخشی'' کے ضمن میں یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ فضیلت وفوقیت حتمی اور قطعی نہیں تھی بلکہ یہ فضیلت چند لحاظ سے تھی۔ مثلاً اُنہیں روحانی قائدین کی وراثت اور جانشینی کا اِعزاز بخشا گیا اور اُن کے کچھ پیغمبر اپنے ساتھ کتبِ سماوی لائے۔ کسی اور معاصر قوم کو یہ اِمتیاز حاصل نہیں تھا۔ کچھ معاصر قومیں ایسی بھی تھیں جنہیں فوجی برتری حاصل تھی اور اُن کی مملکت کا دائرہ خاصے طویل طویل علاقے کو محیط تھا۔ لہٰذا جیسا کہ فخر الدین نے بیان کیا' اُن کی برتری اور فضیلت اضافی تھی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اُن کی فضیلت اُن کے اپنے زمانے تک محدود تھی اور ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ اُن کے اپنے زمانہ ہی کی قوموں پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں فوقیت دی تھی کیونکہ ابنِ کثیر کے مطابق تاریخ کے ہر زمانے کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی جبلِ سینائی کو روانگی کے بعد جب آپ کی واپسی کو کچھ دیر ہوگئی تو بنی اسرائیل اپنی فکر ونظر کے قدیم طریقوں کی طرف پھر سے رجوع کر گئے اور اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے۔ اس لئے اُن کا اپنے پیغمبرِ وقت اور اپنے عقیدہ کے اصولوں سے لگاؤ محض سطحی تھا۔ قرآن مجید نے یہودی کردار کے اس خلا کی طرف اشارہ کیا ہے جو کسی بھی تحریک کی کامیابی اور تسلسل کے لئے خطرے کا موجب ہوتا ہے کیونکہ جب تک لوگوں کا اپنے عقیدے کے اصولوں پر پختہ ایمان نہ ہو تو یہ گمان اغلب ہوتا ہے کہ وہ نظم وضبط کے فقدان کی وجہ سے مذہب سے دامن کش ہو جائیں اور اُن کا دین اپنی گرم خیزی اور توانائی (Vitality) اور قوتِ وسعت کھو بیٹھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اُن یہودیوں کو سزا دینا تھی جو بچھڑے کی پرستش کے مرتکب ہوئے تھے اور اُن دنوں مؤثر سزا اُن سب کا قتل تھا کیونکہ اگر اُنہیں سزا دئے بغیر چھوڑ دیا جاتا تو یہ تحت خوردحیویہ (Virus) باقی تمام اسرائیلیوں تک پھیل جاتا۔

شہر کے دہانے پر پہنچ کر حکمِ الٰہی کہ بنی اسرائیل حِطَّةٌ'' کا لفظ کہیں' اس کے متعلق مفسرینِ کرام کا بالعموم اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ کسی اور عربی لفظ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ کسی چیز کو نیچے گرنے دینا ہے۔ تو اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ اسرائیلیوں کو اللہ سے یہ دعا کرنے کو کہا گیا تھا کہ اُن کے گناہ اُن سے جھڑ جائیں اور اس طرح اُن کے گناہ اور فروگزاشتیں بخش دی جائیں۔ لیکن ہوا یہ کہ اُنہوں نے اس لفظ کو حِنطَة کے لفظ سے بدل دیا جس کا معنیٰ گندم کا ہے۔ اس طرح اُن کے شہر میں داخلے کے وقت صورتِ حال یہ ہوگئی کہ وہ اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کرنے کی بجائے گندم اور روٹی کی وافر مقدار کی دعا مانگنے لگے تھے (بحوالہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۵۸' ۵۹)۔

اس طرح اُن کا زندگی سے متعلق نقطۂِ نظر انتہا کی مادیّت پر مبنی تھا۔ مطالبات کی کثرت سے وہ بار بار اپنے پیغمبر کے لئے باعثِ آزار بنے جو اُن کی اُس صورتِ حال سے عدمِ اطمینان اور اِس آرزو کی غماز تھی کہ اُنہیں اُس گزشتہ حالت کی طرف لوٹا دیا جائے جس سے اُن کے محسن پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نے اُنہیں نجات دلائی تھی۔

بنی اسرائیل احکاماتِ الٰہی کی پابندی میں محتاط نہیں تھے جنہیں وہ اکثر توڑتے رہتے تھے۔ سَبْت کی قانون شکنی اُن کی کجروی اور حکمِ الٰہی کے مذاق اڑانے کا کھلا ثبوت ہے۔ اُنہیں سَبْت (سنیچر) کے دن مچھلی نہ پکڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے ایک چال کے ذریعے اس حکم سے گریز کرنے کی کوشش کی یعنی سنیچر کی شام کو

وہ مچھلیوں کا رُخ ساحلی حصّوں کی طرف کر دیتے تھے اور اُنہیں دوسرے دن کی صبح کو وہ پکڑ لیتے تھے۔ اس عمل میں بظاہر تو قانون شکنی کی کوئی بات نہیں تھی لیکن یہ چیز عملاً حکمِ الٰہی کی صریح اور شرمناک خلاف ورزی تھی۔ اس قانون شکنی کے مرتکب اسرائیلی ایک قسم کی خود فریبی کا شکار تھے جو کسی بھی سماج کی اخلاقی زندگی کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔ ایسی چالوں کے ذریعے حکمِ الٰہی سے سرتابی کرنا اُن کی اللہ اور اُس کی ہمہ دانی (Omniscience) پر عدمِ ایمان کا مظہر ہے۔ وہ لوگ جن کا حقیقتاً اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت' ہر جگہ اور ہر ایک کو دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ وہ دلوں کی گہرائیوں میں بسنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے' وہ کبھی بھی ایسی چالوں کے ذریعے حکمِ الٰہی سے سرتابی نہیں کرتے۔

اُس گائے کا واقعہ جسے ذبح کرنے کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیات ۶۷ تا ۷۱) اس حقیقت کو مزید واضح کرتا ہے کہ اُنہوں نے مذہب کو کبھی سنجیدہ طور پر لیا ہی نہیں تھا بلکہ ہمیشہ حکمِ الٰہی سے راہِ فرار اختیار کرنے کا ہر ممکن عذر تلاش کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بار بار اُنہیں بالوضاحت کہا کہ اُنہیں کون سی گائے ذبح کرنا ہے لیکن بنی اسرائیل مطمئن نہیں ہوئے اور بالآخر بڑی ہی نارضامندی کے ساتھ اُس حکم کی تعمیل کی۔

تاریخِ یہودیت کا ایک اور پہلو جسے قرآن مجید زیرِ بحث لایا ہے' وہ بنی اسرائیل میں شہنشاہیت کا آغاز ہے۔ قرآن مجید حسبِ معمول اُن اسباب کو مختصراً بیان کرتا ہے جن کے تحت یہودی قبائل نے سوچا کہ اُن پر کوئی بادشاہ بطور حکمران ہونا چاہئے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیات ۲۴۶' ۲۴۷)۔

اُس صورتِ حال کے بیان کرنے میں جو اسرائیلی حکمرانی کے قیام کا سبب بنے' قرآن مجید کا اپنے قارئین کے ذہنوں پر اس حقیقت کا ثبت کرنا ہے کہ حکمرانی اور بادشاہت کے لئے کچھ اخلاقی اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمرانی میں نسل یا خاندان' خون' قرابتداری' دولتمندی یا دنیاوی خوشحالی کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتے۔ قرآن مجید تو جسمانی قوّت (اہلیت) اور علم کو حکمرانی کے منصب کے لوازم ہونے پر زور دیتا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید نے بَسْطَة کا لفظ (بمعنیٰ کشادگی) استعمال کیا ہے جس سے کئی مفسرین نے جسمانی قوّت مراد لی ہے اور اس کے پس پردہ انسان کا اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا تصوّر ہے جس کا قدرتی نتیجہ جسمانی قوّت کی افزونی ہوتا ہے۔ بہرحال قرآن مجید نے اسرائیلیوں کے مادیّت زدہ رویّوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے جن کا یہ خیال تھا کہ سموئیل (علیہ السلام) حکمرانی کا اہل نہیں کیونکہ وہ ایک غریب و نادار آدمی ہے۔ قرآن مجید اُنہیں نصیحت کرتا ہے کہ وہ فطرتِ انسانی میں ودیعت کئے گئے روحانی عناصر کو زیادہ وزن دیں جو سماجی ذمہ داری سے متعلق امور کی انجام دہی کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ ابنِ کثیر نے سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۴۷) سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حکمران کو اچھے خدّ و خال والا ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ علم' خاصی قوّتِ جسمانی والا اور ضبطِ نفس کا مالک ہونا چاہئے۔

علامہ آلوسی کے نزدیک قرآنی بیان ''اللہ تعالیٰ نے اُسے علم و جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے'' میں ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے کہ ذہنی اور روحانی خصوصیات کو محض جسمانی خصوصیات پر سبقت حاصل ہے کیونکہ آیت مذکورہ میں علم کا ذکر پہلے اور جسمانی قد و قامت کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۴۹ تا ۲۵۱ اُن عوامل سے متعلق بہت اہم اشارات پر مشتمل ہیں جو سماجی طبقات کی زندگی کو اُن کے باہمی تنازعات میں کنٹرول کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ طبقات کے تنازعات ہی ہیں جن کے ذریعے بدعنوانی اور بے انصافی کی بیخ کنی ہوتی ہے اور امن بحال کیا جاتا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تنازعات اور جنگیں ناگزیر ہیں۔ نہیں، بلکہ کچھ ایسی ہیں۔ سموئیل علیہ السلام کی فوج میں اسرائیلیوں کی اکثریت حوصلہ ہار گئی جب اُنہوں نے دشمن کی عددی برتری کو دیکھا۔ لیکن جن کا ایمان باللہ اور ایمان بالآخر خالص تھا' وہ دشمن کی عددی قوت سے مرعوب نہیں ہوئے اور اُنہوں نے اپنے اسرائیلی بھائیوں کو بتایا کہ ایمان کی مضبوطی اور ثابت قدمی ہی سے دشمن کو شکست دی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ثابت قدمی والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید یہاں اُن دینی اور اخلاقی عناصر پر زور دیتا ہے جو طبقات اور قوموں کے درمیان آویزشوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔

قرآن مجید عددی برتری پر اعتماد کرنے کی بھی حوصلہ شکنی کرتا ہے (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۴۹)۔ جنگ میں مقدار کا نہیں بلکہ خوبی کا اعتبار ہوتا ہے۔ قرآن جس خوبی پر بہت ہی زیادہ زور دیتا ہے وہ ثابت قدمی کی خوبی ہے۔ لیکن ثابت قدمی تو اُس نظریہ کی صداقت پر غیر متزلزل ایمان سے حاصل ہوتی ہے جس کی خاطر جنگ لڑی جارہی ہے۔ دنیاوی مفاد کی خاطر لڑنے والا ایک مادیّت پرست گروہ عددی قوّت میں کم تر اور کمزور گروہ سے بہ آسانی مات کھا سکتا ہے بشرطیکہ مؤخر الذکر کو اُس نظریہ نے جذبۂ شوق دلایا ہو جس کی صداقت پر اُس کا پختہ ایمان ہے۔

اب ہم شہنشاہیت کے اُس دَور کی طرف آتے ہیں جس میں حضرات داؤد اور پھر سلیمان علیہما السلام کو شان و شوکت اور دولتمندی میں عروج حاصل ہوا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۱ میں طالوت اور جالوت کے مابین جنگ کے بیان میں داؤد علیہ السلام کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَآتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ

''پھر اُنہوں نے اُن کو اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ چاہا' اُنہیں سکھا دیا۔'' (۲۵۱ : ۲)

اکثر مسلم مفسرین کے نزدیک ''حِکْمَة'' سے یہاں مراد نبوّت ہے۔ داؤد علیہ السلام بہ یک وقت بادشاہ بھی تھے اور نبی اللہ بھی تھے۔ اس طرح تاریخ بنی اسرائیل میں پہلی دفعہ ایک ہی ذات میں ہم سیاسی قوّت اور نبوّت کو اکٹھا دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید داؤد علیہ السلام کا ذکر بالعموم سلیمان علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ اِن باپ بیٹے کا دَورِ فرمانروائی ساتھ ساتھ اور ایک دوسرے سے متصل ہے۔ مثلاً ایک جگہ قرآن مجید یوں کہتا ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء: ۷۸، ۷۹)

''اور داؤد و سلیمان (کا بھی ذکر کیجئے) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اُس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں اور ہم اُن لوگوں سے متعلق فیصلہ دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اُس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور قوّتِ فیصلہ اور علم ہم نے ہر ایک کو دے دیا تھا'' (۷۸، ۷۹ : ۲۱)

نوٹ: واقعہ کی تفصیل جلد ہٰذا کے صفحات ۱۷۹۶، ۱۷۹۷ پر موجود ہے۔

یہاں قرآن مجید پھر اُن دو اَخلاقی خوبیوں (حُکم و عِلم) پر زور دے رہا ہے جن کا ایک فرمانروا میں ہونا ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایک دانا آدمی کے فیصلہ کا ہمیشہ درست ہونا ضروری نہیں کیونکہ ''غلطی اور خطا کا مرتکب ہونا انسان کا خاصہ ہے''، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ دونوں خصوصیات اِن بزرگوں کو عطا کس نے کی تھیں؟ وہ جس سے کسی قسم کی لغزش یا جھول کا تصوّر تک کرنا محال بالذات ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ قوّتِ فیصلہ بذاتِ خود ایک ایسی خوبی ہے جس کے استعمال کا انحصار علم پر ہوتا ہے اور اِن دونوں خوبیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اٹوٹ انگ اور ناقابلِ جدا رشتہ ہے کیونکہ علم کے وجود کا اظہار اُس وقت ہوتا ہے جب اُسے کسی فیصلہ کے صادر کرنے میں استعمال کیا جائے۔ لہٰذا صاحبِ علم نہ صرف صاحبِ قوّتِ فیصلہ ہوتا ہے بلکہ اُس کا علم ہمہ جہت اور پختہ ہوتا ہے۔ بہرصورت تاریخ کا دھارا (مسلسل آگے بڑھنے کا عمل) اصحابِ علم اور اصحاب الرائے (پختہ فیصلہ کے لوگوں) سے متاثر ہوتا ہے جس کی مثال انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیّبہ میں موجود ہے۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام میں اِن دونوں خوبیوں کے وجود پر قرآن مجید کا زور دینا نہ صرف اُن کی نبوّت کی طرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ اس حقیقت کی طرف بھی کہ واقعات کا دھارا دوسرے لوگوں کی نسبت اصحابِ علم اور اصحاب الرائے سے کہیں زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ مشینیں اور تکنیکی مہارت کسی تہذیب کے پہیوں کو نہیں چلاتیں بلکہ وہ فکر و نظر اور معتقدات اُن کے محرّک ہوتے ہیں جو انسانی رویّے کو بدل دیتے ہیں۔ قومی تحویل میں مشینیں اور تکنیکی مہارتیں بہرحال قوم کے معتقدات اور زندگی کے رویّوں کی پیداوار ہوتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی طویل آیت ۱۰۲ میں قرآن مجید یہود کی تاریخ کا ایک تاریک صفحہ پیش کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنے عروج کے زمانہ میں ہمت، محنت اور جانفشانی سے اپنے لئے بلند مقام پیدا کرتی ہیں۔ یہود کا دَورِ انحطاط شروع ہوا تو سچی عزت اور عظمت کی بلندیوں تک لے جانے والے اُس سیدھے راستے پر چلنا اُن کے لئے دشوار ہو گیا جس کی نشان دہی تورات نے کی تھی۔ اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے اُنہوں نے جادو وغیرہ کا سہارا لینا شروع کر دیا تاکہ اپنے بزرگوں کی عظمت کا تاج بھی اُن کے زیبِ سر رہے اور اُنہیں کرنا بھی کچھ نہ پڑے۔ اس آیت ۱۰۲ میں اُن کی اسی بے راہروی کا تذکرہ ہو رہا ہے اور آیت کے افتتاحی الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ یہود اُس چیز (جادو) کی پیروی کرنے لگے جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام پر شیطان بہتان باندھا کرتے تھے۔

تفسیر کبیر اور خزائن العرفان میں آیت کا شانِ نزول یہ بتایا گیا کہ جنابِ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سے ختم المرسلین ﷺ کے زمانۂ پاک تک کے ڈیڑھ ہزار سال کے عرصہ تک یہود نے اِس موحدِ اعظم کو (معاذ اللہ) کافر و مشرک اور جادوگر مشہور کر رکھا تھا کہ جادو ہی کے زور سے وہ اتنی بڑی سلطنت کے فرمانروا تھے۔ قرآن کریم نے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے سچے پیغمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے، یہود کی تردید اور سلیمان علیہ السلام کی تائید میں اس آیت کو نازل کیا جس میں مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (سلیمان نے کفر نہیں کیا) فرما کر اپنے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کی عزت و اِکرام کو چار چاند لگا دیے۔

یہود کی شہرت بطور ماہر جادوگر اور بطور ماہر عاملینِ ارواح (Exorcists) نبی ﷺ کے زمانۂ پاک تک

قائم رہی۔ اُس زمانہ میں یہود کی اخلاقی پستی کا اندازہ مندرجہ ذیل مستند شخصیات کے بیانات سے بخوبی ہوسکتا ہے:

(۱) ''طلوعِ اسلام کے وقت ملکِ عرب میں یہ لوگ فنِ سحر کے ماہر تھے اور میدانِ جنگ میں آنے کی بجائے وہ سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔'' ("Mohammad"... Margoliouth, p. 189)

(۲) ''ملک عرب کے یہودی فلسطین اور بابل دونوں علاقوں کے کالے جادو میں ماہر تھے۔ ایک کو انہوں نے بذریعہ وراثت اور دوسرے کو اُنہوں نے بذریعہ کسب حاصل کیا تھا۔ اہلِ بابل کی جب قومی حیثیت نہ رہی اور وہ تمام دنیا میں پھیل کر تتر بتر ہوگئے تو وہ اس گریز پا اور مشکل الحصول علم کو اپنے ساتھ لے گئے اور اُن کا استقبال سادہ لوح، سریع الاعتقاد اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے خوب کیا۔''

("Chaldea" ... Ragozin, p. 255)

(۳) ''سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لئے دیا جاتا تھا، خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لئے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عموماً ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔'' (جیوش انسائیکلوپیڈیا، ج ۸، ص ۲۵۵)

چنانچہ قرآن مجید ایک بار پھر سلیمان علیہ السلام کا ذکر اُن دو فرشتوں (ہارُوت و مارُوت) کے ضمن میں کرتا ہے جو اہلِ بابل کو جادو کی اصلیت سے آگاہ کرنے کے لئے نازل ہوئے تھے تاکہ وہ آسانی سے جادو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کرسکیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب جادو حرام اور گناہِ کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جادو سکھانے کے لئے فرشتوں کو کیوں نازل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر کا خالق ہے۔ زہر کھانا اور کھلانا حرام ہے، کتے اور خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے، شراب پینا حرام ہے۔ چوری، قتل، زنا کرنا حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں اور ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور انسان کو ان تمام چیزوں کے ترک کرنے اور اُن سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور آزمائش کے طور پر اُن دو فرشتوں کو جادو کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تاکہ ظاہر ہوجائے کہ کون جادو پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے اور کون جادو سیکھ کر اُس پر عمل کرتا ہے۔ اور اگر کوئی جادو سیکھ کر اُس پر عمل کرنا شروع کردیتا تو یہ اُس کی اپنی غلطی تھی۔ فرشتے تو لوگوں کو صاف طور پر بتادیتے کہ ہمیں تو فقط تمہارے آزمانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے جادو پر عمل کرنا شروع کردیا تو خوب سن لو کہ ایمان رخصت ہوجائے گا اور کافر ہوجاؤ گے۔

آیت کے آخری حصہ کے الفاظ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور وہ کسی کو اپنے جادو منتر سے اللہ کی اجازت کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے) میں بتایا جارہا ہے کہ جادو اور اُس پر مرتب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب اور مسبّب کا۔ اور سبب جبھی اپنا اثر دکھاتا ہے جب اذنِ الٰہی ہو ورنہ سبب بے اثر ہو کے رہ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جادو ایسی چیز نہیں جو اللہ کی مشیت پر غالب ہو اور اگر وہ نہ چاہے تب بھی جادو کا اثر ہو

کر رہے۔ ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وہ ذاتِ قادر وقدیر ہے جس کے اِذن و اجازت پر ہر چیز کے وجود وعدم کا دارومدار ہے۔ سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اذنِ الٰہی ملنے کے بعد۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر حرام ہے تو پھر اس پر آثار مرتب ہونے کا اللہ تعالیٰ اذن ہی کیوں دیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ (مشیّت) اور اُس کی رضا میں بڑا فرق ہے اور رضا و مشیّت کو لازم وملزوم سمجھ کر انسان نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ کسی بُری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ ہی اُس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے ہاں تکوینی مصلحتوں کے باعث ان اشیاء سے اُس کی مشیت متعلق ہوتی رہتی ہے بایں معنیٰ کہ اُس کی مشیّت کے بغیر ایک پتہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔ اُس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی بے گناہ کا سر قلم کر دو لیکن اُس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے اور نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح مقرّبین بارگاہِ الٰہی کو اذیّت دینا اور اُنہیں قتل کرنا اُسی کی مشیّت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اُس نے نہ اس کا حکم دیا ہے اور نہ وہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے۔ اِس اِذن ومشیّت میں وہ مصلحتیں اور اَسرار ہوتے ہیں جنہیں بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہوتی ہے اور اِس سرِّ نہاں کے رخ سے ذرا سا پردہ حضرتِ خضر علیہ السلام نے سرکایا تھا تو حضرتِ کلیم موسیٰ علیہ السلام تاب نہ لا سکے تھے۔ ماو شُما کس شمار میں ہیں! (ضیاء القرآن' ج ا' ص ۸۲)

<u>چند مفید نکات</u>: (۱) انبیائے کرام سے کفار کے اعتراض اُٹھانا سنتِ الٰہیہ ہے۔ کفار نے جنابِ سلیمان علیہ السلام کو جادو کی تہمت لگائی' رب نے اُن کی صفائی بیان کر دی۔ (۲) شیطانوں نے عمل کے لئے جادو سکھایا تو وہ کافر ہوئے۔ ہاروت و ماروت نے بچنے کے لئے جادو سکھایا تو وہ کافر نہ ہوئے۔ علمائے کرام کفریہ الفاظ کفر سے بچنے کے لئے بتاتے ہیں اور کتبِ فقہ میں لکھتے ہیں' لہٰذا یہ ثواب کا کام ہے لیکن اگر یہی الفاظ عمل کے لئے سکھائے جائیں تو سیکھنے سکھانے والے دونوں کافر ہو جائیں۔ (۳) جادو میں اثر ہے لیکن اس کا مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ (۴) جادوگر کی توبہ قبول ہے کیونکہ سورۃُ البقرۃ کی آیت ۱۰۳ میں جادوگر یہودیوں کو ایمان لانے اور توبہ کی دعوت دی گئی ہے۔ (۵) ایمان اور تقویٰ انسان کی کایا پلٹ دیتے ہیں کہ یہ جادو سے بڑھ کر مؤثر ہیں۔ (۶) دنیاوی فائدہ کے مقابلہ میں آخرت کا تھوڑا فائدہ بھی کہیں زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں ایک کمان رکھنے کی جگہ دنیا سے بہتر ہے۔

نوٹ: اگر جادوگر خدائی کا دعویٰ کرے تو اُس کا جادو باقی رہتا ہے لیکن اگر دعوائے نبوّت کر بیٹھے تو اُس کا جادو بیکار ہو جاتا ہے کہ یا تو اثر کرے گا نہیں اور اگر کرے گا تو الٹا۔ دیکھئے دجّال دعوائے خدائی کر کے بھی عجیب باتیں دکھائے گا لیکن مسیلمہ کذّاب دعوائے نبوّت کر کے اپنے جادو سے کوئی کام نہ لے سکا کیونکہ الوہیت اور خدا ہونے میں دھوکہ نہیں پڑ سکتا کہ انسان کا کھانا' پینا' سونا' جاگنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن نبوّت میں شبہ پڑ سکتا ہے کیونکہ انبیائے کرام بشر ہی ہوتے ہیں اس لئے قدرت جادوگر کا جادُو بے کار اور بے اثر کر دیتی ہے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا' اور ذاتِ اقدس واطہر پر اُس کا اثر ہوا یا نہیں ہوا؟ اور اگر اثر ہوا تو رب تعالیٰ نے ایسی محبوب ہستی پر وہ اثر کیوں ہونے دیا؟

روایات کے مطابق لبید بن اعصم ایک یہودی نے ایک یہودی لڑکے کی وساطت سے جو آنجناب ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رہا کرتا تھا' حضور علیہ السلام کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کئے اور اُن پر جادو کر کے انہیں بنی زُریق کے ایک کنویں کی تہہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس جادو سے حضور ﷺ کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی' اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذُوْبُ وَلَا يَدْرِيْ مَا سَبَبُه' یعنی نبی علیہ السلام کی طبیعت گھٹنے لگی' نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :حَتّٰى يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّه' فِعْلُ الشَّيْءِ وَلَمْ يَكُنْ فعله' (روح المعانی) یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا' اُس کے بارے میں حضور علیہ السلام کو خیال ہوتا کہ کرلیا گیا ہے۔

کتبِ حدیث میں اس جادو کے اثرات سے متعلق جتنی بھی روایات ہیں' اُن کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائضِ نبوّت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ اگر (معاذ اللہ) ایسا ہوتا تو دشمنانِ اسلام کو بطلانِ رسالت کے لئے ایک ایسا مہلک ہتھیار مل جاتا جس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے میں کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ اسلام کے بدخواہوں نے آج تک جتنی بھی کتابیں آں حضور ﷺ کے بارے میں لکھی ہیں' اُن میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ (ضیاء القرآن' ج ۵' ص ۷۲۵)

بہرحال اس جادو کا صرف صحتِ جسمانی پر اثر انداز ہونا بھی رب العالمین کے اِذن سے تھا اور اُس کا توڑ اور ازالہ بھی اُسی قادر وقدیر ہی نے کیا جس کی تفصیل کتبِ تفاسیر وغیرہ میں موجود ہے اور قرآن پاک کی آخری دو سورتیں (۱۱۳' ۱۱۴) جنہیں مُعوَّذَتین کہا جاتا ہے' اسی جادو کے توڑ اور ازالہ کے لئے نازل کی گئیں۔ رہا یہ سوال کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب پر اُس جادو کا اثر ہونے ہی کیوں دیا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اسے اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک نمونہ اور مثال بنانا تھا کہ کہیں محبوب کا دامن اس واقعہ سے خالی نہ رہ جائے تا کہ اُمّت کے جادو زدہ اُفراد آپ کے اُسوہ حسنہ میں اس کی عملی شکل پا کر اپنے درد کا مداوا اور علاج پا سکیں کہ آقائے نامدار ﷺ کو اُس موقع پر اُس کے توڑ اور ازالہ کے لئے کیا نسخہ تجویز فرمایا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ''حضور علیہ السلام کی دو حیثیتیں تھیں: ایک حیثیتِ نبوّت اور دوسری حیثیتِ بشریت۔ عوارضِ بشری کا وُرود ذاتِ اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار' درد' چوٹ لگنا' دندانِ مبارک کا شہید ہونا' طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور اُحد میں دندان مبارک کا زخمی ہونا' یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں اور دشمنانِ اسلام بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ ان عوارض سے حضور علیہ السلام کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوّت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور علیہ السلام کی جسمانی صحت تک محدود تھا اور اس سے رسالت کا کوئی پہلو متاثر نہیں تھا۔'' (ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحہ ۷۲۵)

<u>جادو اور معجزہ میں فرق</u> :اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ کی ''کتاب النبوات'' اور شیخ محمد سفارینی کی ''شرح عقائد سفارینی'' اور علمِ کلام کی کتابیں قابلِ مطالعہ ہیں۔

(۱) معجزہ نبی یا رسول کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس کی نیکی اور پاکیزگی معاشرہ میں مشہور ہوتی ہے جبکہ جادو (سحر) خبیث اور بدکار شخص سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) جادو کسی استاد سے سیکھا جاتا ہے جبکہ معجزہ کسی شخص کی تعلیم کے بغیر نبی سے صادر ہوتا ہے۔ (۳) جادوگر کا مقصد لوگوں کو حیران کرنا اور کسی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنا ہوتا ہے جبکہ نبی دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہوتا ہے اور اُس کے معجزے کا مقصد لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لانا ہوتا ہے۔ (۴) ''معجزہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بغیر اسباب کے نبی و رسول کی نبوّت و رسالت کی صداقت کے لئے وجود میں آتا ہے جبکہ جادو ایک ''فن'' ہے جسے اُس کے اصول و قوانین کی پابندی کے ساتھ ہر فن داں ساحر ہر وقت کام میں لاسکتا ہے۔ اس کے اسباب اگرچہ عام نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن اس فن کے تمام واقف کار اُس سے واقف ہوتے ہیں' اسی لئے وہ دوسرے علوم و فنون کی طرح مدوّن و مرتّب فن ہے۔ (۵) ساحر (جادوگر) کی عام زندگی خوف و دہشت' ایذا رسانی اور بدعملی کا مجسمہ ہوتی ہے اور لوگ اُس سے خوف کھاتے ہیں یا اُس کے سامنے مرعوب ہو جاتے ہیں جبکہ نبی اور رسول کی تمام زندگی صداقت' خلوص' مخلوقِ خدا کی ہمدردی و غمگساری اور تقویٰ و طہارت سے وابستہ ہوتی ہے اور اُس کا کردار بے داغ' صاف اور روشن ہوتا ہے۔ (۶) نبی یا رسول' ساحر کے برعکس معجزہ کو پیشہ نہیں بناتا بلکہ خاص اہم موقع پر حق و صداقت کی حمایت میں اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ (۷) اگر جادو اور معجزہ کا مقابلہ آن پڑے تو معجزہ غالب رہے گا اور اعلیٰ سے اعلیٰ جادو بھی مغلوب ہو جائے گا۔ ساحرین اور انبیا و رسُل کے مقابلہ کی تاریخ اس حقیقت کی شاہدِ عدل ہے۔'' (قصص القرآن --- حفظ الرحمٰن سیوہاروی' جلد اوّل' صفحات ۴۲۸' ۴۲۹)

نوٹ: سِحر (جادو) کے شرعی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس کام کو انسان خود نہ کرسکے اور وہ شیطان کی مدد اور اُس کے تقرب کے بغیر پورا نہ ہو اور اُس کام کے لئے شیطان کے شر اور خُبثِ نفس کے ساتھ مناسبت ضروری ہو' اُسے سِحر کہتے ہیں۔ اس تعریف سے سِحر' معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی نے بھی ''لسان العرب'' میں یہی بات کہی ہے۔

<u>یہود کا دینی اور اخلاقی طرزِ عمل</u> : یہود کے مذہبی اور اخلاقی طرزِ عمل کی بابت ذیل کی آیات اہم ہیں:

(۱) وَ آمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ ------
أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (البقرة: ۴۱--)

''اور اُس کتاب پر ایمان لے آؤ جو میں نے نازل کی تصدیق کرتی ہوئی اُس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور اُس کے اوّلیں کفر کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں کو حقیر قیمت پر مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور حق کو ناحق کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور نہ ہی حق کو چھپاؤ در آنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو۔-- کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتابِ الٰہی پڑھتے رہتے ہو' سو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے؟'' (۴۱' ۴۲' ۴۴ : ۲)

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیات میں یہود کے کردار سے متعلق تین باتیں ماخوذ ہیں: (۱) اُنہوں نے اُس حق و صداقت کو جو اُنہیں تفویض ہوا تھا' انتہائی حقیر قیمت پر پس پشت ڈال دیا تھا بایں مفہوم کہ اُن کے کچھ حکمرانوں نے اپنے مذہبی علماء کو یہ کشش دے کر اُن پر دولت اور اعزاز و اکرام کی برسات کر دی کہ وہ لوگوں سے کچھ احکاماتِ الٰہی چھپا کر رکھیں اور اُنہیں نہ بتائیں مثلاً امام الانبیاء ﷺ کی وہ علامات و خصائص جن کا ذکر اُن کی کتاب تورات میں ہوا تھا۔ (۲) وہ حق و صداقت کو باطل اور جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کرنے اور اپنی کتاب تورات کے اُن حصّوں کو چھپانے کے عادی ہو چکے تھے جو اُن کی خواہشات کے منافی تھے۔ ایسا کرنے میں ایک ایسا ذہنی رویّہ پروان چڑھتا ہے جو دیانتدارانہ سوچ اور دیانتدارانہ زندگی کی جڑ پر ضربِ کاری لگاتا ہے۔ لوگوں کو وحی شدہ احکامات اس طرح نہ بتانا کہ مبہم نکات واضح اور صاف ہونے کی بجائے الٹا مزید ناقابلِ فہم ہو جائیں' اُن کے پادریوں اور مذہبی علماء کی یہی عادت اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ (۳) لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی نصیحت کرنے کے باوجود وہ خود صراطِ مستقیم پر چلنے میں ناکام ہو چکے تھے اور اُن میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت جاتی رہی تھی۔

امام شوکانی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق آیت مذکورہ (۴۴) میں اُمّتِ مسلمہ کے اُن خطیبوں اور مبلغوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو لوگوں کو تو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں لیکن خود اُس سے دُور رہتے ہیں۔ شبِ معراج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے لوگوں کو سزا ہوتی ہوئی دکھائی گئی اور اُنہی کے متعلق آپ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ لعنت ہے اُس پر جسے علم نہیں لیکن سات مرتبہ لعنت ہے اُس پر جو جانتا تو ہے لیکن اُس پر عمل نہیں کرتا۔'' (''فتح القدیر''۔۔الشوکانی' جلد اوّل' صفحہ ۶۵)

دراصل آیت مذکورہ (۴۴) کے اطلاق کا میدان بہت وسیع ہے۔ دَورِ جدید میں جمہوریت کا راگ اُنہی لوگوں نے الاپا ہے جنہوں نے غیر جمہوری کام کیے ہیں۔ عدمِ تشدّد اور عدم دہشت گردی کا پرچار اُنہی ملکوں نے کیا ہے جو دوسرے ملکوں پر جارحانہ جنگیں تھوپتے ہیں اور اسی طرح مذہب کی اوپری غیر مخلصانہ مدد (Lip-service) وہ لوگ کرتے ہیں جو مذہب سے ذرّہ بھر بھی مخلص نہیں ہیں۔ جو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں تو ایسا رویّہ اُن میں منافقت کو جنم دیتا ہے اور منافقت حق و صداقت سے محبت اور دیانتدارانہ' صاف ستھری زندگی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے۔

(۲) لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلاً کُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ' بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَO وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ' فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرٌ مِّنْهُمْ (المائدۃ: ۷۰' ۷۱)

''یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر بھیجے' جب بھی کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لایا جسے اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو بعض کو تو وہ جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور گمان یہی کرتے رہے کہ کچھ وبال نہ پڑے گا' سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی' پھر بھی اُن میں بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (۷۰'۷۱ : ۵)

سورۃالمائدۃ کی مذکورہ آیات (۷۰،۷۱) یہود کے کردار پر اس طرح روشنی ڈالتی ہیں: (۱) یہود میں دوسری بیہودگیاں، شرارتیں اور سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے وہ نہ چوکے اور وہ بھی انبیاء علیہم السلام جیسی معصوم و مقدّس ہستیوں کا۔ نبی یسعیاہ علیہ السلام کا قتل، حضرات یرمیاہ، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کا قتل اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا اقدامِ قتل۔ یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں۔ (۲) ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ (پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی) سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایسے سنگین گناہِ کبیرہ پر قلمِ عفو پھیرتے ہوئے اور اُن کی ہدایت کے لئے کوئی اور پیمبر اُن میں بھیجا گیا۔ عقلاً و نقلاً و اخلاقاً رب کے ایسے لطف و کرم کا تقاضا تو یہ تھا کہ اُن کے سر اُس کے حضور جھک جاتے اور تلافیِ مافات کر لیتے لیکن معاملہ اُلٹ ہی رہا۔

(ب) اُن اخلاقی خلاؤں میں سے جن میں سماج یہود بالعموم ملوّث تھا، ایک اُن کے لوگوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنا تھا، جس کا حوالہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○ (البقرۃ: ۱۰۰)

''کیا یہ ہے کہ جب بھی اُنہوں نے کوئی عہد کیا ہے، تو اُنہی میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے اُسے توڑ ہی پھینکا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اُن میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے۔'' (۲ : ۱۰۰)

علامہ آلوسی حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت اُن یہودیوں کے متعلق ہے جنہوں نے پیغمبرِ اسلام ﷺ سے مدینہ منورہ میں عہد و پیمان باندھا تھا لیکن بعد میں وہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے اور وہ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقُریظہ کے قبیلے تھے۔ (روح المعانی)

امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد شکنی یہود کی سرشت میں تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ اُن کے آباء و اجداد بھی عہد و پیمان کو توڑنے کے عادی تھے۔ امام رازی نے یہاں یہ نکتہ بھی اُٹھایا ہے کہ جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اُن میں سے ایک طبقہ نے کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا تو یہاں ''کتاب'' سے مراد قرآن مجید نہیں جس کا انکار پورے یہودی طبقے نے کر دیا تھا بلکہ اس سے مراد تورات ہے جس میں نبیِ موعود ﷺ کی علامات و خصائص بیان کی گئی تھیں۔

آیت کا عمومی مدّعا اور فحوائے کلام غیر مسئول ہے کیونکہ قرآن مجید اپنے پیروکاروں کو کئے گئے عہد و پیمان اور وعدوں کی بڑی ہی محتاط تکمیل کی پُرزور تاکید کرتا ہے اور کسی قوم میں متفقہ طور پر یہ اخلاقی خلا ہوتا ہے اگر وہ دوسرے لوگوں یا قوموں سے کئے گئے وعدے پورے نہیں کرتی یا وہ وعدے توڑ ڈالتی ہے۔ ایسی عادت نہ صرف اُنہیں دوسروں کی نظروں میں گرا دیتی ہے بلکہ اُنہیں دوست اور اپنا اتحادی بنانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

(ج) یہود کے بخیل و حریص اور طامع ہونے اور حرام ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید نے اُن کی اس عادتِ قبیحہ کو یوں بیان کیا ہے:

(i) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًاO وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاO (النساء: ۱۶۰، ۱۶۱)

''سو یہود کی (ایسی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے اُن پر بہت سی چیزیں جو اُن پر حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے حالانکہ اُنہیں اس سے روکا گیا تھا اور اس سبب سے بھی کہ وہ دوسروں کا مال ناحق کھا جاتے تھے اور اُن میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۱۶۰، ۱۶۱:۴)

جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جائے تو اُن کے اصلاح کی ایک مناسب صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جن مباح چیزوں کی وہ عادی ہو، اُن سے اُسے محروم کر دیا جائے۔ اِن آیات کی تفسیر میں امام رازی کہتے ہیں کہ گناہ کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: مخلوقِ خدا سے بے انصافی اور مذہب سے بے التفاتی۔ پہلی قسم میں یہود کا لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا شامل ہے اور دوسری قسم میں دولت سے اُن کی حد درجہ محبت اور سود جیسے حرام ذرائع سے اُسے اکٹھا کرنا ہے۔ بِظُلْمٍ میں ب سببیہ ہے جس سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ اُمتِ اسرائیل پر بعد میں جو بھی سختیاں ہوئیں، بلاوجہ نہیں ہوئیں بلکہ خود اُن کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں۔ مباح نعمتوں سے اُن کی محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کر دئے گئے ہیں: (۱) اُن کی ذاتی زیادتیاں اور گنہگاریاں (۲) اُن کی متعدی گمراہیاں (۳) ممانعت کے باوجود اُن کی سود خوری (۴) ناجائز آمدنیوں سے اُن کا تامل نہ کرنا۔

(ii) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (المائدة: ۴۱)

''اُن میں سے جو یہودی ہیں وہ جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں، دوسرے اُن لوگوں کی خاطر سننے والے جو آپ کے پاس نہیں آتے، کلام کو اس کے صحیح موقعوں سے بدلتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم ملے تو اُسے مان لینا اور اگر نہ دیا جائے تو اس سے احتیاط کرنا۔'' (۴۱ : ۵)

''جو آپ کے پاس نہیں آتے''، یعنی یہود میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو تکبر اور بغض کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے مثلاً یہودِ خیبر اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں لیکن طلبِ حق کی غرض سے نہیں بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ یہ وصف اُنہی اکابر یہود کا بیان ہوا جو فرطِ عداوت و کبر سے خود تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے اور جب موقع دیکھتے تو اپنے ہاں کے کلامِ الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے تھے۔ روایات میں آیا کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ بارگاہِ رسالت میں لائے۔ آپ نے فرمایا کہ توریت میں سنگساری کا حکم موجود ہے، اُس کے مطابق سزا جاری کرو۔ بارگاہِ رسالت کو بھیجے جانے والوں کو اُنہوں نے ہدایت کہ اگر آپ درّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو انکار کر دینا۔ لیکن آپ نے رجم ہی کا حکم فرمایا۔

یہود کی اخلاقی پستی کے تسلسل میں قرآن حکیم مزید فرماتا ہے :

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدۃ : ۴۲)

''(وہ) جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں' حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔'' (۵: ۴۲)

جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا گیا کہ کچھ لوگ سُحت کے لفظ سے وہ رشوت مراد لیتے ہیں جو قاضی کو فیصلہ صادر کرتے وقت دی جاتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا عمل عدمِ ایمان کے برابر ہے کیونکہ اس ضمن میں قرآن مجید کا فیصلہ صاف اور واضح ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ○ (المائدۃ :۴۴)

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔'' (۵:۴۴)

جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا کہ کسی شخص کو کسی معاملے میں قاضی یا حکمران کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن قاضی یا حکمران اُس ضرورتمند سے کوئی ہدیہ لئے بغیر اُس کی مدد نہیں کرتا اور سُحت کا یہی معنیٰ ہے۔

(د) یہود کی اخلاقی پستی کا ایک اور پہلو جس کا ذکر قرآن نے کیا' یہ ہے کہ اُن کی مذہبی قیادت عوام الناس میں اخلاقی تنزل کو نہ تو روک سکی اور نہ رُو بہ اصلاح کر سکی۔ اس صورتِ حال نے اُن کے تمام سماجی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

''اور آپ اُن میں سے بہتوں کو گناہ' ظلم اور حرام کھانے پر لپکتے ہوئے دیکھتے ہیں' کیسے بُرے اُن کے کرتوت ہیں! اُن کے مشائخ اور علماء کیوں اُنہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے ؟ کیسی بُری اُن کی کارستانیاں ہیں!'' (۶۲' ۶۳ : ۵)

آیت ۶۲ میں ذکر عوام یہود کا ہے اور آیت ۶۳ میں خواص و اکابر یہود کا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود لالچ اور حرص جیسی برائی کے مرتکب تھے اور ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے دولت کمانے میں اُن کی آپس میں مقابلہ بازی تھی۔ اس سے زیادہ المناک بات یہ تھی کہ اُن کے مذہبی راہنماؤں نے اُنہیں اِن برائیوں اور حرام ذرائع سے دولت کمانے سے روکنے میں کچھ بھی تو نہ کیا۔ اس لئے اُن کی اخلاقی پستی کے تمام تر ذمّہ دار اُن کے مشائخ اور پادری تھے کیونکہ قرآنی نظریہ کی رُو سے کسی سماج کے مذہبی قائدین ہی ہر قسم کی برائی کے سدِّ باب کے لئے تمام ضروری اقدامات کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس میں ناکام ہو جائیں تو معاشرے کے اخلاقی زوال کے ذمّہ دار وہی ٹھہرائے جاتے ہیں۔

امام جلال الدین السیوطی نے ابن ماجہ اور ابو داؤد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''با اثر و بارسوخ اور با اختیار لوگوں میں جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ اُسے اُس برائی سے نہیں روکتے تو وہ سب کے سب خدائی گرفت میں آجاتے ہیں۔''

ایک جگہ یہود کے اُخلاقی خلا کو قرآن مجید نے بالخصوص اس طرح ہدفِ تنقید بنایا ہے:
لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ O كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ O (المائدۃ:۷۸۔)
''بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابنِ مریم کی زبان سے لعنت ہوئی' یہ اس لئے کہ اُنہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے آگے نکل گئے۔ جو برائی اُنہوں نے اختیار کر رکھی تھی وہ اُس سے باز نہ آتے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے' کیسا بے جا تھا!'' (۷۸'۷۹ : ۵)

اس آیت کی تفسیر میں جلال الدین السیوطی نے دو احادیثِ نبوی کا حوالہ دیا ہے جن میں نبی ﷺ نے فرمایا:

(۱) ''اُس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہِ قدرت میں محمد کی جان ہے' تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے اور تم غلط کار کے ہاتھوں سے برائی کرنے کی قوت کو چھین لو گے اور نیک راہ پر چلنے میں اُس کی حوصلہ افزائی کرو گے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت ڈال دے گا اور تم پر اُسی طرح لعنت کرے گا جس طرح اُس نے یہود پر لعنت کی ہے۔''
(اَلدُّرُّالمنثور لجلال الدین السیوطی' ج ۲' ص ۳۰۵' طبع قاہرہ ۱۳۱۴ھ)

(۲) ''کسی معاشرے کی عام آبادی کو اللہ تعالیٰ اُس کے کسی مخصوص طبقے کی بدعملیوں کی وجہ سے سزا نہیں دیتا جب تک کہ وہ برائی کو اپنے درمیان بے مہار دیکھ کر طاقت و اختیار رکھنے کے باوجود معاملہ کو درست کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' (ایضاً' ص ۳۰۲)

<u>یہود کا اپنے پیمبروں اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رویّہ</u>: ہمارے نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود کو ایک مسیحا کا انتظار تھا جس کی قیادت میں وہ مشرکینِ عرب کے ساتھ جنگ کرنے اور اُنہیں شکست دینے کی اُمید لگائے بیٹھے تھے۔ لیکن جب وہ رسول تشریف لے آئے جس سے اُن کی امیدیں وابستہ تھیں تو اُنہوں نے اُس رسول کو یکبارگی مسترد کر دیا اور مشرکینِ مکّہ کے ساتھ مل گئے جو پہلے ہی پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی جانِ مبارک اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے درپے تھے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔
وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ O (البقرۃ : ۸۹)
''اور جب اُن کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب پہنچی تصدیق کرنے والی اُس کی جو اُن کے پاس (پہلے سے) موجود ہے اور اس سے پہلے یہ (خود ہی) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے' پھر جب وہ اُن کے پاس آ گیا جسے وہ (خوب) پہچانتے تھے تو اُس سے کفر کر بیٹھے' سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

ایک نومسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ زمانہ قبلِ اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے کہ اچھا ٹھہر جاؤ، عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ہم اُس کے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔
(سیرت ابن ہشام باب: خبر إنذار یہود برسول الله ﷺ)

رازی کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے علماء و مشائخ کے متعلق ہے جنہوں نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ذکر اپنی آسمانی کتابوں میں پایا تھا اور وہ مشرکینِ مکّہ سے پوچھا کرتے تھے کہ ایسی ایسی خصوصیات کا حامل کوئی شخص اُن میں پیدا ہوا ہے۔ یہود کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت کے انکار کے سبب میں رازی لکھتے ہیں کہ یہود اُس نبیِ موعود کی تشریف آوری کی اُمید اپنے (یعنی بنی اسرائیل) میں سے ہونے کی لگائے ہوئے تھے لیکن اُن کی توقعات کے برعکس جب پیغمبرِ موعود بنی اسماعیل میں سے تشریف لائے تو یہود نے ازراہِ حسد آپ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا۔اُن کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کو نبی ماننے سے اُن کی سرداری کے شمّہ میں فرق آجائے گا اور سماج میں اُن کی برتری ماند پڑ جائے گی۔

یہود و نصاریٰ کی طرف سے نبیِ اکرم ﷺ کی رسالت کو نہ ماننے کی ایک اور ٹھوس وجہ یہ بھی ہے۔قرآن فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ اپنے آپ کو اللہ کی منتخب شدہ پیاری مخلوق سمجھتے تھے اور کسی غیر قوم سے آئے ہوئے رسول کو ماننا اُن کی آن بان کے خلاف تھا۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع ہی سے چلا آرہا ہے کہ نجات اُنہی کی قوم اور وابستگانِ قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔اُن کے اِس غرور اور نفس پسندی (Egoism) کو اور پھر اُس کی تردید میں قرآن مجید نے یوں کہا ہے:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ O بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ " فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ " عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (البقرة: ۱۱۱، ۱۱۲)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی یا نصرانی ہوں۔ یہ اُن کی (نری) آرزوئیں ہیں۔آپ فرما دیجئے اگر تم سچے ہو تو اپنی (کوئی) سند لاؤ۔ ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے پروردگار کے پاس اُس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ اُداس ہوں گے۔'' (۱۱۱، ۱۱۲ : ۲)

معلوم ہوا کہ (۱) عقائد و اعمال سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نبی زادہ، پیر زادہ، سیّد زادہ، شاہ زادہ، مولوی زادہ جو بھی بے ایمان ہو، جہنمی ہے۔اسی طرح اُن میں سے کسی کے لئے بھی نماز، روزہ وغیرہ معاف نہیں۔ایسا عقیدہ تو یہود اور نصاریٰ کا تھا جس کی یہاں تردید کر دی گئی۔(۲) اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ بعض صورتوں میں بغیر عمل نجات ہو سکتی ہے لیکن بغیر ایمان نجات ناممکن اور عمل بے کار۔لیکن عمل بغیر ایمان نہیں، اس لئے یہاں اسلام کا ذکر پہلے ہوا اور احسان کا بعد میں۔(۳) مُحْسِن سے مراد نیکوکاری کے ساتھ ساتھ درستیِ عقائد کا بھی حامل ہونا ہے۔(۴) چونکہ اسلام ایک ہی بار قبول کیا جاتا ہے اور اعمال بار بار، اس لئے وہاں ماضی کا صیغہ اور یہاں جملہ اسمیہ فرمایا گیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ وہ ہر محفل میں اِس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں لیکن بجائے اس کے کہ اُن کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہوتے' اُنہوں نے اُلٹا ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا۔ ربّ ذوالجلال والاکرام اُن کے فریب اور خوش فہمی کا پردہ چاک کرتے ہوئے اُن کی غلط بیانی کی تردید کرتے ہیں کہ تمہاری اس شرک آلود یہودیت اور نصرانیت سے اُس موحدِ اعظم کو دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اُن کا دامن عصمت تو اِن تمام بدنما دھبّوں سے پاک اور منزّہ تھا۔ ذرا اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ تو دیکھو تو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آپ فرما دیجئے کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) سیدھی راہ والے ابراہیم کا مذہب پا لیا اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (۲:۱۳۵)

یہود کا ایک اور دعوٰی یہ بھی تھا کہ اُنہیں آخرت میں اُن کے گناہوں کے سبب اِس وجہ سے عذاب نہیں ہوگا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہونے کے ناطے سے اللہ کے محبوب ہیں اور اگر اُنہیں عذاب ہوا بھی تو بہت مختصر اور ہلکا ہوگا۔ قرآن مجید نے اُن کے اِس بے بنیاد عقیدے کی قلعی کھولتے ہوئے اس کی تردید یوں فرمائی:

(۱) وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَه' اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَاتَعْلَمُوْنَ O (البقرة : ۸۰)

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی آگ) سوائے گنتی کے چند دنوں کے ہرگز نہ چھوئے گی۔ آپ فرما دیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے' تب تو اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم (یونہی) ایسا بہتان باندھتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔'' (۸۰ : ۲)

(۲) قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَاللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ' عَلِيْمٌ'' بِالظّٰلِمِيْنَ O (البقرة : ۹۵'۹۴)

'' آپ فرما دیجئے اگر اللہ کے ہاں دارِ آخرت (کی راحتیں) تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہیں تو اگر تم سچے ہو تو بھلا موت کی آرزو تو کرو۔ اور وہ ہرگز کبھی بھی اپنی کارستانیوں کے خوف سے اس کی تمنا نہ کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' (۹۴' ۹۵ : ۲)

اُن کے لئے کتنا آسان تھا کہ مرنے کی آرزو کر کے قرآنِ حکیم کے اس اعلان کو (معاذ اللہ) جھٹلا دیتے لیکن وہ

نوٹ: میرے معزز قارئین یہاں ایک دردمند دل کی فریاد بھی سنتے جائیں کہ رمضان المبارک کی سحری کے لئے روزے داروں کو ''جنت کے حق دارو!'' کہہ کر جگایا جاتا ہے۔ حالانکہ بروئے سورۃ الدُّخان: آیات ۵۶'۵۷ جنت پر کسی کا کسی بھی طرح کوئی حق نہیں ہے' وہ تو انشاء اللہ صرف اور صرف اللہ کے فضل و کرم ہی سے ملے گی۔ جنت پر حق ہونے کا دعوٰی تو شروع سے اب تک یہود و نصارٰی کا رہا ہے جس کی قرآن نے جگہ جگہ تردید کر دی۔ مؤمن کا جنت پر حق ہونے کا دعوٰی کبھی نہیں رہا' ہاں البتہ وہ جنت ملنے کا اُمیدوار ضرور ہے۔ حق دار اور اُمیدوار ہونے میں بڑا فرق ہے۔

دل کی گہرائیوں سے خوب جانتے تھے کہ یہ کھیل نہیں۔ اگر اُنہوں نے تمنا کی تو اُن کی زندگی کا چراغ اُسی لمحہ بجھا دیا جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہود اُس وقت مرنے کی تمنا کرتے تو اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا (ضیاء القرآن)

نوٹ: آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ اور فسق و فجور کی زندگی موت سے ڈرنا سکھاتی ہے جبکہ تقوٰی اور نیکی کی زندگی موت سے محبت کرنا سکھاتی ہے کہ وہ لقائے حبیب اور دیدارِ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید کا یہود پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ احکاماتِ الٰہیہ کے تسلیم کرنے کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی مفادات کے تعاقب میں ہیں جس کے نتیجے میں اپنے آخرت کے گھر کی بہتری کے لئے معاملات کو سنجیدگی سے لینے کی بجائے اُنہوں نے تکبر و نخوت سے کام لیا۔ اُن پر انعامات اور نوازشات کو یاد دلاتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ O (البقرۃ: ۸۷)

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اُن کے پیچھے ہم نے پے در پے پیمبر بھیجے اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور ہم نے روح القدس کے ذریعے اُن کی تائید کی۔ تو کیا جب بھی کوئی پیمبر تمہارے پاس اُن (احکام) کے ساتھ آیا جو تمہارے جی کو نہ بھائے تو تم اکڑنے لگے' پھر کچھ کو تم نے جھٹلایا اور کچھ کو تم قتل ہی کرنے لگے۔'' (۸۷ : ۲)

اللہ تعالیٰ نے قومِ اسرائیل کو ایک مستقل دستورِ شریعت دے کر اُنہیں بطور انعام خاص مشرّف و ممتاز کیا۔ اَلْکِتٰب سے مراد تورات ہے۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کا متواتر اور بہ کثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے۔ حضرات یوشع بن نون' داؤد' سلیمان' زکریا و یحییٰ و عیسٰی علیہم السلام کے اسمائے گرامی سے اردو خواں طبقہ بھی واقف ہے۔ عیسٰی علیہ السلام سلسلۂ انبیائے اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنِ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوّتِ محمدی ہوئی۔ مریم بنتِ عمران بن ماثان' عیسٰی علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں۔ بڑی ہی باعصمت اور باحیا خاتون ہو گزری ہیں۔ اُن کا سالِ وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ عیسوی ہے۔ عیسٰی ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ (۱) عیسٰی علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لئے عیسٰی ابنِ مریم کہلائے ورنہ ہر بچہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ (۲) اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود آپ محض بشر ہی تھے۔ ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے' خدا یا مثیلِ خدا یا فرزندِ خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔

عیسٰی علیہ السلام کی بیّنات (روشن نشانیاں): (۱) آپ کا بن باپ پیدا ہونا (۲) مُردوں کا زندہ کرنا۔ (۳) مادرزاد اندھوں اور کوڑھوں کو تندرست کر دینا (۴) مٹی کا پرندہ بنا کر اُس میں پھونک مار کر اصلی پرندہ بنا دینا (۵) غیب کی خبریں دینا (۶) تورات پاک کا خود بخود سیکھ لینا (۷) عالمِ شیر خوارگی میں آپ کا کلام کرنا۔ اس کے علاوہ ایک خاص چیز اُنہیں عطا فرمائی گئی کہ روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے آپ کو

قوت دی گئی :(۱) عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ برس کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے اور اس عرصہ میں جبریل ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔ (۲) عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جبریل ہی نے اُنہیں شیطان سے محفوظ رکھا۔ (۳) تمام عمر یہودیوں کے فریب سے جبریل ہی نے آپ کو بچایا اور آخر کار جبریل ہی آپ کو آسمان پر لے گئے۔ غرضکہ جبریل علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص ہیں۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح ملکی تھی اور آپ بہت سے بشری عوارض سے پاک تھے۔ تفسیر روح البیان نے ایک جگہ فرمایا کہ آپ نصف بشر اور نصف ملک (فرشتہ) ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش بھی بشر اور ملک سے ہے۔''

''چونکہ جھٹلانا ایک ہی بار ہوتا ہے اور قتل کی تدبیریں اور سازشیں بار بار ہوتی ہیں اور عرصہ تک رہتی ہیں اور قسم قسم کی ہوتی ہیں' اس لئے جھٹلانے کو ماضی کے صیغہ سے کَذَّبْتُمْ فرمایا گیا اور قتل کرنے کو مضارع کے صیغہ میں تَقْتُلُوْنَ لایا گیا۔'' (تفسیر نعیمی' جلد اوّل' صفحہ ۶۱۵)

پیمبرانِ خدا کو نہ ماننے میں اُن کی ہٹ دھرمی اور خود پسندی کو ذیل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ O (البقرة : ۱۰۱)

''اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے پیمبر آیا تصدیق کرتا ہوا اُس (کتاب) کی جو اُن کے پاس موجود تھی' تو (اُن) اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔'' (۲ : ۱۰۱)

بتایا یہ جا رہا ہے کہ یہ نئے نبی جو تشریف لائے ہیں' یہ تمہاری کتاب اور اُس کے دین کو مٹانے کے لئے نہیں' یہ تو عین اُسے تازگی بخشنے اور اُسے حیاتِ تازہ دینے کے لئے آئے ہیں۔ کتاب کے پسِ پشت پھینک دینے ☆ سے محاورہ میں اس سے مراد اُس کی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اُس کی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ قرآنِ حکیم سے یہود کی بے التفاتی اور لاتعلقی تو ظاہر ہی تھی اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن و صاحبِ قرآن سے مخالفت کی دُھن میں خود اپنی کتاب آسمانی (توریت) کی طرف سے بھی وہ بے پروا اور لاتعلق ہو گئے تھے کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخر الزماں ﷺ کی بابت پیشگوئیاں' اُن کی علامتیں اور اُن پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی اور اُنہیں معلوم تھا کہ امام الانبیاء ﷺ کو جھٹلانے سے خود اُن کی اپنی کتاب (توریت) کو جھٹلانا لازم آتا ہے۔ فَرِيْقٌ '' کے لفظ میں یہ بتایا کہ عہد شکنی سارے یہود کا طریقہ نہیں' اُن میں سے بعض نہایت وفادار ہیں جیسے سیّدنا عبداللہ ابن سلام اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہما۔

☆ پیٹھ پیچھے کی چیز بالکل نظر نہیں آتی' دائیں بائیں کی کچھ تو نظر آتی ہے۔ تو اُنہوں نے عہد دائیں بائیں نہ پھینکا کہ کچھ دکھائی بھی دے بلکہ پیچھے پھینکا کہ بالکل نظر ہی نہ پڑے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے ظہور سے پہلے رب کے حضور خاص میں حاضر تھے کیونکہ فرمایا گیا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ یعنی یہ رسول' اللہ کے حضور سے آئے۔ ایک شب پھول کی صحبت میں رہ کر تل بھی مہک جاتے ہیں کہ اُن کا تیل جس دماغ تک پہنچے اُسے بھی معطر کر دے۔ جو ذات کریم کروڑوں سال رب کے حضور حاضر رہے' اُسے کیا کچھ فیض نہ ملے ہوں گے۔

یہود کے خلاف قدرت کا قانونِ مکافات حرکت میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خواہ مخواہ اور بلاوجہ سزا نہیں دیا کرتا۔ اُس کا قانون یہ ہے کہ وہ بندے کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے اُس کی بے اعتدالیوں سے صَرفِ نظر کر کے پہلے اُسے ڈھیل اور مہلت دیتا ہے یا تو انعام واکرام کی بارش کر کے یا مصائب میں گرفتار کر کے۔ لیکن جب بندہ اس مہلت کے مفہوم کو نہیں سمجھ پاتا اور اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو پھر مکافاتِ عمل کا الٰہی قانونِ سزا حرکت میں آتا ہے اور بندے کی آنکھ اُس وقت کھلتی ہے جب اُس کے کھلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اہلِ یہود کی تاریخ بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ اُنہیں کتنی ہی بار مہلت دی گئی۔ وقت کے پیامبروں کو تنگ کرنا' اُنہیں نفسیاتی' روحانی اور جسمانی اذیتیں دینا یہاں تک کہ اُن معصوم ومقدس ہستیوں کو قتل تک کر دینا' قدم قدم پر بانگِ دُہل سینہ زوری اور احکاماتِ الٰہی کے خلاف سرکشی کرنا جس کی منظر کشی گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے۔ بہرحال قدرت کی طرف سے بار بار ڈھیل اور مہلت دیئے جانے کے باوجود جب یہ سرکش قوم اپنی کج رویوں سے باز نہ آئی تو پھر بقول شخصے ''حذر اے چیرہ دستاں کہ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں'' قانونِ قدرت حرکت میں آیا جسے قرآن نے اس طرح بیان کیا:

(۱) ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرة : ۶۱)

''اُن پر ذلّت اور محتاجی مسلّط کر دی گئی اور وہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے۔'' (۲ : ۶۱)

(۲) ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ (آلِ عمران : ۱۱۲)

''ذلّت وخواری اُن پر مسلّط کر دی گئی ہے خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں' سوائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے اور اُن پر بیچارگی مسلّط کر دی گئی۔'' (۳ : ۱۱۲)

نوٹ: ان آیات کی تفسیر وتوضیح جلد ہٰذا (چہارم) کے صفحات ۱۷۸۹' ۱۷۹۰ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

(C) قرآن مجید اور تاریخِ عیسائیت

(1) قرآن کا نظریہ انتخاب بمقابلہ نصرانیت کا نظریہ انتخاب: سینٹ پال پہلا شخص تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد عیسائی برادری کے لئے ''منتخب باقیات'' کا نظریہ پیش کیا۔ اُس نے اس انتخاب کو قطع نظر پارسائی اور اعمالِ صالحہ کے خالص رحمتِ خداوندی اور تائید ربانی کے ساتھ منسوب کیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ رحمتِ خداوندی کو اگر اعمالِ صالحہ کے ساتھ جوڑا جائے تو وہ رحمتِ خداوندی نہیں رہتی۔ اس کے برعکس قرآن کا نظریہ انتخاب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے اُنہیں منتخب کرتا ہے جو اللہ کے مقرر کردہ معیارِ نظم وضبط پر پورے اترتے ہوں جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے:

(۱) بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○ (البقرة: ۱۱۲)

''ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے پالنہار کے پاس اُس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ اُداس ہوں گے۔'' (۱۱۲ : ۲)

(۲) وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ O (البقرۃ : ۱۲۴)

''اور (وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا اور اُنہوں نے وہ انجام دے دیئے تو ارشاد ہوا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ آپ بولے: اور میری نسل سے بھی؟ فرمایا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچے گا۔'' (۱۲۴ : ۲)

آیتِ بالا (۱۲۴) سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ الٰہی انتخاب کا مرکز ابراہیم علیہ السلام ہیں، محض رحمتِ خداوندی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ آپ نے اپنے خالق کی آزمائش میں اپنے آپ کو موزوں ثابت کر دیا تھا لیکن جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انتخاب اور رحمت سے آپ کی اولاد کے غلط کاروں کو خارج کر دیا جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ قرآنی نظریہ انتخاب انسانی طرزِ عمل کے صحیح ہونے کے ساتھ مشروط ہے جس میں رحمتِ خداوندی بھی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں بھی ملتا ہے جسے جلد ہٰذا کے صفحہ ۱۸۲۸ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: ان آیات کی مزید تفسیر و توضیح جلد ہٰذا (چہارم) کے صفحات ۱۸۲۶، ۱۸۳۶ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اس لئے تاریخ کی تشکیل اللہ تعالیٰ کے من مانے فیصلوں سے نہیں ہوتی بلکہ قرآنی نظریہ کے مطابق وہ اکثر و بیشتر انسان کے اپنے اعمال اور فیصلوں سے تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ اس تمام بحث کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر طبقہ عیسائیت اللہ کے منتخب بندوں میں ہونا چاہتا ہے تو اُسے اپنے اخلاقی طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہئے، اپنے رب کے حضور اپنے سراپا کو جھکا دینا چاہئے اور اُس کے نبی آخر الزماں ﷺ کو اپنے نجات دہندہ کے طور پر قبول کر لینا چاہئے تا کہ اُن کا شمار بھی اللہ کے مقبول اور منتخب شدگان میں ہو جائے۔

عقیدہِ متناقضہ☆ (Antinomianism Belief): یہ عقیدہ بھی ''الٰہی نظریہ انتخاب'' کے خلاف ہے جسے قرآنِ حکیم نے مسترد کر دیا۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی اخلاقی قوانین کی پابندی سے آزاد ہیں کیونکہ رحمتِ خداوندی اُن کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس عقیدے کو پہلے سینٹ پال کی طرف منسوب کیا گیا جس نے یہ اعلان کیا کہ اُس کے مخالفین نے اُس کے اس بیان پر خواہ مخواہ الزام لگایا تھا: ''نیکی کے حصول کے لئے برائی کا ارتکاب کیوں نہ کیا جائے؟'' (رومو ۸:۳)۔ ابتدا میں نظریہ باطنیت کے کچھ حامیوں (Gnosticists) نے جنس اور دوسرے معاملات میں عقیدہِ متناقضہ کو اپنا لیا اور کہا کہ لوگ صرف روحانی معاملات میں اللہ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ سولھویں صدی کے لگ بھگ یورپ میں رومی کلیسا کی بدعنوانیوں کی اصلاح کے لئے اُٹھنے والی ''تحریکِ اصلاح'' کے زمانے میں مارٹن لوتھر کے کچھ پیروؤں نے اُس کے اس نظریہ کو اپنا لیا کہ قانون کا اطلاق ایک عیسائی

☆ عقیدہِ متناقضہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں باہم دو متضاد باتیں بہ یک وقت جمع ہو گئی ہیں یعنی اللہ کے پیارے اور چہیتے ہونا اور پھر اُن کے بہ زعمِ خود اللہ کے چہیتے ہونے کے باوجود اللہ کا اُنہیں سزا دینا۔

کی زندگی پر نہیں ہوتا۔ (Academic American Encyclopedia, Vol. 2, p. 64) USA 1981

قرآن مجید نے انتہائی منطقی طور پر اور مسکت زورِ استدلال کے ساتھ اُن کے اس عقیدۂ متناقضہ کو رد کیا ہے:
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (المائدة: ۱۸)
''اور یہود اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے تو پھر خدا تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے' وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔'' (۵:۱۸)

یعنی کیا دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے جیسے تمہیں کیا جا رہا ہے اور کیا اپنے پیاروں پر عذابِ الٰہی کے بادل اسی طرح منڈلاتے رہتے ہیں جیسے تم پر منڈلاتے رہتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور سزا کا جو قاعدہ اُن کے لئے مقرر ہے' تم بھی بلا امتیاز و استثناء اُنہی کی طرح عام قاعدہ کے تحت میں داخل ہو یعنی جزا و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لئے ہے' وہی تمہارے لئے بھی ہے۔

(2) <u>عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات خالصتاً موحدانہ تھیں</u>: اپنے تمام انبیائے سابق کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بھی خالص توحید پر مبنی تھیں' نہ کہ وہ جو ہم شرک پر مبنی آج کی عیسائی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ قرآن نے بہ تاکید یہ بات کہی ہے کہ مشرکانہ تعلیم دینا نبوت کے منصبِ ارفع کے شایانِ شان نہیں اور ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے:
مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ O (آلِ عمران: ۷۹)
''کسی بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ (یہ) اس لئے (بھی) کہ تم کتابِ (آسمانی) پڑھاتے ہو اور خود بھی (اُسے) پڑھتے ہو۔'' (۷۹ : ۳)

عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے' واضح الفاظ میں یہ تعلیم دی تھی:
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ O (آل عمران: ۵۱)
''میرا اور تمہارا پروردگار بالیقین اللہ ہی ہے' پس اُسی کی عبادت کرو' یہی سیدھی راہ ہے۔'' (۵۱ : ۳)

(3) <u>عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ مریم سلام اللہ علیہا کی الٰہ سازی (Deification) کی تردید</u>

عیسائیت کے نظریہ تثلیث کی رُو سے عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں میں سے ایک خدا ہیں اور اُن کا جزو ہیں۔ گویا اس نظریہ کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تاریخ کے عمل میں (خدائے واحد کی طرح) ہمہ وقت مصروف ہیں جو کسی انسان کے لئے تو درست اور ممکن بات نہیں ہے کیونکہ وہ تو بلا شرکتِ غیرے خالق ہی کا خاصہ ہے جو تقدیرِ انسانی کی

تشکیل کرتا ہے۔ کوئی بھی ہستی جو تھوڑی دیر کے لئے بھی انسان رہی ہو اور عیسیٰ علیہ السلام تو سالہا سال انسان رہے' انسان ہونے کی حقیقت کی رُو سے تاریخ کے دھارے کو پیہم متاثر کرنے کے امکان سے کٹ جاتی ہے۔ قرآن مجید منطقی طور پر ان تمام مفروضات کی بیخ کنی کرتا ہے جو خود اختراعی ہیں اور خانہ ساز نظریات ہیں:

مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْل "قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهُ صِدِّيْقَة" كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَO (المائدۃ : ۷۶)

''مسیح ابن مریم بجز ایک رسول کے کچھ نہیں' اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور اُن کی والدہ ایک ولیّہ تھیں' دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (اے نبی مکرّم!) دیکھئے تو سہی کہ ہم کس طرح صاف دلائل اُن کے سامنے پیش کر رہے ہیں' پھر دیکھئے کہ وہ کدھر کو اُلٹے جا رہے ہیں۔'' (۷۶ : ۵)

فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ کا کھانا کھانے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: اوّل تو یہ کہ جس شخص کی تخلیق ماں سے ہوئی ہو' اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی ابتدا ضرور ہوگی اور جس کی ابتدا ثابت ہو اُس کا مخلوق اور فانی ہونا لازمی امر ہے۔ دوم یہ کہ اس میں اس حقیقت کا حوالہ ہے کہ دونوں ماں بیٹے پر دوسرے انسانوں کی طرح قانونِ قدرت برابر لاگو تھا جبکہ اللہ تعالیٰ حیّ و قیّوم ہے اور اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں' لہٰذا اِن روشن دلائل کے مدّ نظر عیسیٰ و مریم علیہما السلام خدا نہیں ہو سکتے۔

آیت کی ابتدا نے عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اور مقام واضح کر دیا جس میں ایک طرف تو مسیحی افراط کا ردّ آ گیا جو آپ کو اوتار سمجھتے تھے تو دوسری طرف یہودی تفریط کا ردّ ہے جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ ابنِ مریم کے الفاظ لا کر مسیح پرستوں کو یہ بتا دیا کہ مسیح تو ایک عورت' فانی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' وہ بشر کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں! آپ سے پہلے بھی تمام انبیاء علیہم السلام نے عورت سے جنم لیا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اُنہی میں سے ایک رسول ہیں۔ صِدّیقہ کے لفظ میں یہود کا پورا ردّ آ گیا جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کر رہے تھے۔ فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے تمام کمالاتِ بشری کے باوجود حوائجِ بشری سے منزّہ و بالاتر نہ تھے۔ مقدّس ماں اور اُن کا مقدّس تر فرزند دونوں بہر حال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے اور کھانے' پینے اور ساری بشری ضرورتوں کے محتاج تھے۔ تو جو ایسے صاحبِ احتیاج ہوں' اُنہیں اُلوہیّت اور خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ کہ وہ اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں کہ ''باپ' بیٹا اور رُوح القدس تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں۔

مسیحی عقائد کے چند نمونے: (۱) عالمِ لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے' تین خدا نہیں۔ (۲) بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا اور رُوح القدس کا صدور بھی ازل ہی سے باپ سے ہوا ہے۔ (۳) رُوح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے۔ (۴) خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصّہ دار ہیں۔ (۵) یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے۔ (۶) اقنوم وجود باپ ہے' اقنوم حیات بیٹا اور اقنوم علم روح القدس ہے۔

مسیحیوں کے یہ صرف چند عقیدے بہ طورِ نمونہ ''اسرارِ الٰہیات'' سے پیش کئے گئے ورنہ اسی طرح کے اور بھی بہت سے عقیدے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف' سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آ جانے والے بیان توحید کو دیکھو اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا کہ ایسے لغو و مہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہوں گے۔ (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۲۶۵' نوٹ : ۲۵۶)

عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے خالق کے ساتھ صحیح تعلق کو قائم رکھتے ہوئے اور یہود جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ہی انکار کر دیا تھا' کی تفریط اور عیسائیوں کی افراط کا رد کرتے ہوئے جنہوں نے آپ کو الوہیت کا درجہ دے رکھا تھا قرآن مجید افراط و تفریط کے مرتکب اِن دونوں طبقات کو ایسے فاسد عقیدے سے باز رہنے کی یوں تلقین کرتا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا O لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا O (النساء: ۱۷۱' ۱۷۲)

''اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم تو بس اللہ کے پیمبر اور اُس کا کلمہ ہی ہیں جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اُس کی طرف سے روح ہیں' پس اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان لے آؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں' (اس سے) باز آ جاؤ' تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کے بیٹا ہو' جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اُسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے۔ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ ہی مقرّب فرشتے (عار کریں گے) اور جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ اُن سب کو اپنے پاس ضرور جمع کرے گا۔'' (۱۷۱' ۱۷۲ : ۴)

دین میں غلو اور مبالغہ کرنا یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اضافہ و افراط کو اپنی طرف سے داخل کر دیا جائے خواہ کسی نیت سے ہو۔ اہلِ کتاب سے یہاں مراد اہلِ انجیل یعنی نصاریٰ ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کلمۃُ اللہ ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ آپ بغیر کسی واسطہ اور نطفہ کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن اور اُس کے امر سے پیدا ہوئے جیسا کہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۵۹ میں فرمایا گیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر انسان اللہ کے کُنْ فرمانے سے پیدا ہوتا ہے تو پھر ہر انسان کو کلمۃُ اللہ ہونا چاہئے' عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب امام غزالی نے یہ دیا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کا ایک سببِ قریب ہے اور ایک سببِ بعید ہے۔ سببِ قریب نطفہ ہے اور سببِ بعید اللہ کا کُنْ فرمانا ہے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا کوئی سببِ قریب نہیں تھا' اس لئے اُن کی خصوصیت کے ساتھ کُنْ کی طرف نسبت دی گئی ورنہ ہر انسان بلکہ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ کلمہ اللہ کی وہ بشارت ہے جو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں دی گئی تھی (بحوالہ سورہ آلِ عمران: ۴۵)۔

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے روح کہنے کی متعدد وجوہ ہیں: (۱) جب کوئی چیز بہت زیادہ طاہر اور نظیف ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ روح ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نطفہ کی آمیزش کے بغیر محض نفخ جبریل سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ عام انسانوں کی بہ نسبت بہت طاہر اور طیّب تھے' اس لئے اُنہیں روح فرمایا گیا۔ (۲) آپ اپنی نبوّت اور تبلیغ کی وجہ سے لوگوں کے دین میں حیات پیدا کرنے کا سبب تھے اور اُن میں روحانیت پیدا کرنے کا باعث تھے' اس لئے اُنہیں رُوح فرمایا گیا جس طرح سورۃ الشّوریٰ کی آیت ۵۲ میں قرآن مجید کو روح فرمایا گیا۔ (۳) آپ لوگوں سے برائیوں کو دُور کرتے اور اُنہیں نیکیوں سے آراستہ کرتے اور لوگوں کے حق میں یہی رحمت ہے کہ اُنہیں شر سے نکال کر خیر کی طرف لایا جائے اس لحاظ سے آپ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں جیسا کہ سورۃ المُجادلۃ کی آیت ۲۲ میں فرمایا: وَاَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ یعنی اُن کی اپنی طرف سے رحمت سے تائید فرمائی۔ (۴) کلامِ عرب میں روح پھونک کو کہتے ہیں۔ جبریلؑ علیہ السلام نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اس لئے اُنہیں رُوح فرمایا گیا اور چونکہ یہ پھونک اللہ کے اذن اور اُس کے امر سے تھی' اس لئے فرمایا گیا وَرُوۡحٌ مِّنۡہُ (وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں)۔ سورۃ التّحریم کی آیت ۱۲ میں بھی پھونک پر روح کا اطلاق ہے: فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا (تو ہم نے مریم کے چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح پھونک دی یعنی بوساطت جبریل)

اُس روح کی اللہ کی طرف اضافت تعظیم اور تشریف کے لئے ہے یعنی آپ اللہ کی طرف سے پسندیدہ' معظّم اور عالی قدر روح ہیں جس طرح بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق تین خدا ہیں: اللہ' عیسیٰ اور مریم اور وہ انہیں اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں اور ہر اقنیم کا دوسری اقنیم میں حلول مانتے ہیں۔ عیسائیوں کا ایک اور فرقہ اللہ' عیسیٰ اور روح القدس کو تین خدا مانتا ہے۔ عیسائی ان تینوں کو الگ الگ خدا بھی مانتے ہیں اور ان تینوں کو ایک خدا بھی کہتے ہیں۔ آیت میں فرمایا گیا کہ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں یا تین اقانیم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عین ہے اور ان میں سے ہر ایک کامل خدا ہے اور اُن کا مجموع بھی ایک خدا ہے کیونکہ اس نظریہ سے اُس توحیدِ خالص کا انکار ہوتا ہے جس کی دعوت عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ تثلیث کو جمع کرنا غیر معقول ہے اور اجتماع الاضداد ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ واحد ہے' مستحقِ عبادت صرف وہی ہے۔ وہ تعدّد' اجزاء اور اقانیم سے منزّہ ہے اور نہ وہ اجزاء سے مرکّب ہے کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو کسی کی طرف محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ وہ سُبۡحَانَ ہے یعنی وہ ہر عیب سے مکمل طور پر پاک ہے: (۱) بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے' رب جنسیت سے پاک ہے۔ (۲) اولاد کی ضرورت مغلوب کو ہوتی ہے۔ کبھی تو شہوت سے مغلوب ہو کر جماع کرتا ہے جس سے اولاد ہو جاتی ہے' کبھی دشمنوں کی قوّت سے مجبور ہو کر اولاد کی خواہش کرتا ہے جو قوّتِ بازو بنے اور اس کے ذریعے رشتہ داریاں بڑھیں اور وہ مجبور ہو کر نہ رہے۔ رب تعالیٰ ہر طرح کی مغلوبیت سے پاک' لہٰذا اولاد سے پاک۔ (۳) بیٹا باپ کا جز ہوتا ہے' رب اس سے بھی پاک ہے۔ (۴) بیٹا حاصل کرنے میں بیوی کا تعاون ضروری ہے' رب دوسرے کی امداد سے بھی پاک۔ (۵) بیٹے کے لئے رب کی بیوی ماننا ہوگی اور رب بیوی سے بھی پاک ہے۔ (۶) ضروری ہے کہ

بیوی شوہر کی کُفو یعنی مثل ہو اور رب مثلیت سے پاک ہے۔(۷) اولاد کے لئے مادّے کا ہونا لازم ہے جس سے رب کا مادّی ہونا لازم آتا ہے اور وہ مادّہ سے پاک' لہٰذا اولاد سے بھی پاک ہے۔

''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اُسی کا ہے'' اگر رب کی کوئی اولاد ہوتی تو رب تعالیٰ بعض کا مالک ہوتا اور بعض کی مالک اُس کی اولاد یا بیٹا ہوتا کیونکہ اولاد باپ کے مال کی ایک طرح مالک و قابض ہوتی ہے۔لیکن آسمان وزمین کی سب چیزیں بلا شرکتِ غیرے اللہ ہی کی ہیں۔ثابت ہوا کہ اُس کا کوئی بیٹا اور اولاد نہیں ہے۔آخر میں فرمایا کہ اللہ کا بندہ ہونا کوئی توہین والی چیز نہیں۔مسیح اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں نہ یہ کہ وہ عار محسوس کریں۔سچ پوچھیں تو مراتبِ شرف میں عبدیّت مرتبہِ اعلیٰ ہے کہ ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے محبوب علیہ السلام کو عَبْد کے لقب سے نوازا (بحوالہ سورہ بنی اسرائیل:۱ ؛ سورۃُ النَّجم:۱۰ ؛ سورۃُالجِنّ : ۱۹ ؛ سورۃُالعَلَق : ۱۰) اور نمازی ہر نماز میں آپ کی عبدیّت کا اقرار کرتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں قرآن مجید یہودیوں کے تفریط پر مبنی عقیدے کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کے مقامِ اعلیٰ کو اجاگر کرتا ہے' وہاں عیسائیوں کے افراط پر مبنی عقیدۂ تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کے ابنُ اللہ (اللہ کا بیٹا) ہونے کی بھی پُرزور مذمت کرتا ہے۔کَلِمَة اور رُوح کی قرآنی اصطلاحات کا وہ معنیٰ نہیں جو عیسائی پادریوں نے سمجھا۔جیسا کہ بیان ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے میں عار محسوس نہیں کرتے جس طرح فرشتے عار محسوس نہیں کرتے۔فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یہاں فرشتوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کچھ مافوق الفطرت قوّتوں کے مالک ہیں تو فرشتوں میں بھی ایسے کام کرنے کی استعداد ہے جو انسانی طاقت سے ماوراء ہیں۔لیکن اس کے باوجود فرشتے اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے رہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنی کسی قوّت کو اپنی ذاتی یا کسبی قوّت نہیں سمجھتے بلکہ وہبی اور عطائی سمجھتے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی حال ہے۔ اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے قرآن نے یہ بات ایک اور جگہ کسی اور ڈھنگ سے کی ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''O (المائدۃ : ۱۷)

''وہ لوگ یقیناً کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی تو مسیح ابن مریم ہے۔آپ فرما دیجئے کہ اچھا اگر اللہ مسیح ابنِ مریم اور اُن کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین پر ہے' ہلاک کر دینا چاہے تو اللہ سے کون اُنہیں ذرّہ بھر بھی بچا سکے گا اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے' اُس (سب) پر اللہ ہی کی حکومت ہے' وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔'' (۵ : ۱۷)

(4) قرآن کی نظر میں عقیدۂ تثلیث کے ماننے والے پکے کافر ہیں: جس کا ثبوت مندرجہ بالا آیت کے ابتدائیہ میں اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۳ (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ) میں موجود ہے۔

(5) قرآنِ حکیم یہودیوں کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کے مقامِ اعلیٰ کا محافظ ہے: یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) ناجائز بچہ ہونے کا الزام دیا۔ اُنہوں نے آپ کی والدہ مریم علیہا السلام پر بھی بدکاری کا الزام لگایا اور عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا۔ ان دونوں مقدّس ہستیوں کے خلاف سنگدل یہود کے بے بنیاد الزامات کی تردید سورہ مریم میں اس طرح کی گئی ہے:

قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّاO یٰاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّاO فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّاO قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاO وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّاO وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّاO وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاO ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَO (مریم: ۲۷ تا ۳۴)

''وہ لوگ بولے: اے مریم! تو نے بڑے غضب کی حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن! نہ تمہارے والد بُرے آدمی تھے اور نہ تمہاری والدہ بدکار تھیں۔ تو مریم نے اُس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے: ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی گہوارہ میں ہے۔ (وہ بچہ) بول اٹھا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اُس نے مجھے کتاب دی اور اُس نے مجھے نبی بنایا' اُس نے مجھے بابرکت بنایا جہاں کہیں بھی میں ہوں اور (اُسی نے) مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ اور میرے اوپر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ ہو کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابنِ مریم (یہ ہے وہ) سچی بات جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔''

اُخت صیغہ مؤنث اَخ'' کا ہے اور جس طرح اَخ'' کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور وطنی' دینی' صناعتی ہر قسم کے اشتراک و تشابہ پر حاوی ہے' اسی طرح اُخت کا اطلاق بھی نسب پر محدود نہیں بلکہ ہر قسم کے اشتراک کے لئے عام ہے۔ یہاں بھی مفہوم اُسی مثلیّت کا ہے۔ گویا وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اے ہارون جیسی خاتون! اے تقویٰ و پاکیزگی میں ہارون کی ہم سطح خاتون!۔ خود سورۃ الزُّخرُف کی آیت ۴۸ میں اُخت مشابہ کے معنیٰ میں آیا ہے: وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا (اور ہم اُنہیں جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ اُس جیسی دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی) یہ ھارون کون تھے؟ اغلب یہی ہے کہ وہی ہارون نبی (موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی) ہوں جو اپنے تقویٰ و پاکبازی میں اسرائیلیوں میں ضرب المثل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون مریم علیہا السلام کے معاصر ہوں جن کا تقویٰ اُس عہد کے لوگوں میں معروف و مسلّم ہو اور اگر یہ کوئی صالح شخص حضرت مریم کے بھائی ہی ہوں تو اس میں بھی کوئی تاریخی غیر ممکنہ بات نہیں جبکہ والدینِ مریم کی اولاد کی تفصیل کہیں محفوظ نہیں۔

نوٹ: نبی اور رسول میں فرق چند طرح سے ہے: (۱) نبوّت کا تعلق ربّ تعالیٰ سے لینے کا ہے اور رسالت کا تعلق بندوں کو دینے کا ہے۔ (۲) نبی پر ایمان لانا فرض ہے' اطاعت فرض نہیں لیکن رسالت پر ایمان لانا بھی فرض اور اطاعت بھی فرض ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام سب مسلمانوں کے نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ مسلمانوں کے رسول صرف آقائے کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اسی لئے کلمہ طیّبہ میں مُحمّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہ پڑھا جاتا ہے نہ کہ

مُحَمَّد "نَبِیُّ اللّٰہ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں نَبِیًّا فرمایا' رَسُوْلاً نہیں فرمایا کہ آپ کو رسالت تیس سال بعد ملی مگر نبوّت شکمِ مادر ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ (تفسیر نعیمی۔۔مفتی اقتدار احمد خان نعیمی' جلد ۱۶' صفحہ ۲۰۲)

جبّاریت کی نفی فرما کر اشارہ کر دیا کہ مجھ پر میری شریعت میں جہاد فرض نہ ہو گا اور جب شریعت کے نبی پر جہاد نہیں تو اُمّت پر بھی نہیں' اس لئے کسی کو کسی بر جبر وظلم کی اجازت نہ ہو گی۔ شَقِیًّا کی نفی کر کے بدبختی و نحوست کی نفی فرما دی کہ میری اتباع کرنے والے (یعنی توحید پرست اور موحّدین) نہ بدبخت ہو سکتے ہیں اور نہ منحوس۔ دشمن اگرچہ الزام لگاتے پھریں۔ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام صرف اطلاع ہے اور ابھی کسی پر کچھ فرض نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر زکوٰۃ تاعمر نہیں ہے کیونکہ ایک تو نبی پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہوتی کیونکہ اُن کا تمام مال وقف ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کبھی مال جمع ہی نہیں ہوا۔

سورہ آلِ عمران کی آیت ۵۰ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام توریت کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے قانونِ موسوی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ نے تو اُن پابندیوں کو نرم کیا جو موسوی شریعت نے یہودیوں پر لگا رکھی تھیں اور یہ بات سورہ آلِ عمران کی آیت ۵۰ سے ثابت ہے۔

(6) عیسیٰ علیہ السلام کی مبیّنہ صلیب اور آپ کا دوبارہ زندہ ہونے دونوں کا ردّ: قرآنِ حکیم بہ تاکید کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر وفات نہیں پائی (سورۃ النساء: ۱۵۷)۔ قرآنِ حکیم یہ کہتا ہے کہ جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ وہ لوگ جن کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا' آپ کی اُس صداقت پر ایمان لانے والے نہیں جسے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے تو آپ نے اپنے پیرووں کی مختصر سی جماعت کو اللہ کی راہ میں اپنی مدد کرنے کے لئے بلایا اور اُنہوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا (آلِ عمران: ۵۲)۔ تاہم یہودی آپ کے سخت مخالف تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن یہ فرماتا ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (آلِ عمران: ۵۴)

"اور اُنہوں نے خفیہ چال چلی اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔"

عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اُسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرزِ ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا مثلاً کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اُس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہو گا کہ اُس نے مجھے ٹھگا اور میں نے اُسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی مراد ہے۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ (اُنہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا) اور اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا (وہ "کید" سے کام لیتے ہیں اور میں بھی "کید" سے کام لیتا ہوں) اور جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (بُرائی کی سزا ویسی ہی ایک برائی ہے) اور قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (وہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں' اللہ اُن سے ہنسی کرتا ہے) اور فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ

بِمِثْلِ مَااعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (جو تم پر زیادتی کرے تم اُس پر زیادتی کرو) اِن تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے' نہ ''کید'' کید ہے۔ نہ ''سیّئة'' ''سیئۃ'' ہے' نہ استہزاء استہزاء ہے' نہ زیادتی زیادتی ہے بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے ''مکر'' ''سزائے'' ''کید'' 'سزائے سیّئہ' سزائے استہزاء اور سزائے اِعتداء ہے۔

آیتِ بالا ۵۴ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ختم کرنے کا بذریعہ صلیب منصوبہ بنایا تھا لیکن قادرِ مطلق نے اُن کی تدبیروں کو ناکام بنا کر آپ کو بطورِ رحمت بچالیا جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

اِذْقَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْاوَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَO (آل عمران: ۵۵)

''(وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور اُن لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور جو تمہارے پیرو ہیں' اُنہیں قیامت تک اُن لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں جو منکر ہیں' پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی' سو میں تمہارے درمیان اُس بارہ میں فیصلہ کروں گا جس میں تم (باہم) اختلاف کرتے رہتے تھے۔''

عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے مراد موجودہ دَور کے مشرک اور عقیدۂ تثلیث کے حاملین مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہیں جو پیغمبرِ وقت (عیسیٰ علیہ السلام) کی تعلیمات کے مطابق خالص توحید پرست' موحّد اور سچے عیسائی ہیں (معالم التنزیل)۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد یہود ہیں (تفسیر کبیر)۔ ''مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود و مخالفینِ مسیح پر قیامت تک قوتِ دلائل اور معنوی لحاظ سے تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مادّی' حربی' مُلکی اور سیاسی حیثیتیں مراد ہوں تو بھی اس وقت تک یہود کی جو کیفیت دنیا کے ہر حصّہ میں ہے' اُنہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہر حال دونوں شقیں مراد ہوسکتی ہیں۔ اختلافی امر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت و رسالت کا ہے جس کا قطعی فیصلہ عملی شکل میں رب تعالیٰ روزِ قیامت کو مؤمن و کافر' یہود و نصاریٰ سب کے سامنے فرمائیں گے اور جہاں تک حُجت و دلیل کا تعلق ہے' وہ فیصلہ تو اِس وقت بھی ہو چکا ہے۔'' (تفسیر ماجدی' صفحہ ۱۳۷' نوٹ: ۱۳۹' ۱۴۰' ۱۴۱) یا اختلاف اس بات میں کہ رب تعالیٰ مؤمنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں بھیجے گا (تفسیر نعیمی' جلد ۳' ص ۳۰۳)۔

تمام مفسرینِ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو صلیب دی گئی اور نہ ہی اُنہیں وفات آئی بلکہ اُنہیں قدرتِ خداوندی سے آسمانوں پر اُٹھا لیا گیا جہاں اب تک وہ زندہ ہیں اور متعدد احادیثِ مبارکہ کی رُو سے اس دُنیا کے اختتام سے کچھ عرصہ پہلے آسمان سے نزول فرمائیں گے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ قرآنی لفظ مُتَوَفِّیْکَ کا یہ مطلب ہے کہ ''اے عیسیٰ! میں تمہارے عرصۂ حیات کو پورا کرنے والا ہوں' تمہیں وفاتِ طبعی دوں گا اور یہ کہ میں تمہارے دشمنوں کو تم پر غالب نہیں آنے دوں گا اور نہ ہی اُن سے تمہیں قتل کراؤں گا۔ اس میں اس حقیقت کا حوالہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دشمن کی دستبرد سے محفوظ رہیں

گے۔'' (روح المعانی: جلد دوم' صفحہ ۱۷۹ طبع قاہرہ)۔ امام بیضاوی نے بھی لفظ مذکور کا یہی مطلب لیا ہے۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے قرآنی ثبوت :عیسٰی علیہ السلام کا آسمان کو زندہ اٹھایا جانا آیاتِ قرآنیہ' احادیثِ صحیحہ' اقوالِ صحابہ کرام وجمیع مفسرین ومحدّثین سے ثابت ہے۔ آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ ہوں:

(۱) وَمَكَرُوْا وَمَكَرَاللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ O (آلِ عمران : ۵۴) ''اور اُنہوں نے خفیہ چال چلی اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔'' اِس آیت کی تفسیر امام رازی' جلال الدین السیوطی' شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی' خازن ومدارک سب نے یہی کی ہے کہ یہود نے عیسٰی علیہ السلام کو سولی دینے کی خفیہ تدبیر کی مگر رب تعالیٰ نے اُنہیں خفیہ طریقہ سے بچالیا کہ اُنہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا اور جو آپ کو پکڑوانے آیا تھا اُسے عیسٰی علیہ السلام کی شکل دے کر سولی پر چڑھادیا گیا۔ (۲) اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِس کی تفسیر بھی امام رازی' امام سیوطی ودیگر عام مفسرین نے یہی کی ہے کہ اے عیسٰی! ہم تمہیں پورا لینے والے ہیں اس طرح کہ تمہیں آسمان پر اٹھالیں گے۔ (۳) وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (اُنہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بلکہ اُن پر معاملہ مشتبہ کردیا گیا تھا۔۔۔۔ پکی بات ہے کہ اُنہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا) امام رازی اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اِن آیات میں قرآنِ حکیم نے عیسٰی علیہ السلام کے قتل اور اُن کے سولی پر چڑھائے جانے کا صاف انکار کیا ہے اور اُن کے اِس جسم کے ساتھ اٹھائے جانے کا اقرار کیا ہے۔ اگرچہ ہر جگہ اللہ کی ہے مگر چونکہ آسمان بالخصوص تجلّی گاہِ الٰہی ہے کہ نہ وہاں کسی جن وبشر کی ظاہری سلطنت ہے' نہ وہاں کفر' شرک' گناہ اور معصیت ہیں۔ اس لئے اُس طرف اٹھائے جانے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھانا قرار دیا۔ فرماتا ہے: ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ (کیا تم اُس سے مامون ومحفوظ ہو جو آسمان میں ہے؟) اِرْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ (اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا) ابراہیم علیہ السلام نے ملکِ شام کی طرف جاتے وقت فرمایا تھا: اِنِّىْ ذَاهِبٌ'' اِلٰى رَبِّىْ' (میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں)۔ ایسے ہی یہاں فرمایا: رَافِعُكَ اِلَىَّ۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے رَافِعُكَ اِلٰى مَحَلِّ كَرَامَتِىْ 'نیز تفسیر کبیر نے یہ بھی فرمایا کہ وفات ایک جنس ہے جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض موت سے ہوتی ہیں اور بعض آسمان پر اٹھائے جانے سے۔ رَافِعُكَ اِلَىَّ نے وفات کی تعیین کردی کہ وہ موت سے نہ ہوگی بلکہ اٹھائے جانے سے ہوگی' لہٰذا آیت میں تکرار نہیں ہے۔ (۴) وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا خازن ومدارک نے فرمایا کہ یہاں بجائے تخلیص کے تطہیر فرمانے میں عیسٰی علیہ السلام کی انتہائی عظمتِ شان کا اظہار ہے اور اس سے کفار میں اور عیسٰی علیہ السلام میں مکانی فاصلہ کردینا مراد ہے کہ کفار زمین پر رہ جائیں اور عیسٰی علیہ السلام آسمان پر بلالئے جائیں۔ (۵) وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء : ۱۵۹) عام محدّثین ومفسرین اور صحابہ کرام نے اس آیت کا ترجمہ یہی فرمایا کہ سارے اہلِ کتاب عیسٰی علیہ السلام پر اُن کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئیں گے اور عیسٰی علیہ السلام قیامت کے دن کفار کے خلاف گواہ ہوں گے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس آیت کی یہی تفسیر نقل کی جس سے صاف معلوم ہوا کہ ابھی عیسٰی علیہ السلام نے وفات نہیں

پائی کیونکہ ابھی تمام اہلِ کتاب اُن پر ایمان نہیں لائے' لاکھوں یہودی اُن کے خلاف ہیں۔ مَوۡتِہٖ کی ضمیر کا اہلِ کتاب کی طرف لوٹانا اور یہ معنیٰ کرنا کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے' ضعیف ہے کیونکہ موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ (۶) وَاِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِھَا (اَلزُّخۡرُف : ۶۱) (اور عیسیٰ علیہ السلام تو قیامت کے یقین کا ایک ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس میں ہرگز شک مت کرو)۔ صحابہ کرام اور عام محدّثین ومفسّرین نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی پہچان اور نشانی ہے' اس میں شک ہرگز نہ کرو جس سے معلوم ہوا کہ آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے اور آپ کا تشریف لانا قیامت کی پہچان اور نشانی ہے (تفسیر کبیر)۔ تفسیر دُرِّ منثور نے عبداللہ ابنِ عباس' ابو ہریرہ' مجاہد اور حسن رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ اِنَّہٗ' اَیۡ خُرُوۡجُ عِیۡسٰی عَلَیۡہِ السَّلَامُ قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ یعنی اس سے مراد قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا خروج ہے۔ (۷) یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَھۡدِ وَکَھۡلًا (آلِ عمران :۴۶) (عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کلام پنگوڑے میں بھی اور بڑی عمر میں بھی کریں گے) آپ کہولت سے پہلے ۳۳ برس کی عمر میں آسمان پر اٹھا لئے گئے' اگر آپ اب آسمان سے نہ اتریں تو کَھۡلًا (پیرانہ سالی) میں لوگوں سے بات کرنے کے معنیٰ درست نہ ہوں گے۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے احادیث نبوی میں ثبوت: (۱) بخاری' مسلم ومشکوٰۃ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ لَیُوۡشِکَنَّ أَنۡ یَّنۡزِلَ فِیۡکُمۡ اِبۡنُ مَرۡیَمَ حَکَمًا عَدۡلًا فَیَکۡسِرَ الصَّلِیۡبَ وَیَقۡتُلُ الۡخِنۡزِیۡرَ وَیَضَعُ الۡجِزۡیَۃَ وَیَفِیۡضُ الۡمَالُ حَتّٰی لَا یَقۡبَلُہٗ اَحَدٌ" حَتّٰی تَکُوۡنَ السَّجۡدَۃُ الۡوَاحِدَۃُ خَیۡرًا مِّنَ الدُّنۡیَا وَمَا فِیۡھَا ثُمَّ یَقُوۡلُ اَبُوۡ ھُرَیۡرَۃَ : فَاقۡرَءُ وۡا اِنۡ شِئۡتُمۡ وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ (اَشراطُ السَّاعۃ۔۔ یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل' ص ۳۴۷' الدمام ۱۴۱۵ھ)

''بخدا! عیسیٰ ابنِ مریم حاکم وعادل ہو کر تم میں اتریں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو فنا کریں گے' جزیہ کا حکم ساقط کریں گے۔ مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ کوئی زکوٰۃ نہ لے گا۔ اُس زمانہ میں ایک سجدہ دنیا بھر سے افضل ہوگا اور ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو پڑھ لو وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ''

(۲) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ" مِّنۡ اُمَّتِیۡ یُقَاتِلُوۡنَ عَلَی الۡحَقِّ ظَاھِرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ فَیَنۡزِلُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ فِیۡکُمۡ فَیَقُوۡلُ اَمِیۡرُھُمۡ : صَلِّ بِنَا فَیَقُوۡلُ : لَا (ایضاً' ص ۳۴۸)

''میری اُمّت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر جنگ کرتا رہے گا یہاں تک کہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام آجائیں تو مسلمانوں کا امیر آپ سے کہے گا کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں تو آپ انکار کردیں گے کہ یہ حق امتِ محمدی کا ہے۔''

(۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کَیۡفَ اَنۡتُمۡ اِذَا اُنۡزِلَ ابۡنُ مَرۡیَمَ فِیۡکُمۡ وَاِمَامُکُمۡ مِّنۡکُمۡ (صحیح بخاری' کتاب: احادیث الانبیاء' باب : نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام)

''تمہاری کیفیت کیسی ہوگی جب تم میں عیسیٰ ابنِ مریم اُتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔''

(۴) امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:
اِنِّیْ اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لِاَنَّہ' لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَہ' نَبِیٌّ' وَاِنَّہٗ نَازِلٌ'' فَاِذَا رَاَیْتُمُوْہُ فَاعْرِفُوْہُ (مسند امام احمد' المستدرک للحاکم)
''میں عیسیٰ ابنِ مریم کے (بہ لحاظ زمانہ) قریب تر ہوں کیونکہ میرے اور اُن کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے' اور عیسیٰ ابنِ مریم یقیناً (آسمان سے) اتریں گے' جب تم اُنہیں دیکھ لو تو (بطورِ نبی) اُنہیں پہچان لینا۔''

(۵) تابعی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اِنَّہ' حَیٌّ'' عِنْدَ اللّٰہِ ولٰکِنْ اِذَا نَزَلَ آمِنُوْا بِہٖ اَجْمَعُوْنَ (تفسیر طبری ۶/۲۱)
''عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں' جب آپ (آسمان سے) نزول فرمائیں تو اُن پر تم سب ایمان لے آنا۔''

(۶) ابن جوزی نے کتاب الوفا میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے' نکاح کریں گے' صاحبِ اولاد ہوں گے' یہاں پینتالیس سال قیام فرمائیں گے' پھر وفات پائیں گے اور میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے۔ روزِ قیامت ہم اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے ثبوت علمائے اسلام سے: (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہِ اکبر میں فرماتے ہیں کہ دجّال کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا خروج' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ساری علاماتِ قیامت ہیں اور حق ہیں۔ (۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیر سن رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے۔ (۳) علامہ زُرقانی شرح مواہب اللدُنیہ میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ اگرچہ اُمّتِ محمدیہ کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ ہی نبی بھی ہوں گے۔ کیونکہ موت سے نبوّت زائل نہیں ہوتی۔ (۴) امام شافعی اور اُن کے تمام متبعین جلال الدین السیوطی' رازی وغیرہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تسلیم کی۔ اسی طرح امام بخاری' امام مسلم' ترمذی' ابوداؤد وغیرہ محدّثین نیز امام غزالی' امام جوزی وغیرہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ (تفسیر نعیمی' ج ۳' ص ۳۰۵' ۳۰۶)
(۵) حافظ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں حضور علیہ السلام کی اُمّت کی فضیلت پڑھی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اُنہیں حضور ﷺ کا اُمّتی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبول بخشا اور آپ کو طویل زندگی بخشی یہاں تک کہ آپ آخر زمانہ میں دینِ محمدی کے مجدّد بن کر اتریں گے۔
(أشراطُ الساعة۔۔ یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل' صفحہ ۳۵۶)

حیاتِ مسیح علیہ السلام پر چند سوالات مع جوابات: (۱) اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہوں تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں حضور ﷺ سے درجہ میں بڑھ جائیں کہ حضور علیہ السلام زمین پر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

صدر جہاں بیٹھے' صدر ہی ہے۔ اونچے نیچے ہونے میں درجے کا مدار نہیں۔ ورنہ ستارے' چاند' سورج اور ملائکہ آسمان پر ہی ہیں تو کیا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درجہ میں بڑھ کر ہیں؟ موتی پانی میں نیچے ہوتا ہے اور بلبلہ اوپر تو کیا بلبلہ موتی سے افضل ہے؟ (۲) اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو وہاں اُن کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے اور رفع حاجت کہاں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بچہ شکمِ مادر میں تھا تو وہاں باورچی خانہ کہاں تھا؟ اور بیت الخلا کس جگہ بنا تھا؟ جو رب بچے کو ماں کے پیٹ میں باورچی خانہ اور ٹٹی خانہ کے بغیر نو ماہ زندہ رکھ سکتا ہے تو کیا وہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان ضرورتوں کے بغیر زندہ نہیں رکھ سکتا؟ اب اُن کی زندگی فرشتوں کی سی ہے۔ دجّال کی آمد پر مسلمان ذکرِ الٰہی سے زندگی گزاریں گے۔ بعض اولیاء اللہ نے برسوں غذا نہ کھائی اور ذکرِ الٰہی سے زندہ رہے۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ذکر اللہ سے زندہ ہیں۔ (تفسیر نعیمی' جلد سوم' ص ۳۰۵)

<u>نزولِ مسیح کی حکمتیں</u> :(۱) نزولِ مسیح علیہ السلام میں یہود کے اِس زعمِ باطل کا ردّ ہے کہ ہم نے عیسیٰ کو صلیب پر چڑھا کر اُن کا چراغِ زندگی گل کر دیا۔ رب تعالیٰ اُنہیں آسمان سے زمین پر نازل فرما کر اُن کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔ (۲) نزولِ مسیح علیہ السلام میں نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا ردّ ہوگا جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کرتے رہے۔ وہ اُنہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ (۳) ایک اور وجہ عیسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں بیان کیا جس کا حوالہ صفحہِ سابق ۱۸۸۷ میں (۵) کے تحت دیا جا چکا ہے۔

(7) <u>کفّارہِ مسیح کے مفروضے (Vicarious Atonement) کا ردّ:</u> عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے برعکس کفارہِ مسیح کا عقیدہ طبقہِ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب کو قبول کر کے تمام عالمِ عیسائیت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا سب عیسائیوں کے لئے عفوِ عام ہے۔ لہٰذا تمام عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور اپنے اعمال کے لئے جواب دہ نہیں ہوں گے' اس لئے وہ جو چاہیں کریں' اُنہیں کھلی آزادی ہے۔ قرآن مجید نے اُن کے اس غیر معقول مفروضے کا متعدد جگہوں پر ردّ کیا ہے مثلاً فرمایا:

لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام: ۱۶۴ ؛ بنی اسرائیل: ۱۵)
''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

یعنی یہ کیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی! آیت میں شخصی ذمہ داری اور مسئولیت کا اثبات ہے جس کی یہودی اور عیسائی مفروضہِ ''توسل'' اور مفروضہِ ''کفارہ'' نے مکمل طور پر خلاف ورزی کی۔ آیتِ مذکورہ کا صاف مطلب یہی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کرے گا۔ بد خصلت شخص کی نجات معصوم شخص کی سزا سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بے انصافی پر مبنی اور غیر معقول ہوگا۔ قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے اچھے یا برے اعمال کی بوئی ہوئی فصل خود کاٹنا ہوگی یعنی قرآن مجید نے ذاتی ذمہ داری اور مسئولیت کا تصوّر دیا ہے اور فرمایا ہے:

(۱) وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْھَا (الانعام: ۱۶۴)
''اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اُسی پر رہتا ہے۔'' (۷:۱۶۴)

(۲) وَ کُلَّ اِنۡسَان اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَه' فِیۡ عُنُقِهٖ (بنی اسرائیل : ۱۳)
''اور ہر انسان کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے۔'' (۱۳ : ۱۷)
(۳) کُلُّ امۡرِیٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡن'' (الطور : ۲۱)
''ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہے۔'' (۲۱ : ۵۲)

یہود و نصاریٰ کے ضابطۂ اخلاق میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اُنہی میں سے تھے اور اس لئے اُن میں سے ہر ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلاتا ہے۔ اُن کے اس دعویٰ کی تردید میں قرآن مجید ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کی تخصیص کرتے ہوئے ☆ بہ تاکید کہتا ہے کہ یہودیت اور نصرانیت تو موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کے نزول پر قائم ہوئیں جبکہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ اِن دونوں بزرگ ہستیوں سے بہت پہلے کا ہے تو اس حقیقت کے مدِّ نظر ابراہیم علیہ السلام یہودیت یا عیسائیت میں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں قرآن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یَا اَهۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمَا اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰةُ وَالۡاِ نۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡ بَعۡدِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ O هٰاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَالَکُمۡ بِهٖ عِلۡم ''فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَکُمۡ بِهٖ عِلۡم ''وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَاتَعۡلَمُوۡنَ O مَا کَانَ اِبۡرٰهِیۡمُ یَهُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا وَلٰکِنۡ کَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ O (آلِ عمران : ۶۵ تا ۶۷)

''اے اہلِ کتاب! تم اہلِ کتاب کے بارے میں کیوں جھگڑ رہے ہو درآنحالیکہ توریت و انجیل تو اُن کے بعد ہی اتری ہیں تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اِس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا' سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں' اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ راہِ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔''

آیت ۶۶ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسا بھٹکے حالانکہ وہاں تمہیں کچھ تو واقفیت اور علم حاصل تھا تو اَب دینِ ابراہیمی کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تُلے ہو جس کے بارہ میں کوئی شائبۂ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ جس یہودیت اور نصرانیت کی یہاں نفی ہو رہی ہے وہ مروّجہ' گھڑی ہوئی' خود اختراعی' خانہ ساز یہودیت اور نصرانیت تھی' ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تھا' وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلّم تھی۔

<u>قوموں کے عروج وزوال کے مخصوص اسباب</u>: قوموں کے عروج وزوال اور اخلاقی برائیوں کے سرسری تذکرہ کے سلسلہ میں قرآن مجید نے بالعموم دو بنیادی اُصول بیان کئے ہیں جو بہ زبانِ قرآن یہ ہیں:

☆ چارلس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ۱۲۶۰ قبل مسیح تا ۱۰۸۵ قبل مسیح ہے اور بائبل کے مطابق آپ کی عمر مبارک ۱۷۵ سال ہے۔ ("Genesis"...The First Book of Moses, 25 : 7)

(۱) لَمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ O (الانعام : ۱۳۱)
''آپ کا پروردگار بستیوں کو ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کر دیتا کہ وہاں کے باشندے (احکامِ الٰہی سے) بے خبر ہوں۔'' (۶: ۱۳۱)

(۲) وَ مَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ O (ھُود : ۱۱۷)
''اور آپ کا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو (اُن کی) زیادتیوں کے باعث ہلاک کر دے درآنحالیکہ اُن کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں۔'' (۱۱۷ : ۱۱)

تاریخ کے طریقِ عمل میں اِن دونوں قرآنی بیانات کے دُوررَس اثرات ہیں۔ قرآنِ حکیم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ان کی گزشتہ غلطیوں سے سبق سیکھنے اور اپنی اصلاح کا موقع دیئے بغیر تباہ و برباد نہیں کرتا۔ تباہی و بربادی اُس وقت آتی ہے جب وہ اس مہلت کے موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ذاتی آسودہ خاطری (چین و آرام) اور کمینہ پن اور بدمعاشی میں غرق ہو جاتے ہیں۔ پھر بالآخر الٰہی عذاب اُن پر نازل ہوتا ہے جو اُن کے قومی وجود کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن فرماتا ہے :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْنٰھُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ O فَلَوْلَا اِذْ جَآءَ ھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ O (الانعام : ۴۲ تا ۴۴)
''اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے (اور بھی) اُمتوں کی طرف پیمبر بھیجے، پھر ہم نے اُنہیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ سو جب اُنہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے بلکہ اُن کے دل تو (ایسے ہی) سخت رہے اور جو کچھ وہ کرتے رہے، شیطان اُسے اُن کی نظر میں خوشنما کر کے دکھاتا رہا۔ پھر جب اُس چیز کو جس کی اُنہیں نصیحت کی جاتی تھی، وہ بھلاتے رہے تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو اُنہیں ملا تھا، اِترانے لگے تو ہم نے اُنہیں یکایک پکڑ لیا تو وہ دھک سے رہ گئے۔'' (۴۲ تا ۴۴ : ۶)

یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کر دی کہ مقصودِ اصلی اُن سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، رجوع الی اللہ اور خشیتِ الٰہی پیدا کرنا تھا۔ آیت ۴۳ میں بتایا کہ شیطان کا اصلی حربہ بھی تزئینِ معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق و معصیت میں وہ ظاہری زینت یا فوری لذت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور دکھا دیتا ہے اور انسان کا کمزور نفس اُس کا شکار ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی، سود خوری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بینی اور عشقیہ، فحش ڈراموں تک میں بھی یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔ آیت ۴۴ میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ و ثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمام تر حماقت اور نادانی ہے۔ اس کا لازمی تعلق حق و صداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں اہلِ حق اور اطاعت گزاروں کو یہ دنیاوی سربلندیاں بھی بہ طورِ انعام مل جاتی ہیں۔

اِن آیات کی تفسیر میں علاّ مہ جلال الدین السیوطی نے ایک حدیثِ نبوی کا حوالہ دیا ہے جس کے راوی عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور اُسے ترقی دینا چاہتا ہے تو وہ اُسے اخلاق کی پاکیزگی عطا کرتا ہے اور جب وہ اُسے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو وہ اُس پر غیر دیانتدارانہ زندگی کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں تک جب وہ فخر سے پھولے نہیں سماتی تو اللہ تعالیٰ یکا یک اُس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔''

''سورۃ الانعام کی مندرجہ بالا آیات ۴۲ تا ۴۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں پر مختلف صورتوں میں جو بھی عذابِ الٰہی آیا' اُنہوں نے اُس سے عبرت حاصل نہیں کی۔ اگر چہ نظم و ضبط کو سیکھنے کے سفر میں اُنہیں سخت نا مساعد حالات سے گزرنا پڑا لیکن زندگی کے ساتھ اُن کا روحانی رویّہ ویسے کا ویسا ہی رہا۔ تکالیف اور صعوبتوں کو برداشت کرنے نے اُنہیں فن اور صناعت کی تربیت دے کر دنیاوی طور پر تو کامیابی سے ہمکنار کیا لیکن اُن میں عاجزی وانکساری اور رجوع الی اللہ جیسی مطلوبہ دینی اور اخلاقی فہم پیدا کرنے میں نا کام رہی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جونہی اُن کی تکالیف کا دَور ختم ہوا اور اچھے دن آ گئے تو وہ اقتصادی اور مادّی خوشحالی کے دَور میں داخل ہوئے۔ لیکن چونکہ ابھی اُن میں مذہبی فہم کا فقدان تھا تو اس نئی خوشحالی اور کثرتِ دولت نے اُنہیں سینہ زور' گستاخ' اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنے والا اور اُن غیر ملکی اقوام کے کمزور طبقوں کے ساتھ ظالم و جابر بنا دیا جن سے اُس کا واسطہ پڑا اور یہی چیز اُن کے زوال کا سبب بنی۔''

''ایک اور آیت میں قرآن مجید اُس سزا میں جس کی اطلاع قبل از وقت دی جائے اور اُس سزا میں جو نا قابلِ اصلاح لوگوں کو اُن کے کرتوتوں کے سبب تباہ و برباد کرنے کے لئے دی جائے' کے مابین فرق کو ملحوظ رکھتا ہے :

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ O حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ O (المؤمنون : ۷۶' ۷۷)

''اور بالیقین ہم نے اُنہیں عذاب میں ہی پکڑا لیکن اُن لوگوں نے نہ اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی اور نہ ہی فروتنی کی۔ یہاں تک کہ جب ہم اُن پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اُس وقت وہ بالکل حسرت زدہ رہ جائیں گے۔'' (۷۶' ۷۷ : ۲۳)

آیت ۷۶ میں اوّل الذکر سزا اور آیت ۷۷ میں مؤخر الذکر سزا کا بیان ہے۔ قوموں کے زوال کے اسباب کے بیان میں قرآن اُن بہت سے عوامل کو شمار میں لاتا ہے جو انشقاقِ سماج کا باعث بنتے ہیں۔ اُن تمام عوامل میں مشترک نظریہ عدمِ انصاف اور ظلم و تشدّد کا ہے جو کسی سماج کے فنا ہونے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن کا یہ اعلان ہے :

(ا) وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ O فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ O (الاعراف : ۴' ۵)

''اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُنہیں تباہ کر دیا' اُن پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ دوپہر کو آرام میں تھے۔ جب اُن پر ہمارا عذاب پہنچا تو وہ کچھ نہ بول سکے' ہاں وہ بولے کہ بے شک ہم ہی ظالم (وخطاوار) تھے۔'' (۴' ۵ : ۷)

یعنی عموماً ایسے وقت میں جب وہ غفلت اور بےفکری میں پڑے تھے۔ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لئے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت اور بےفکری کے ہوتے ہیں۔آیت ۵ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا میں جب کوئی قوم تباہی و بربادی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو بعد میں اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار اُسے کرنا ہی پڑتا ہے۔

(۲) وَكَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً وَّاَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا آخَرِيۡنَ O فَلَمَّا اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَا اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ O لَا تَرۡكُضُوۡا وَارۡجِعُوۡا اِلٰى مَا اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَ مَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـئَلُوۡنَ O قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ O فَمَا زَالَتۡ تِّلۡكَ دَعۡوٰٮهُمۡ حَتّٰى جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِيۡدًا خٰمِدِيۡنَ O (الانبیاء : ۱۱ تا ۱۵)

''اور ہم نے کتنی ہی بستیاں غارت کر ڈالیں (جن کے رہنے والے) ظالم تھے اور اُن کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کر دی' سو جب اُنہوں نے ہمارا عذاب (آتا ہوا) دیکھا تو لگے اُس (بستی) سے بھاگنے۔ بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو' شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ ہی کرے۔ وہ لوگ کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔اُن کی یہی پکار جاری رہی کہ ہم نے اُنہیں کٹی ہوئی کھیتی' بجھی ہوئی آگ بنا دیا۔'' (۱۱ تا ۱۵ : ۲۱)

عین نزولِ عذاب کے وقت میں بدکار و فسق پیشہ قومیں پچھتاتی ہیں' اپنے جرائم کا اعتراف کرتی ہیں اور ہر طرح واویلا کرتی ہیں۔لیکن اُس وقت اُن کی آہ و فریاد اُن کے کچھ کام نہیں آئی اور وہ صفحہِ ہستی سے اس طرح مٹا دئے گئے جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ ہوتی ہے۔آیتِ بالا ۱۴ میں لفظ ''ظالم'' آیا ہے جس کا ایک معنیٰ جبر و تشدّد اور عدمِ انصاف کا بھی ہے لیکن یہ عدمِ انصاف وہ عام عدمِ انصاف نہیں جو سماجی سقوط کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ تو ہر سماج میں موجود ہوتا ہے اور ایک مثالی سماج بھی کلی طور پر عدمِ انصاف سے خالی نہیں ہوتا۔اس لئے قرآن مجید یہاں اُن گمبھیر بےانصافیوں کا حوالہ دے رہا ہے جو جبر و تشدّد سے کم نہیں۔

آیاتِ بالا میں قرآن مجید گمبھیر بےانصافیوں کے پسِ پردہ اُن اسباب کا بھی حوالہ دے رہا ہے جو کسی سماج کے صحتمندانہ وجود اور مکملیّت کے لئے مہلک ہیں۔آیتِ بالا میں لفظ ''اِترَاف'' کا مطلب وہ انتہا پسندانہ آرام ہے جو لوگوں میں تعیّشانہ عادات کو جنم دیتا ہے۔لہٰذا کسی رُو بہ تنزّل معاشرے میں جبر و تشدّد کا عام ہونا اِسی آرام طلبی کی عادت کی پیداوار ہوتا ہے۔عیش و آرام کی فضا میں گھرے ہوئے ہونے کے باعث ایسے معاشرے میں لوگ تن آسانی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں جو ترقی پذیر ہو کر روحانی بندھنوں اور سماجی تنظیم کو ڈھیلا کر دیتی ہے۔تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید زندگی کے ضروری آرام سے حظ اندوزی کے خلاف نہیں ہے۔وہ تو اُس آرام اور تن آسانی سے محبت کرنے کے خلاف ہے جو لوگوں کو اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر قربانی دینے اور خطرات مول لینے سے گریز کرنا سکھاتی ہے۔ آرام طلبی مطلقاً اتنی بُری چیز نہیں جتنی کہ اُس آرام طلبی کا عادی ہونا بُرا ہے جو کسی معاشرے کی قوّت و توانائی کو چوس لیتی ہے اور کھوکھلا کر دیتی ہے۔

قرآن مجید اُن لوگوں کے تجاوز عن الحدود کی بھی بات اِسی پیرایے میں کرتا ہے جو ایسے عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہوں جو سماجی انحطاط کا باعث بنتا ہے اور جس کا نتیجہ معاشرے کی ہلاکت و بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔اس حقیقت کو سورہ بنی اسرائیل میں یوں بیان کیا گیا ہے :

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا O

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس (بستی) کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں، مگر وہ اُس میں (اُلٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں، تو اُن پر حجت واجب ہو جاتی ہے (یعنی فرمانِ عذاب واجب ہو جاتا ہے)، پھر ہم اُس (بستی) کو غارت کر ڈالتے ہیں۔'' [بنی اسرائیل (۱۷) ۱۶ :۱۷]

احکامِ الٰہی کی اطاعت کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو اُمت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت چونکہ پیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اُن کا ذکر بالخصوص کیا گیا، عوام تو بس اُنہی کے پیرو ہوتے ہیں۔فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ کے الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ گرفت یکا یک اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی۔پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اِتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔رؤسائے قوم اور اُن کا بااقتدار طبقہ اطاعتِ رسول کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا کر اُس کی مخالفت بڑھ چڑھ کر کرنے لگتا ہے اور اُس بستی کو گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بنا دیتا ہے۔اُس وقت عذابِ الٰہی کی بجلی کوندتی ہے اور اُن کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ اس سے اگلی آیت ۱۷ میں فرمایا کہ اگر تم ہمارے اس قانون کا عملی ثبوت چاہتے ہو تو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی قوموں کے حالات پر نگاہِ عبرت ڈالو کہ کس طرح اُنہیں اُن کی بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک کیا گیا۔

''فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ آیتِ بالا میں ''اَمَر'' کا معنٰی اضافہ کر دینا ہے (نہ کہ ''حکم کرنا'' جیسا کہ اوپر ترجمہ ہوا)۔اس لحاظ سے آیت کا معنٰی یہ ہو گا کہ اللہ تعالٰی جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اُس بستی کے مرفہ الحال اور باثروت لوگوں کو تعداد میں بڑھا دیتا ہے۔ایسے لوگ حکمِ الٰہی کی اطاعت کرنے اور اپنے ابنائے جنس سے فیاضانہ سلوک کرنے کی بجائے بالکل اس کے الٹ کرتے ہیں اور بدعنوانی کو پھیلاتے ہیں۔رازی کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اُنہیں اپنے خالق کی عنایات اور خصوصی توجہ کا زیادہ ممنون ہونا چاہئے تھا۔ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ جب اللہ کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ بدخصلت لوگوں کو اُن کا سردار بنا دیتا ہے۔''

''رحمتِ خداوندی غلط کار کو اپنی اصلاح کرنے کا ہر موقع دیتی ہے اور جب کجروی اس قدر عام ہو جاتی ہے کہ سزا دینا ناگزیر ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کا جذبہِ رحمت اور جذبہ انصاف اکٹھا کام کرتے ہیں۔اہلِ منصب اور اہلِ ثروت یا ذہین لوگوں سے بات کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توقع کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اگر تجاوز عن الحد کریں، تو اُنہیں مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی اور قانون سے ناواقفیت کو اُن کا عذر کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا۔ اس طرح اُن کے خلاف حکمِ الٰہی کا وقوع ثابت ہو جاتا ہے اور اُن کی سزا اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔'' ("The Qur'anic Concept of History" ... Mazheruddin Siddiqi)

(۶۳) حزقیل علیہ السلام

تمہید: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل کا طویل سلسلہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ صدیوں کے اس دَور میں کس قدر انبیاء و رسول مبعوث ہوئے' اُن کی صحیح تعداد اللہ ربُّ العزت ہی جانتا ہے۔ قرآنِ عزیز نے اُن میں سے چند پیغمبروں کا ذکر کیا ہے☆۔ اُن میں سے بعض کا ذکر تو تفصیل سے آیا ہے اور بعض کا اِجمال کے ساتھ اور بعض کا صرف نام ہی مذکور ہے۔ تورات میں قرآنِ عزیز کی بیان کردہ فہرست پر چند اور پیغمبروں کا اضافہ ہے اور اُن کے واقعات و حالات کا بھی۔''

''بہ اتفاقِ تورات و تاریخ' حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام منصب نبوّت پر فائز ہوئے اور اُن کے بعد اُن کی جانشینی کا حق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے رفیق کالب بن یوحنا نے ادا کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیر مریم بنتِ عمران کے شوہر تھے مگر نبی نہیں تھے۔'' (تاریخ ابنِ کثیر' ج ۲' ص ۲)

''طبری کہتے ہیں کہ اُن کے بعد سب سے پہلے جس ہستی نے بنی اسرائیل کی روحانی اور دُنیوی قیادت و راہ نمائی کا فرض انجام دیا' وہ حزقیل علیہ السلام ہیں۔''

''**نام ونسب اور بعثت**: تورات میں ہے کہ وہ بوزی کاہن کے بیٹے ہیں اور ان کا نام حزقی اِیل ہے۔ اس لئے عربی زبان میں اس مرکب نام کا ترجمہ ''قدرت اللہ'' ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حزقیل کے والد کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا اور اُن کی ولادت کے وقت اُن کی والدہ بہت ضعیف اور معمر ہو چکی تھیں۔ اس لئے آپ اسرائیلیوں میں ''اِبنُ العَجُوز'' (بڑھیا کا بیٹا) کے لقب سے مشہور تھے (تاریخ ابنِ کثیر' جلد ۳' ص ۳)۔ حزقیل علیہ السلام عرصہ دراز تک بنی اسرائیل میں تبلیغ حق ادا کرتے رہے اور اُن میں دین و دنیا کی راہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔''

''**قرآنِ حکیم اور حزقیل علیہ السلام**: قرآنِ حکیم میں حزقیل نبی کا نام مذکور نہیں لیکن سورۃ البقرۃ میں بیان کردہ ایک واقعہ کے متعلق سلف صالحین سے جو روایات منقول ہیں' اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق حضرت حزقیل علیہ السلام کے ساتھ ہے۔''

''کتبِ تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دوسرے صحابہ سے یہ روایت منقول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی جماعت سے جب اُن کے بادشاہ یا اُن کے پیغمبر حزقیل علیہ السلام نے یہ کہا کہ فلاں دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کرو تو وہ اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ یقین کر کے کہ اب جہاد سے بچ کر موت سے محفوظ ہو گئے ہیں' دُور ایک وادی میں قیام پذیر ہو گئے۔

☆ ملاحظہ ہو آیت وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (سورۃ النساء: ۱۶۵) یعنی ''(اے نبی مکرّم!) بہت سے پیمبروں کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔''

اب یا تو پیغمبر نے اُن کے اس فرار کو خدا کے حکم کی خلاف ورزی یا قضا و قدر کے فیصلہ سے روگردانی سمجھ کر اظہارِ ناراضی کرتے ہوئے اُن کے لئے بددعا کی اور یا خود اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ بہرحال اُس کے غضب سے وہ سب کے سب آغوشِ موت میں چلے گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد اُن پر حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا تو اُنہوں نے اُن کی اس حالت پر اظہارِ افسوس کیا اور دعا مانگی کہ الہٰ العالمین! اُنہیں موت کے عذاب سے نجات دے تاکہ اُن کی زندگی خود اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے عبرت و بصیرت بن جائے۔ پیغمبر کی دعا مقبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر نمونۂ عبرت و بصیرت بنے۔'' (تفسیر ابن کثیر' جلد دوم' صفحہ ۱۳۴ قدیم و روح المعانی' ج ۲' ص ۱۳۰ و تفسیر کبیر' جلد دوم' صفحہ ۲۸۳)۔ قرآن عزیز میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ (البقرۃ : ۲۴۳)

''(اے مخاطب!) کیا تجھے اُن لوگوں کی خبر نہیں جو اپنے گھروں سے موت سے بچنے کے لئے نکل گئے تھے اور وہ ہزاروں ہی تھے۔ تو اللہ نے اُن سے کہا کہ مرجاؤ' پھر اُس نے اُنہیں زندگی بخشی' بے شک اللہ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر انسان شکر ادا نہیں کرتے۔'' (۲ : ۲۴۳)

''فقہاء و مفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ جس سرزمین میں طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں۔ اس پر ایک عقلی اِشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا' یہ دونوں بظاہر متضاد ہدایتیں ہیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے تو وہاں سے ہٹنے کا حکم بھی ملنا چاہئے اور اگر بچنے کی چیز نہیں تو اُس جگہ میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔ اصل یہ ہے کہ وَبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی تو سب ہی وہاں سے بھاگنا شروع کر دیں گے۔ اس بے تحاشا بھگدڑ (Panic) سے آبادی کو جن مالی' معاشی' تمدنی اور اخلاقی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں اور بہ کثرت تجربہ و مشاہدہ میں بھی آچکے ہیں۔ پھر یہ عادت جہاں ایک طرف ہمّت' ثباتِ قلب' شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے تو دوسری طرف اسبابِ ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ و اعتماد کی دلیل اور توکل علی اللہ کے بھی منافی ہے اور ایک دیندار قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے' وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا ایک طرف سلسلۂ اسبابِ ظاہری کو بالکل نظرانداز کر دینا ہے اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف و اندیشۂ طبعی کا رکھ دیا ہے' اُس کے متضاد کو پامال کرنا ہے۔ اِن متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اُس نے عقلی اور طبعی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا۔'' (ماجدی' ص ۹۸' نوٹ: ۹۲۰)

جب رؤیت فعل کا صلہ اِلیٰ کے ساتھ آئے تو کوئی مقصود' کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت میں مذکور اس واقعہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: (۱) انبیائے کرام کی بارگاہِ الہٰی میں وہ عزت ہے

کہ اگر وہ کسی بات پر بطریقِ ناز اِصرار کریں یا قسم کھالیں تو رب پوری فرما دیتا ہے۔ حزقیل علیہ السلام کی عرض معروض پر اُن سب کو زندہ کیا گیا۔ (۲) طاعون سے بھاگنا منع ہے۔ یہ لوگ طاعون سے ڈر کر بھاگے تھے' عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ ساری وبائی بیماریوں کا یہی حکم ہے۔ (۳) انسانی تدبیر سے تقدیرِ الٰہی نہیں بدلی جاسکتی اور نہ کوئی آنے والی موت کو ٹال سکتا ہے جیسا کہ سورۂ الجُمُعَة کی آیت ہشتم وغیرہ میں بھی یہی مضمون بیان ہوا۔ لہٰذا واقعہ مذکور میں مسلمانوں کو یہ تعلیم ہے کہ اے مسلمانو! جہاد نہ چھوڑو۔ موت نے اپنے وقت پر آنا ہے تو بہتر ہے کہ راہِ مولا میں آئے! (۴) اسلام شجاعت کو خُلقِ حسن قرار دیتا ہے اور بزدلی کو اخلاقِ ذمیمہ میں شمار کرتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں تقدیر کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اپنے اندر یہ یقین پیدا کرلے کہ میرا فرض احکامِ خالق کی تعمیل ہے۔ رہا یہ امر کہ اس ادائے تعمیل میں جان کا خوف یا مال کی تباہی کا ڈر ہے تو یہ میرے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر قدرت کا ہاتھ جان و مال کی ہلاکت کا فوری فیصلہ کر چکا ہے تو دوسرے اسباب پیدا ہو کر عالمِ تکوین کے اس فیصلہ کو ضرور سچا کر دکھائیں گے۔ یہی یقین انسان کو شجاع اور بہادر بناتا اور بزدلی سے دُور رکھتا ہے۔ اُس کی نظر ادائے فرض پر جم جاتی ہے اور وہ تکوینی فیصلوں کو اپنی دسترس سے بالاتر سمجھ کر اُن سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اسلام نے تقدیر کے یہ معنی کبھی نہیں بتائے کہ ہاتھ پیر توڑ کر اور جدّ وجُہد اور عمل کی زندگی کو چھوڑ کر غیبی مدد کے منتظر ہو بیٹھو اور ادائے فرض کو یہ کہہ کر ترک کر دو کہ تکوینی فیصلہ کے مطابق جو کچھ ہونا ہوگا' ہو رہے گا۔ دراصل یہ خیال بزدلی اور نامردی کی پیداوار ہے جو ادائے فرض سے روکتا اور تن آسانی کی دعوت دے کر ذلت کے حوالے کر دیتا ہے۔

''آیتِ مذکورہ کے متعلق طاعون کی روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس آیت کے بعد ہی آیت ۲۴۴ آیتِ جہاد ہے جس میں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا گیا ہے اور چونکہ فریضہ جہاد سخت جانبازی اور فداکاری کی دعوت دیتا اور موت کے ڈر کو دل سے نکالتا ہے' اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ پہلے بنی اسرائیل کے ایک ایسے واقعہ کا ذکر کر دیا جائے جس میں جہاد کے خوف سے بھاگ جانے والوں پر موت کا عذاب مسلّط کیا گیا تا کہ وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور اُن کے دلوں میں شجاعت و دلیری کا جذبہ اور بزدلی کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ احیائے موتٰی کا یہ معاملہ اُن لوگوں کی عبرت کے لئے تھا جو قیامت کے دن حشرِ اجساد کے منکر ہیں کیونکہ بنی اسرائیل میں بھی مشرکین کا ایک ایسا گروہ تھا جو حشرِ اجساد کا قائل نہ تھا۔''

''یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ روحانیت کے ماہرین کے نزدیک یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ رُوح جسم سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے اور جسم کے گل سڑ جانے اور اُس کی عنصری ترکیب کے مٹ جانے کے باوجود روح زندہ رہتی ہے' نیز یہ بھی امرِ معقول ہے کہ جس ہستی نے کسی شے کو ترکیب دیا ہے وہ ترکیب کے بکھر جانے کے بعد دوبارہ اس کو ترکیب دے سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حیاتِ روح اور بکھرے ہوئے اجزاء کی دوبارہ ترکیب کے معقول ہونے کے بعد اِحیائے موتٰی کا انکار کیا جائے جو بعض خاص حالات میں نبی اور رسول کی تصدیق اور تائید کے لئے اسی دنیا میں بصورتِ معجزہ عالمِ وجود میں آجاتا ہے۔'' (قصص القرآن۔۔۔حفظ الرحمن سیوہاروی' ج ۲' ص ص ۲۱' ۲۲)

(۶۴) جائے سکونت (HOME)

انسان کا گھر اُس کا خلوت خانہ ہے جہاں وہ دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد آرام وسکون پاتا ہے اور منفی اور ہنگامی عناصر کے خلاف اُس کا ملجا و ماویٰ ہے۔ گھر میں آدمی ہر قسم کے معاشرتی دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ جسم کے لئے گھر آرام کی جگہ اور دل ودماغ کے لئے استراحت کا مقام ہے۔ اس نعمتِ خداوندی کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا (اَلنَّحل : ۸۰)

''اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہِ سکون بنائے۔'' (۸۰ : ۱۶)

گھر کی بیرونی مداخلت سے تحفظ (تخلیہ) کے لئے قرآنی اقدامات: (۱) قرآن مجید کسی دوسرے کے گھر یا اُس کی جائے سکونت میں اچانک اور بغیر اطلاع داخلے کو خلافِ تہذیب اور نامناسب طرزِ عمل قرار دیتا ہے کہ اس طرح گوناگوں خرابیوں کا دروازہ کھل جائے گا اور گھر کی رازداری قائم نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ فرمایا:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (اَلنُّور : ۲۷)

''مومنو! اپنے گھروں کے سوا (دوسروں کے) گھروں میں نہ داخل ہوا کرو جب تک تم اجازت نہ لے لو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور کرو۔

محض اجازت طلب کرنے کے لئے لفظ تَسْتَاْذِنُوْا کافی تھا۔ اس کی بجائے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تاکہ اُسے وحشت نہ رہے۔ آیت کے آخری حصے کا مفہوم یہی ہے کہ اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لئے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا ذریعہ ہے اور ہر طرح مفید ہی ہے۔

(۲) اوپر خط کشیدہ عبارت گھر کی رازداری کو قائم رکھنے میں ایک اور اصول بتا رہی ہے۔ یعنی صاحب خانہ سے اجازت طلب کرنا اور سلام کا تبادلہ کرنا۔ اس عمل میں رازداری کا تحفظ ہے اور جان پہچان کے بغیر دوستی کا قائم ہونا بھی یقینی بات ہے۔

اجازت طلب کرنے کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ صاحبِ خانہ کو پہلے سلام پیش کیا جائے اور اجازت ملنے پر داخل ہوا جائے اور اندر پہنچ کر بھی اُسے سلام پیش کیا جائے۔ اگر صاحبِ خانہ آنے والے کا نام پوچھے تو وہ اُسے اپنا نام بتائے اور یہ نہ کہے کہ ''میں ہوں''۔ ایسا کرنے کی نبی علیہ السلام نے مذمت فرمائی ہے کیونکہ اس میں زائر کی شناخت نہیں ہو پاتی۔

اجازت طلبی میں نبی ﷺ دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازہ کے دائیں یا بائیں ہٹ کر انتظار

فرماتے تاکہ پردہ اٹھنے یا دروازہ کھلنے پر گھر کی رازداری افشاء نہ ہو جائے۔ نیز دروازے کو کھٹکھٹانا بھی اجازت طلبی کا ایک طریقہ ہے۔ آج کل کئی گھروں میں گھنٹی لگی ہوتی ہے' اُسے بجا کر بھی اجازت طلب کی جاسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین بار اجازت طلب کرنا چاہئے۔ جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہوں وہاں جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کرنا چاہئے۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں جہاں اُس کی اہلیہ ہو' اطلاع دئے بغیر داخل نہ ہو بلکہ پاؤں کی آہٹ کرنے سے یا کھنکھارنے سے اپنی آمد کی اطلاع دے دے۔ ہوسکتا ہے کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اُس کی بیوی سے ملنے آئی ہو۔

اسلام نے نہ صرف بلا اجازت داخل ہونے پر ہی پابندی نہیں لگائی بلکہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ مِنْ غَيْرِ اِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ يَّفْقَئُوْا عَيْنَه' (صحیح مسلم)

''جو شخص دوسروں کے گھر میں اُن کی اجازت کے بغیر جھانکے' اُن کے لئے جائز ہے کہ وہ اُس کی آنکھ نکال دیں۔''

(۳) اگر وقفے وقفے سے تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی جواب نہ آئے تو اسے اپنی توہین اور ذلت سمجھے بغیر واپس چلا آئے کیونکہ اس سے زیادہ اجازت طلب کرنا صاحبِ خانہ کو اذیّت دینا اور پریشان کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس وقت ایسے کام میں مشغول ہو جسے وہ منقطع نہ کرسکتا ہو۔ قرآن مجید نے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (النور: ۲۸)

''پھر اگر اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اُن میں داخل نہ ہو؛ یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرزِ معاشرت) تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہے۔''

یہاں گھر کی تقدیس کے ساتھ ساتھ وقت کی قدرو منزلت کا بھی سبق دیا جارہا ہے یعنی مؤمن کی زندگی اتنی بے کار اور بے مصرف تو نہیں ہوتی کہ جس وقت کوئی چاہے' اُس کے اوقات میں دخیل ہو جائے' نہ اُس کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لئے گوش بر آواز رہے۔ جو وقت اُس نے مطالعہ یا کسی مخصوص کام کے لئے مقرر کر رکھا ہے' اُس میں اُسے کام کرنے دو' اُس کی مصروفیتوں کا احترام کرو۔ اگر اُس نے اپنی کسی مجبوری کے تحت معذرت کی ہے تو خندہ پیشانی سے اُس کی معذرت خواہی کو قبول کرلو۔ (''ضیاء القرآن''۔۔جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۳۱۱)

ایک روز نبیِ معظم ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور طلبِ اجازت کے لئے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ۔ سعد نے سن لیا اور آہستہ سے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے دوسری بار سلام فرمایا۔ سعد نے پھر بھی چپکے سے جواب دیا۔ تیسری بار بھی حضور علیہ السلام کے سلام کے جواب میں سعد نے آہستہ سے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ کہہ دیا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو سعد دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے جتنی بار سلام فرمایا' میں نے سنا اور جواب دیا۔ میری خاموشی کا مقصد یہ تھا کہ آپ مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اُس کی برکت حاصل ہو۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں فراخی اور وسعت کو پسند فرماتے تھے اور اسے اس دنیاوی زندگی میں خوشی و مسرّت میں سازگاری عنصر سمجھتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے:

''شادمانی اور مسرّت کے چار عناصر ہیں: اچھی رفیقہ حیات، وسیع وکشادہ گھر، اچھا ہمسایہ اور سواری کے لئے آرام دہ جانور۔'' (صحیح ابن حبّان)

آپ اکثر پُرجوش طور پر یہ دعا فرماتے تھے: ''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، میرا گھر وسیع اور کشادہ کر دے اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔'' آپ سے پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اکثر ان الفاظ کے ساتھ دعا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: ''کیا اس کے بعد بھی کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے؟''

نبی اکرم ﷺ لوگوں کو اپنا گھر صاف ستھرا رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلام کا جاں بخش اور حیات آفریں اظہار ہے کیونکہ اسلام صفائی اور پاکیزگی کا مذہب ہے۔ صفائی مسلمان کی امتیازی خصوصیت ہے اور نبی علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور اچھائی کو پسند کرتا ہے، پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے، مہمان نواز ہے اور مہمان نوازی کو پسند کرتا ہے۔ پس اپنے کمروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھا کرو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔'' (ترمذی)

پُرتعیّش اور لامذہبیت کی زندگی سے متعلق مَدّات: مسلمان اپنے گھر کو مختلف قسم کے پھولوں، مزیّن پارچات، اور دوسری جائز آرائشی اشیاء سے سجا سکتا ہے، جس کے متعلق قرآن نے بالواسطہ طور پر اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف : ۳۲)

''آپ کہئے کہ اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کر دیا ہے؟'' (۷ : ۳۲)

یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ یہاں زینتِ خداداد سے مراد لباسِ فاخرہ کا ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامانِ آرائش اس میں شامل کئے ہیں۔ امام المفسرین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دقّتِ نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کئے ہیں، سوائے اُن کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ اُنہوں نے زینت سے مراد جمیع انواعِ زینت لی ہے۔ امام رازی نے کھانے کی پاکیزہ چیزوں میں وسعت دے کر دوسرے مرغوبات بھی اس کے اندر مانے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابلِ ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے محض لذّت کی بناء پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے۔

۱۹۰۰۔ (جائے سکونت۔۔۔HOME)

کوئی شک نہیں کہ مسلمان اپنے گھر میں آرائش وتزئین کی خواہش کرنے اور اپنے لباس' جوتوں اور ذاتی شکل وشباہت کی مدّات میں نفاست ولطافت قائم کرنے میں آزاد ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس کسی کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبر ہوگا' وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک آدمی نے سوال کیا: اُس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو خوبصورت لباس اور اچھے جوتے پہننا پسند کرتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ حسین وجمیل ہے اور حُسن وجمال کو پسند فرماتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

''ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ ایک خوبصورت آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''مجھے حسن وجمال سے محبت ہے اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں' مجھے اُس کا کچھ حصّہ عنایت بھی ہوا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اگر میں کسی کو میرے اپنے جوتوں سے عمدہ تر جوتے پہنے دیکھنا ناپسند کروں تو کیا یہ تکبّر ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: نہیں بلکہ تکبّر تو حق وصداقت کو جھٹلانے اور دوسرے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا ہے۔'' (ابوداؤد)

تاہم اسلام انتہا پسندی کے حق میں نہیں ہے اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مسلمان کا اپنے گھر کو تعیّش اور فضول خرچی کی مدّات سے بھر دینے کو ناپسند فرمایا ہے' قرآن نے بھی اُن کی مذمّت کی ہے اور یہی حال مشرکانہ مدّات کا ہے جن کے خلاف دینِ توحید ہر ہتھیار کے ساتھ نبرد آزما رہا ہے۔ (الحلال والحرام لیوسف القرضاوی' ص ص ۹۷ تا ۹۸)

<u>سونے چاندی کے برتن</u>: اسلام نے سونے چاندی کے برتنوں اور مَردوں کو خالص ریشم کے استعمال سے منع کیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی کہ اس ہدایت سے ہٹنے والا روزِ قیامت سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ اُمِّ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام سے فرمایا:

''سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے والا دراصل اپنے پیٹ کو نارِ جہنم سے بھر رہا ہے۔'' (صحیح مسلم)

''امام بخاری نے حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کی سند پر بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے یا چاندی کی پلیٹوں میں کھانے' ریشمی لباس پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے سے روکا ہے اور فرمایا: یہ چیزیں اِس دنیا میں کفار کے لئے اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں۔ علاوہ ازیں جس چیز کو عملی استعمال سے روکا گیا ہے' اُسے بہ طور تحفہ دینے یا آرائش کے طور پر استعمال سے بھی روکا گیا ہے۔''

''برتنوں اور اس قسم کی دوسری مدّات میں اِن ممنوعات کا اطلاق عورت ومرد دونوں پر برابر کا ہوتا ہے کیونکہ اس قانون سازی کا مقصد گھر کو انتہائی حد تک پُرتعیّش مدّات سے نجات دلانا ہے۔ ابنِ قُدامہ نے اس نظریہ کو واضح الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔''

''اس سلسلہ میں مرد اور خواتین حدیث کے عموم کی رُو سے باہم برابر ہیں اور کیونکہ اس ممانعت کی ایک

وجہ جہاں ایک طرف فضول خرچی اور فخر کا اظہار ہے تو دوسری طرف غریب طبقے کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ سونے اور ریشم کے استعمال کی خواتین کو اجازت ہے تاکہ وہ اُن کے ذریعے اپنے خاوندوں کے لئے اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھیں جو ایک استثنائی صورت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر یہ بیان کردہ وجہ درست ہے تو لعل و یاقوت اور دوسری قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے برتنوں کے استعمال کی بھی ممانعت ہونی چاہئے کہ وہ تو سونے چاندی سے بھی مہنگی ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نادار لوگ ایسی چیزوں سے آشنا نہیں ہوتے اور اگر وہ اُمراء کو ان کا استعمال کرتا ہوا دیکھ بھی لیں تو اُن کے جذبات مجروح نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں ایسی چیزوں کا نایاب ہونا بذاتِ خود اُن کی ممانعت کا سبب بن جاتا ہے اور اسی لئے فضول خرچی کی بنیاد پر اُن کی ممانعت کا ہونا ایک زائدسی بات ہے۔'' (''المُغنی'' جلد ۸' ص ۳۲۳ بحوالہ یوسف القرضاوی)

مَردوں کے لئے سونے چاندی کے استعمال کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سونا چاندی مالیات کے آفاقی اور ہمہ گیر معیار ہیں جو قیمتوں کے استحکام کو اور قوموں کے باہمی لین دین کو آسان بناتے ہیں جس سے تجارت اور سوداگری کو ترقی ملتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اُس نے سونے چاندی کو لوگوں کے لئے تبادلے کا ذریعہ بنا دیا۔ سونے چاندی کا صحیح اقتصادی استعمال اُن کی آزادانہ گردش ہے اور اُن کا سکّوں کے طور پر ذخیرہ کرنا درست نہیں ہے یا اس سے بھی بدتر صورت یہ کہ اُنہیں خانہ داری اور آرائشی چیزوں میں مقیّد کر دیا جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''اِحیاءِ علوم الدین'' میں ''الشُکر'' کے باب چہارم میں اس نکتے کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

''جو کوئی برتن یا دوسرے ظروف بنانے کے لئے سونے چاندی کو پگھلاتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ناقدری کرتا ہے اور وہ شخص اُن کا ذخیرہ کرنے والے سے بھی بُرا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی رئیسِ بلدیہ کو شہر کی گلیوں میں جھاڑو دینے یا کپڑے سینے پر لگا دیا جائے یا ایسے کاموں پر جو بالعموم نچلے طبقے کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ رئیسِ بلدیہ کو قید کرنا اِن کاموں پر لگانے کی نسبت کم توہین آمیز ہوگا۔ برتن بنانے میں چینی مٹی' لوہا' سکّہ اور تانبا سونے چاندی کے متبادل کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں لیکن یہ دھاتیں زر یا تبادلے کے معیار بھی نہیں ہو سکتیں۔ اگر کوئی اس نکتے کو اپنے استدلال اور علم کی رُو سے نہیں سمجھ پاتا تو ہم اُسے یہی کہیں گے کہ اللہ کے ترجمان رسول ﷺ نے واضح کر دیا: ''سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے والا دراصل اپنے پیٹ کو جہنم کی آگ سے بھرتا ہے۔'' [بحوالہ ''الحلال والحرام'' یوسف القرضاوی (انگریزی ترجمہ)]

<u>اسلام بُت رکھنے سے بھی روکتا ہے</u>: اسلام نے مسلمان کے گھر میں بُت ہونے سے بھی منع کیا ہے۔ بُت سے مراد وہ مکمل اور ٹھوس و جامد شکلیں ہیں جنہیں مسخ یا بگاڑا نہ گیا ہو۔ گھر میں اُن کی موجودگی اُن فرشتوں کو گھر سے دُور رکھنے کے لئے کافی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی خوشنودی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ فرمانِ رسول ہے جس کے راوی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں:

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْب" وَلَاتَصَاوِیْر"(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ: کتاب اللباس)
"اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔"

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں تصویریں رکھنے والا شخص کافروں کی طرح ہے جن کی عادت ہی گھروں میں تصویریں رکھنے اور اُن کی عزت و تعظیم کرنا ہوتی ہے۔ ایسے گھر سے فرشتے دُور رہتے ہیں۔ مسلمان کو صنعتی پیمانے پر بھی مجسمہ سازی کی اجازت نہیں ہے اگر چہ وہ غیر مسلمین کے لئے ہو۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے: "روزِ قیامت سخت ترین سزا پانے والوں میں مجسمہ ساز ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:
مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً فِی الدُّنْیَا کُلِّفَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَنْ یَّنْفُخَ فِیْہِ الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ (بخاری: کتاب اللباس)
"جس نے دنیا میں تصویر بنائی اُسے روزِ قیامت اُس میں روح پھونکنے کو کہا جائے گا لیکن وہ اسے کر نہیں سکے گا۔"

<u>مجسمے بنانے سے ممانعت کی حکمت</u> : (الف) اس ممانعت کی ایک وجہ توحید الٰہی کے عقیدے کا تحفظ اور بُت پرستوں کے عمل سے دُور رہنا ہے جو اپنے ہاتھوں سے بت اور مجسمے بنا کر اُن کی عزت و تعظیم کرتے ہیں اور اُنہیں محترم سمجھ کر اُن کے آگے کھڑے رہنے کو کارِ خیر سمجھتے ہیں۔

عقیدۂ توحید الٰہی کے تحفظ میں اسلام کی حسیت بہت تیز اور دقیق ہے اور یقینی طور پر اس احتیاط کا جواز بھی ہے۔ حتمی تجزیے کے مطابق بت پرستی کا آغاز اُس وقت ہوا جب لوگوں نے اپنے متوفیان یا نیک آباء و اجداد کو یاد رکھنے کے لئے اُن کے مجسمے بنانے شروع کئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے اُن کی تعظیم کرنا شروع کر دی اور یہ عزت و تعظیم بتدریج بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ ان مجسموں کو اُنہوں نے دیوتاؤں کا درجہ دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اُن کی پرستش شروع کر دی' وہ اُن سے مدد مانگنے لگے' اُن کے غیظ و غضب سے ڈرنے لگے اور برکات کے حصول کے لئے اُن سے التجائیں کرنے لگے۔ یہی چیز اُن قدیم طبقات میں واقع ہوئی جو وَدّ' سُواع' یَغُوث' یَعُوق اور نَسر نامی بتوں کے پجاری تھے (بحوالہ سورہ نوح: آیت ۲۳)۔

"(ب) اس ممانعت کی ایک اور وجہ مجسمہ سازوں سے متعلق ہے۔ مجسمہ ساز اپنی مجسمہ سازی کے کام میں فخر محسوس کرتے ہیں گویا کہ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے ہیں یا اُنہوں نے مٹی یا پتھر کو زندگی بخش دی ہے۔ مجسمہ ساز کافی محنت و مشقت کے بعد ایک مجسمہ کی تکمیل کرتا ہے اور وہ مجسمہ ایسا خوبصورت اور مکمل ہوتا ہے کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر اُس کی عمدہ سطور اور خد و خال کی تعریف میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ فخر و تکبّر اور خرمی و شادمانی سے وہ مغلوب ہو کر گویا اپنے بنائے ہوئے مجسمہ سے بولنے کو کہتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
"روزِ حشر مجسمے بنانے والوں کو سزا دی جائے گی اور اُن سے کہا جائے گا: اپنی تخلیق کردہ چیز میں ذرا روح تو ڈال کے دکھاؤ۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ایک حدیثِ قُدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : وَمَنْ اَظْلَمُ بِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْلِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْ شَعِیْرَۃً (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میرے تخلیق کرنے کی طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک ذرّہ اور جَو کا ایک دانہ تو بنا کے دکھائیں۔''

''(ج) مجسمہ ساز برہنہ، فحش یا شہوت انگیز مجسمے اور دوسرے مذاہب کے دیوی دیوتاؤں اور اُن کے بزرگوں کے مجسمے بھی بناتے ہیں۔ مسلمان کو ایسے کاموں میں پڑنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''(د) مجسمے پہلے بھی اور اب بھی طبقہ اُمراء اور عیاشانہ زندگی کی علامت رہے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایسا مذہب جو عیش وعشرت کی ہر قسم کے خلاف نبرد آزما ہے، مسلمان کو اپنے گھر میں بتوں اور مجسموں کے رکھنے سے روک دے۔'' (''الحلال و الحرام فی الاسلام'' لیوسف القرضاوی (انگریزی ترجمہ) صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۲]

<u>بچوں کے کھلونوں کی استثنائی صورت</u>: اگر تو اُن شکلوں اور تصویروں میں جن کے بنانے میں اُن کا احترام اور تعظیم مقصود نہ ہو اور نہ ہی اُن سے اعلیٰ معیارِ زندگی کا اظہار ہوتا ہو تو اُن پر مندرجہ بالا احتیاطی تدابیر کا اطلاق نہیں ہوتا اور اسلام اُن کے استعمال میں کوئی ضرر نہیں سمجھتا۔ انسانوں، حیوانوں وغیرہ کی شکلوں پر بنے ہوئے ایسے کھلونے اور گڑیائیں اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

(۱) ''میں رسول اللہ ﷺ کے خانۂ اقدس میں گڑیاؤں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلنے کے لئے آجایا کرتی تھیں۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھتیں تو وہ چھپ جایا کرتی تھیں لیکن آپ دراصل اُنہیں میرے ساتھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور اس طرح ہم سب اکٹھی مل کر کھیلتی رہتی تھیں۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
(۲) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''یہ کیا ہیں؟'' میں نے جواب دیا: ''یہ میری گڑیائیں ہیں۔'' آپ نے پھر پوچھا: ''درمیان میں یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''یہ گھوڑا ہے۔'' پھر آپ نے پوچھا: ''اور اس گھوڑے پر یہ چیزیں کیا ہیں؟'' میں نے کہا: ''وہ اُس کے پَر ہیں۔'' آپ نے از راہِ تعجب پوچھا: ''کیا گھوڑے کے بھی پَر ہوتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''یارسول اللہ! کیا جناب والا نے سنا نہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس پَروں والے گھوڑے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ایسے جی بھر کر ہنسے کہ میں آپ کی مبارک ڈاڑھوں (نواجذ) کو دیکھ سکتی تھی۔''

احادیثِ بالا میں وہ گڑیائیں مراد ہیں جن سے بچے کھیلتے ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ سے نکاح کے وقت نوخیز عمری میں تھیں۔ الشوکانی کہتے ہیں کہ یہ احادیث بچوں کے بُت نما کھلونوں (یعنی انسانی یا

حیوانی شکل پر بنی ہوئی گڑیاؤں) سے کھیلنے کے جواز کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لڑکیوں کو گڑیاؤں سے کھیلنے کی اجازت ہے۔اس اجازت کا اطلاق خوشی کے موقعوں پر مٹھائی سے بنی ہوئی شکلوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ کھانے کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔" (ایضاً صفحات ۱۰۶' ۱۰۷)

"کچھ فقہاء نے چھوٹے بچوں کو گڑیاؤں سے کھیلنے کی اجازت دی ہے لیکن چونکہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں جانداروں کی تصویروں سے بہت زیادہ کھیلنے کے باعث بچوں میں نیکی اور خیر کا جذبہ ماند نہ پڑ جائے' اس لئے بہتر یہی ہے کہ اُنہیں اُن سے نہ کھیلنے دیا جائے۔" (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ لعبدالرحمٰن الجزیری' جلد دوم' صفحہ ۷۰' اُردو ترجمہ)؛ ("Amusement and Play"... Mufti Mahmood Ashraf Usmani, p. 88)

"ناتمام یا مسخ شدہ مجسمے: کتب احادیث میں یہ حدیث درج ہے کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے خانہ اقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ گھر کے دروازے پر ایک بُت بنا ہوا تھا۔ دوسرے روز بھی وہ اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اِس بُت کے سر کے اس طرح توڑنے کا حکم دیجئے کہ (ٹوٹ جانے کے بعد) وہ درخت کا تنہ معلوم ہو۔" (ابوداؤد' نسائی' ترمذی' ابن حبان)

"اس حدیث کی بنیاد پر کچھ علماء نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ مکمل شکل کی تصویریں حرام اور ناجائز ہیں لیکن اگر اُن کا کوئی ایسا جسمانی حصہ معدوم ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا' تو اُن کی اجازت ہے۔تاہم جبریل علیہ السلام کی درخواست کہ سر کو اس طرح کاٹا جائے کہ وہ درخت کا تنہ معلوم ہو' کی صحیح اور سچی تاویل یہ نہیں ہے کہ سر کے بغیر زندگی ناممکن ہو جاتی ہے بلکہ یہ ہے کہ اُس بت کی شکل کو مسخ کیا گیا جس کے بعد اُس بُت کو دیکھنا اُس کے لئے احساسِ حُرمت و تعظیم کو پیدا نہیں کرے گا۔"

"اگر ہم زیرِ نظر مسئلہ پر غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں تو لازماً ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بادشاہوں اور عظیم لوگوں کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے عوامی جگہوں پر سر اور سینے تک کے زنانہ مجسمے لگانا زیادہ حرام ہیں بہ نسبت اُن مکمل شکلوں کے مجسموں کے جن سے گھروں کی آرائش کی جاتی ہے۔" (الحلال والحرام فی الاسلام' صفحات ۱۰۷' ۱۰۸)

"کاٹے ہوئے سر کی شبیہ یا فوٹو کی اجازت ہے کیونکہ اس کی پرستش تو نہیں کی جاتی۔اگر فرشی گاؤ تکیے یا قالین پر کوئی تصویر بنی ہوئی ہے تو یہ بھی مکروہ (ناپسندیدہ) نہیں ہے کیونکہ اسے پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے اور اس لئے اسے پرستش کا درجہ نہیں دیا جاتا۔اگر فرشی گاؤ تکیے یا قالین پر کوئی تصویر ایستادہ یا لٹکی ہوئی حالت میں ہے تو اُس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم کا اظہار ہوگا۔کسی غیر جاندار چیز کا فوٹو یا تصویر مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس کی پرستش نہیں کی جاتی۔" (فتح القدیر ۱/۳۶۴؛ دُرُّ المختار؛ فتاویٰ عالمگیری ۱:۱۰۷)

فتاویٰ شامی کی ایک عبارت یوں ہے:
فَاِنَّ ظَاهِرَهٗ اَنَّ مَالَا یُؤَثِّرُ کَرَاهَةً فِی الصَّلَاةِ لَا یُکْرَہُ اِبْقَاءُہٗ (فتاویٰ شامی ۱:۶۴۹)

'' ظاہر یہی ہے کہ جو تصویر نماز میں کراہت پیدا نہیں کرتی' اُس کا باقی رکھنا مکروہ نہیں ہے۔''

صحیح بخاری' صحیح مسلم اور مشکوٰۃ کی یہ حدیث جس کی راویہ سیّدہ عائشہ صدّیقہ ہیں' بھی قابلِ غور ہے:

اِنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا (مُتَّفَق" عَلَيْهِ وَهٰكَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ)

''سیّدہ عائشہ کے پاس ایک پردہ تھا جس پر کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ نبی علیہ السلام نے اُسے پھاڑ دیا اور سیّدہ نے اُس پھاڑے ہوئے کپڑے سے دو تکیے بنا لئے جس پر یہ دونوں مبارک ہستیاں بیٹھا کرتی تھیں۔''

نبی اکرم ﷺ کا اُس پھاڑے ہوئے کپڑے سے بنائے گئے تکیے پر بیٹھنا جس پر کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں گھر میں اس تصویر کے رکھنے کے جواز کو ظاہر کرتا ہے جو اب مسخ شدہ تھی اور اُس پر بنی ہوئی تصویر کی پرستش کئے جانے کے خطرے سے بہت دُور تھی۔ اگر تصاویر اور فوٹو یکسر حرام ہوتے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس پھاڑے ہوئے کپڑے کو بھی اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر پھینک دیتے۔ اسی لئے اسلامی فقہ کے چاروں مکاتبِ فکر (حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی) اس فیصلہ پر متفق ہیں کہ:

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کی رُو سے درختوں' سورج' چاند وغیرہ جیسی بے جان چیزوں کی تصاویر کی اجازت ہے۔''

''تاہم جاندار چیزوں کی تصاویر کی اجازت ہے اگر وہ بچھی ہوئی قالینوں' کاغذ' کپڑے یا تکیے پر بنی ہوئی ہوں۔'' (مضمون بہ عنوان ''تصویر کی شرعی حیثیت'' مفتی عبدالقیوم بحوالہ ماہنامہ منہاج القرآن لاہور' فروری ۲۰۰۴ء)

''امیر لوگ ہمیشہ سے دروازوں پر پردہ لٹکایا کرتے تھے۔ معاشرے میں غربت حد سے زیادہ تھی۔ عوام کو تن ڈھانپنے کو معمولی کپڑا تک میسر نہ تھا جبکہ دروازوں پر پردے لٹکانا امیرانہ ٹھاٹھ کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ ہاں سرہانہ یا گدا بنانا ایک ضرورت تھی۔ انہی تصویروں والے کپڑوں کو پھاڑ کر جب دو گدے بنا دئے گئے تو آقا علیہ السلام نے اس پر رضا مندی کا اظہار فرمایا کہ یہ امیرانہ ٹھاٹھ نہیں بلکہ گھریلو ضرورت تھی اور آپ نے خود وہ گدّے استعمال فرمائے۔ اگر وجہ ناراضگی محض تصویر ہوتی تو وہ باقی تھی۔ گدا ہو' سرہانہ ہو' تکیہ ہو یا دروازے کا پردہ۔'' (ایضاً)

''<u>حرمت تصویر کے منصوص اسباب</u> :شریعت نے حرمتِ تصویر کے دو صریح اسباب بتائے ہیں: (۱) تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت کا ارادہ کرنا۔ (۲) تصویر کی ایسی تعظیم و تکریم جو شرعاً مخلوق کے لئے ناجائز ہے مثلاً اُسے سجدہ کرنا وغیرہ۔ تعظیم وہی حرام ہے جو شرعاً ممنوع ہے یعنی عبادت۔ ہر تعظیم نہ منع ہے' نہ حرام اور نہ عبادت۔ رہا موجودہ فوٹو بازی کا مسئلہ تو ماضی میں کیمرہ وغیرہ آلات نہ تھے۔ تاہم ان نصوص پر غور کرنے سے ہم نے تصویر سازی کی چند مزید جائز و ناجائز صورتیں غور و فکر سے متعین کی ہیں اور یہ اجتہاد کرنا اہلِ علم کے لئے جائز ہی نہیں' لازمی ضرورت بھی ہے۔

تصویر کے جواز اور عدمِ جواز کی صورتیں: ''اگر مقاصد صحیح ہوں۔ ملازمت' تعلیم' ویزاج' شناختی کارڈ' پاسپورٹ' یادگار کے لئے شریفانہ انداز میں اپنی یا اپنے اہل وعیال کی تصویر بنانا بھی جائز ہے اور گھر میں رکھنا بھی جائز ہے۔ رہی عریاں' فحش اور غیر محرموں کی تصاویر یا کسی شریف زادی' شریف زادے کو بلیک میل کرنے کے لئے اُس کی تصویر بنانا' دشمن کے لئے جاسوسی کی خاطر یا فحاشی پھیلانے کے لئے جیسے اکثر فلمی اشتہارات اور فلمیں' قومی اور حساس مقامات اور تنصیبات کی تصویر بنانا اور دشمن تک قومی راز پہنچانے' چوری' ڈاکے' اغوا' قتل اور دیگر جانی و مالی نقصانات پہنچانے کے لئے نقشے اور تصویریں بنانا خواہ جانداروں کی ہوں یا غیر جانداروں کی' سب حرام ہے۔ اسی طرح اگر پوجا پاٹ کے لئے تصویر بنائی جائے خواہ جاندار کی ہو جیسے عام بُت یا غیر جاندار کی ہو جیسے صلیب کی صورت' حرام ہے :۔

اَلظَّاهِرُ اَنَّهٗ يُلْحِقُ بِهِ الصَّلِيبُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ تِمْثَالُ ذِىْ رُوْحٍ لِاَنَّ فِيْهِ تَشَبُّهًا بِالنَّصَارٰى وَ يُكْرَهُ التَّشَبُّهُ بِهِمْ فِي الْمَذْمُوْمِ (ردُّ المحتار شامی ۱ : ۶۴۸)

''ظاہر یہ ہے کہ ممنوع تصویر کے ساتھ صلیب بھی شامل ہے اگرچہ یہ روح والی چیز کی تصویر نہیں' اس لئے کہ اس میں عیسائیوں سے مشابہت ہے اور بُرے کام میں اُن سے مشابہت پیدا کرنا حرام ہے۔''

''پس مطلق ہر ذی روح کی تصویر ناجائز ہرگز نہیں۔ ناجائز وہی تصویریں ہیں جو غلط مقاصد کے لئے استعمال ہوں۔ اگر مطلقاً تصویرِ حیوان ناجائز ہوتی تو کپڑے سے گدے بنا کر گھر میں رکھنے کی بھی نبی علیہ ﷺ ممانعت فرما دیتے۔'' (مضمون بعنوان ''تصویر کی شرعی حیثیت'' مفتی عبدالقیوم بحوالہ ماہنامہ منہاج القرآن لاہور' فروری ۲۰۰۴)

حنفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علامہ طحاوی کہتے ہیں:

''شروع شروع میں نبی علیہ السلام نے ہر قسم کی نقاشی اور شبیہ سے روک دیا تھا کیونکہ مسلمان ابھی تازہ تازہ بُت پرستی سے اسلام کی طرف منتقل ہوئے تھے اور اسی وجہ سے شبیہ کی تمام صورتوں کی ممانعت کر دی گئی۔ بعد ازاں آپ نے کپڑے پر بنے ہوئے نقوش سے پابندی اٹھالی کیونکہ لباس ایک ضرورت کی چیز تھی۔ آپ نے اُن شبیہوں کی بھی اجازت دے دی جن کی تعظیم نہیں کی جاتی تھی کیونکہ اب اس بات کا خطرہ نہیں تھا کہ ایک ناواقف آدمی ایسی چیز کی تعظیم کرے گا جو کھوٹی اور گھٹیا ہے۔ اُن شبیہوں کی ممانعت کبھی نہیں اٹھائی گئی جو گھٹیا اور کھوٹی نہیں ہیں۔'' (الحلال والحرام فی الاسلام لیوسف القرضاوی' صفحہ ۱۱۵ انگریزی ترجمہ)

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوا کہ اُن تکیوں یا گدوں پر کی شبیہیں جائز ہیں جن پر بیٹھا جاتا ہے یا جن پر سہارا لیا جاتا ہے اور اسی طرح دریوں اور قالینوں پر بنی ہوئی تصاویر بھی جنہیں پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے (ایضاً)۔

مسخ شدہ تصویر کی اجازت: کسی تصویر میں ہر وہ تبدیلی جو اُسے محلِ احترام و تعظیم سے دُور کر دے اور اُسے گھٹیا بنا دے' اُسے محلِ کراہت سے محلِ جواز کو منتقل کر دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں حدیثِ جبریل کا حوالہ جلد ہٰذا کے صفحہ ۱۹۰۴ پر دیا جا چکا ہے۔

''ہمارے پاس اس چیز کی شہادت موجود ہے کہ ابتدا کے مسلمان اُن چیزوں کو استعمال کرتے تھے جن پر تصویریں بنی ہوتی تھیں لیکن اس طرح کہ وہ چیزیں محلِ احترام وتعظیم میں نہ تھیں۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُن گدوں کو استعمال کرتے تھے جن پر پرندوں اور انسانوں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں۔ عکرمہ (بن ابوجہل) فرماتے ہیں کہ ہم ایستادہ حالت کی تصویر کو دیکھنا ناپسند کرتے تھے لیکن اگر وہ دریوں یا چٹائیوں پر بنی ہوتی تو اس کی پروانہ کرتے کیونکہ اُنہیں پاؤں کے نیچے روندنے میں اُن کی تذلیل تھی۔''

''محنت اور کسبِ معاش: قرآن مجید نے عالمِ انسانیت پر کئے گئے احساناتِ الٰہیہ کا ذکر یوں کیا ہے:

(۱) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (الملك:۱۵)

''وہی اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا' سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ' پیو۔'' (۱۵ : ۶۷)

یعنی زمین میں ہر قسم کے تصرّفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے اور انسان کو اس پر حاکم ومتصرف بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا اُسے چاہئے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے کسبِ معاش کا سامان کرے تاکہ اُس کی اپنی ذات کا اور اُس سے متعلقین ولواحقین کا فائدہ ہو۔

(۲) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ o اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا o ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا o فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا o وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا o وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا o وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا o وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا o مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ o (عَبَس : ۲۴ تا ۳۲)

''سو انسان ذرا اپنے کھانے کی طرف تو دیکھے' ہم نے خوب پانی برسایا' پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا' پھر ہم نے اُس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے اُگائے' تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔'' (۲۴ تا ۳۲ : ۸۰)

اِن آیات میں انسان کو اُس کے سامانِ پرورش وبقاء اور احوالِ معاش کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اُن میں کیسے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اَن گنت نوازشات کے جلوے دمک رہے ہیں۔ انسان اپنے دسترخوان پر لگائے گئے قِسما قِسم کے کھانوں کو ہڑپ کر جاتا ہے اور یہ سوچتا تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے اُنہیں پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے' بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک بالیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں' پھر وہ اُگتے ہیں' نشوونما پاتے ہیں۔ کسی کھیت میں انسان کے لئے اناج کے ذخیرے تیار کئے جا رہے ہیں تو کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر بل کھاتی نشوونما پا رہی ہیں۔ کہیں اُس کے جانوروں کے لئے چارہ اُگ رہا ہے تو کہیں زیتون اور کھجور کے درخت بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں' کہیں گھاس اُگ رہی ہے جو اُس کے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنی رحمت وقدرت سے حضرتِ انسان کے لئے اور اُس کے مویشیوں کے لئے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔ گویا نباتات کا یہ

سارا نظام انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لئے ہے۔ ربوبیت اور رزّاقیت کی اتنی زبردست مشینری کے مشاہدہ کے بعد بھی اِعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے!!

کسبِ معاش کی اہلیت کے ساتھ فریضہ محنت : مسلمان کو کسبِ معاش سے بچنے کی اس عذر کی بنیاد پر اجازت نہیں ہے کہ اُس نے اپنی زندگی عبادت کے لئے وقف کردی ہے یا اُس نے اللہ کے رزّاق ہونے پر توکل کر لیا ہے کیونکہ سونا چاندی آسمان سے تو نہیں نازل ہوتے۔ اُس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ اپنی اور اپنے کنبے کی ضروریات کی فراہمی کی اہلیت رکھتے ہوئے وہ صدقہ وخیرات پر انحصار کرے۔ اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:
''صدقہ وخیرات لینا نہ تو امیر کے لئے جائز ہے اور نہ ہی جسمانی طور پر صحتمند کے لئے۔'' (ترمذی)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی جائز اور ہنگامی ضرورت کے بغیر بھیک مانگنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس سے انسان کی عزت ووقار اور خودداری مجروح ہوتے ہیں۔ آپ کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ ہوں :

(١) لَا تَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتّٰى يَلْقَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَيْسَ فِىْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (بخاری: کتاب الزکوٰۃ باب: مَن سأل الناسَ تَكَثُّرًا ؛ مسلم' کتاب الزکوٰۃ' باب: كراهة المسألة للناس)
''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کو جا ملتا ہے (تو وہ اس حال میں اللہ کو ملے گا کہ) اُس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوگا۔''

چہرے پر گوشت کا نہ ہونا' یا تو کنایہ ہے ذلّت وخواری سے یا بطورِ سزا اور علامتِ گناہ ہے اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ اس میں سوال کرنے سے نفرت دلائی گئی ہے کہ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت ہے۔

(٢) مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ' باب: كراهة المسألة للناس)
''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مال میں اضافہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے (اُسے اختیار ہے کہ) وہ کم طلب کرے یا زیادہ طلب کرے۔'' (صحیح مسلم)

معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ انسان اس طرح اپنے آپ کو جہنم کے انگاروں کا مستحق بنا لیتا ہے۔ افسوس ہے کہ جس مذہب نے گداگری کو اتنا بڑا جرم قرار دیا ہو' اُس مذہب کے ماننے والوں میں گداگری اس قدر عام ہے کہ توبہ الامان والحفیظ۔ مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات سے یہ بے خبری یا بے نیازی قابلِ صد افسوس اور لائقِ ہزار ماتم ہے۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى

سوال کرنے کی کب اجازت ہے ؟ تاہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر زمانہ کے ماحول کے نبّاض تھے اور علم من اللہ کی رُو سے ضرورت کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا :

(۱) اِنَّ الْمَسْأَلَۃَ کَدٌّ'' یَکُدُّ بِھَا الرَّجُلُ وَجْھَہ' اِلَّا أَنْ یَّسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا اَوْ فِیْ اَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْہُ
(سنن ترمذی : کتاب الزکٰوۃ' باب: ما جاء فی النھی عن المَسألۃ ؛ سنن ابی داؤد : کتاب الزکٰوۃ باب: کم یعطی الرجل الواحد من الزکٰوۃ)

''حضرت سَمُرہ بن جُندَب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوال کرنا نوچنا ہے' اُس کے ذریعے سے آدمی اپنا چہرہ نوچتا (یا چھیلتا) ہے مگر یہ کہ آدمی بادشاہ سے ایسے معاملہ میں سوال کرے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔''

''حاکمِ وقت یا بادشاہ سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ امداد کا مستحق ہے تو بیت المال کی طرف رجوع کرے جو ایک اسلامی مملکت میں اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ اُس سے ضرورتمندوں کی آبرومندانہ کفالت کا اہتمام کیا جا سکے۔ اگر وہاں تک رسائی نہ ہو تو ناگزیر حالات و معاملات میں دوسروں سے بھی سوال کرنا جائز ہے۔''

(۲) عَنْ أَبِیْ بِشْرٍ قَبِیْصَۃَ بْنِ الْمُخَارِقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : تَحَمَّلْتُ حَمَالَۃً فَأَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَسْأَلُہ' فِیْھَا فَقَالَ : أَقِمْ حَتّٰی تَأْتِیَنَا الصَّدَقَۃُ فَنَأْمُرَ لَکَ بِھَا ثُمَّ قَالَ : یَا قَبِیْصَۃُ! اِنَّ الْمَسْأَلَۃَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَۃٍ : رَجُل تَحَمَّلَ حَمَالَۃً فَحَلَّتْ لَہُ الْمَسْأَلَۃُ حَتّٰی یُصِیْبَھَا ثُمَّ یُمْسِكُ وَرَجُلٍ أَصَابَتْہُ جَائِحَۃ'' اجْتَاحَتْ مَالَہ' فَحَلَّتْ لَہُ الْمَسْأَلَۃُ حَتّٰی یُصِیْبَ قَوَامًا مِّنْ عَیْشٍ اَوْ قَالَ : سِدَادًا مِّنْ عَیْشٍ - وَرَجُلٍ أَصَابَتْہُ فَاقَۃ'' حَتّٰی یَقُوْلَ ثَلَاثَۃ'' مِّنْ ذَوِی الْحِجٰی مِنْ قَوْمِہٖ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَۃ'' فَحَلَّتْ لَہُ الْمَسْأَلَۃُ حَتّٰی یُصِیْبَ قَوَامًا مِّنْ عَیْشٍ اَوْقَالَ: سِدَادًا مِّنْ عَیْشٍ -- فَمَا سِوَاھُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَۃِ یَا قَبِیْصَۃُ! سُحْت'' یَأْکُلُھَا صَاحِبُھَا سُحْتًا
(صحیح مسلم : کتاب الزکوٰۃ' باب: مَنْ تحلّ لَہُ الْمَسْأَلَۃُ)

''حضرت ابوبِشر قَبِیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے (دو فریقوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کے لئے) ضمانت اُٹھائی۔ میں اس سلسلے میں بغرضِ سوال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ٹھہرو تا آنکہ ہمارے پاس صدقے کا مال آئے' پھر ہم تمہارے لئے حکم دیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے قَبِیصہ! تین آدمیوں کے سوا کسی کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ جو (تمہاری طرح) ضمانت اٹھالے' پس اُس کے لئے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ ضرورت کے مطابق وہ حاصل کر لے' پھر وہ رک جائے۔ (دوسرا) وہ جو کسی آفت یا حادثے کا شکار ہو گیا ہو جس نے اُس کے مال کو تباہ و برباد کر دیا' اُس کے لئے بھی اس حد تک سوال کرنا جائز ہے جس سے اُسے اپنی گزران کے مطابق مال حاصل ہو جائے یا (فرمایا) جو اُس کی حاجت کو پورا کر دے۔ (تیسرا) وہ جو فاقے کی حالت کو پہنچ جائے

حتّٰی کہ اُس کی قوم کے تین عقلمند آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقے میں مبتلا ہے تو اُس کے لئے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ گزران کے مطابق مال حاصل کرے یا (فرمایا) جو اُس کی حاجت کو پورا کر دے۔اے قبیصہ! اُن کے سوا سوال کرنا حرام ہے اور ایسا سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔''

<u>نظامِ زکوٰۃ اور کام چوری</u> : نظامِ زکوٰۃ کے قیام اور سورۃ المعارج کی آیات ۲۴، ۲۵:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ O لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ O

''اور جو اپنے مال میں سوالی اور محروم القسمت (سب) کا جانا ہوا حق رکھتے ہیں۔'' (۲۴، ۲۵:۷۰)

سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اسلام سست مندی اور کام چوری کی حوصلہ افزائی اور محنت و مشقت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ دراصل نظامِ زکوٰۃ اور صدقات وخیرات دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹنے کے خلاف ایک ہتھیار ہے۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو Leitner اسلام کے صدقات وخیرات اور زکوٰۃ کی بابت لکھتے ہیں:

''صدقات وخیرات کا دینا دینے والے پر اس کے وصول کرنے والے کی طرف سے تکلیفِ شرعی کا فریضہ ڈال دیتا ہے کیونکہ یہ دینے والے کو جذبہ فیض رسانی کے نکھارنے اور سنوارنے کے قابل بناتا ہے۔''

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محنت ومشقت کے ذریعے روزی کمانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

(۱) ''تم میں کسی کو روزی کمانے سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہئے اور یہ نہیں کہنا چاہئے: یا اللہ! کچھ بھیج۔ کیونکہ سونا چاندی آسمان سے برسنے والے نہیں۔'' (طنطاوی اور طنطاوی صفحہ ۲۶۸)

(۲) ''اللہ کا رزق تلاش کرو اور دوسروں پر بوجھ مت بنو۔'' (قرطبی، ج ۲، ص ۱۵ بحوالہ عمر چارپرا ص ۴۹)

''وہ معاشرتی اور سرکاری تنظیمیں جن کا کام سماجی تحفظ کے تحت زکوٰۃ کی تقسیم ہے، اُن کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ کام کرنے کی اہلیت کے حامل غریب لوگوں کو مطلوبہ مناسب تربیت دے کر کام پر لگائیں تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوں جیسا کہ اسلام چاہتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیّبہ کی مثال اس کی اہمیت پر زور دیتی ہے، کہ جب آپ نے انصار کے ایک آدمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اُسے خیرات دینے کی بجائے آپ نے کوئی مناسب روزگار پانے میں اُس کی مدد فرمائی (ابو داؤد، جلد اوّل، صفحات ۳۸۱، ۳۸۲)۔ یہ مثال بھی اس نظریے کو ذہن نشین کراتی ہے کہ اسلام جس چیز کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہے، وہ مصیبت زدگان اور محروم القسمت لوگوں کی مدد کرنا ہے مثلاً بے روزگار لوگ، بیوگان، بیماری، کام کر سکنے سے لاچاری اور عمر رسیدگی۔ نبی علیہ السلام نے اُن لوگوں کے لئے گداگری کو حرام قرار دیا جن کی ضروریاتِ اصلیہ نہیں ہیں اور جو صحتمند اور تندرست ہیں۔'' (ابنِ ماجہ، جلد اوّل، صفحہ ۳۸۶ ؛ نسائی، جلد پنجم، صفحہ ۴۷ بحوالہ ''دی اکنامک سسٹم آف اسلام'' از عمر چارپرا، صفحہ ۵۰)

دراصل اسلام خودداری کا مذہب ہے اور وہ اپنے پیروؤں میں بھی یہی اخلاقی وصف پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں طفیلیّت اور مفت خورے پن کے رُجحان کا رڈ کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۳ میں ایسے خوددار لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔

''محنت کی عظمت : کچھ لوگ کچھ پیشوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن نبی ﷺ نے اس خیال کو حیات آفریں قرار نہیں دیا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی کہ انسان کی تمام تر عظمت اُس کے کام کے ساتھ مربوط ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور یہ کہ ذلت و رسوائی دوسروں کے رحم و کرم پر پلنے میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَه' ثُمَّ یَأْتِیَ الْجَبَلَ فَیَأْتِیَ بِحُزْمَةٍ مِّنْ حَطَبٍ عَلٰی ظَهْرِهٖ فَیَبِیْعَهَا فَیَکُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَه' خَیْرٌ'' لَه' مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْمَنَعُوْهُ (بخاری: کتاب الزکوٰۃ باب: الاستعفاف عن المسألة)

''تم میں سے کسی ایک شخص کا رسّیاں لے کر پہاڑ پر جانا کہ اُن سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے' پھر اُسے بیچے' پس اُس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اُس کے چہرے کو (مانگنے کی ذلت سے) بچائے' یہ اُس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے (وہ چاہیں تو) اُسے دیں چاہیں تو انکار کردیں۔''

قرآن مجید کی متعدد آیات میں جہاں بنی نوع انسان پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے' وہاں زرعی سرگرمیوں کو اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جس کی تفصیل اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد اوّل کے صفحات ۱۱۱ تا ۱۱۵ میں موجود ہے۔

فوٹوگرافی : یہ جدید ایجاد ہے جس کا وجود حضور علیہ السلام کے دورِ مبارک اور شروع کی مسلمان نسلوں میں نہیں تھا۔ تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تصاویر اور مجسمہ سازوں سے متعلق اسلامی اصولوں کا اطلاق فوٹو گرافوں اور فوٹوگرافرز پر بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔''

''وہ فقہاء جو کہتے ہیں کہ صرف مجسمے بنانا منع ہے' اُن کے نزدیک فوٹوگرافی کی تصاویر میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں بالخصوص جبکہ وہ پوری شکل کی نہ ہوں۔ کچھ دوسرے لوگ بھی بہت سے سوالات اٹھاتے ہیں۔ کیا فوٹوگرافس خاکہ کشی اور نقاشی (Drawings) کی طرح ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ شبیہ بنانے والوں سے متعلق کچھ احادیث میں بیان شدہ سزا کا اطلاق فوٹوگرافی کی تصاویر پر نہیں ہوتا اور کیا سببِ ممانعت کا نہ ہونا خود ممانعت کو کالعدم نہیں کر دیتا؟''

''ملکِ مصر کے ایک فقیہ شیخ محمد باخت نے یہ فتویٰ دیا کہ چونکہ فوٹوگراف کیمرہ کے ذریعے ایک حقیقی چیز کے صرف عکس کو قابو کرتا ہے' لہٰذا اس کی ممانعت کا کوئی سبب نہیں۔ ممنوعہ تصاویر وہ ہیں جن کے اصل کا مادّی طور پر کوئی وجود نہ ہو اور جو فنکار کی اپنی اختراع ہوں اور فنکار کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقالی کرنا ہو اور اس بات کا اطلاق کیمرہ کے ذریعے لی گئی تصاویر پر نہیں ہوتا۔'' (''الجواب الشافی فی اباحة التصویر الفوتوجرافی'' بحوالہ ''الحلال و الحرام فی الاسلام'' 'یوسف القرضاوی' صفحات ۱۱۶' ۱۱۷)

''ہر قسم کی شبیہوں کے خلاف لوگ اور اس ضمن میں متشدد دین بھی جن کے نزدیک ہر قسم کی تصویر مکروہ ہے' از راہِ ضرورت تصویر کے ہونے کو مباح سمجھتے ہیں' جیسے شناختی کارڈ' پاسپورٹ' مشتبہ اور جرائم پیشہ افراد کا ریکارڈ رکھنا'

ہدایتی وغیرہ مقاصد کے لئے تصویر کشی' اس شرط کے ساتھ کہ یہ تصاویر محلِ احترام یا تقدیس نہیں ہوں گی کہ جو اسلامی عقیدے پر کسی بھی طرح اثر انداز ہو۔ ایسی تصاویر کی ضرورت یقینی طور پر کپڑے پر کے اُن نقوش سے زیادہ ہے جنہیں نبیِ اکرم ﷺ نے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔'' (یوسف القرضاوی' صفحہ ۱۱۷)

فوٹو گرافوں کا نفسِ مضمون : کسی بھی فوٹو گراف کی ممانعت یا عدمِ ممانعت میں اس کا نفسِ مضمون دیکھا جائے گا۔ کوئی بھی مسلمان اُن فوٹوؤں کی ممانعت ہونے میں اختلاف نہیں کرے گا جو اسلامی عقائد' اخلاقیات اور قوانین کے خلاف ہوں۔ لہٰذا ایسے فوٹوؤں اور خاکوں کی ممانعت میں کوئی شک نہیں جن میں مردانہ یا زنانہ جسم کے اُن حصّوں کا برہنہ یا نیم برہنہ ہونا دکھایا گیا ہو جن سے جنسی انگیخت ہوتی ہو' یا وہ خاکے اور تصویریں جن میں مرد و زَن کو جنسی انداز میں دکھایا گیا ہو جیسا کہ مختلف میگزینوں' اخباروں اور مووی تھیٹروں پر دیکھنے میں آتا ہے۔ ایسی تصویریں بنانا' اُن کی تشہیر کرنا' اُنہیں خریدنا' اُنہیں گھر میں' دفتروں یا دکانوں میں لانا یا اُنہیں دیواروں پر لٹکانا سب حرام کے کام ہیں بلکہ اُن کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔''

درجِ بالا اصول کا اطلاق ظالموں اور جابروں کی تصاویر پر بھی ہوتا ہے۔ مسلمان سے اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے کراہت کرے اور اللہ کی خاطر اُن سے دشمنی رکھے۔ مسلمان کو ایک ایسے ''بڑے'' آدمی یا قائد کی تصویر بنانے اور لینے کی اجازت نہیں ہے جو ملحد اور خدا کی ہستی کا منکر ہے' اور اسی طرح اُس بت پرست کی بھی جو گائے' آگ یا کسی اور غیر اللہ کا پجاری ہے' یا وہ یہودی یا عیسائی ہے جو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا منکر ہے اور اس میں وہ مسلمان بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ اسی طرح مسلمان کو بد اطوار افراد کے بھی فوٹو نہیں لینے چاہئیں جو معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی کی تشہیر کرتے ہیں جیسے گویّے' فنکار اور دوسرے ''ضیافتِ طبع کرنے والے''۔

''یہی صورتِ حال اُن تصاویر کی بھی ہے جن میں مشرکانہ رسوم یا دوسرے اُن مذاہب کے آثار کو پیش کیا گیا ہو جو اسلامی تعلیمات کی رُو سے قابلِ نفرت ہیں جیسے بُت' صلیب وغیرہ۔ نبی علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں غالبًا اکثر دریوں' قالینوں اور گاؤتکیوں پر اس قسم کی تصاویر بنی ہوتی تھیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے خانۂ اقدس میں ہر اُس چیز کو توڑ دیا تھا جو صلیب کی شکل میں بنائی گئی ہو۔''

''ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ فتحِ مکّہ کے دوران بیت اللہ یعنی کعبہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوئے جب تک کہ اُس میں پڑے ہوئے تمام بتوں کو توڑ نہیں دیا گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شبیہیں اور شکلیں اہلِ مکّہ کی مشرکانہ عادات کی نمائندہ تھیں اور عدمِ ایمان اور گناہ و خطا میں ملوّث نسلوں کی میراث تھیں۔'' (''الحلال والحرام فی الاسلام'' لیوسف القرضاوی۔ انگریزی ترجمہ' صفحات ۱۱۷' ۱۱۸)

۱۹۱۴ (جائے سکونت ۔۔۔HOME)

''تصویروں اور مصوّروں سے متعلق اصول وضوابط کا خلاصہ: (۱) سب سے زیادہ شدید ممانعت اُن شبیہوں اور تصویروں کی ہے جو عبادت اور پرستش کی خاطر بنائی جاتی ہیں۔ اگر مصوّر اُنہیں ارادتاً اس نیت سے بناتا ہے تو وہ کفر کی راہ اختیار کر رہا ہے۔ ایسی شبیہوں اور تصویروں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ مجسّمے ہیں اور جو کوئی اُن کی تشہیر یا تعظیم وتوقیر میں حصّہ دار ہو' اُس کی سزا اور گناہ کفر سے کم نہیں ہوگا۔''

''(۲) گناہ میں دوسرے نمبر پر وہ شبیہیں ہیں جو پرستش کی خاطر تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کی نیت سے بنائی جاتی ہیں۔ اگر تو مصوّر کا یہ دعویٰ ہے کہ اُس کی تخلیق اللہ کی بنائی ہوئی تخلیق کی طرح ہے' تو وہ پکا کافر ہے اور یہ معاملہ مصوّر کی نیّت پر منحصر ہے۔''

''(۳) اس کے بعد جاندار چیزوں کے وہ مجسّمے ہیں جو نہ تو پرستش اور نہ ہی تعظیم وتوقیر کی نیت سے بنائے جاتے ہیں۔ علماء کی عمومی رائے کی رُو سے وہ حرام ہیں۔ گڑیائیں اور چاکلیٹ یا چینی سے بنائی ہوئی شبیہیں اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔''

''(۴) اس کے بعد حکمرانوں اور سیاسی قائدین کے خاکے اور شبیہیں ہیں جو اِس نیت سے بنائے جاتے ہیں کہ اُن کی یاد تازہ رہے بالخصوص جبکہ اُنہیں دیواروں پر لٹکایا جاتا ہے۔ ان میں سے شدید ممانعت ظالم' وجابر لوگوں' ملحدین اور بداطوار افراد کی شبیہوں کی ہے کیونکہ اُن کی تعظیم کرنا اسلام کو رُسوا کرنا ہے۔''

''(۵) اس کے بعد اُن لوگوں یا جانوروں کی تصویریں ہیں جن کی تعظیم تو نہیں کی جاتی بلکہ اُن سے تعیّش اور اعلیٰ معیار کی زندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسی شبیہوں کو کراہت کے درجے میں رکھا جاسکتا ہے۔''

''(۶) درختوں' جھیلوں' جہازوں' پہاڑوں اور قدرتی مناظر کے خاکے' شبیہیں اور تصویریں جائز ہیں۔ تاہم اگر وہ عبادتِ الٰہی سے رکاوٹ کا سبب بنیں یا اُن میں تعیّش کا اظہار ہو تو اُن کی اجازت نہیں ہے۔''

''(۷) فوٹوگرافی کی تصاویر کی اجازت ہے۔ اُن کی حرمت صرف اُس وقت ہے جب اُن کا نفسِ مضمون حرام ہو۔ کفار' مشرکین' اشتراکی خیالات کے لوگ' فلمی اور ٹی وی اداکار اور ''ضیافتِ طبع کرنے والے'' جیسے بداطوار لوگ اس زمرے میں آتے ہیں۔

''(۸) اگر ممنوعہ مجسّموں اور تصاویر کی شکل مسخ شدہ ہو یا بگاڑ دی گئی ہو تو اُن کے استعمال کی اجازت ہے۔ اس کی مثال دریوں اور قالینوں پر بنائی گئی تصاویر ہیں کیونکہ اُنہیں پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔'' [''الحلال و الحرام فی الاسلام'' ۔۔۔ یوسف القرضاوی (انگریزی ترجمہ) صفحات ۱۱۹' ۱۲۰]

<u>شادی بیاہ جیسی خوشی کے موقعوں پر کی وڈیو فلمیں</u>: اِن کا بھی بڑا گناہ ہے اور ایسا عمل اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف بغاوت سے کم نہیں ہے۔ غیر محرم مَردوں سے مسلمان خواتین کا پردہ کرنا نا قابلِ انکار حکمِ خداوندی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ جب قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو اُس مقدّس ترین زمانے میں اجنبی مَردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا (بحوالہ سورۃ الاحزاب: آیات ۵۳'۵۹) جب مَرد و زن میں سے کسی میں بھی گناہ کے تصوّر تک کا شائبہ ہونا ناممکن تھا تو اِس موجودہ پُر فتن اور نازک دَور میں ''آزادیِ نسواں'' کی آڑ میں اس حکم کی منسوخی اور استرداد کی وکالت کیسے کی جا سکتی ہے۔ ہائے افسوس دَورِ حاضر کے مسلمان پر جو اپنی ضمیر کُشی کے ذریعے اور اپنے گھر سے اُس مثالی شرم و حیا اور پاکبازی کو رخصت کر کے اسلام کے مقدّس نام کو بدنام کر رہا ہے جو کسی زمانے میں اُس کے آباء و اَجداد میں دیکھی جاتی تھی۔ <u>مؤلف انسائیکلوپیڈیا لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنے میں غلط نہیں ہے کہ آج ہم جو گھر گھر اور سُو بہ سُو عداوت و نفرت' عدمِ اتحاد' دوسرے کی تذلیل و رسوائی' حسد' سرد مہری اور بے اعتنائی' خود غرضی' نفس پرستی' سپر طاقتوں سے ہڑپ کئے جانے کا ہمہ وقتی خطرہ' قحط سالی' اعصاب شکن مہنگائی وغیرہ دیکھ رہے ہیں' یہ سب خدائی قہر و غضب کی مختلف شکلیں ہیں اور ہمارے خالق و مالک نے جو راستہ ہمارے لئے متعیّن کیا تھا' اُس سے انحراف کا یہ قدرتی نتیجہ ہیں۔</u> مندرجہ ذیل قرآنی آیت جو باغیوں کے لئے تنبیہ و وَعید اور وفادار مؤمنوں کے لئے مژدۂ جانفزا ہے' ہماری آنکھیں بروقت کھولنے کے لئے کافی ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O (الاعراف: ۹۶)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لائے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم اُن پر یقیناً آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن اُنہوں نے تو جھٹلایا' سو ہم نے اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں اُنہیں پکڑ لیا۔''

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤمنین و متّقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں اور برکاتِ سماوی و اَرضی سے بھی وہ کُل چیزیں مراد ہیں جو انجامِ کار کے لحاظ سے مبارک و مفید ہوتی ہیں مثلاً بلاؤں اور مصیبتوں سے حفاظت اور ہر اَمر میں آسانیوں کا پیدا ہونا۔

<u>فلموں' ٹیلیویژن' وی سی آر اور سٹیج ڈراموں کا دیکھنا</u>: ٹیلیویژن اور وی سی آر خالی از فائدہ نہیں لیکن اُن کے منفی اور بُرے اثرات اُن کے فائدوں کی نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ حلال و حرام میں تمیز کرنے کے لئے قرآن مجید نے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ ''اگر کسی چیز کی برائی اُس کی اچھائی سے بڑھ جائے'' (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۱۹ یعنی حرمتِ شراب و میسر کی آیت) تو قرآنِ حکیم نے اُسے حرام کہا ہے۔ ٹیلیویژن' فلموں اور وی سی آر پر یہی اصول صادق آتا ہے کیونکہ کارپرداز ایجنسیاں جو مقصدِ حیات سے غافل ہیں اور آخرت کی ابدی زندگی کی تیاری کے جذبے سے عاری ہیں' اُن کی یہ نیت ہی نہیں ہے کہ وہ ذرائع اِبلاغ کو صحیح تعلیم و تعلّم یا عوام کی اخلاقی بلندی کے لئے استعمال کریں۔ ایسے ذرائع اِبلاغ کے منحوس اثرات حسبِ ذیل ہیں:۔

اَخلاقی مزاحمتیں اور رکاوٹیں : (1) مردوزن کا آزادانہ اختلاط جنسی انگیخت کا سامان فراہم کرتا ہے اور لازمی طور پر زنا کی طرف لے جاتا ہے۔ (2) اُن عورتوں کی طرف دیکھنا جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے' واقعی گناہِ کبیرہ ہے۔ اس سلسلہ میں چند احادیثِ نبوی کا حوالہ ذیل میں دیا جاتا ہے جو رُوح پرور بھی ہیں اور خطا کاروں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے بھی کافی ہیں:

(۱) اِنَّ النَّظرَ سَھمٌ" مِنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ مَسْمُوْمٍ مَنْ تَرَکَہ' مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُہ' اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَھَا فِیْ قَلْبِہٖ

''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو اُسے اللہ کے خوف سے ترک کرتا ہے تو اللہ اُسے ایمان کی نعمت بخشے گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔''

(۲) ثَلاَثَۃ" لَا تَرٰی اَعْیُنُھُمُ النَّارَ: عَیْن" حَسَرَتْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَیْن" بَکَتْ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَعَیْن" کَفَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰہ

''تین قسم کے لوگوں کی آنکھیں جہنم کی آگ نہیں دیکھیں گی: وہ آنکھ جو دشمن کے حملے کے مقابل مسلمان فوج کی نگرانی کرتے ہوئے جاگتی رہی' وہ آنکھ جو خوفِ خدا سے روئی اور وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرف دیکھنے سے باز رہی۔''

(۳) کُلُّ عَیْنٍ بَاکِیَۃ" یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا عَیْن" غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ وَعَیْن" خَرَجَ مِنْھَا مِثْلَ رَأسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ

''روزِ قیامت ہر آنکھ رونے والی ہوگی سوائے اُس آنکھ کے جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے رک گئی اور وہ آنکھ جو خوفِ الٰہی سے رو پڑی اگرچہ اُس سے نکلا ہوا آنسو مکھی کے سر جتنا چھوٹا کیوں نہ ہو۔''

(۴) اَلَا وَقَدْ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ

''خبردار! اللہ نے اُس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو غیر محرم عورت کو دیکھے اور اُس عورت پر بھی لعنت کی ہے جو غیر محرم مردوں کے لئے اپنے حسن و جمال کو ظاہر کرے۔''

(۵) اَلْاِثْمُ جَوَّازُ الْقُلُوْبِ وَمَا مِنْ نَظْرَۃٍ اِلَّا وَلِلشَّیْطٰنِ فِیْھَا مَطْمَع"

''انسان کی نفسانی خواہش اور گناہ اُس پر غالب آجاتے ہیں اور جب آدمی کسی اجنبی عورت کو دیکھتا ہے تو شیطان اُس کے گناہ میں ملوث ہونے پر خوش ہوتا ہے۔''

(3) برہنگی اور بے حیائی پر مبنی فحش مناظر کا دیکھنا بالخصوص نوجوانوں میں اخلاقی بے راہروی کو جنم دیتا ہے۔ (4) رقص و سرود کے دیکھنے اور موسیقی کے سننے میں جو غذائے روح ہرگز نہیں بلکہ کج فکری کے حاملین کا نظریہ ہے اور جو خالصتاً ہندو عقیدہ ہے' خالق کی جانب سے آئی ہوئی معصوم اور آلودگی سے پاک رُوح کی تباہی ہے۔ (5) سکرین پر کے غیر حقیقی رومانوی افسانے ناظرین کو تصوّراتی دنیا میں لے جاتے ہیں جس کا حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا اور یہ چیز اُن کے خیالات اور اعمال میں ناپسندیدہ عدمِ توازن کا سبب بنتی ہے۔ اُن کا ذہنی انتشار انفرادی اور اجتماعی طور پر دونوں طرح ناگفتہ بہ نقصانات کا موجب بنتا ہے اور جس کے منفی اثرات پوری اُمتِ مسلمہ کے نظامِ اخلاق پر پڑتے ہیں۔ (6) فحاشی'

برہنگی اور بیہودہ پن کی تشہیر جو خالق کے خلاف بغاوت اور اُس کی اُس وعید کو للکار ہے جس کا ذکر سورۃ النور: ۱۹ میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

''بے شک جو لوگ ایمان والوں میں بے حیائی کو پھیلانا پسند کرتے ہیں' اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔'' (۲۴ : ۱۹)

یاد رہے کہ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے' اُسی طرح اُس کے اخلاق باختہ ہونے سے بھی ہر فرد کو حصّہ رسدی مل کر رہتا ہے۔

(7) غیر اسلامی اطوار و آداب کی تشہیر اور اُن کا پھیلانا اُمّتِ مسلمہ کی خوش آئند ترقی کے لئے ایک اور ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب ہے۔ بطلِ جلیل (Hero) کی طرح کندھوں کا تھرتھرانا' اسلامی طرز کے مطابق اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ کہنے کی بجائے ''خدا حافظ'' ''گڈ بائی'' اور ''ہپی برتھ ڈے ٹو یو'' کہنا ایسی ہی دردناک مثالیں ہیں جو سب کی سب مغربی طرزِ حیات میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ برتھ ڈے کے منانے' روشن قندیلوں کے بجھانے یا کیک کاٹنے کا تصوّر اسلامی تاریخ کے کسی دَور میں بھی تو نہیں پایا گیا۔ غیر مسلموں کی نقالی کرنے کی نبوی وعید و تنبیہ جو احادیث میں موجود ہے' کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ کیا ہمارے ذرائع ابلاغ نے کبھی اپنے اُن عوام کو اسلامی تعلیمات سکھانے کی خدمت انجام دی ہے جو اَب اِن غیر اسلامی اطوار اور اطرازِ معاشرت کو حقیقی اسلام سمجھنے لگے ہیں؟''

(8) نوجوان نسل کے کردار کو بگاڑنے میں فلموں اور دوسرے ذرائع ابلاغ کا کردار جس سے جرائم کی شرح بڑھی ہے' کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں ہے اور جس پر ہر حساس آنکھ رو رہی ہے اور ہر دردمند دل اللہ سے فریاد کناں ہے کہ وہ عنانِ اختیار کے اِن حاملین کو اُس صراطِ مستقیم پر لے آئے جو قرآن اور سنتِ نبوی نے ہمیں دکھایا ہے۔

''برطانیہ کے وزیرِ صحت کی طرف سے ایک پیغام میں کہا گیا ہے کہ ٹیلیویژن پر جنس و تشدد سے متعلق دکھائے گئے پروگراموں کا ہماری نوجوان نسل پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔ اُس نے حکومتِ برطانیہ سے ان پروگراموں کو اخلاقی حدود کے اندر رکھنے کا مطالبہ کیا ہے۔ وزیرِ صحت نے والدین کو بھی اپنے اُن فرائض کا احساس کرنے کو کہا ہے جو قدرت نے بچوں سے متعلق اُن کے کندھوں پر ڈالا ہے کہ وہ بچوں کی حرکات و سکنات اور بالخصوص سمعی و بصری ذرائع ابلاغ کے تفریحی پروگراموں کو بچوں کے دیکھنے پر کڑی نگاہ رکھیں۔''
(روزنامہ ''نوائے وقت'' مورخہ ۵ اپریل ۱۹۹۳ء بحوالہ ''فلم' ٹی وی' وی سی آر'' از مولانا عبدالمعز ص ۱۶' ۱۷)

''امریکہ میں فلموں اور ٹیلیویژن پر دکھائے گئے غیر اخلاقی جنسی پروگراموں کے باعث اخلاقی زوال پذیری نے ہیبت ناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اُس ملک کی تین سو ملین کی آبادی میں سے گیارہ ملین کی آبادی کنواری ماؤں کی ہے۔ لامحدود منچلے پن اور آزادیٔ جنس نے امریکی معاشرے کو اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں کی طرف دھکیل دیا ہے۔ وہاں عائلی زندگی کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ قانونی طور پر رشتہ

اِزدواج میں منسلک ہوئے بغیر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی شدہ جوڑوں کی طرح رہتے ہیں۔اسی طرح ہم جنس پرستی (Homo-sexuality) تجاوزعن الحد کر چکی ہے۔ امریکہ کے لوگ ایسی درندگی کی زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں اور اُس روشنی اور روحانی اقدار میں سانس لینے کو ترس رہے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور اُنہیں ذہن نشین کرایا ہے۔'' ("Film, TV, VCR"..Maulana Abdul Moiz, pp. 18, 19)

''پاکستان ٹیلیویژن پر "Six Million Dollar Man" کے نام سے دکھائی گئی فلم میں خودکشی کے ایک منظر کو دیکھ کر ایک دس سالہ لڑکی نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔'' (روزنامہ ''جنگ'' ۱۹۸۷۔۱۔۲۵)

حفظانِ صحت سے متعلق مزاحمتیں اور رکاوٹیں (Hygienic Setbacks): ٹیلیویژن سرطان کا سبب بنتا ہے۔ایک مشہور و معروف صحافی اور عیسائی مشن کے ایک قابلِ احترام رکن ڈاکٹر Anne Wegmon نے اپنی کتاب بہ عنوان ?Why Suffer میں لکھا ہے:۔

''سچ تو یہ ہے کہ ٹیلیویژن سیٹ ایک ایکسرے مشین ہے۔میڈیکل کے پیشہ میں استعمال ہونے والی عام ایکسرے مشینوں میں معقول حفاظتی انتظام ہوتا ہے جبکہ ٹیلیویژن سیٹ میں ایسا کوئی حفاظتی انتظام نہیں ہوتا۔ ایکس رے (کی شعاعیں) انسانی نامیات (Organisms) کے لئے مہلک ہیں۔ٹیلیویژن کی شعاعوں کے انسانی جاں بخش اعضاء پر تباہ کن اثرات اُس قدر ہیبت ناک ہیں کہ اُن کی تفصیلات معلوم ہونے پر انسان مرعوب اور خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ٹیلیویژن کے سامنے بیٹھے ہوئے لڑکے اور لڑکیاں خون کے سرطان کو چوری چوری اور آہستہ آہستہ بڑھاتے ہیں۔ بوسٹن شہر کے ایک ہسپتال میں خون کے سرطان میں مبتلا چھ سو لڑکے اور لڑکیاں زیرِ علاج ہیں۔'' ("Film, TV, VCR"..Maulana Abdul Moiz, p.17)

''خون کے سرطان کے علاوہ ٹیلیویژن ایکسریز فالج (Paralysis) کا سبب بنتی ہیں اور اُن کا بینائی پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ٹیلیویژن اور وی سی آر سے خارج شدہ زہریلی شعاعیں نیوکلیائی بموں سے خارج ہونے والی گیسوں سے پانچ گنا زیادہ خطرناک ہیں۔'' (ایضاً صفحہ ۱۸)

''کراچی میں ذہنی امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر جمعہ خان نے دماغی نزف الدّم (Brain Haemorrage) کی مریضہ ایک لڑکی کا علاج کیا اور اُس کے والدین کو بتایا کہ لڑکی کے دماغ کی ایک رگ ٹیلیویژن ایکس ریز کی وجہ سے پھٹ چکی ہے۔'' (ایضاً)

''آنکھوں کے ایک ماہر معالج نے ٹیلیویژن دیکھنے کی عادی ایک لڑکی کی آنکھوں کا معائنہ کیا اور بتایا کہ لڑکی کی بینائی ٹیلیویژن دیکھنے کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہے۔'' (ایضاً)

(جائے سکونت ---HOME)

''جرمنی کے ایک مخصص ڈاکٹر والٹر بوہلر نے لکھا کہ چوہوں اور چڑیوں جیسی چھوٹی جسامت کے جانوروں کو اگر ٹیلیویژن ایکسریز کے اثرات کی حدود کے اندر رکھا جائے تو وہ ایک معلومہ مقدارِ وقت کے بعد مر جائیں گے۔''

حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ اُمّت مسلمہ میں یہ تمام بے حیائی اور فحاشی ''ثقافت'' کے نام پر پھیلائی جا رہی ہے۔ ہائے افسوس ایسی فکر و سوچ پر! یہ بالکل خانہ ساز اور خود اختراعی مفروضہ ہے اور خالق و مالک کے خلاف بغاوت ہے جو مذہب اور اس کے اصولوں سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اِن نام نہاد ''روشن دماغوں'' اور ''سربرآوردہ'' لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کی پیش کردہ ثقافت اپنی فطرت میں خالصتاً شرم و حیا کی ہے جس میں ذرّہ بھر بے حیائی اور بیہودگی نام کو نہیں ہے۔ ایک سچی اور سچی مسلمان خاتون شرم و حیا، شرافت و نجابت اور پاکدامنی کا ایسا نمونۂ کمال ہوتی ہے جس کے دامنِ حیا پر فرشتوں جیسی مقدس مخلوق سجدہ ریز ہونے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ عنانِ اختیار کے اِن حاملین کو اُس عظیم و عالی معبودِ برحق اللہ کا خوف ہونا چاہئے جس کے حضور ہر کہ و مہ کو اپنے اعمال و افعال کی جواب دہی کے لئے آخر پیش ہونا ہے۔

مؤلف شدید قسم کی سادگی کی یا اخلاقی درشتی کی یا معصوم حظ اندوزیوں سے محرومی کی وکالت نہیں کر رہا اور نہ ہی وہ اُس سخت گیر، خشونت زدہ زندگی کی طرفداری کر رہا ہے جو بے لطف، غیر دلچسپ اور اکتاہٹ پیدا کرنے والی ہوتی ہے اور زندہ رہنا ناقابلِ برداشت بنا دیتی ہے۔ لیکن مؤلف عنانِ اختیار کے حاملین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ عریانی، لوٹ مار، دہشت گردی، قتل و غارت، اغوا، اجنبی مرد و زن کی خفیہ ملاقاتوں، عشقیہ مناظر، زناکاری، ازدواجی بے وفائی اور موقع بے موقع بیہودگی کے رقص و سرود کے مناظر دکھانے کے پسِ پردہ آخر کون سے مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔ اپنے خالق و مالک اور قوم کی طرف سے اُن کے کندھوں پر ڈالی گئی بھاری ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے وہ بار بار سورۃ النُّور کی اُس آیت کو پڑھیں جس کا حوالہ گزشتہ صفحہ ۱۹۱۶ کے آغاز میں دیا گیا ہے، اُس پر غور فرمائیں، اللہ کے غیظ و غضب سے ڈریں اور اللہ کے خلاف کی گئی بغاوت کی تلافیِ مافات کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ راقم الحروف والدین سے بھی ملتمس ہے کہ وہ ازراہِ کرم اپنے بچوں کی حرکات و سکنات پر بھی مشفقانہ لیکن کڑی نگاہ رکھیں جن کی تربیتِ حسنہ اور اچھے مسلمان بننے کی ذمہ داری خالقِ ارض و سماء نے اُن کے کندھوں پر ڈالی ہے جس کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید نے والدین کو مہیب نتائج کی وعید سنائی ہے اگر انہوں نے اپنی اولاد کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی ذمہ داری سے گریز کیا۔ حکمِ خداوندی ملاحظہ فرمائیے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ'' غِلَاظٌ'' شِدَادٌ'' لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ O (التحریم :٦)

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اُس پر تند خو بڑے ہی مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں۔ وہ کسی بات میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُنہیں حکم دیتا ہے اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے، اُسے (فوراً) بجالاتے ہیں۔'' (٦٦ : ٦)

احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا، اور گھر والوں میں بقدرِ امکان اُن احکام کی تبلیغ کرنا اور اُن کی تعمیل کرانا یہی نارِ جہنم سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اَھل کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین، متوسلین، بیوی، بچے، ملازم، شاگرد، رعایا، مرید آگئے اور ان سب تک بقدرِ وسعت و امکان احکامِ الٰہی پہنچانا واجب ہے۔ اہلِ فہم یہاں خوب سمجھ لیں کہ احکام کے اتباع و اطاعت سے جب معصوم پیغمبر تک کے گھر والوں کو راہِ فرار نہیں تو پھر کسی بزرگ، کسی شیخ کی اولاد یا اعزّہ کا اپنے کو اس پابندی سے مستثنٰی سمجھے رہنا کتنی بڑی نادانی اور سادہ لوحی ہے!

''ناولوں کا پڑھنا: رومان پسندی، تصوّراتی اور افسانوی قصے، جرائم کی طرف ترغیب و تحریک وہ عام پہلو ہیں جن کا ناولوں میں بالعموم مشاہدہ کیا جاتا ہے، جو قارئین کے اخلاق کو بگاڑتے ہیں اور اسی لئے اُن کے پڑھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ تاہم اَخلاقی سبق کے حامل، بامقصد اور تعمیراتی ناولوں کے پڑھنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اُن کے پڑھنے سے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ آنے پائے۔''

بلاضرورت کُتّوں کا رکھنا: پالتو جانور کے طور پر بلاضرورت کتوں کو گھر میں رکھنے کی اسلام نے ممانعت فرمائی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ خوشحال طبقہ اپنے رشتہ داروں سے نفرت کرتے ہوئے اپنے کتوں سے کیسا فیاضانہ برتاؤ کرتا ہے اور اپنے ہمسایوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کتوں کو کتنی توجہ دیتا ہے تو ہمیں کتے رکھنے کی ممانعت کے پسِ پردہ حکمت سمجھ میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں پالتو کتے گھریلو برتنوں کو چاٹ جاتے ہیں جو حفظانِ صحت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

(۱) ''اگر کتا کسی برتن یا پلیٹ کو چاٹ جائے تو اُسے سات مرتبہ پاک کرو جن میں سے ایک مرتبہ ریت یا مٹی کے ساتھ ضرور دھودو۔'' (صحیح بخاری)

(۲) دوسری حدیث کا حوالہ اِسی جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۰۴ پر دیا جا چکا ہے۔

شکاری کتے اور رکھوالے کتے رکھنے کی اجازت: شکار، مویشیوں یا فصلوں یا ان جیسی چیزوں کی رکھوالی کے لئے رکھے جانے والے کتے مذکورہ بالا ممانعت سے مستثنٰی ہیں ورنہ نبی اکرم ﷺ نے اُن کے رکھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ ہوں:

(۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْصَيْدٍ اَوْزَرْعٍ اِنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ'' (مُتَّفَق'' عليهِ ؛ مِشكوة)

''جو کوئی شکاری کتے یا مویشیوں اور فصلوں کی رکھوالی کے علاوہ کوئی اور کتا رکھے تو اُس کے روزانہ اجر میں سے ایک قیراط یومیہ کی کمی ہوگی۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

نوٹ: کچھ اہلِ لغت کے نزدیک قیراط، دینار کا دوتہائی، کچھ کے نزدیک وہ دینار کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَمَرَنَا بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ غَنَمٍ اَوْ مَاشِيَةٍ (مُتَّفَق'' عليهِ ؛ مِشكوة)

''ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں شکاری کتوں، مویشیوں اور فصلوں کی رکھوالی کرنے والے کتوں کے علاوہ دیگر سب کتوں کے مار دینے کا حکم فرمایا۔'' (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

''اِنہی احادیث کی رُو سے کچھ فقہاء کا یہ استدلال ہے کہ پالتو کتے رکھنا یا تو مکروہ ہے یا حرام ہے۔ تاہم گھر میں اُن کے رکھنے کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے بے رحمی کا سلوک کیا جائے یا کلی طور پر اُن کا خاتمہ کر دیا جائے۔ امام الانبیاء ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک آدمی کا ایک واقعہ سنایا جس نے جنگل میں ایک کتے کو ہانپتے ہوئے اور پیاس کے مارے مٹی چاٹتے دیکھا۔ اُس آدمی نے ایک کنویں کے پاس جا کر اپنے جوتوں کو پانی سے بھرا اور کتے کو وہ پانی پلا کر اُس کی پیاس بجھائی۔ آقائے ہر جہاں ﷺ فرماتے ہیں کہ ربّ ذوالجلال والاکرام نے اُس کے اس عمل کو سراہتے ہوئے اُس کے تمام گناہ معاف فرما دئے۔'' (صحیح بخاری)

سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ '' اَمْثَالُكُمْ [''اور زمین پر چلنے والا جو بھی جانور ہے اور جو بھی پرندہ اپنے دونوں پروں ☆ سے اڑنے والا ہے، وہ سب تمہاری ہی طرح کی قوم (گروہ) ہیں''] کے حوالے سے نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:
''اگر کتے ایک قوم (اُمّت) نہ ہوتے تو میں اُن (سب) کے مار دینے کا حکم دیتا۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

<u>کتے رکھنے سے متعلق سائنسی تحقیق کے نتائج</u>: کچھ مغرب زدہ مسلمانوں کے لئے یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ اسلام نے کتے رکھنے کی ممانعت کیوں کی ہے جبکہ کتا انسان کا ''وفادار دوست'' بھی ہے۔ اپنی دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ جب اسلام ہر جاندار اور غیر جاندار چیز سے شفقت و پیار کا سلوک کرنے کا دعویدار ہے تو صرف کتے اس رواداری سے محروم کیوں ہیں۔ یہ نام نہاد ''روشن خیال'' لوگ اپنے سطحی نظریہ کے تحت کتے رکھنے یا اُن سے تعلق رکھنے کے پسِ پردہ انسانی صحت کے لئے چھپی ہوئی ضرر رسانیوں کے دیکھنے میں ناکام ہیں۔ ایسے لوگوں کے فائدے اور معلومات کے لئے ایک جرمن سائنسدان Dr. Gerard Finstimer کے جامع مضمون کا طویل حوالہ ذیل میں دیا جاتا ہے جس میں موصوف نے کتے رکھنے یا اُن سے تعلق رکھنے میں انسانی صحت کو لاحق خطرات پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ ہر پرندہ اپنے دونوں پروں ہی سے اڑتا ہے تو یہاں يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کی پابندی لگانے کا جواب یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۳ میں ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (ہر انسان کا عمل ہم نے اُس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے) جس میں طائر سے مراد انسان کے اعمال یا اعمال کا بدلہ ہے۔ اسی لئے سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت میں طائر کے ساتھ يَطِيْرُ فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہاں طائر سے مراد پرندہ ہے (روح المعانی و تفسیر کبیر)۔ مشابہت یا مماثلت بہت سی چیزوں میں ہے: (۱) زندگی اور موت میں (۲) جسمانی اعضاء اور غذا میں (۳) شعور رکھنے میں (۴) رب تعالیٰ کی معرفت میں (۵) رب تعالیٰ کے زیرِ فرمان ہونے میں (۶) رب تعالیٰ کی ربوبیت سے حصّہ پانے میں (۷) رب تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور عبادت کرنے میں (۸) روزِ قیامت جی اٹھنے اور سزا پانے میں (۹) حضور ﷺ کی اُمت ہونے میں (۱۰) حضور ﷺ کی رحمتِ عامّہ سے حصّہ پانے میں (تفسیر نعیمی ۔۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی، جلد ہفتم، صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۱۳۸۷ھ)

''دورِ جدید میں اکثر لوگوں کی پالتو کتے رکھنے کی بڑھتی ہوئی دلچسپی نے ہمیں عوامی توجہ کو اس سے لاحق ہونے والے خطرات کی طرف مبذول کرانے پر مجبور کیا ہے بالخصوص جبکہ پالتو کتوں سے بغل گیر ہوا جاتا ہے' اُن کا بوسہ لیا جاتا ہے جس سے ان کتوں کو جوانوں اور بوڑھوں کے ہاتھ چاٹنے کا حوصلہ ہوتا ہے اور سب سے بری بات یہ کہ انسانی استعمال کے کھانے پینے کے برتنوں اور پلیٹوں کو یہ کتے چاٹ جاتے ہیں۔ یہ بات حفظانِ صحت کے اصولوں کے خلاف اور ناشائستہ ہونے کے علاوہ نفاستِ طبع اور ذوقِ جمیل کے نزدیک قابلِ نفریں بھی ہے۔''

''کتوں میں موجود کیچوے(Tapeworms) شدید بیماریوں کا سبب بنتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات موت ہوتا ہے۔ یہ کیڑا انسانوں' مویشیوں اور خنزیروں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن وہ اپنی مکمل ترقی یافتہ شکل میں صرف کتوں' بھیڑیوں میں اور بہت ہی کم بلّیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ کیڑے دوسرے کیڑوں سے اس لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کہ یہ انتہائی باریک ہونے کے باعث دیکھے نہیں جاسکتے۔ انہیں حال ہی میں دریافت کیا گیا ہے۔''

''حیاتیاتی نقطہ نگاہ سے اس کیڑے کے ارتقائی عمل میں کچھ نمایاں خصوصیات ہیں۔ اِن کیڑوں سے پیدا ہونے والے پھوڑوں میں ایک کیڑا پیپ سے بھرے ہوئے کئی پھوڑوں اور دُنبلوں کے سروں کو پیدا کرتا ہے۔ یہ سر صرف کتوں کے گلے کے غدودوں میں بالغ(Full-grown) کیڑوں کی شکل میں پروان چڑھتے ہیں۔ متعدی مرض میں مبتلا آدمی میں وہ پھیپھڑوں' اعصاب' تلّی' گردے اور دماغ میں سوجن کی مختلف اقسام کا سبب بنتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی اتنی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے کہ مخصصین تا حال اس کے پہچاننے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔''

''بہر حال جس صورت میں بھی یہ سوجن ہو وہ مریض کی صحت اور زندگی کے لئے بڑے خطرے کا موجب ہوتی ہے۔ بدتر بات یہ کہ اس کی تاریخِ حیات' ابتدا اور ارتقاء کا علم رکھنے کے باوجود ہم اس کا علاج تجویز کرنے کے قابل نہیں ہوسکے سوائے اس کے کہ یہ طفیلی چند کیڑے انسانی خون میں پیدا ہونے والی دافع سمیّت پروٹین(Antibodies) کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے وہ حالتیں جن میں یہ طفیلی کیڑے نقصان پہنچائے بغیر مر جاتے ہیں' بہت کم ہیں۔ علاوہ ازیں سرطان کا کیمیائی مادّوں کے ذریعے فنّ علاج(Chemotherapy) کوئی فائدہ حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اس کا عمومی علاج جسم میں پیدا شدہ پھوڑوں کے حصّوں کو عملِ جراحی کے ذریعے دُور کر دینا ہے۔''

دَورِ جدید کی سائنسی تحقیق کے نتائج اس بات کو معلوم کر کے محوِ حیرت ہیں کہ ایک اُمّی (ناخواندہ) شخص نے آج سے چودہ صدیاں پہلے ایک ایسی چیز کے خلاف تنبیہ کی جس سے بعد کی سائنسی تحقیق کو اتفاق کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ روح پرور حقیقت آنجناب ﷺ کی رسالت کی ناقابلِ انکار حقانیت اور صداقت کا اَن مٹ ثبوت ہے اور قرآن مجید کے اس فرمودے کا بھی جو اُس نے اِس نبی برحق کے بارے میں فرمایا ہے :

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (اَلنَّجم : ۳' ۴)

''اور آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے' (ان کا کلام تو) تمام تر وحی ہی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔'' (۵۳ : ۳' ۴)

(۶۵) اُمورِ خانہ داری (HOME ECONOMICS)

''ہوم اکنامکس علم اور خدمت گزاری کے اُس شعبے کا نام ہے جس کا اہم تعلق درجِ ذیل امور کے ذریعے عائلی زندگی کو مستحکم کرنا ہوتا ہے: فرد کو عائلی زندگی کے بحسن وخوبی چلانے کی تعلیم دینا' کنبوں کی طرف سے خدمت گزاری کی اصلاح کرنا' افراد اور کنبوں کی بدلتی ہوئی ضروریات کی تحقیق کرنا اور اِن ضروریات کی تسکین کے ذرائع معلوم کرنا۔ ہوم اکنامکس کا شعبہ عائلی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔'' ("Introduction to Home Economics"... Eileen Elliott Quigley, p. 8) USA 1969.

''ہر زمانے میں عورت کا امورِ خانہ داری کو سنبھالنے اور بچوں کی پرورش کرنے کو بالعموم تسلیم کیا گیا ہے البتہ کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ ایک افریقی قبیلے میں معاملہ الٹ ہے جہاں عورت بیرونِ خانہ ذمہ داریوں اور کلفتوں کو اٹھاتی ہے اور بیرونِ خانہ امور کی انجام دہی کرتی ہے جبکہ وہاں کا مرد اپنے آپ کو سنوارتا اور بچوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔'' (ایضاً)

پس ہوم اکنامکس ایک ایسی سائنس ہے جسے پڑھنے سے ہم اپنے ذرائع کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں نیز اپنے گھر کے انتظام کو بھی خاندان کی بھلائی اور فائدے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا انحصار گھر کی مالکہ کی ذہانت' تربیت اور انتظامی صلاحیتوں پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو بہترین اور صاف ستھرا ماحول مہیا کرے کیونکہ صاف ستھرے ماحول میں پرورش پانے والے افراد ہی معاشرے کے بہترین شہری ثابت ہو سکتے ہیں۔

''ہوم اکنامکس کی ابتدا: ۱۷۹۶ء میں پہلی دفعہ بوسٹن کے سکولوں کی اوّل درجے کی طالبات میں کپڑے سینے سے ہوم اکنامکس کا تعارف کرایا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں دوسری صنعتی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہوم اکنامکس کو قانونی درجہ حاصل ہوا۔ اس طرح پبلک سکولوں میں خانہ داری کی یہ اوّل تعلیم تھی۔'' (ایضاً صفحہ ۱۸)

غذائیت کا سائنسی مطالعہ (Dietetics) : ماہرِ غذائیات (Dietitian) وہ ہوتا ہے جسے غذائیت' نامیاتی کیمیا (بائیوکیمسٹری)' عضویات (فزیالوجی) اور لوگوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ غذا پہنچانے کے اہتمام میں ہمہ گیر تربیت حاصل ہو۔ ماہرِ غذائیات کو جو چیلنج درپیش ہوتا ہے وہ غذائیت' فزیالوجی اور انتظامی امور کے اصول و ضوابط کا اطلاق ایک گروہ اور فرد' مریض اور صحتمند' کم آمدنی کے لوگوں' نوجوانوں' متوسط عمر کے لوگوں اور بوڑھوں کے طعام کی نوع وقسم پر کرنا ہوتا ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۶۸)

''طعام اور مشروبات کا ماہرانہ ذوق یا فن (Gastronomy) : اشرف المخلوقات ہونے کے حوالے سے اکثر انسانوں نے ہر شعبۂ حیات میں اعلیٰ درجے کی نفاست ولطافت' عمدگی اور ذوقِ جمالیات کو ملحوظ رکھا ہے۔

۱۹۲۳(امورِ خانہ داری۔۔۔(Home Economics

زندگی کی مقدم ترین ضرورت اور حیات آفریں ہونے کے لحاظ سے غذا نے انسان کی خصوصی توجہ کو صفاتی لذت اور حظ اندوزی (Qualitative Sumptuousness) کی طرف مبذول کیا ہے۔اور رزّاقِ عالم نے بڑی فیاضی سے انسان کے اس حسنِ ذوق کی تسکین کی ہے تاکہ وہ اپنے خالق و رازق کا شکر گزار بندہ بن کر رہے جس کا مطالبہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر کیا ہے مثلاً فرمایا:

(۱) وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ O (الاعراف:۱۰)

''اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا' تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔'' (۱۰ : ۷)

(۲) اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ O (یٰس : ۳۵)

''تو کیا یہ لوگ شکر گزار نہیں ہوتے؟'' (۳۵ : ۳۶)

اور ادائے شکر کا پہلا زینہ توحید ہے۔ادائے شکر کے معنیٰ ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعتِ الٰہی نے بتائے ہیں' اُنہیں برتنا ادائے شکر ہے۔زمین پر سکھ چین کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا' سامانِ معیشت بہ افراط ملنا بالخصوص شکر کے محرکات ہیں۔

''<u>اطمینان بخش غذا اور اس کے عناصر</u> : جذباتی اور جسمانی بہتری کے لئے اطمینان بخش غذا کا ہونا لازمی امر ہے۔جسم کے ریشہ جاتِ لحمی (Tissues) کی تعمیر و مرمت میں جسم کو مطلوبہ مواد مہیا ہوتا رہے تو جسم توانا اور صحتمند رہتا ہے۔غذا سے مکمل طور پر مستفید ہونے کے لئے متوازن غذا کا ہونا ضروری ہے۔''

''متوازن غذا کی اصطلاح سے مراد وہ غذا ہے جس میں وہ تمام غذائی اجزاء پائے جاتے ہوں جن سے انسان کی صحت برقرار رہے' جسم میں بیماریوں کے خلاف قوّتِ مدافعت پیدا ہو اور انسان صحتمندی اور تندرستی سے اپنے روزمرّہ کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے۔اگر غذا میں ان اجزاء کا تناسب صحیح نہ ہو تو ایسی غذا کو ہم غیر متوازن غذا کہیں گے۔غیر متوازن غذا سے جسم کی تمام ضروریات پوری نہ ہونے کی وجہ سے انسان کمزور ہو کر بہ آسانی مختلف اُمراض کا شکار ہو جاتا ہے۔غذا کے غیر متوازن ہونے سے وزن کی کمی' بھوک نہ لگنا' خراب دانت' بینائی میں کمزوری جیسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔اس لئے صحت کو برقرار رکھنے کے لئے متوازن غذا نہایت ضروری ہے۔''

متوازن غذا کے عناصر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) کاربو ہائیڈریٹس' پروٹین اور چکنائیاں جو جسم کو قوّت و توانائی مہیا کرتے ہیں۔

(۲) وٹامن جو جسم کے ضابط (ریگولیٹر) کا کام کرتے ہیں' جسم کی نشو و نما کو ترقی دیتے ہیں اور بیماریوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتے ہیں۔اسی حصّے میں وہ معدنیات بھی شامل ہیں جو سخت اور نرم ریشہ جاتِ لحمی اور جسم کے مائعات کی تشکیل کے لئے لازمی ہیں اور جسمانی عوامل کو باقاعدہ رکھنے میں مددگار ہیں۔جسمانی عوامل کو قاعدے کے تحت چلانے میں پانی بھی بہت اہم ہے۔

انسانی غذا اور قدرت وحکمتِ الٰہی: سورہ عَبَس کی آیت ۲۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (عبس : ۲۴)

یعنی ''انسان اپنے طعام وغذا کی طرف ذرا غور تو کرے۔'' (۲۴ : ۸۰)

اس مختصر سے جملے میں جہاں ایک طرف نباتات' حیاتیات اور ان سے متعلق کل علوم کی حقیقتوں کو سمو دیا گیا ہے کہ حضرتِ انسان کی غذا کی تیاری کے لئے ہم نے کیسے کیسے انتظامات کئے ہیں اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی قوتوں کو کس طرح کام میں لگا رکھا ہے' تو دوسری طرف حضرتِ انسان کے جذبہ تحقیق وتجسّس کو بھی مہمیز لگائی گئی ہے کہ انسانی غذا میں وہ کون سے راز ہائے سربستہ ہیں جن کی طرف رُشد وہدایت کی یہ آخری کتاب ہماری توجہ کو مبذول کرا رہی ہے۔ آیئے دیکھیں اور اس سے حاصل ہونے والی تحقیق کو اپنے ایمان وایقان کی تازگی اور تابندگی کا سامان بنائیں :

''(A) **قوّت وتوانائی اور حرارت بخشنے والی غذائیں** : غذا کا سب سے پہلا اور اہم کام جسم کو قوّت وتوانائی اور حرارت مہیا کرنا ہے۔ انسان جو بھی کام کرتا ہے اُس کی ہر حرکت سے اُس کے جسم کی توانائی صَرف ہوتی ہے جسے متوازن غذا کھا کر پورا کیا جاتا ہے۔ جسم کو اگر مناسب مقدار میں توانائی مہیا نہ ہو تو وہ کمزور ہونے لگتا ہے اور کام پوری سرگرمی یا قوّت سے نہیں ہو پاتا۔ اس توانائی کو ماپنے کی بنیادی اکائی کو ''حرارہ'' کہتے ہیں۔ حرارہ توانائی کی وہ مقدار ہے جو ایک گرام پانی کا درجہ حرارت ایک سنٹی گریڈ تک بڑھا دے۔''

''ہر انسان کو حراروں کی الگ الگ مقدار میں ضرورت ہوتی ہے۔ مزدوروں' کسانوں' جسمانی محنت و مشقت یا ورزش کرنے والوں کو زیادہ حراروں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جو لوگ دفتروں میں یا گھروں میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں اور زیادہ جسمانی مشقت یا چلنے پھرنے کا کام نہیں کرتے' اُنہیں اتنے حراروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بچے جو ہر وقت بھاگتے' دَوڑتے اور اُچھلتے کودتے رہتے ہیں' اُنہیں زیادہ غذائی حراروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسم کو قوّت وتوانائی اور حرارت بخشنے والی غذائیں مندرجہ ذیل ہیں :۔

''(1) **کاربوہائیڈریٹس (Carbohydrates)** : یہ غذا کا سب سے اہم جزو ہیں اور جسم کو توانائی فراہم کرنے کا سب سے سستا ذریعہ ہیں۔ ایک گرام کاربوہائیڈریٹ غذا سے چار حرارے حاصل ہوتے ہیں۔ انسانی جسم کو اگر بقدرِ ضرورت کاربوہائیڈریٹ والی غذاؤں کی مقدار نہ ملے تو جسم اپنے اندر موجود پروٹین سے توانائی حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔''

''<u>کاربوہائیڈریٹ کے ذرائع</u> : گیہوں' چاول' مکئی' باجرہ' جوار وغیرہ کاربوہائیڈریٹ کے اہم ذرائع ہیں۔ آلو' شکر قندی' شکر' چینی' گڑ' مٹھائی' کھجور' خشک میوہ جات میں اس کی کافی مقدار ہوتی ہے۔ دودھ' دہی اور پھل بھی اس کے اچھے ذرائع ہیں۔''

''<u>کاربوہائیڈریٹ کے فوائد</u> : (۱) یہ جسم کو حرارت اور توانائی مہیا کرتے ہیں۔ (۲) غذا میں شیرینی پیدا کر کے اُسے لذیذ اور خوش ذائقہ بناتے ہیں۔ (۳) کاربوہائیڈریٹس سے کچھ پروٹین بھی حاصل ہوتے ہیں۔''

"(2) چکنائیاں (Fats): یہ ہماری غذا میں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ بعض ایسے وٹامن جو چکنائی میں حل ہو جاتے ہیں، چکنائیاں اُنہیں جسم کے مختلف حصّوں تک پہنچانے میں مدد دیتی ہیں۔ غذا میں موجود تمام چکنائی یا تو ہضم ہو کر جسم کا حصّہ بن جاتی ہے یا جسم سے خارج ہو جاتی ہے۔ چکنائی والے کھانے ابلے ہوئے کھانوں کے مقابلے میں دیر سے ہضم ہوتے ہیں اور انسان کو بھوک دیر سے لگتی ہے۔ چکنائی میں کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن موجود ہوتے ہیں۔"

"چکنائی حاصل کرنے کے ذرائع: چکنائی حیواناتی اور نباتاتی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے: (۱) حیواناتی ذرائع میں دودھ، مکھن، انڈے کی زردی، مچھلی کا تیل، جانوروں کی چربی وغیرہ شامل ہیں۔ (۲) نباتاتی ذرائع میں مونگ پھلی، سورج مکھی، زیتون، سرسوں، تل، بنولے وغیرہ کا تیل، بادام، پستہ، اخروٹ، ناریل اور مکئی وغیرہ شامل ہیں۔

"چکنائی کی روزمرہ ضرورت: سرد علاقوں کے رہنے والوں کو زیادہ چکنائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ محنت و مشقت کرنے والوں کو روزانہ پچاس سے ساٹھ گرام چکنائی استعمال کرنی چاہئے۔ چونکہ چکنائی کی تھوڑی مقدار سے زیادہ حرارے ملتے ہیں اس لئے موٹے آدمیوں کو اس کا استعمال کم کرنا چاہئے۔"

"چکنائی کے فوائد: (۱) یہ جسم کے لئے ایندھن مہیا کرتی ہے۔ (۲) جلد اور بالوں کے لئے ضروری اجزاء مہیا کرتی ہے۔ (۳) اس سے عملِ انہضام میں مدد ملتی ہے اور جسم کے اہم اجزاء بھی محفوظ رہتے ہیں۔ (۴) یہ پروٹین کے غیر ضروری استعمال کو روکتی ہے۔ (۵) اس سے کچھ وٹامن بھی حاصل ہوتے ہیں۔"

"(B) جسم کی نشوونما اور مرمت کرنے والی غذائیں: حسبِ ذیل ہیں:

" پروٹین (Protein): ہمارے جسم کا سب سے زیادہ حصّہ پروٹین پر مشتمل ہے۔ گوشت پوست، رگ و ریشے اور خون میں ہر جگہ پروٹین موجود ہوتی ہے۔ ہمارے جسم کی مشین لگاتار حرکت اور کام کرتی رہتی ہے جس سے خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے مثلاً دل کی حرکت، سانس لینا، گردشِ خون، اعصابی نظام اور خوراک کا ہضم ہونا وغیرہ جس کے لئے معدہ، انتڑیاں، جگر، گردے اور دیگر اعضاء ہر لحہ کام کرتے رہتے ہیں۔ ان حرکات سے خلیوں کی جو ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے، اُس کی مرمت کے لئے پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے۔ پروٹین کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن اور نائٹروجن پر مشتمل ایک لیس دار مادے میں موجود ہوتی ہے اور ہم جو پروٹین خوراک سے حاصل کرتے ہیں، وہ ہضم ہونے کے دوران امینو ترشوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہماری خوراک میں آٹھ امینو ترشوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ ترشے ہمارا جسم پیدا نہیں کرسکتا۔ جن غذاؤں میں یہ آٹھ ترشے پائے جاتے ہیں، اُنہیں مکمل پروٹین کہا جاتا ہے۔"

"پروٹین کے ذرائع: یہ حیواناتی اور نباتاتی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے:۔ (۱) حیواناتی ذرائع میں گوشت، انڈے، دودھ، مرغی، مچھلی، دہی، پنیر وغیرہ ہیں۔ (۲) نباتاتی ذرائع میں اناج اور بیج ہیں مثلاً گیہوں، مٹر، دالیں، چاول، پھلیاں وغیرہ۔ مونگ پھلی میں بھی کچھ پروٹین ہوتی ہے۔

''پروٹین کی روزمرّہ ضرورت: ہماری روزمرہ خوراک میں پروٹین کی مطلوبہ مقدار کا انحصار انسان کے قد و قامت' عمر' وزن' جنس' مشاغل اور پروٹین کی قسم پر ہوتا ہے۔ ہماری غذا کا تقریباً ۲۰ فیصد حصّہ پروٹین پر مشتمل ہونا چاہئے۔''

''پروٹین کے فوائد: (۱) ان کا بنیادی مقصد جسم کی نشوونما اور تعمیر کرنا ہے۔ (۲) انسانی جسم کے خلیے' بافتیں' شریانیں اور عضلات جو مسلسل عمل کے نتیجے میں ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں' اُن کی مرمت کے لئے پروٹین نہایت اہم ہیں۔ (۳) پروٹین حرارت اور توانائی بھی مہیا کرتے ہیں۔ (۴) خون میں پروٹین کی مناسب مقدار موجود ہونے سے جسم کے بہت سے اعمال درست رہتے ہیں۔ (۵) بچوں کی دماغی اور جسمانی نشوونما کے لئے پروٹین بے حد ضروری ہے۔ بیماری سے بچاؤ اور جلد صحت یابی کے لئے بھی اہم ہے۔''

''پروٹین کی کمی کے اثرات: (۱) غذا میں پروٹین کی کمی سے بڑھتے ہوئے بچے خصوصاً پیدائش سے پانچ سال تک کی عمر کے بچے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بچوں کا قد و قامت مناسب طور پر نہیں بڑھتا اور دماغی صلاحیتیں بھی پوری طرح اجاگر نہیں ہو پاتیں۔ (۲) اگر غذا میں پروٹین کی کمی کو بروقت پورا نہ کیا جائے تو یہ کمی بیماری کی شکل اختیار کر لیتی ہے جسے ''کواشیرکور'' کہتے ہیں۔ اس بیماری میں قد پست رہ جاتا ہے اور بچہ ذہنی صلاحیتوں میں اپنے ہم عمر بچوں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس بیماری میں بال خشک اور کمزور رہ جاتے ہیں۔ (۳) پروٹین کی کمی سے ایک صحتمند انسان بھی متاثر ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی کمی سے قوّتِ مدافعت (Resistance Power) کم ہو جاتی ہے۔''

(C) ''قوّتِ مدافعت (Resistance Power) پیدا کرنے والی غذائیں:

''(1) وٹامنز (Vitamins): یہ ہماری خوراک کا لازمی جزو ہیں۔ ان میں ہائیڈروجن اور کاربن موجود ہوتی ہے اور ان کے بغیر خوراک نامکمل رہتی ہے۔ وٹامن دیگر غذائی اجزاء کے مقابلے میں بہت ہی کم مقدار میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا اہم کام جسم کے افعال کو باقاعدہ رکھنا' غذا کو تحلیل کرنا اور جزوِ بدن بنانا ہے۔ ان کا معتدل استعمال جسم کو صحتمند اور طاقتور بناتا ہے۔ وٹامنز کو عموماً دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (الف) چکنائی میں حل پذیر وٹامن مثلاً وٹامن اے' ڈی' ای اور کے۔ انہیں روغنی وٹامنز بھی کہا جاتا ہے۔ (ب) پانی میں حل پذیر وٹامن جیسے وٹامن سی اور وٹامن بی کمپلیکس۔ یہ وٹامن پانی میں حل ہو جاتے ہیں۔''

(الف) ''چکنائی میں حل پذیر وٹامن (Fat-Soluble Vitamins)

(۱) وٹامن اے: یہ عموماً جانوروں سے حاصل ہونے والی غذاؤں مثلاً جگر' گردے' انڈے کی زردی' دودھ' مکھن' پنیر اور مچھلی کے تیل وغیرہ میں موجود ہوتا ہے نیز یہ سبزی اور زرد رنگت والی سبزیوں اور پھلوں میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً پالک' پپیتہ اور گاجر وغیرہ۔ یہ وٹامن زیادہ دیر تک روشنی میں کھلا رہنے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ سبزیوں کو زیادہ دیر تک اور زیادہ درجہ حرارت پر پکانے سے اس وٹامن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔''

''وٹامن اے (A) کے فوائد :(۱) آنکھوں کی بینائی اور صحت قائم رہتی ہے۔ (۲) انسان صحتمند اور طاقتور رہتا ہے اور جسم سڈول اور خوبصورت رہتا ہے۔(۳) دانتوں کی نشو ونما کے لئے ضروری ہے۔(۴) جسم میں قوتِ مدافعت پیدا ہوتی ہے۔''

''وٹامن اے (A) کی کمی کے اثرات :(۱) اس وٹامن کی کمی سے شب کوری (Night Blindness) کا مرض ہو جاتا ہے جس میں رات کو نظر نہیں آتا۔(۲) اس کی کمی سے سانس کی نالی اور سینے کے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں جیسے نزلہ' کھانسی وغیرہ۔(۳) دانتوں کی ہڈی اور اُس کی بیرونی چمک اور سخت تہ کے بننے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔جلد پر کھردرا پن پیدا ہو جاتا ہے اور جلد خشک ہو جاتی ہے۔''

''(۲) وٹامن ڈی (D): یہ کاڈ مچھلی اور شارک مچھلی کے تیل' انڈے کی زردی' مکھن اور بالائی میں پایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ سورج کی شعاعیں جسم پر پڑنے سے بھی یہ انسانی جسم کو فراہم ہو جاتا ہے۔''

''وٹامن ڈی کے فوائد :(۱) یہ کیلشیم اور فاسفورس کی کیمیائی ترکیب و تحلیل کے لئے ضروری ہے۔(۲) یہ ہڈیوں اور دانتوں کی بناوٹ اور مضبوطی کے لئے ضروری ہے۔''

''وٹامن ڈی کی کمی کے اثرات :(۱) دانتوں کی نشو ونما متاثر ہوتی ہے۔(۲) ہڈیوں کی بناوٹ درست طور پر نہ ہونے کے باعث بچپن میں رکٹس (Rickets) کا مرض ہو جاتا ہے جس میں ہڈیاں نرم ہو کر ٹیڑھی ہونے لگتی ہیں۔جوانی میں اس کی کمی سے ہڈیوں میں اندرونی کمزوری واقع ہو سکتی ہے۔''

''(۳) وٹامن ای (E) :یہ اناج' چند نباتاتی تیلوں' سلاد' سبز پتوں والی سبزیوں' انڈے کی زردی' مونگ پھلی' دودھ' سویابین اور خمیر میں پایا جاتا ہے۔''

''وٹامن ای کے فوائد :(۱) یہ وٹامن اے اور وٹامن سی کو تکسید (Stagnation) سے روک کر جسم کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔(۲) حیوانات میں یہ وٹامن افزائشِ نسل کے لئے نہایت اہم ثابت ہوا ہے جبکہ انسانوں کے لئے یہ صحیح تولیدگی اور نشو ونما کے لئے ضروری ہے۔''

''وٹامن ای کی کمی کے اثرات : عام کھانوں میں اس کی موجودگی کے سبب اس کی کمی نہیں ہوتی لیکن اگر کمی واقع ہو جائے تو اس سے جسم کی نشو ونما متاثر ہو سکتی ہے۔''

''(۴) وٹامن کے (K) : یہ پالک' گوبھی کے پتوں' گاجر کے پتوں' سویابین کے تیل اور کلیجی میں پایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ یہ انتڑیوں میں خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔''

''وٹامن (K) کا فائدہ : یہ خون کو گاڑھا اور منجمد کرتا ہے۔''

''وٹامن (K) کی کمی کے اثرات : چونکہ یہ وٹامن انتڑیوں میں خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے اس لئے عموماً اس کی کمی واقع نہیں ہوتی لیکن کمی ہونے کی صورت میں خون کا انجماد (Condensation) مشکل ہو جاتا ہے۔

''(ب) پانی میں حل پذیر وٹامن (Water-Soluble Vitamins)

''(۱) وٹامن سی (C) : یہ وٹامن سب سے زیادہ ناپائیدار واقع ہوا ہے۔ اس کے ضائع ہونے کا امکان غذا کی تیاری اور پکانے میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ وٹامن جسم میں جمع نہیں ہوتا' اس لئے اسے روزانہ خوراک میں شامل کرنا ضروری ہے۔ یہ وٹامن رَس دار پھلوں مثلاً گریپ فروٹ' مالٹا' سنگترہ وغیرہ میں بہ افراط پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹماٹر اور سبز پتوں والی سبزیاں اس کا اچھا ذریعہ ہیں۔

''وٹامن 'سی' کے فوائد : (۱) دانتوں اور مسوڑھوں کو تندرست رکھتا ہے۔ (۲) جاری خون کو روکنے اور زخم مندمل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (۳) انسانی خلیوں کو جوڑتا اور درست حالت میں رکھتا ہے۔ (۳) انسان کے اندر قوّتِ مدافعت (Resistance Power) پیدا کرتا ہے۔''

''وٹامن 'سی' کی کمی کے اثرات : چونکہ یہ وٹامن جسم میں جمع نہیں ہوتا' اس لئے اس کی کمی کے اثرات بہت جلد ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس وٹامن کی کمی سے سکروی (Scurvy) نامی بیماری ہو جاتی ہے جس میں مسوڑھے پھول جاتے ہیں اور اُن سے خون بہنے لگتا ہے۔ شدید کمی کی صورت میں جلد کے اوپر جابجا سوراخ دھبّے بھی پڑ جاتے ہیں جو کھال کے نیچے چھوٹی چھوٹی نالیاں پھٹ جانے سے واقع ہوتے ہیں۔''

''(۱) وٹامن بی کمپلیکس (B Complex) : یہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے پندرہ وٹامنز کا مجموعہ ہے اس لئے ان سب کا مشترکہ نام وٹامن بی کمپلیکس ہے۔ ان میں سے وٹامن بی 1 ' بی 2 اور نیاسین اہم ہیں۔ اگر غذا میں یہ تینوں وٹامن اور پروٹین موجود ہوں تو بقایا وٹامن کی ضرورت خود بخود پوری ہو جاتی ہے۔ یہ انڈے' خمیر' کلیجی' گوشت' دودھ' دالوں' ٹماٹر' ساگ' سبز پتوں والی سبزیوں' شلجم' پھلیوں' مٹر' پیاز' خشک پھلوں اور میووں میں پائے جاتے ہیں۔''

''وٹامن بی کمپلیکس کے فوائد : (۱) دماغ' دل' جگر' معدہ' مختلف اعضاء اور اعصاب صحتمند اور مضبوط رہتے ہیں۔ (۲) مختلف پٹھے اور بڑی انتڑیاں درست حالت میں رہتی ہیں۔ (۳) اس وٹامن سے بھوک لگتی ہے اور ہاضمے میں مدد ملتی ہے۔''

''وٹامن بی کمپلیکس کی کمی کے اثرات : (۱) بھوک آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے۔ (۲) کام کاج کرنے کی قوّت متاثر ہوتی ہے اور تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ (۳) طبیعت میں چڑچڑا پن اور خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ (۴) اس

وٹامن کی کمی سے بیری بیری(Beri Beri) نامی بیماری لاحق ہوتی ہے جس میں خاص طور پر ٹانگیں اور بازو مفلوج ہونے لگتے ہیں اور عملِ انہضام بری طرح متاثر ہوتا ہے۔اس وٹامن کی کمی سے اعصاب اور دل پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔

''(2) معدنی نمکیات(Minerals) : غذا میں بالخصوص جن معدنی نمکیات کو شامل ہونا چاہیے ان میں سے کیلشیم' فاسفورس' آئرن اور آیوڈین اہم ہیں۔ان کے علاوہ جسم کے لئے اور بھی معدنی نمکیات ضروری ہیں مثلاً سوڈیم' پوٹاشیم' میگنیشیم' سلفر' کلورین' کاپر وغیرہ۔''

''معدنی نمکیات کے فوائد: (۱) جسم کے افعال کو باقاعدگی سے چلانے میں مدد دیتے ہیں اور جسم میں تعمیری کام بھی انجام دیتے ہیں۔(۲) کیلشیم اور فاسفورس خاص طور سے ہڈیوں اور دانتوں کی نشوونما اور بناوٹ کرتے ہیں۔(۳) آئرن بالخصوص خون بننے کے لئے ضروری ہے۔ (۴) خون کو معمول کے مطابق منجمد ہونے میں مدد دیتے ہیں۔''

''(3) کیلشیم (Calcium) : جسم میں کیلشیم کی مقدار دوسرے معدنی نمکیات کے مقابلے میں کافی زیادہ ہوتی ہے۔یہ دودھ' دودھ سے بنی ہوئی اشیاء' انڈے' گوشت' سبز پتوں والی سبزیوں' اناج اور پھلوں میں پایا جاتا ہے۔''

''کیلشیم کے فوائد : (۱) ہڈیوں اور دانتوں کی نشوونما اور اُنہیں درست حالت میں رکھنے کے لئے ضروری ہے۔(۲) خون کو منجمد کرنے کے کام آتا ہے اور جسم کے بعض اعمال کو درست رکھتا ہے۔''

''کیلشیم کی کمی کے اثرات : مناسب طور پر وٹامن ڈی کے ہضم اور جذب نہ ہونے سے کیلشیم کی کمی کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اس سے رکٹس(Rickets) کی بیماری ہو جاتی ہے۔

''(4) فاسفورس(Phosphorus) : یہ جسم کی مناسب نشوونما کے لئے ضروری ہے۔اس کے مرکبات انسانی جسم میں ہڈیوں' دماغ اور اعصاب میں پائے جاتے ہیں۔یہ دودھ' انڈے کی زردی' مچھلی' مٹر' پھلیوں' سویابین' گوشت اور میٹھی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔''

''فاسفورس کے فوائد : (۱) غذائی اجزاء کے انجذاب(Absorption) میں مدد دیتا ہے۔(۲) پٹھوں اور جوڑوں کی مناسب حرکت کے لئے ضروری ہے۔(۳) ہڈیوں اور دانتوں کی مناسب نشوونما کرتا ہے۔''

''فاسفورس کی کمی کے اثرات : فاسفورس کی کمی سے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی کیونکہ یہ عموماً غذاؤں میں کیلشیم یا پروٹین کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور جسم کے اندر بھی کیلشیم کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے' لہٰذا اِس کی کمی کے اثرات بھی کیلشیم کی کمی کے اثرات سے ملتے جلتے ہیں۔''

۱۹۳۰ (امورِ خانہ داری ۔۔۔Home Economics)

''(5) آئرن (Iron): یہ گوشت' سبزیوں' پھلوں' انڈوں' خشک پھلوں' کلیجی اور اناج سے بنی ہوئی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔''

''آئرن کے فوائد: (۱) جسم میں آکسیجن پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ (۲) ہیموگلوبن (Haemoglobin) (حُمرة الدّم) ☆ کا جزو بن کر خون بناتا ہے۔''

''آئرن کی کمی کے اثرات: خوراک میں اس کی کمی سے خون کی پیداوار کم ہو جاتی ہے اور انسان قلتِ خون (Anaemia) کا شکار ہو جاتا ہے جس سے انسان کمزور ہو جاتا ہے' سر چکرانے لگتا ہے اور وزن کم ہو جاتا ہے۔''

''(6) پانی: یہ غذا کا ایسا جزو ہے جس کی ہمارے جسم کو زیادہ مقدار میں ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بالغ آدمی کو روزانہ تقریباً آٹھ سے دس گلاس پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کھانے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ پانی پینا ہاضمہ کے لئے مضر ہوتا ہے البتہ کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد پانی پینے میں کوئی حرج نہیں۔''

''پانی کے فوائد: (۱) جسم کے درجہ حرارت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ (۲) ہاضمہ میں اور ہضم شدہ غذا کو تحلیل کرنے اور جزوِ بدن بننے میں مدد دیتا ہے۔ (۳) جسم کے فاضل مادّوں کو خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (۴) جوڑوں اور پٹھوں کو نرم رکھتا ہے۔''

''پانی کی کمی کے اثرات: (۱) جسم میں پانی کی کمی سے غذا تحلیل نہیں ہوتی اور فاضل مادّوں کا اخراج صحیح طور پر نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بے چینی اور الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ (۲) پانی کی کمی سے خلیات میں تراوٹ کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پٹھوں میں کھچاؤ محسوس ہوتا ہے۔'' (''مبادیاتِ ہوم اکنامکس'' برائے جماعت نہم' دہم ۔۔ پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور' صفحات ۱۱۶ تا ۱۲۸)

جانداروں اور نباتات کے لئے پانی قدرت کا ایک انمول عطیہ ہے جس کے متعلق قرآنِ حکیم نے فرمایا:

(۱) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء : ۳۰)

''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔'' (۲۱ : ۳۰)

اس کی تفصیل و توضیح انسائیکلو پیڈیا ہٰذا کی جلد دوم کے صفحات ۵۵۶' ۸۲۵ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

(۲) اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ O ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ O لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ O (الواقعة : ۶۸ تا ۷۰)

''اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو' اُسے بادل سے تم برساتے ہو یا اُس کے برسانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اُسے کڑوا کر ڈالیں' تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟'' (۵۶ : ۶۸ تا ۷۰)

☆ یہ نقاری یا ظہری حیوانات کے خون کے سرخ ذرّات میں پایا جانے والا آکسیجن کا حامل مادّہ ہے جس میں فولاد شامل ہوتا ہے۔

(۳) قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآءُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ O (اَلْمُلْك : ۳۰)
''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی لا کر دے گا؟'' (۶۷ : ۳۰)

سورۃ الْوَاقِعَة کی اور سورۃ المُلك کی درج بالا آیات کی وضاحت اِسی انسائیکلو پیڈیا کی جلد اوّل کے صفحہ ۳۲۹ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم کی روشنی میں چند متعلقہ حقائق

(1) تمام خوشگوار ماکولات و مشروبات (اچار، مربّوں، بسکٹ، آملیٹ، پنیر، حلوہ، مرمالیڈ، مکھن، دہی، کریم، مٹھائیوں کی تمام قسموں، مشروبات، ملک شیک، لسّی، شربتوں اور محلل کشید (سالونٹ ایکسٹریکشن) کا اشارتاً اور بالواسطہ ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں :۔

(۱) وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (اَلنَّحل: ۶۷)
''اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے سبق ہے) تم اس سے نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو۔'' (۱۶ : ۶۷)

''سَکَر (نشہ) کے لفظ سے سوال پیدا ہوا کہ نشہ کا ذکر قرآنِ مجید نے محلِ مدح میں کیسے کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہاں مقصود مدح نہیں بلکہ ذکر اس کا ہے کہ خُرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جا سکتے ہیں اور مخاطب صرف مؤمنین ہی نہیں بلکہ کافر بھی شامل ہیں اور وہ برابر اِن پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مکی ہے اور نشہ کی حُرمت اُس وقت تک نہیں ہوئی تھی۔ اس پر قرآن مجید نے سَکَر کو رِزق حَسَن سے علیحدہ و ممتاز کر کے ظاہر کر دیا کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام اِن پھلوں سے لئے جا سکتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی اُردو، صفحہ ۵۶۲، نوٹ: ۹۸)

(۲) وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ O لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ (یٰسٓ : ۳۵)
''اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس (زمین) میں چشمے جاری کر دئے تاکہ اس (باغ) کے پھلوں اور جو اُن کے ہاتھ بناتے ہیں، اس میں سے کھائیں۔''

آیت کے لفظ مَا کو اگر موصولہ (بمعنی ''جو'') قرار دیا جائے تو اس صورت میں درجِ بالا خط کشیدہ بیان کی توثیق ہو جاتی ہے۔ کچھ مترجمین نے مَا کو نافیہ بھی لیا ہے اور وہ بھی درست ہے (بمعنی اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا)

(2) ناشتہ اور رات کا کھانا: سورہ مَریَم میں اہلِ جنت کے بارے میں فرمایا:
وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّاO (مَریم: ۶۲)
"اور اُنہیں اُس (جنت) میں اُن کا کھانا صبح وشام ملتا رہے گا۔" (۶۲: ۱۹)

اردو محاورہ میں بھی صبح وشام سے ایک مراد دوام (ہمیشگی) کی ہوتی ہے نہ کہ طلوع وغروب آفتاب کے دو متعین وقت ع
چسکا پڑا ہے جام کا' شغل ہے صبح وشام کا

"عربی محاورہ میں بھی مراد یہی ہے بلکہ اس سیاق میں تو اس کے سوا کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہوگی جس سے یہ متعارف صبح وشام پیدا ہوتے ہیں۔" (''الکشاف'' لزمخشری)

"معتد د اصحابِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (صبح کا) ناشتہ نہ کرنا اِن نقصانات کا موجب بنتا ہے:
(۱) جسمانی تگ ودَو کا جذبہ جلد ختم ہو جاتا ہے۔ (۲) آدمی جلد تھک جاتا ہے اور
(۳) آدمی کی قوتِ مدافعت اور تحمل وبُردباری ماند پڑ جاتے ہیں۔"
("Health for College Students" ... Hickman Cleveland, p. 200)

"رات بھر کی لمبی نیند کے بعد صبح اٹھنے پر معدہ خالی ہوتا ہے اور اس وقت ناشتہ کرنا جلد ہضم ہو جاتا ہے اور معدہ میں زیادہ دیر تک چکنائی کی صورت میں نہیں رہتا۔ پروٹین کے کھانے کام کاج کی مصروف صبح تک معدہ میں باقی رہتے ہیں جبکہ کاربوہائیڈریٹس کے کھانے دیر سے کھانے میں بے رغبتی پیدا کرسکتے ہیں۔"
("Better Breakfast" ... Janima, M. Cz., p. 43)

(3) صفائی اور پاکیزگی: احادیثِ مبارکہ میں آیا کہ صفائی نصف ایمان ہے اور قرآن مجید نے فرمایا:
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَO (البقرۃ: ۲۲۲)
"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

"اسلام کی اس لطافت پسندی' نظافت پسندی اور طہارت پسندی کے مقابلہ میں دوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں جن میں قربِ حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں بلکہ عین جسمانی گندگی اور کثافت وغلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لئے غسل یا جسم کی بدبو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔" (ماجدی)

(4) اشتہا انگیز غذا اور چٹنی (Condiment and Sauce): اس کا ذکر سورۃ المؤمنون میں ہوا:
وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَO (المؤمنون: ۲۰)
"اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جو طورِ سینا میں ہوتا ہے وہ تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔" (۲۰: ۲۳)

آیت میں کسی درخت کے نام کی تصریح نہیں لیکن سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زیتـــون ہے جو ملکِ فلسطین اور اس سے ملحق جزیرہ نما سیناء کی خاص پیداوار ہے۔ زیتون کا ذکر توریت وانجیل دونوں میں بھی بار بار آیا ہے۔

''قدیم تورات کے زمانہ میں زیتون کا تیل متعدد مقاصد کے لئے استعمال ہوتا تھا مثلاً وہ کھانے پکانے میں مکھن کی جگہ استعمال ہوتا تھا' چراغوں میں روشنی اور حرارت کے لئے' جسم پر مالش کرنے اور کچھ مذہبی رسوم میں تیل مَلنے وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اُن جانوروں اور درندوں کے مُردہ جسموں پر اسے جلایا جاتا تھا جنہیں دیوی دیوتاؤں پر چڑھاوے کے طور پر قربان کیا جاتا تھا۔۔۔ زیتون عمدہ رنگت کا ایک خوبصورت درخت ہوتا ہے' جلائے جانے پر بہت حرارت دیتا ہے۔'' ("The Bible Comes out Alive"..Marston, pp.141, 142)

''زیتون کا تیل ارضِ مقدّس کی انتہائی اہم پیداوار ہے۔۔۔ اسے کھانے پکانے میں استعمال کیا جاتا ہے' روٹی اور چپاتی پر اُسے مَلا جاتا ہے' روشنی کے لئے چراغوں میں جلایا جاتا ہے اور کچھ اشیاء پر اُسے مَلنے اور مالش کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' (Hastings' Dictionary of the Bible, Vol. 2, p. 31)

''دَورِ جدید وقدیم میں کچا زیتون کھانے کے بعد بطور سویٹ ڈش کے استعمال ہوتا رہا ہے' جس سے کھانا خوش ذائقہ ہو جاتا ہے اور جس کا ایک مقصد خورونوش میں حسِّ ذائقہ کی زود حِسی کی تازگی قائم کرنا بھی ہوتا ہے۔'' (Encyclopaedia Britannica, Vol. XVI, p. 774)

''آیت مذکورہ میں سالن کو صِبـغ فرمایا گیا ہے' جس کے معنی ''رنگنا'' کے ہیں اور روٹی سالن میں ڈوبنے اور بھیگنے کے بعد گویا رنگی جاتی ہے۔ طورِ سیناء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس کا قرب وجوار زیتون کی پیداوار کے لئے بہت زرخیز علاقہ ہے۔ زیتون کا روغن بطور تیل استعمال ہوتا ہے اور اُس کا پھل کھایا جاتا ہے جو قدرے کسیلا ہوتا ہے۔ زیتون کا مزاج گرم تر ہے اور اس کا تیل نسیان اور جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اعصاب کو مضبوط کرتا ہے' قوّتِ باہ پیدا کرتا ہے' کلسٹرول کو حل کرتا ہے' فالج زدہ عضو پر زیتون کے تیل کی مالش کی جاتی ہے۔'' (''تبیان القرآن''۔۔ علاّمہ غلام رسول سعیدی' جلد ہفتم' صفحات ۸۶۲' ۸۶۳)

''ہر سالن کو صِبـــغ نہیں کہا جاتا' یہاں بمعنی ''شوربا'' ہے۔ زیتون کے پتوں' پھلوں' پھولوں' شاخوں' لکڑیوں' جڑوں میں تیل کی چکناہٹ اس قدر رہوتی ہے کہ بعض بیجوں کو ہاتھ سے دباؤ تو تیل کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ یہی وہ عزت وعظمت کا شجرِ مبارک ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام الٰہی کے لئے اس درخت کو منتخب کیا گیا اور اسی میں بہ شکلِ آگ انوارِ الٰہی کی زیارت ہوئی۔ یہی شجرِ حسین اتنا کثیر الانعام ہے کہ ہر شاخ میں برکات ہیں' عجیب الاکرام ایسا کہ ہر پتے میں شِفا ہے۔ صادق وتجربہ کار اطباء کہتے ہیں کہ پھیپھڑوں' سینوں اور دبلے پن کی بیماریوں کے لئے یہ مفید ہے۔ تپ دِق' سِل اور جسمانی ناطاقتی کے لئے سب تیلوں سے زیادہ اکسیر ہے۔'' (تفسیر نعیمی' جلد ۱۸' صفحات ۹۵' ۹۷)

''زیتون کا تیل بہ اعتبارِ رنگ چار قسم کا ہوتا ہے: سیاہ' سرخ' سنہرا اور سبزی مائل سنہرا۔ مؤخر الذکر بہترین' دیرپا' مفید اور خوبصورت ہوتا ہے۔ صاف بلوری برتن اور شیشی میں بہت ہی خوبصورت لگتا ہے۔ حکیم بوعلی سینا نے لکھا ہے کہ زیتون جتنا پرانا ہوتا ہے' زیادہ مفید ہوتا ہے۔ مصر کے پرانے مقبروں کی کھدائی کے دوران برآمد شدہ اشیاء میں روغنِ زیتون سے بھرے ہوئے ڈبے بھی نکالے گئے جو چار ہزار سال پرانے تھے مگر تیل خراب نہ ہوا تھا اور جب اُسے متعدد امراض میں استعمال کیا گیا تو تازہ نئے تیل کی طرح مفید پایا گیا۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۰۱)

زیتون اور احادیثِ نبویہ: احادیثِ مقدسہ میں زیتون کا بہت ذکر آیا ہے مثلاً یہ احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نَّتَدَاوٰی مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقِسْطِ الْبَحْرِیِّ وَالزَّیْتِ (ترمذی: باب الطّبّ)

''زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ نمونیے یا تپ دق میں قسطِ بحری اور زیتون سے علاج کیا کرو۔''

(۲) قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّ فِیْہِ شِفَاءً ''مِّنْ سَبْعِیْنَ دَاءٍ مِّنْھَا الْجُذَامُ''

''نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: زیتون کھاؤ بھی اور لگاؤ بھی کیونکہ اس میں ستّر بیماریوں کی شِفا ہے' اُن میں سے ایک بیماری جذام (کوڑھ Leprosy) ہے۔'' (مُسند ابونعیم)

(۳) عَنْ عُمَرَابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۳۲۰؛ سنن ترمذی: ۱۸۵۱)

''فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زیتون کا پھل کھاؤ اور اُس کا تیل لگایا کرو کیونکہ وہ شجرہِ مبارکہ ہے۔''

نوٹ: تفسیرِ نعیمی (طبع لاہور ۲۰۰۳ء) کی جلد ۱۸ کے صفحات ۹۹ اور ۱۰۰ پر زیتون کے چالیس اثرات اور زیتون سے علاج کے تیس فوائد کو بیان کیا گیا ہے جنہیں بہ خوفِ طوالت یہاں نہیں دیا جا رہا۔

''مطعومات اور مفکوہات: فقہائے کرام کے نزدیک ماکولات اشیاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) مطعومات اور (۲) مفکوہات۔ یعنی غذا اور میوہ جات۔ البتہ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کون سی چیزیں طعام وخوراک ہیں اور کون کون سی فواکِہ (فروٹ) ہیں۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں غذائیت حاصل کرنے کے لئے کھائی جائیں اور پیٹ بھر جائے لیکن دل نہ بھرے' وہ طعام ہے۔ اور ہر وہ چیز جو فقط لذّت وقوّت حاصل کرنے کے لئے کھائی جائے اور دل تو بھر جائے لیکن پیٹ نہ بھرے' وہ فواکِہ ہے۔ اس کلیہ سے سیب' تربوز' خربوزہ' ناشپاتی' کیلا' سنگترہ' مالٹا اور آم وغیرہ فواکِہ ہیں اور کھجور' چھوہارہ' منقہ' کشمش اور تمام خشک میوے ومغزیات مثلاً پستہ' بادام' ناریل' اخروٹ' چلغوزہ وغیرہ سب مطعومات ہیں۔'' (تفسیرِ نعیمی' ج ۱۸' ص ۱۰۴)

(5) اکٹھے مل کر یا علیحدہ (تنہا) کھانا : سورۃ النور میں فرمایا گیا :

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا (النور: ٦١)

"تم پر کوئی الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔" (٦١ : ٢٤)

"عکرمہ اور ابو صالح نے کہا کہ یہ آیت انصار کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اُن کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ اُس کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ تو اُنہیں اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں کھالیں، تنہا یا کسی کے ساتھ مل کر۔" (جامع البیان، رقم الحدیث: ١٩٨٨٩؛ معالم التنزیل ج ٣، ص ٤٣١، ٤٣٢؛ الدرّ المنثور ج ٦، ص ٦٠٦، ٦٠٧؛ تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ١٤٨٨٨)

کھانے میں چھوت چھات کا دخل ہونا، اونچی ذاتوں کا نیچی ذاتوں کے ساتھ ایک کھانے پر جمع نہ ہونا، یہ دستور آج تک ہندوستان میں زندہ ہے اور مصرِ قدیم میں بھی رہ چکا ہے۔ آیت میں اس عقیدۂ باطل کی بھی تردید ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرمایا گیا کہ اکٹھے مل کر بھی کھانا جائز ہے اور علیحدہ علیحدہ بھی جائز لیکن ایک حدیث میں بہ روایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانِ نبوی ہے کہ:

شَرُّ النَّاسِ مَنۡ اَکَلَ وَحۡدَہٗ، وَضَرَبَ عَبۡدَہٗ، وَمَنَعَ رِفۡدَہٗ

"سب سے برا وہ ہے جو اکیلا کھائے، اپنے غلام کو مارے اور اپنے سائل بھکاری کو بھیک دینے سے منع کرے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں اَشۡتَاتًا کا لفظ ہے یعنی علیحدہ پلیٹ میں اور حدیث میں وَحۡدَہٗ کا لفظ ہے۔ یعنی سب کھانا خود اکیلے ہی کھا جائے اور کسی کو کچھ نہ دے۔ آیت و حدیث میں لفظ بھی مختلف اور معنیٰ کا فرق بھی واضح ہے۔

تاہم نبی اکرم ﷺ نے اکٹھے مل کر کھانے کی ترغیب دی ہے کہ اس سے باہمی الفت و مودّت پیدا ہوتی ہے اور رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب بھی ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کھانا کھاتے وقت ہمیں سیری حاصل نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا: فَلَعَلَّکُمۡ تَاۡکُلُوۡنَ مُتَفَرِّقِیۡنَ یعنی "معلوم ہوتا ہے کہ تم الگ الگ کھاتے ہو اور اکٹھے نہیں کھاتے۔" تو اُنہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

اِجۡتَمِعُوۡا عَلٰی طَعَامِکُمۡ وَاذۡکُرُوۡا اِسۡمَ اللّٰہِ یُبَارَکۡ لَکُمۡ فِیۡہِ

(سنن ابن ماجه، باب : الاجتماع علی الطعام)

"اکٹھے مل کر کھانا کھانے کی عادت ڈالو اور اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کیا کرو، کھانے میں تمہارے لئے برکت ہوگی۔"

اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اہم ہے جس کے راوی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں :

کُلُوۡا جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا فَاِنَّ الۡبَرَکَۃَ مَعَ الۡجَمَاعَۃِ (ایضًا)

"اکٹھے مل کر کھانا کھایا کرو، اکیلے اکیلے نہیں کیونکہ اکٹھا کھانے میں برکت ہوتی ہے۔"

سورۃ النور کی آیت:

لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا مِنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اٰبَآئِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اُمَّهٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اِخۡوَانِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخَوٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَعۡمَامِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ عَمّٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخۡوَالِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ خٰلٰتِکُمۡ اَوۡ مَا مَلَکۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً (النور: ۶۱)

”نہ اندھے پر‘ نہ لنگڑے پر‘ نہ بیمار پر اور نہ تم پر کوئی حرج ہے اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے‘ اگر تم سب مل کر یا الگ الگ ہو کر کھاؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں‘ پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلامتی کی وہ دُعا دو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔“ (۲۴:۶۱)

کے ضمن میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کھانے کی چیزیں عام استعمال کے لئے رکھی گئی ہوں تو بلا اجازت اُن کا کھانا تمام لوگوں کے لئے جائز ہے لیکن اگر وہ محفوظ کر کے رکھی ہوئی ہوں تو وہ اُسے نہیں لے سکتے۔ اسی طرح ذخیرہ شدہ چیزیں بھی نہیں لے سکتے اور نہ ہی وہ ایسی چیزیں لے سکتے ہیں جو کھائی نہ جاتی ہوں‘ خواہ وہ اُن سے محفوظ کر کے نہ رکھی گئی ہوں۔ ایسی چیزیں اُن کے مالکوں کی اجازت ہی سے لی جا سکتی ہیں۔“ (”فقہ القرآن“ نصاب ایم اے علومِ اسلامیہ‘ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی‘ اسلام آباد‘ صفحہ ۶۶۲)

اہلِ خانہ کو سلام کہنے کا حکم: ”گھر چار قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک میں سلام کرنے کا طریقہ علیحدہ ہے: (۱) خالی گھر یا مسجد میں سلام کے الفاظ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ہیں (۲) گھر و مسجد میں موجود لوگوں کو سلام اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے الفاظ میں ہوگا۔ (۳) غیر مسلم کے گھر میں لوگ موجود ہوں تو سلام کا شرعی طریقہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ غیر مسلم کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا گناہ ہے اور اگر غیر مسلم کسی مسلمان کو سلام میں پہل کرے تو اُس کا جواب صرف وَعَلَیْکُمْ میں دینا چاہئے اور اس میں سلام کا لفظ شامل نہیں کرنا چاہئے۔ غیر مسلم کو وَعَلَیْکُمْ کی جگہ ٹا ٹا بھی کہا جا سکتا ہے۔ (۴) مخلوط لوگوں یعنی جہاں مسلمان اور غیر مسلم ملے جلے ہوں‘ کو سلام کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسلمانوں ہی کی نیت کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا جائے۔ نماز کے آخری سلام دو طرفہ میں فرشتوں کو سلام کہنے کی نیت کرے۔“ (تفسیر نعیمی‘ جلد ۱۸‘ صفحہ ۷۲۱)

نوٹ: ترمذی‘ ابوداؤد میں بہ روایت عمران رضی اللہ بن حصین فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے سے دس نیکیاں‘ اس میں رَحمۃُ اللہ ملانے سے بیس اور وَبَرَکَاتُہ‘ ملانے سے تیس (۳۰) نیکیاں ملتی ہیں۔ اور قرآن کے فرمودہ بِاَحۡسَنَ مِنۡهَا (سورۃ النساء: آیت ۸۶) کا یہی مطلب ہے۔

''مِنۡ بُيُوۡتِكُمۡ سے اولاد کا گھر ہی مراد ہے بیٹا ہو کہ بیٹی نہ کہ ذاتی رہائشی گھر میں۔ رہائشی گھر میں أَنۡ تَأۡكُلُوۡا کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ احادیث میں بھی اولاد کی چیزوں کو والدین کی چیزیں ہی فرمایا گیا ہے' چنانچہ ابنِ ماجہ میں اَنۡتَ وَمَالُكَ لِاَبِيۡكَ (تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے والد کا ہے) کا فرمانِ نبوی موجود ہے۔''

(6) آگ: سورہ یٰسٓ میں ارشادِ پاک ہوا :

اَلَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ۝ (یٰسٓ : ۸۰)

''اللہ ہی تو ہے جو ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے' پھر تم اُس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو۔'' (۸۰ : ۳۶)

دیا سلائی وغیرہ کے دَور سے بہت پہلے آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی اور عرب میں وہ مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ ''ایک موٹی سی بات ہے کہ پانی اور آگ میں طبعی تضاد ہے۔ آگ کا بس چلے تو پانی کو بخارات بنا کر اُڑا دیتی ہے اور اگر دہکتی ہوئی آگ پر ایک چلّو پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ اس طبعی تضاد کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سرسبز درختوں میں پانی اور آگ کو یکجا کر دیا ہے۔ یہی گیلی لکڑی جب کاٹ کر اُس سے آگ جلائی جاتی ہے تو اُس سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب میں دو درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک کو ''المرخ'' اور دوسرے کو ''العفار'' کہتے ہیں۔ اگر اُن کی شاداب ٹہنیاں کاٹی جائیں جن سے رس بہہ رہا ہو اور اُنہیں ایک دوسرے سے رگڑا جائے تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔'' (''ضیاء القرآن'' جلد۴' ص ۱۹۲)

''آگ کا درختوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ درختوں کی لکڑیوں سے ایندھن آگ ہی کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ معدنی کوئلے کی حقیقت بھی تو یہی ہے کہ وہ قبل از تاریخ کے جنگلوں کی لکڑی ہے جو ارضیاتی اَدوار سے ہوتی ہوئی زیریں زمیں میں پتھرا گئی ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: 5254)

(7) خوراک اور غذا: اس کے متعلق قرآن مجید یوں فرماتا ہے :

(ا) وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (هُود : ٦)

''اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمّہ اُس کا رزق نہ ہو۔'' (٦ : ١١)

یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ اور حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی ربوبیّت اور صفتِ علم کا احاطہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسبابِ رزق کی طرف سے غافل اور بے فکر ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اسباب پر تکیہ نہ کرے بلکہ اسباب کا مبدا اور منتہا اللہ ہی کو سمجھتا رہے۔

''غذا ایک ایسا مادّہ ہے جو کسی نامی وجود (Organism) کو تغذیہ' قوّت و توانائی مہیا کرتا ہے اور زندہ

رہنے کے قابل بناتا ہے۔غذا حیاتین' پروٹین' کاربوہائیڈریٹس (نشاستے)' چکنائیاں اور فلزات (معدنی نمکیات) جیسے کیمیائی مواد مہیا کرتی ہے جو نئے خلیوں اور ریشہ لحمی (Tissues) کی تعمیر کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔" (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 8, p. 641)

"انسانی جسم غذا کیسے استعمال کرتا ہے؟ : خالقِ کائنات نے ہمیں دانت اس لئے عطا کئے ہیں کہ کھانے کو معدے میں پہنچانے سے پہلے اُسے دانتوں کے ذریعے خوب چبا چبا کر چھوٹے چھوٹے باریک ذرّات کی شکل میں پیس کر معدہ میں پہنچایا جائے تا کہ معدے کو انہضام کے عمل میں کم سے کم محنت کرنا پڑے۔ہضم شدہ خوراک خون کی نالی کے ذریعے سفر کرتی ہے۔غذا کا کچھ حصّہ جسم کو توانائی فراہم کرتا ہے' اس کا کچھ حصّہ خلیوں کی مرمت یا اُن کی تبدیلی میں استعمال ہوتا ہے اور کچھ حصّہ چکنائی کے طور پر ذخیرہ ہو جاتا ہے۔"

"ہر شخص کو اپنے قدوقامت' وزن' عمر اور کام کی نوعیت کے مطابق روزانہ خوراک کی کچھ نہ مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔کم کھانے والے آدمی کا وزن کم ہونے سے وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے دانتوں اور بینائی پر بھی منفی اثرات کا ہونا ممکن ہے۔ بسیار خور آدمی فربہ اور اچھے تن وتوش والا تو ہو جاتا ہے لیکن وہ امراضِ قلب اور شاید ذیابیطس کا مریض ہو جاتا ہے۔"

"غذا کی کئی اور متعدّد قسمیں ہیں۔جسم اِن اقسام کو مختلف طریقوں سے ہضم کرتا اور استعمال کرتا ہے۔ کاربوہائیڈریٹس (نشاستے) توانائی کا بڑا ذریعہ ہیں اور وہ نئے خلیوں اور ریشہ لحمی (Tissues) کی تعمیر میں مدد دیتے ہیں۔وہ کینڈی جیسی میٹھی اور آلوؤں جیسی نشاستے دار غذا میں پائے جاتے ہیں۔ چکنائیاں توانائی کی مجتمع شکل ہیں لیکن جسم کے لئے اُن کا استعمال بہت مشکل ہے۔گوشت' مکھن' گری دار میووں اور بیجوں میں وہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ریشہ جات لحمی کی تعمیر میں پروٹین بہت اہم ہیں اور وہ گوشت' انڈوں' دودھ اور مچھلی میں بکثرت ہوتے ہیں۔پانی' حیاتین (وٹامن) اور معدنی نمکیات جیسی دوسری حیات آفریں غذائیں جسم کی مناسب نشوونما کے لئے لازمی ہیں۔" (ایضاً' صفحہ ۶۴۳)

(8) مہمان نوازی :اس کا ذکر علیحدہ عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

(9) قرعہ اندازی: سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۴ کے علاوہ (جب مریم علیہا السلام کی کفالت کے لئے قرعہ ڈالا گیا)' قرعہ اندازی کے جواز کا ثبوت حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتا ہے جب اُنہیں قرعہ اندازی کے ذریعے دریابُرد کیا گیا اور مچھلی کا پیٹ اُن کا ملجا و ماویٰ بن گیا (سورۃ الصّافات: آیات ۱۴۱' ۱۴۲)۔ نیز اس کا جواز نبی مکرّم ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ سفر میں اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کو قرعہ اندازی کر کے ہمراہ کر لیتے۔

(10) دوپہر کا قیلولہ (Siesta) : یعنی تھوڑی سی نیند خصوصاً گرم ممالک میں جس کے متعلق قرآن نے اہلِ جنت کے بارے میں فرمایا:

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلًا O (الفُرقان : ۲۴)
''اُس دن اہلِ جنت کا بہترین ٹھکانہ ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ نہایت عمدہ ہوگی۔'' (۲۴ : ۲۵)

''مَقِيْل کا معنیٰ ہے قیلولہ کرنے کی جگہ اور دوپہر کے بعد آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ الازہری نے کہا دوپہر کو آرام کرنا قیلولہ ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہ ہوگی۔ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اہلِ جنت پر قیامت کا دن صرف اتنی دیر گزرے گا جتنی دیر صبح سے دوپہر تک اور قیلولہ کے وقت تک ہوتی ہے۔'' (''تبیان القرآن'' جلد ہشتم' صفحہ ۲۳۳)

''دن کے وسط میں ذرا سی دیر کی نیند (قیلولہ) انسانی صحت کے لئے بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔'' ("Health for College Students"... Hickman Cleveland P. page: 130)

قرآن مجید اور غذا: جیسا کہ بیان ہوا' خوراک زندگی اور صحت کی بقا کے لئے ناگزیر ضرورت ہے۔ انسان کو حفظانِ صحت اور روحانی معیار کی خوراک سے متعلق ہدایات دینے میں قرآن نے بخل سے کام نہیں لیا۔ ماکولات و مشروبات سے متعلق قرآن مجید کے قائم کردہ اصول وضوابط حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جو خوراک جسمانی صحت کے لئے مضر ہو وہ روحانی صحت کے لئے بھی مضر ہے: ممنوعہ ماکولات کے ضمن میں سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت ہماری راہ نمائی کرتی ہے:
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرۃ : ۱۷۳)
''تم پر حرام کئے گئے ہیں مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔'' ☆

مذکورہ بالا پہلی تین قسموں (مُردار' خون اور خنزیر کے گوشت) کا استعمال انسانی جسم اور صحت کے لئے مضر ہے اور جو چیز جسم کے لئے ضرر رساں ہو' وہ لازمی طور پر روح کے لئے بھی مضر ہے' اس لئے وہ ممنوع ہیں ☆☆۔ چوتھی

☆ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمہ کے مطابق کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ آیت چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحب نے یہی ترجمہ کیا ہے اور مَآ أُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں ''وقتِ ذبح'' کی قید کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے: ''وآنچہ آواز بلند کردہ شود دَر ذبح وے بغیرِ خدا۔'' امام ابوبکر جصاص بھی یہی فرماتے ہیں کہ سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (''ضیاء القرآن'' جلد اوّل' صفحہ ۱۱۶۔ مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہوں تفاسیر قرطبی' مظہری' بیضاوی' روح المعانی' کبیر' ابنِ کثیر وغیرہا)۔
☆☆ ''زندہ جانور کے جسم کا اگر کچھ حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مردار ہی کے حکم میں ہوگا۔ احناف کے نزدیک مُردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ مُردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اُس سے نفع اٹھانا ہے۔ لیکن عملِ دباغت کے بعد مُردار کی ہڈی' کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور وہ مُردار کے حکم میں نہیں رہتی۔ یہ مسئلہ احادیث وآثار سے ثابت ہے اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ کے آخر میں)

اور آخری ممنوعہ قسم غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کی ہے جو یقیناً کفر ہے اور انسان کے اَخلاق اور روح کو براہِ راست نقصان پہنچاتی ہے' اس لئے وہ بھی حرام ہے۔

نوٹ :(۱) ان سب کی حُرمت کے پسِ پردہ کارفرما حکمت کی وضاحت اِسی جلد چہارم کے صفحات ۱۵۳۷ تا ۱۵۴۶ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۔(۲) مالِ مسروقہ اور مغصوبہ (غصب شدہ) بھی چونکہ روحانی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں لہٰذا وہ بھی حرام اور ممنوعات کے ضمن میں آتے ہیں۔

ماکولات ومشروبات کے استعمال کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ذیل کی آیت میں ایک **معیار** مقرر کردیا ہے جس کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرة:۱۶۸)

''لوگو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے' اُس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی مت کرو۔'' (۱۶۸ : ۲)

(II) صفائی اور پاکیزگی کو بہرحال مقدّم ہونا چاہیئے :اسلام گندی' گلی سڑی' حفظانِ صحت کے خلاف اور غیر معیاری ماکولات جو بدمزہ بھی ہوتی ہیں اور صحت کے لئے مضر بھی' کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ صاف ستھری اور خوش ذائقہ ماکولات اور مشروبات کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔اس سلسلہ میں انبیاء ورُسُل اور دوسرے نوعِ انسان کو قرآن کا حکم مشترک اور ایک جیسا ہے۔مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں :

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرة:۱۶۸)

''لوگو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے' اُس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی مت کرو۔'' (۱۶۸ : ۲)

(۲) يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون : ۵۱)

''اے پیغمبرو! نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو۔'' (۵۱ : ۲۳)

اوّل بات یہ کہ پیغمبروں کے ضمن میں اُن کی اُمتوں کا بھی حکم آگیا۔ دوم یہ کہ نفیس ولذیذ چیزوں سے مراد

(بقیہ از صفحہ سابق) حدیث صحیح کی رُو سے دو جانور بغیر ذبح بھی جائز ہیں: یعنی مچھلی اور ٹڈی۔اور حدیثِ صحیح کی رُو سے دو منجمد خون حلال ہیں: یعنی جگر اور تلّی۔قرآنِ حکیم میں صراحت کے ساتھ خنزیر کے گوشت کی حرمت آئی ہے لیکن فقہائے اُمّت کا اجماع ہے کہ خنزیر کا صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اس کی چربی' ہڈی' کھال وبال سب حرام ہیں اور گوشت کی تصریح تو اس لئے کی کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اُس کے تحت میں جانور کے دوسرے اجزاء بھی آگئے۔بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی حرمت کہاں لازم آتی ہے' فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اہلِ عجم کی طرف سے ہوا ہے جو نہیں جانتے کہ لفظ لَحْم (گوشت) میں شَحْم (چربی) بھی شامل ہے۔البتہ شَحْم میں لَحْم شامل نہیں۔جس طرح ہر حمد شکر ہے لیکن ہر شکر حمد نہیں۔ (تفسیر ماجدی اُردو' ص ۶۴' نوٹ: ۶۱۵)

صرف حلال غذائیں ہیں۔ حرام غذا میں اگر لذت ہے بھی تو اُس پر حقیقتاً لذت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا اور سوم یہ کہ آیت میں رہبانیت کا بھی ردّ ہے۔

(III) کم خوراکی (Underfeeding) کی حوصلہ افزائی نہیں، اعتدال کا حکم ہے:

(۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (المائدۃ:۸۷)
''مومنو! اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حدود سے تجاوز مت کیا کرو۔'' (۸۷ : ۵)

(۲) وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ O (الاعراف : ۳۱)
''کھاؤ، پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

بھوک ہڑتال کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اس میں خود کو اذیت دینا ہے۔ نفس کُش ریاضتوں کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جس سے انسان کچھ کھانوں کو اپنے اوپر ممنوع کر دیتا ہے۔

(IV) اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال اور اللہ کا شکر گزار بندہ بن کے رہنا: خوراک اور غذا کا حتمی اور فوری مقصد صحت کا برقرار رکھنا اور اعضائے جسمانی کی متناسب نشوونما ہے۔ صحت کا مقصد احکاماتِ الٰہی کی خوش دلی، بالارادہ (اختیار) اور ہم آہنگی کے ساتھ تعمیل ہونا چاہئے جو منعمِ حقیقی کے اپنی مخلوق پر لاتعداد احسانات کا شکر ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔ قرآن مجید اس شکر کے فائدے کو یوں بیان کرتا ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ O (ابراهیم : ۷)
''اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور بالضرور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔'' (۷ : ۱۴)

(V) ماکولات و مشروبات کو اللہ کا نام لے کر کھانا پینا چاہئے: اسلام اپنے پیروکاروں میں اخلاقی اور روحانی اقدار کو بھی ترقی دیتا ہے۔ اس لئے مسلمان کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کھانے پینے کو اللہ کے نام سے شروع کرے اور آخر میں اُس کا شکر ادا کرے۔ یہ بات یقیناً روحانی اور اخلاقی اقدار کی ترقی کا موجب اور نعماتِ الٰہی میں اضافے کا سبب بنے گی۔

ایک مقام پر قرآن مجید نے اُن باغبانوں کا مہیب نقشہ کھینچا ہے جنہوں نے باغ کا پھل توڑنے کا ارادہ کرتے وقت اِن شاءَ اللہ نہیں کہا تھا اور اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے کے تابع نہیں کیا تھا۔ اُن کا انجام یوں بیان ہوا:

فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّکَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ O فَاَصْبَحَتْ کَالصَّرِیْمِ O (القلم: ۱۹، ۲۰)
''سو اُس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے، تو وہ (باغ) کٹے ہوئے کھیت کی طرح رہ گیا۔'' (۱۹، ۲۰ : ۶۸)

(VI) اسلامی سماج میں منشیات اور مخدرات (Narcotics) کی کوئی گنجائش نہیں:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ O (المائدۃ : ۹۱)

''شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں دشمنی اور کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے' سو اب بھی تم باز آؤ گے؟'' (۵ : ۹۱)

اصحابِ نبی جو آیت کے مخاطبِ اوّلیں تھے' اس حکم کے سنتے ہی پکار اُٹھے کہ ہم باز آ گئے' ہم باز آ گئے۔ یہ بارگاہِ نبوّت اور عرب کے اُس اُمّی حکیم کا کیسا ڈسپلن تھا کہ دَم کے دَم میں بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں' جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا۔ اکبرالہ آبادی نے سچ کہا ہے۔

خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ۔۔۔ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

خانہ داری سے متعلق چند اور روحانی اور حفظانِ صحت کے حقائق

(۱) نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو تاکیدی نصیحت کی کہ وہ پَو پھٹتے ہی اپنے کام کاج میں مصروف ہو جایا کریں۔ یہ عمل اس اصول پر دائمی پابندی کرنے والے کے لئے برکاتِ الٰہی کے نزول اور رزق میں فراخی کا سبب بنے گا۔

(۲) کسی بھی مہمان کے آنے پر قطع نظر اُس کے خونی رشتے' مذہب اور نسل کے اُس کا پورا احترام و اعزاز کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے :

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو' اُسے اپنے مہمان کا اِکرام کرنا چاہئے۔''

(۳) **بچوں کو لوری دینا (Lullaby) --- سنتِ نبوی اور جدید سائنس:** بچوں کو لوری دینے کے بہت سے فوائد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ہمشیرہ حضرت شیما رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ذیل کے شعر کے ساتھ میٹھی اور مترنم لوری دیا کرتی تھیں :

ھٰذَا اَخٌ ''لِّیْ لَمْ تَلِدْہُ اُمِّیْ ۔۔۔ لَیْسَ مِنْ کَسَلِ اَبِیْ وَاُمِّیْ

(''حضور اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' --- ڈاکٹر حمید اللہ)

''عالمی ادارہ صحت (World Health Organisation:WHO) کی تحقیق کی رُو سے لوری بچوں کی نہ صرف صحتمند نیند کا باعث بنتی ہے بلکہ اُن کا مستقبل بھی سنوارتی ہے۔ جو بچے ماں کی شفقت اور قربت کے سائے میں نیند کرتے ہیں' وہ اکیلے سونے والے بچوں کے مقابلے میں بڑے ہو کر سلجھے ہوئے اور ذہین انسان بنتے ہیں۔ ماں کے ساتھ سونے والا بچہ خود کو زیادہ محفوظ خیال کرتا ہے اور ماں کے بغیر سونے والے بچے احساسِ کمتری کا شکار ہو

جاتے ہیں جبکہ ماں کے ساتھ سونے والے بچے پُر اعتماد اور نڈر ہوتے ہیں'' (میڈیکل سروے۔۔امریکہ بحوالہ ''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' ۔۔حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد دوم' صفحات ۱۴۵'۱۴۶)

(۴) ''گھر کا جھاڑو اور صفائی۔۔سنتِ نبوی اور جدید سائنس: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے خود جھاڑو دیا کرتی تھیں۔ اسلامی تعلیمات اس بات کا درس دیتی ہیں کہ عورت اپنے گھر کے کام کاج وصفائی کو خود انجام دے اور اسلام نے ایسی عورت کو پسند بھی فرمایا ہے۔''جو عورت اپنے خاوند کے گھر میں جھاڑو دیتی ہے' ایسا ہے گویا کہ وہ خانہ کعبہ میں جھاڑو دے رہی ہے۔'' (انیس الواعظین) ''جدید سائنس گھر کے جھاڑو کے بارے میں کیا کہتی ہے' آیئے زیرِ نظر مضمون میں ملاحظہ کریں:

''یہ علاج دیگر Therapies اور اَدویہ سے بہتر ہے۔ نوّے فیصد مریض پندرہ دن میں ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ہاتھوں' بازوؤں اور کندھوں کے درد میں مبتلا ہیں تو سب دوائیں چھوڑ کر اپنے گھر کے فرش کی رگڑ رگڑ کر صفائی کریں۔ آپ کا درد حیرت انگیز طور پر چند دنوں میں رفع ہو جائے گا۔ یہ علاج اَدویہ اور دیگر جسمانی ورزشوں اور مشقوں سے زیادہ مفید ہے۔ ہل یونیورسٹی کے ایسوسی ایٹ کلینیکل پروفیسر ڈاکٹر ایچ کرک واسٹن کے مطابق یہ علاج وہ گزشتہ پندرہ برس سے کر رہے ہیں جس میں پندرہ دن تک فرش کی رگڑ رگڑ کی صفائی کرنے والے نوّے فیصد مریض صحتیاب ہوئے۔'' (''ہیومن اینڈ سائنس'' بحوالہ ''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' جلد دوم' صفحہ ۲۷۰)

(۵) ''باورچی خانے کی مصروفیت: امورِ خانہ داری کی انجام دہی صحابیات اور اُمّہات المؤمنین میں بھی تھی۔ جدید سائنس اس ضمن میں کیا کہتی ہے' ملاحظہ فرمائیں:

''باورچی خانے کی مصروفیت خواتین کو بے شمار دماغی اور جسمانی اَمراض سے بچا لیتی ہے۔ اس امر کا انکشاف کھانوں کے عالمگیر مقابلے میں اوّل انعام حاصل کرنے والی خاتون ڈاکٹر اوشا نے کیا۔ ڈاکٹر اوشا کے مطابق باورچی خانے کے کام عورت کو اس قدر مصروف رکھتے ہیں جس سے وہ منفی سوچوں اور کاہلی سے بچ جاتی ہے۔ نیز باورچی خانے میں کھانوں کی تیاری کے مراحل کے دوران عورت اپنی پوری حسیّت کو استعمال کرتی ہے جس سے اُس کے جمالیاتی ذوق کو تسکین بھی ملتی ہے اور اُس میں اضافہ بھی ہوتا ہے تاہم ہر وقت باورچی خانے میں رہنے سے اُن کی خوبصورتی اثر انداز ہوسکتی ہے۔'' (''پیرا سائیکالوجی کے کرشمات'' بحوالہ ''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' جلد دوم' صفحہ ۳۷۷)

(۶) بچوں کی اچھی پرورش کے مفید نکات: ''بچہ یا بچی دونوں ہی اللہ کی طرف سے والدین کے لئے نعمت ہیں اور دونوں کی پیدائش پر خوشی منانا چاہئے۔ بیٹی کو منحوس نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ تو اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے اور بیٹی سے محبت کرنا رسولِ کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد اُسے نہلا دھلا کر پاک و صاف کر کے کپڑے پہنائے جائیں۔ پھر اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے تاکہ بچے کے کان میں سب سے پہلے اللہ کا نام پہنچے۔ اذان کہنے سے بلائیں بھی دُور ہوتی ہیں۔ اذان اور اقامت کے بعد

اُسے کوئی بھی غذا ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق کسی عالمِ بزرگ، متقی و پرہیز گار مرد یا عورت کے ہاتھ سے دی جائے۔ پیدائش سے ساتویں دن اُس کے سر کے بال اتار کر اُس کے وزن کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کیا جائے اور اُس کے سر پر زعفران ملی جائے۔ اس کے بعد بچے کا اچھا سا نام رکھا جائے۔ یہ بات یاد رہے کہ جب کسی بچے کا نام مکرم ومحترم شخصیات کے نام پر رکھا جائے تو اُس نام کو بگاڑا نہ جائے بلکہ اُس کا ادب واحترام ضروری ہے۔ بچے کی پیدائش کی خوشی میں غیر شرعی کاموں از قسم رقص وسرود اور گانے بجانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ پیدائش کے ساتویں روز بچے کا عقیقہ کرنا سنت رسول سے ثابت ہے۔ اگر ساتویں دن نہ کر سکیں تو جب چاہیں کر سکتے ہیں، سنت ادا ہو جائے گی۔ عقیقہ کرنے سے بچے کی زندگی میں جو مصیبتیں، بلائیں آنے والی ہوتی ہیں، وہ سب ٹل جاتی ہیں۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ جب بچہ بولنے کے قابل ہو جائے تو سب سے پہلے اُسے اللہ کا نام سکھایا جائے۔ پھر جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جائے اور اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو اُسے سب سے پہلے ناظرہ قرآن پڑھائیں اور اگر ہو سکے تو حفظِ قرآن کے اُسے عالمِ دین بنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دلوائیں ورنہ کم از کم ناظرہ قرآن پاک اور بنیادی دینی تعلیم کے بعد اُسے دنیاوی تعلیم کے لئے سکول میں داخل کرا دیں کیونکہ بنیادی دینی تعلیم کے بغیر سکول کی تعلیم زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ بچوں کو شروع ہی سے اسلامی اور قومی لباس پہنائیں۔ لڑکوں کو لڑکوں والا اور لڑکیوں کو لڑکیوں والا لباس پہنائیں اور اس کا الٹ نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نماز کا حکم دیں اور جب بارہ برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اُسے ڈانٹیں۔ اگر ضرورت ہو تو اُس اس طرح مار بھی سکتے ہیں کہ اُس کے جسم پر نشان نہ پڑے۔ جب بچہ سمجھ دار ہو جائے تو اُس کا بستر اپنے بستر سے الگ کر دیں۔'' (ماہنامہ ''مؤمن'' لاہور فروری ۲۰۰۵ء)

'' بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کو حق پرست، راست گو، راست کردار، خوش اَخلاق، تندرست، بہادر اور اسلام کا خادم بنانا ہمارا فرض ہے۔ بچوں میں یہ خوبیاں پیدا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ اس قدر محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے کہ وہ آپ کی محبت کے عادی اور بھوکے ہو جائیں اور اس بات سے ہمیشہ گھبرائیں کہ اُن کے کسی کام یا بُری عادت کی وجہ سے آپ کی محبت اور شفقت اُنہیں نہیں ملے گی۔ دیگر اہم طریقے اور تجاویز درجِ ذیل ہیں:

(i) بچوں کو کہنا ماننے کی عادت ڈالیں اور یہ سکھائیں کہ آپ کی ہر بات کے جواب میں وہ ''جی ہاں'' یا ''بہت اچھا'' کہنے لگیں۔ (ii) بچوں کو سمجھانے کے لئے ''نہ'' کا انداز اختیار نہ کریں۔ مثلاً جھوٹ بولنے سے روکنا ہو تو یوں نہ کہیں کہ جھوٹ نہ بولا کرو بلکہ یوں کہا کریں کہ ہمیشہ سچ بولا کرو۔ (iii) جہاں تک ممکن ہو چھوٹے بچے کو دیر تک ہرگز نہ رونے دیں۔ رونے کی وجہ معلوم کر کے اُس وجہ کا ازالہ کریں۔ اگر بچے کو زیادہ دیر تک رونے دیا جائے گا تو یہ عادت رفتہ رفتہ ضد کی صورت اختیار کر لے گی اور مشکل سے ختم ہو گی۔ (iv) چھوٹے بچوں کو ضد کی عادت سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کی بات فوراً مان لی جائے۔ اگر کوئی بات پوری نہ ہو سکے تو اُن کا خیال کسی اور طرف بدل دینا چاہیے۔ (v) بچوں سے اتنا لاڈ پیار نہ کریں جس سے وہ سر پر چڑھ جائیں اور دوسروں کے لئے پریشانی کا موجب بنیں۔ (vi) بچوں میں اسلامی اقدار اور اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کے جذبات پیدا کئے جائیں کہ یہی مسلمان کا شعار اور رب کے حضور سرخرو ہونے کا ذریعہ ہے (بحوالہ سورۃ التحریم آیت ۶)۔'' (ماہنامہ ''مؤمن'' جون ۲۰۰۳ء)

(۲۶) باغبانی (Horticulture)

چونکہ پھل اور فروٹ انسانی غذا کا ہمیشہ نمایاں حصہ رہے ہیں اور اُمّتِ مسلمہ کو بھی ان سے حظ اندوز ہونے میں استثناء حاصل نہیں' اس لئے قرآن مجید نے اُن کی فنِ باغبانی اور نخل بندی میں گہری دلچسپی لینے اور اس شعبہ میں تحقیقاتی ترقی کی حوصلہ افزائی کی ہے تاکہ وہ اعلیٰ معیار و مقدار میں پھل حاصل کرسکیں۔ اپنی مختلف شکلوں میں موجودہ فنِ باغبانی اور نخل بندی اِسی شوق کا نتیجہ ہے جو قرآن مجید کی ترغیب و تحریص دلانے والی خوبصورت آیات نے حضرتِ انسان کو دلایا ہے۔ اُن آیات میں سے چند ایک ہدیہ ناظرین ہیں :۔

(۱) وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ O (الانعام : ۱۴۱)

''اور وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے باغ پیدا کئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ اُن کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ (بھی)' اُس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل دے اور اُس کا حق (شرعی) اُس کے کاٹنے کے دن ادا کردیا کرو اور حد سے باہر نہ نکلو' بے شک اللہ کو حد سے باہر نکلنے والے پسند نہیں۔''

مشرکینِ عرب کا سب سے بڑا اِسراف (حدود سے نکل جانا) یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں اور دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔

(۲) یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (اَلنّحل: ۱۱)

''اور وہ اُسی (بارش کے پانی سے) تمہارے لئے کھیتی' زیتون' کھجور' انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔''

(۳) وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ O (اَلنّحل: ۶۵)

''اور اللہ نے اوپر سے پانی اتارا' پھر اُس سے زمین کو اُس کے مُردہ (خشک) ہونے کے بعد زندگی بخشی' بے شک اِس میں اُن لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سنتے ہیں۔'' (۱۶ : ۶۵)

(۴) وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ O (الحج : ۵)

''(اے مخاطَب!) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے' پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔'' (۲۲ : ۵)

(۵) اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (اَلنّمل : ۶۰)

۱۹۴۶ (فن باغبانی --Horticulture)

"اُس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارااور اُس کے ذریعہ سے ہم نے بارونق باغ اُگائے' ممکن نہ تھا کہ تم اُن درختوں کو اُگاؤ۔" (۲۷ : ۶۰)

(۶) وَآيَةٌ" لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ O وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ O (يٰسٓ :۳۳، ۳۴)

"اور اُن کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے' ہم نے اُسے زندہ کیا اور اس میں سے غلّے نکالے' سو اُن میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اُس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اُس (زمین) میں چشمے جاری کردئے۔" (۳۳، ۳۴ : ۳۶)

(۷) فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا O وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا O وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا O وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا O وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا O مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ O (عَبَس : ۲۷ تا ۳۲)

"پھر ہم نے اُس میں غلّہ اُگایا' اور انگور اور ترکاری' اور زیتون اور کھجور' اور گنجان باغ اور میوے اور چارے' تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے اُگائے۔" (۲۷ تا ۳۲ : ۸۰)

گویا نباتیات کا یہ سارا نظام انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لئے ہے۔ یہ اور اِس قسم کی دوسری قرآنی آیات انسان کی توجّہ کو مختلف پھلوں کے اُگانے اور عمدہ باغات کے لگانے کی طرف مبذول کرتی ہیں جو کھجور اور زیتون جیسے پھلوں سے لدے ہوئے ہوں۔ اِن قرآنی آیات میں انگور اور انجیر جیسے توجّہ اور احتیاط طلب باثمر درختوں کی اور کھیتوں اور چراگاہوں کی بھی ترغیب ہے جن میں جانوروں کے لئے انواع و اقسام کے چارے ہوں۔ اس طرح ایسی قرآنی آیات نے سبزیوں اور پھلوں کی متعدّد اقسام پیدا کرنے کے ذریعے باغبانی کی صنعت کو ترقی دینے میں خاصا کردار ادا کیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ فنِ باغبانی صرف پھلوں اور سبزیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام قسم کے پھولوں کی کاشت کا بھی یہ فن احاطہ کرتا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے حضرتِ انسان کو نہ صرف غلّہ' اناج' دانے' چاول اور مختلف پھل اُگانے کی تحریک وتحریص ملی بلکہ اُن چیزوں کے اُگانے کا بھی شوق پیدا ہوا جو اُس کے ذوقِ جمالیات کی تسکین کا باعث اور حسن و جمال کا منبع تھیں۔ لہٰذا فصلوں اور پھلوں کے اُگانے کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم نے ہر قسم کے پھول اُگانے کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ باغاتِ جنّت کے قرآنی بیان نے مسلمانوں میں اپنے باغوں کو اُس نہج پر اُگانے اور قائم کرنے میں ایک حقیقی نقش گری مہیا کی' جس کے لئے اپنی باغبانی کو اُن خطوط پر تشکیل کرنے میں اُنہیں خاصی محنت کرنا پڑی۔ ذیل کے قرآنی بیانات کی تطبیق میں اُنہوں نے بڑے محتاط انداز میں اپنے باثمر اور بے ثمر درختوں کا اہتمام کیا جنہیں مسلسل پانی ملتا رہے:

(۱) اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ O هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ O لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ" وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ O (يٰسٓ : ۵۵ تا ۵۷)

"بیشک اہلِ جنت اُس دن اپنے مشغلہ میں خوش دل ہوں گے۔ وہ اور اُنکی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اُن کے لئے میوے اور وہ (سب کچھ) ہوگا جو وہ مانگیں گے۔"

(۲) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَالْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَار" مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَاَنْهَار" مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُه' وَ اَنْهَار" مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَ اَنْهَار" مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَة" مِّنْ رَّبِّهِمْ (مُحمّد : ۱۵)

"جس جنت کا مؤمنوں سے وعدہ کیا گیا ہے' اُس کی کیفیت یہ ہے کہ اُس میں متغیر نہ ہونے والے پانی کی نہریں ہوں گی' اور ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی نہریں ہوں گی' اور پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ شراب کی نہریں ہوں گی اور صاف شہد کی نہریں ہوں گی اور وہاں اُن کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اُن کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی۔'' (۴۷ : ۱۵)

''یہ اور اس قسم کی دوسری آیاتِ قرآنی نے دُنیائے اسلام میں فنِ باغبانی کو حقیقی طور پر پروان چڑھایا اور باغبانی کی سائنس میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کرنے میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اِن آیات نے مویشی بانی (Animal Husbandry) کو بھی تحریک و تحریص دی جس کا زراعت کے شعبے سے قریبی اور ناقابلِ جدا تعلق ہے۔''

''یہاں اس بات کا ذکر کر دینا اہم ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کے لئے اپنے باغ کی پیداوار کا کچھ حصہ معاشرہ کے تباہ حال اور محروم القسمت طبقہ کے لئے مخصوص کر دینے کو ضروری سمجھتا ہے اور اُن کا یہ عمل اپنے اُس منعمِ حقیقی کو ہدیہ تشکر پیش کرنے کے لئے ہے جس نے اُنہیں اتنی کثیر پیداوار سے سرفراز فرمایا اور اس حکمِ الٰہی کی تعمیل بھی ہوگی: کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَآتُوْا حَقَّه' یَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام : ۱۴۱)

''اُس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل دے اور اُس کا حق (شرعی) اُس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو۔''

قرآنِ حکیم اُن لوگوں کو غضبِ الٰہی کی وعید سناتا ہے جو خود غرض' بخیل اور اپنے پروردگار کے ناشکرے ہیں اور باغ کی پیداوار کو کونے میں لگا کر الگ تھلگ کر لیتے ہیں اور اس طرح مستحق اور غریب طبقے کے جائز حقوق کا غاصبانہ استحصال کرتے ہیں یا وہ جو نخوت زدہ ہیں اور اُنہیں اپنی دولتمندی پر غرور ہے۔ اپنے غریب بھائیوں کے حق میں وہ مغرور ہیں' اُن کے احساسات کو مجروح کرنے کے وہ عادی ہیں اور ہمیشہ اپنی دولتمندی کے گن گاتے رہتے ہیں۔ دوسروں کو نامراد کرنے میں وہ خود نامراد ہو جاتے ہیں:۔

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلاً رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًاO کِلْتَاالْجَنَّتَیْنِ آتَتْ اُکُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا وَّفَجَّرْنَاخِلٰلَهُمَا نَهَرًاO وَّکَانَ لَه' ثَمَر" فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ یُحَاوِرُه' اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالاًوَّاَعَزُّ نَفَرًاO وَ دَخَلَ جَنَّتَه' وَ هُوَظَالِم" لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖ اَبَدًاO وَّمَآاَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًاO قَالَ لَه' صَاحِبُه' وَ هُوَیُحَاوِرُه' اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلاًO لٰکِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِرَبِّیْ اَحَدًاO وَ لَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْکَ مَالاً وَّوَلَدًاO فَعَسٰی رَبِّیْ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا

مِّنۡ جَنَّتِكَ وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا زَلَقًاO اَوۡ يُصۡبِحَ مَآءُ هَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًاO وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًاO وَ لَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًاO (الکھف : ۳۲ تا ۴۳)

"اور اُن سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور اُنہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے اُن دونوں کے درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی اور ہم نے اُن دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اُس (شخص) کے پاس اور بھی تموّل تھا' سو اُس نے اپنے ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ اور مجمع میں بھی غالب ہوں۔ اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو اور میرا یہ خیال نہیں کہ قیامت (کبھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پالنہار کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اِس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا۔ (اس پر) اُس کا وہ ساتھی اس سے گفتگو کرتے ہوئے بولا: ارے کیا تو اُس (ذات) کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے (تجھے بنایا)' پھر تجھے صحیح و سالم آدمی بنایا لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور تو جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہے (وہی ہوتا ہے) اور کسی میں سوائے اللہ (کی مدد) کے کوئی قوّت نہیں اور اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پالنہار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے اور (تیرے) اُس (باغ) پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتار دے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر رہ جائے' یا اُس سے اُس کا پانی بالکل اندر اُتر جائے پھر تو اُس کی کوشش بھی نہ کر سکے۔ اور اُس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے ہاتھ مَلتے رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اُس نے اُس (باغ) پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ اور کوئی گروہ اُس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ ہم سے بدلہ لے سکا۔" (۳۲ تا ۴۳ : ۱۸)

درج بالا آیات میں ایک مادیّت گزیدہ ذہنیت کی بڑی خوبصورتی سے عکاسی کی گئی ہے۔ آیاتِ مذکورہ سے **چند مفید نکات** مستنبط ہوتے ہیں: (۱) جو انسان کفر' فسق' ناشکری یا غرور و تکبر کرتا ہے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ ان بُری حرکتوں سے خود اُس کا اپنا نقصان ہوتا ہے جیسا کہ ظَالِمٌ "لِّنَفۡسِهٖ" سے معلوم ہوتا ہے۔ (۲) رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا بطور تحدیثِ نعمت اچھا کام ہے لیکن تکبر و غرور اور اپنی بڑائی اور شان و شوکت کے لئے یا دوسروں کو ذلیل کرنے یا سمجھنے کے لئے' اپنی دولتمندی اور صاحبِ اولاد ہونے کا چرچا کرنا کفر و ظلم ہے۔ معلوم ہوا کہ الفاظ کا دار و مدار قلبی نیّت پر ہے۔ (۳) بدعملی کر کے اچھے بدلے کی اُمید رکھنا طریقہِ کفار ہے جیسا کہ لَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ (اگر میں اپنے رب کی طرف پہنچایا گیا) سے معلوم ہوا۔ (۴) بارگاہِ الٰہی میں اکڑ' پھکڑ' سیاست' چالاکی اور

فریب کاری نہیں چلتی وہاں تو عجز کے سجدے' انکساری کی دعائیں اور مسکینیت کی فریادیں اور گڑگڑا کر رونے ہی سے کام بنتا ہے۔(۵) دولتمندی کو عطیہ ربانی سمجھنے کی بجائے اپنی محنت اور ذہانت کا نتیجہ سمجھنا شرک ہے نیز قیامت کا انکار اور یہ کہنا کہ یہ کھیت کھلیان کبھی برباد نہ ہوں گے' یہ اللہ کو عاجز ماننے کے درجہ میں ہے اور عاجز بندوں کے ساتھ رب کو بھی عجز میں شریک کرنا ہے اس لئے یہ عقیدہ اور گمان شرک ہوا۔(تفسیر نعیمی' ج ۱۵' ص ص ۶۱۳' ۶۲۳)

(۲) إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَO وَلَا يَسْتَثْنُونَO فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَO فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِO فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَO أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَO فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَO أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌO وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَO فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَO بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَO قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَO قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَO فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَO قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَO عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَO كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَO (القلم: ۱۷ تا ۳۳)

''ہم نے اُن (مشرکینِ مکّہ کے خوشحال اور خوش عیش طبقہ) کی آزمائش کر دی ہے جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جبکہ اُن لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اُس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے اور اُنہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا تھا۔سو اُس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے' تو وہ (باغ) کٹے ہوئے کھیت کی طرح رہ گیا۔پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔غرض وہ آپس میں باتیں چپکے چپکے کرتے ہوئے چلے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے اور اپنے کو اِس نہ دینے پر قادر سمجھے۔تو جب اُس (باغ) کو دیکھا تو بول اُٹھے کہ یقیناً ہم راستہ بھول گئے' نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔اُن میں سے ایک سیانے نے کہا کہ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے وہ لوگ بولے کہ ہمارا پالنہار پاک ہے' بے شک ہم ہی قصوروار ہیں۔پھر وہ باہم الزام دیتے ہوئے ایک دوسرے سے مخاطب ہوئے (پھر سب بولے) ہائے ہماری شامت کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے! شاید کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر (باغ) بدلہ میں دے دے' ہم تو (اب) اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے' کاش یہ لوگ (اُسے) جان لیتے۔'' (۱۷ تا ۳۳ : ۶۸)

یہ باغ جہاں کہیں بھی ہو' اہلِ عرب اس کی تلمیح سے خوب واقف تھے۔بیان شدہ قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو اہلِ غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں اور اہلِ حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں' وہ آخر خود ہی خسارہ میں رہتے ہیں کیونکہ یہ باغ والے خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کے ساتھ ساتھ مسکینوں' محتاجوں کو اُن کا حصّہ دینے کے بھی روادار نہ تھے۔

(۶۷) مہمان نوازی (Hospitality)

''بالخصوص اپنے گھر میں مہمانوں اور اجنبیوں سے دوستانہ اور فیاضانہ سلوک کرنا مہمان نوازی کہلاتا ہے۔''
(Oxford Advanced Learner's Dictionary, p. 575)

مہمان نوازی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: جدُّ الانبیاء جنابِ ابراہیم علیہ السلام اپنی حد درجہ مہمان نوازی میں مشہور و معروف تھے اور یہ قابلِ ستائش اَخلاقی خصوصیت آپ کے کردار کا نمایاں پہلو تھی۔ آپ ہمیشہ مہمان کے ساتھ مل کر ہی کھانا کھاتے تھے۔ جس دن آپ کے درِ دولت پر کوئی مہمان نہ آتا تو خود بازار جا کر کسی آدمی کو' خواہ وہ اجنبی ہی ہوتا' اپنے ہمراہ کرتے اور اُسے اپنا مہمان بنا کر اس کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ آپ کی مہمان نوازی کا ذکر سورہ ھُود کی آیات ۶۹' ۷۰' سورۃُ الحِجر کی آیات ۵۱ تا ۵۵ اور اَلذّاریٰت کی آیات ۲۴ تا ۲۸ میں کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ھُود کی آیت ۶۹ میں فرمایا:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ'' فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍO

''اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے' وہ بولے: آپ پر سلام ہو۔ ابراہیم نے کہا (تم پر) سلام' پھر دیر نہیں لگائی کہ آپ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے۔'' (۱۱ : ۶۹)

فَمَا لَبِثَ (زیادہ دیر نہیں لگائی) کا لفظ مہمان نوازی کے آداب سکھا رہا ہے کہ مہمان کو جلدی کھانا پیش کیا جائے اور جو چیز فوراً دستیاب ہو' اُسے پیش کر دیا جائے اور اُس کے بعد دیگر لوازمات تلاش کئے جائیں اگر اُس کی دسترس میں ہوں اور زیادہ تکلفات کر کے اپنے آپ کو ضرر اور مشقت میں نہ ڈالا جائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گائے کا بچھڑا اس لئے لائے تھے کہ ان کے اموال میں زیادہ تر گائیں تھیں۔ مہمان نوازی مکارمِ اخلاق' آدابِ اسلام اور انبیاء و صلحاء کی سنتوں اور اُن کے طریقوں میں سے ہے۔

مہمان نوازی اور امام الانبیاء ﷺ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ کے اتباع میں ہم اپنے محبوب نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں اپنے جدّ امجد جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی فیاضانہ مہمان نوازی کی اسی خصوصیت کو دیکھتے ہیں۔ چونکہ آپ ﷺ تمام نوعِ انسانی کی طرف مبعوث ہوئے اور اُن سب کو آپ نے صراطِ مستقیم پر لانے کا فریضہ انجام دینا تھا' سو اس لحاظ سے آپ کے خالق و مالک نے اپنی حکمتِ کاملہ کی رُو سے یہ چاہا کہ آپ کو قطع نظر رنگ و نسل اور مذہب کے ہر کہ و مہ کے لئے دریا دل اور فیاض مہمان نواز بنایا جائے خواہ وہ مہمان نوازی آپ کی جسمانی ضرورت کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔

دعوائے نبوّت سے پہلے بھی آپ اپنی مہمان نوازی میں اور مفلس و ناداروں اور مجبور و مظلوموں کی مدد کرنے میں مشہور و معروف تھے۔ لیکن نبوّت و رسالت کے منصبِ رفیع پر فائز ہونے کے بعد آپ کی مہمان نوازی اور بھی زیادہ ہو گئی۔ فتح مکّہ کے بعد غیر ملکی حکمرانوں کے قاصد اور سفیر' اور تمام ملکِ عرب کے مختلف قبیلوں اور طبقوں کے وفود مدینہ

منوّرہ میں آنا شروع ہوئے۔ قدرتی طور پر اس چیز نے مہمان نوازی اور خاطر تواضع کو بہت حد تک ترقی دی۔ اِن تمام وفود اور مہمانوں کا استقبال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ نفسِ نفیس خود فرماتے تھے۔ اب ملکِ عرب کا غیر متنازعہ حکمران اور فرمانروا ہونے کے باوجود آپ نے رضا کارانہ طور پر اپنے آپ پر فقر وغربت کو عائد کرلیا تھا اور اِسی وجہ سے ان مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے اپنے صحابہ کرام سے ادھار لینا پڑتا تھا۔ بعض اوقات ہم آپ کو کھانا خرید کرنے کے سلسلے میں رقم ادھار لینے کے لئے اپنی زرہ بکتر دکانداروں کے پاس گروی رکھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ تمام مالی مجبوریوں اور رکاوٹوں کے باوجود آپ کو کبھی بھی اِن مہمانوں کی بہترین طور پر خاطر تواضع کرنے میں دست کش اور سست نہیں دیکھا گیا اگرچہ اکثر ایسا بھی ہوا کہ آپ کو اور آپ کے اہلِ خانہ کو اِن مہمانوں پر سب کچھ خرچ کردینے کی وجہ سے رات بھر بھوکا رہنا پڑا۔

<u>مہمان نوازی سے متعلق احادیثِ نبویہ</u>: اپنے پیروکاروں کو مہمان نوازی کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

(۱) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَه' (صحیح بخاری: کتاب الادب' باب: من کان یؤمن باللّٰہ ؛ صحیح مسلم: کتاب الایمان' باب الحث علی اکرام الجار و الضیف)

"جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' اُسے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔"

مہمان کی تعظیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے اُس کا استقبال کیا جائے' حسبِ استطاعت اور خوش دلی سے اُس کی مہمان نوازی کی جائے اور اُس کے آرام وراحت کا خیال رکھا جائے۔

(۲) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَه' جَائِزَتَه' قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُه' يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يَوْمُه' وَلَيْلَتُه' وَالضِّيَافَةُ ثَلاَثَةُ اَيَّامٍ فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَصَدَقَةٌ" عَلَيْهِ (صحیح بخاری: کتاب الآداب' باب: اکرام الضیف وخدمته ایّاہ ؛ صحیح مسلم : کتاب اللُّقطة باب الضیافة)

"جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' تو اُسے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اُس کا حق ادا کرنا چاہئے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اُس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ایک دن اور ایک رات (یعنی اس میں اپنی طاقت کے مطابق بہتر کھانا تیار کرے) اور مہمان نوازی تین دن ہے' پس جو اس کے علاوہ ہو' وہ صدقہ ہے۔"

اِس حدیث میں مہمان نوازی کے مزید آداب وحدود کی وضاحت ہے کہ پہلے دن اور رات عمدہ کھانے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد دو دن مزید معمول کے مطابق مہمان نوازی کی جائے۔ تین دن کے بعد مہمان کو چاہئے کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ تاہم اگر وہ نہ جائے تو اُس کے بعد کی مہمان نوازی بطور صدقہ ہوگی۔

(۳) لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُّقِيْمَ عِنْدَ اَخِيْهِ حَتّٰى يُؤْثِمَه' قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُؤْثِمُه'؟ قَالَ: يُقِيْمُ عِنْدَه' وَلَا شَيْءَ لَه' يَقْرِيْهِ بِهٖ (ایضًا)

"کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس (اتنا زیادہ) ٹھہرے حتّٰی کہ اُسے

گنہگار کردے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ اُسے گنہگار کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ اُس کے پاس (اِس قدر) ٹھہرا رہے کہ اُس کے پاس کوئی چیز نہ رہے جس کے ساتھ وہ اُس کی مہمان نوازی کرے۔''

''تین دن سے زیادہ مہمان کا ٹھہرنا اس لئے حرام ہے کہ میزبان اُس کی ضیافت کے لئے کسی ناجائز ذریعہ کو تلاش نہ کرے یا تنگ آکر مہمان سے کوئی ناجائز بات نہ کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ مہمان کے لئے تین دن سے زیادہ قیام کرنا اُس وقت حرام ہے جب اُسے یہ علم ہو کہ میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ اُسے کھلانے کے جائز وسائل نہیں ہیں اور اس کی وجہ سے میزبان کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا۔ تین دن سے زیادہ کی مہمان نوازی ضرورت مند پر صدقہ ہے اور جو غنی ہو اُس کے لئے میزبان کی رضا اور خوشی کے بغیر مزید قیام کرنا حرام ہے۔''
(''تبیان القرآن'' ---علامہ غلام رسول سعیدی' جلد پنجم' صفحہ ۵۸۷)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے:
''جس گھر میں مہمان کو کھانا کھلایا جاتا ہے' اُس میں خیر اور بھلائی اِس سے بھی زیادہ جلدی سے آتے ہیں جتنی جلدی سے اونٹ کی کوہان پر چھری رکھی جاتی ہے۔''

مسلمان بھائی کی دعوت اور اُس کے آداب: (۱) مسلمان بھائی کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے ہاں اگر دعوت میں شراب نوشی' گانے بجانے' رقص و سرود اور جوئے وغیرہ جیسی غیر اسلامی باتیں ہوں تو دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔'' اگر یہ بات نہ ہو تو دعوت کا قبول کرنا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
لَوْدُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعِ شَاةٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْاُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ'' لَقَبِلْتُ (صحیح بخاری: کتاب الھبۃ)
''اگر مجھے بکری کے ایک پائے کے کھانے کی دعوت دی جائے' تو میں اُسے ضرور قبول کروں گا اور اگر بکری کا ایک بازو مجھے بطور ہدیہ بھیجا جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔''

(۲) دعوت میں صرف نیک اور پارسا لوگوں کو بلایا جائے اور عادی مجرموں اور اللہ کے باغیوں کو نہ بلایا جائے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو:
لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ'' (مسند احمد' سنن ابی داؤد' سنن الترمذی' صحیح ابن حبان' المستدرک للحاکم)
''مؤمن شخص کی مصاحبت اختیار کرو اور تمہارے کھانے میں صرف نیک و پارسا ہی شریک ہوں۔''

(۳) دعوت صرف خوشحال اور صاحب ثروت لوگوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہونی چاہئے بلکہ اُس میں غرباء' حاجتمندوں اور محروم القسمت لوگوں کو بھی بلایا جائے کیونکہ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کی ہدایات واضح ہیں:

۱۹۵۳ (مہمان نوازی ---Hospitality)

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى اِلَيْهَا الْاَغْنِيَاءُ دُوْنَ الْفُقَرَاءِ (بخاری، مسلم)
''بدترین کھانا اُس ولیمے کا کھانا ہے جس میں دولتمند بلائے جائیں اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔''

(۴) نبی اکرم ﷺ نے اُن لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا جو لوگوں کو اپنی سج دھج دکھانے اور نمود ونمائش کے لئے بلاتے ہیں۔ دعوت کی نیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ کی اتباع ہونی چاہیے اور مسلمان بھائیوں میں پیار ومحبت کے جذبات کو ترقی دینا اس کا غالب مقصد ہونا چاہیے۔'' (مسند احمد، ابوداؤد)

(۵) ''کسی ایسے شخص کو دعوت نہ دیں جس کا شریک ہونا مشکل ہو یا وہ کسی شریک ساتھی سے رنجیدہ ہوگا کیونکہ مؤمن کو ایذا دینا حرام ہے۔'' (''منہاج المسلم'' ابوبکر جابر الجزائری' اردو ترجمہ صفحہ ۲۱۶)

(۶) ''قبولِ دعوت میں دُور اور قرابت والے کا فرق نہیں ہونا چاہیے بلکہ جس کی دعوت پہلے آجائے' اُسے قبول کرلیا جائے اور دوسرے سے معذرت کرلی جائے۔'' (ایضاً)

(۷) ''(نفل) روزہ کی وجہ سے انکار نہ کیا جائے۔ اگر صاحبِ خانہ اُسے کھانا کھلانے میں خوشی محسوس کرتا ہے تو (نفل) روزہ افطار کردیا جائے' ورنہ اُس کے لئے دعائے خیر کردی جائے۔ صحیح مسلم میں یہ فرمانِ نبوی درج ہے :

اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ --- يَدْعُ --- وَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ
''جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو وہ قبول کرلے۔ اگر روزہ سے ہے تو دعا کردے اور اگر روزہ دار نہیں تو کھانا کھالے۔''

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا : تَكَلَّفَ لَكَ أَخُوْكَ وَتَقُوْلُ : اِنِّيْ صَائِمٌ" (تیرا بھائی تیرے لئے کھانے کا تکلف کر رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں روزہ سے ہوں!)

(۸) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ سنتِ مبارکہ ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد میزبان اپنے مہمان کو رخصت کرنے کے لئے گھر کی دہلیز تک چھوڑ آئے۔ (''شعب الایمان'' - بیہقی وابنِ ماجہ)

(۹) قبول ودعوتِ طعام میں اپنے ساتھی مسلمان کی عزت وتوقیر مطلوب ہونی چاہیے تاکہ ثواب ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھی نیت سے مباح کام کو اطاعت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے جس پر مؤمن اجر کا مستحق ہوجاتا ہے۔

(۱۰) مہمانوں کے لئے میزبان کو زیادہ دیر انتظار کرانا نہیں چاہیے اور نہ ہی اُن کے لئے وقتِ مقررہ سے پہلے میزبان کے ہاں پہنچ جانا جائز ہے۔ میزبان کے لئے دونوں صورتیں پریشانی کا باعث بن سکتی ہیں لہٰذا اُن سے بچنا چاہیے۔

(۱۱) "اندرونِ خانہ آنے کے بعد مہمان تواضع و انکساری کے ساتھ بیٹھ جائیں اور میزبان جہاں بٹھائے' وہیں بیٹھ جائیں۔ کسی اور جگہ پر نہ بیٹھیں۔"

(۱۲) "میزبان مہمان کے لئے کھانا جلدی پیش کرے اس لئے کہ اس میں اس کی عزت و توقیر ہے اور شارع علیہ السلام نے مہمان کی عزت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔"

(۱۳) "سب مہمانوں کے فارغ ہونے سے پہلے کھانا یا برتن اُٹھانے میں جلدی نہ کی جائے۔"

(۱۴) "کفایت کے انداز سے کھانا پیش کیا جائے۔ تھوڑی چیز پیش کرنا بے مروّتی ہے اور زیادہ حاضر کرنا تصنّع اور بناوٹ ہے۔ دونوں ہی باتیں قابلِ مذمّت ہیں۔"

(۱۵) "مہمان خوش ہو کر جائے' کیونکہ یہ بات خوش خُلقی میں شامل ہے جس پر روزہ و قیام کا ثواب ملتا ہے۔"

(۱۶) "مسلمان کے پاس تین طرح کے بستر ہونے چاہئیں: اپنے لئے' اہلِ خانہ کے لئے' مہمان کے لئے اور چوتھا (برائے ریاء ہے جو کہ) ممنوع ہے۔" حدیث کا متن یہ ہے:

فِرَاش "لِلرَّجُلِ وَفِرَاش" لِلْمَرْأَةِ وَفِرَاش" لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطٰن (صحیح مسلم)

"سنتِ نبوی سے چند مثالیں: (۱) ایک آدمی نے خصوصی طور پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ کے ساتھ چار دیگر آدمیوں کو بھی بلا لیا۔ ایک اور آدمی جسے بلایا نہیں گیا تھا' اُن میں شامل ہو گیا۔ میزبان کے دروازے پر پہنچ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحبِ خانہ سے کہا کہ یہ آدمی ہمارے ساتھ آیا ہے۔ اگر آپ کا اس کا آنا پسند ہو تو وہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے۔ میزبان نے جواب دیا: یا رسول اللہ! اُسے بھی میں کھانے کی دعوت دیتا ہوں۔" (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

"(۲) آپ نے فرمایا کہ مشروبات پیش کرنے والا سب سے آخر میں مشروب پیئے۔" (ترمذی)

"(۳) ایک مرتبہ ملکِ حبشہ سے ایک وفد مدینہ منوّرہ آیا۔ نبی علیہ السلام نے خود اُن کی خاطر تواضع کی اور بہ نفسِ نفیس خود اُنہیں کھانا کھلایا۔"

"(۴) ایک مرتبہ ایک بدّو کافر حضور علیہ السلام کا مہمان بنا۔ نبی علیہ السلام کے ہاں سات بکریاں تھیں جن کے سارے دودھ کو یکے بعد دیگرے وہ بدّو پی گیا اور اُس رات آپ کے اہلِ خانہ کے لئے کچھ بھی نہ بچا لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ نے اُسے کچھ بھی نہ کہا۔" (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 8, pp. 191-193)

(۶۸) ھُود علیہ السلام

جنابِ ھُود علیہ السلام کو قومِ عاد کی طرف مبعوث کیا گیا۔

''قرآنِ عزیز میں ھُود علیہ السلام کا ذکر: قرآنِ عزیز میں حضرت ھُود علیہ السلام کا ذکر سات جگہ آیا ہے یعنی سورۃ الاعراف کی آیت ۶۵ میں' سورہ ھُود کی آیات ۵۰' ۵۳' ۵۸' ۶۰' ۸۹ میں اور سورۃ الشُّعراء کی آیت ۱۲۴ میں۔

''قرآنِ عزیز میں عاد کا ذکر: قومِ عاد کا ذکر اِن نو سورتوں میں ہوا ہے: الاعـــراف' ھُــود' المؤمنون' اَلشُّعراء' فُصِّلَت' اَلاحقاف' اَلذّاریٰت' اَلقَمر اور اَلحاقّۃ۔

''قومِ عاد کا تعارف: عاد' عرب کے قدیم قبیلہ یا اُممِ سامیہ کے صاحبِ قوّت و اقتدار افرادِ جماعت کا نام ہے۔ تاریخِ قدیم کے بعض یورپی مصنفین عاد کو ایک فرضی کہانی (Mythology) یقین کرتے ہیں مگر اُن کا یہ یقین بالکل غلط اور سراسر وہم ہے' اس لئے کہ جدید تحقیقات کا یہ مسلّم فیصلہ ہے کہ عرب کے قدیم باشندے کثرتِ افراد و قبائل کے اعتبار سے ایک باعظمت و سطوت جماعت کی حیثیت میں تھے جو عرب سے نکل کر شام' مصر اور بابل کی طرف بڑھے اور وہاں زبردست حکومتوں کی بنیادیں قائم کیں۔ اب فرق صرف اس قدر ہے کہ عرب ان باشندوں کو اُممِ بائدہ (ہلاک ہو جانے والی قومیں) یا عربِ عاربہ (خالص عرب) اور اُن کی مختلف جماعتوں کے افراد کو عاد' ثمود' طسم اور جدیس کہتے ہیں (''معجم البُلدان'' لیاقوت الحموی' جلد ۶' ص ۱۲۹) اور مستشرقینِ یورپ ''اُممِ سامیہ'' نام رکھتے ہیں۔ پس اصطلاحات و تعبیرات کے فرق سے حقیقت و واقعہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو جاتی۔ اس لئے قرآنِ عزیز نے اُنہیں عـادِ اُولیٰ کہا ہے (بحوالہ سورۃ النّجم: آیت ۵۰) کہ یہ واضح ہو جائے کہ عرب کی قدیم قوم بنو سام اور عادِ اُولیٰ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔''

''بعض اہلِ تحقیق کی رائے یہ ہے کہ ''عـرب'' دراصل غـرب (غین معجمہ کے ساتھ) تھا اور چونکہ اس کا جائے وقوع فرات کے غرب میں ہے اس لئے وہ آرامی قومیں (اُممِ سامیہ) جو کہ فراتِ غربی پر آباد تھیں' اوّل غرب اور پھر غین کے نقطہ کے سقوط کے بعد عرب کہلائیں۔ ان میں سے عرب کی وجہ تسمیہ جو بھی صحیح ہو' یہ حقیقت ہے کہ یہ مقام قدیم اُممِ سامیہ یا بدوی جماعتوں یا عاد کا مسکن تھا۔ اس لئے عاد بغیر کسی اختلاف کے عرب نژاد تھے اور لفظ ''عـاد'' عربی ہے نہ کہ عجمی جس کے معنیٰ عبرانی میں ''بلند و مشہور'' کے ہیں۔ قرآنِ عزیز میں عاد کے ساتھ اِرَم کا لفظ لگا ہوا ہے (بحوالہ سورۃ الـفجر: آیات ۶' ۷) اور اِرم (سام) کے معنیٰ بھی ''بلند و مشہور'' ہی کے ہیں۔ انہی عاد کو تورات کی غلط پیروی میں کہیں کہیں عمالقہ بھی کہا گیا ہے۔''

''عاد کا زمانہ: عاد کا زمانہ تقریباً دو ہزار قبل مسیح علیہ السلام مانا جاتا ہے اور قرآنِ عزیز میں عاد کو مِنۢ

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (بحوالہ سورۃ الاعراف : آیت ۶۹) کہہ کر قومِ نوح کے خلفاء میں سے شمار کیا ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شام کی دوبارہ آبادی کے بعد اُمم سامیہ کی ترقی عاد ہی سے شروع ہوتی ہے۔''

''عاد کا مسکن : عاد کا مرکزی مقام ارضِ اَحقاف ہے (بحوالہ سورۃ الاحقاف : آیت ۲۱)۔ یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے شرق میں عمان اور شمال میں ربع الخالی ہے مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اُن کی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصّہ حضرموت اور یمن میں خلیج فارس کے سواحل سے حدودِ عراق تک وسیع تھی اور یمن اُن کا دارالحکومت تھا۔''

''عاد کا مذہب : عاد بُت پرست تھے اور اپنے پیشرو قومِ نوح کی طرح صنم پرستی اور صنم تراشی میں ماہر تھے۔ تاریخ قدیم کے بعض ماہرین کہتے ہیں کہ اُن کے معبودانِ باطل بھی قومِ نوح کی طرح وَدّ، سُواع، یَغُوث اور نَسر ہی تھے۔ عاد اپنی مملکت کی سطوت و جبروت، جسمانی قوّت وصَولت کے غرور میں ایسے چکے کہ اُنہوں نے خدائے واحد کو بالکل بھلا دیا اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُنہی میں سے ایک پیغمبر حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ ''خلود'' کے ایک فرد تھے۔ سرخ وسفید رنگ کے اور وجیہ انسان تھے اور اُن کی ڈاڑھی بڑی تھی۔''

''حضرت ھُود علیہ السلام اور تبلیغِ اسلام : حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی عبادت کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم وجَور کرنے سے منع فرمایا مگر قوم نے ایک نہ مانی اور اپنے پیغمبرِ وقت کو سختی کے ساتھ جھٹلایا۔ وہ غرور وتکبر سے کہنے لگے: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (سورہ فُصِّلَتْ:۱۵) کہ ''آج دنیا میں ہم سے زیادہ شوکت و جبروت کا کون مالک ہے؟'' مگر حضرت ھود علیہ السلام مسلسل اسلام کی تبلیغ میں کوشاں رہے۔ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈراتے اور غرور وسرکشی کے نتائج بتا کر قومِ نوح کے واقعات یاد دلاتے۔ آپ اپنی تبلیغ اور پیغامِ حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دہراتے کہ میں تم سے کسی اجر وعوض کا خواہاں نہیں، میرا اجر تو خدا کے پاس ہے کیونکہ کوئی بھی رسول اور پیغمبر مال اور جاہ ومنصب کا طالب نہیں ہوا کرتا۔ اُس کے سامنے تو صرف ایک ہی نقطہ ہوتا ہے اور وہ ادائے فرض اور اپنے مالکِ حقیقی کے احکام کی پیغامبری ہے۔''

''قومِ عاد میں ایماندار اور سلیم الفطرت تو چند ہی تھے۔ باقی تمام سرکش اور باغی انسانوں کا گروہ تھا جنہیں حضرت ھود کی یہ نصیحتیں سخت شاق گزرتی تھیں اور وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ اُن کے خیالات، اُن کے عقائد و اعمال، غرض اُن کے کسی ارادہ میں بھی کوئی شخص حائل ہو یا اُن کے لئے ناصح ومشفق بنے۔ اس لئے اب اُنہوں نے یہ روِش اختیار کی کہ حضرت ھود علیہ السلام کا مذاق اڑایا، اُنہیں بے وقوف گردانا اور اُن کی معصوم حقانیتوں کے تمام یقینی دلائل وبراہین کو جھٹلانا شروع کر دیا اور آپ سے وہ بدبخت کہنے لگے:

يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (ھود:۵۳)

''اے ھود! تم ہمارے پاس ایک دلیل بھی نہیں لائے اور تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' (۵۳ : ۱۱)

ھُود علیہ السلام نے جواب دیا:

يَقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ" وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ" مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ" اَمِيْنٌ" O (الاعراف: ۶۷، ۶۸)

"اے میری قوم! مجھ میں تو (کوئی بھی) حماقت نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پالنہار کی طرف سے رسول ہوں، تمہیں اپنے پالنہار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔'' (۷:۶۸،۶۷)

''شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا یہی لفظ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے۔ مشرک نظام، کائنات کو متفرق و منتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اُس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔ نَاصِحٌ" اَمِيْنٌ": شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اُمتِ اجابت تو خیر، اُمتِ دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے، اُس کی بنیاد اخلاق و شفقت ہی پر ہوتی ہے جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔'' (ماجدی اُردو، صفحہ ۳۳۸، نوٹ: ۸۴، ۸۵)

قوم کی سرکشی اور مخالفت بڑھتی رہی اور اُن پر آفتاب سے زیادہ روشن دلائل و نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور وہ حضرت ھُود کی تکذیب و تذلیل کے اور زیادہ درپے ہو گئے اور (العیاذ باللہ) اُنہیں مجنوں اور خبطی کہہ کر اور زیادہ مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے: اے ھود! جب سے تو نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا اور ہمیں اُن کی عبادت سے باز رہنے کی تلقین کرنا شروع کی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اُس وقت سے تیرا حال خراب ہو گیا ہے اور ہمارے خداؤں کی بددعا سے تو پاگل اور مجنون ہو گیا ہے۔ تو اب ہم اس کے علاوہ تجھے اور کیا سمجھیں؟ جنابِ ھُود علیہ السلام نے یہ سب کچھ نہایت ضبط و صبر سے سنا اور پھر اُن سے یوں مخاطب ہوئے:

اِنِّيْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّيْ بَرِيْءٌ" مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ O مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ O اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ" بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ" O (ھُود: ۵۴ تا ۵۷)

"میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ شریک قرار دیتے رہے ہو۔ تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو، پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی اور تمہارا بھی پروردگار ہے، جتنے بھی جاندار ہیں، وہ سب کی پیشانی پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ لیکن اگر تم پھرے رہے تو میں نے تمہیں وہ (پیام) پہنچا دیا ہے جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا اور میرا پروردگار تمہاری جگہ

تمہارے سوا کسی (اور) قوم کو آباد کردے گا اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو' بے شک میرا پروردگار ہر شے پر نگہبان ہے۔'' (۵۴ تا ۵۷ : ۱۱)

ھود علیہ السلام کی باتیں مان لینے میں اُن کے نزدیک اُن کے معبودوں اور بزرگوں کی توہین وتحقیر تھی۔ آخر وہ شعلہ کی طرح بھڑک اُٹھے اور ہود علیہ السلام سے بگڑ کر کہنے لگے کہ تو نے ہمیں اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی تو اے ہود! اب ہم سے تیری یہ روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں۔ ہم ایسے ناصحِ مشفق سے باز آئے۔ اگر تو واقعی اپنی بات میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آ کہ تیرا ہمارا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک ہو جائے:

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ O (الاعراف : ۷۰)

''تو جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو' اُسے ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہو۔'' (۷۰ : ۷)

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر میری مخلصانہ اور صادقانہ نصائح کا یہی جواب ہے تو بسم اللہ اور اگر تمہیں عذاب کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی کچھ دُور نہیں۔

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ'' وَّ غَضَبٌ'' (الاعراف : ۷۱)

''اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب آ ہی پڑنے والا ہے۔'' (۷۱ : ۷)

''تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم چند خودساختہ بتوں کو اُن کے نام گھڑ کر پکارتے ہو اور تم اور تمہارے آباء و اَجداد خدا کی دی ہوئی دلیل کے بغیر من گھڑت طریقہ پر اُنہیں اپنا شفیع اور سفارشی مانتے ہو اور میرے روشن دلائل سے انحراف اور سرکشی کر کے عذاب کے طالب ہوتے ہو۔ اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو اب تم انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ وقتِ قریب آ پہنچا۔'' (بحوالہ سورۃ الاعراف : ۷۱)

''الحاصل قومِ ہود (عاد) کی انتہائی شرارت و بغاوت اور اپنے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض وعناد کی پاداشِ عمل میں قانونِ جزاء کا وقت آ پہنچا اور غیرتِ حق حرکت میں آئی۔ عذابِ الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی' عاد سخت گھبرائے اور عاجز ودرماندہ نظر آنے لگے۔ تب ہولناک عذاب نے اُنہیں آ گھیرا۔ آٹھ دن اور سات راتیں پیہم تند وتیز ہوا کے طوفان اُٹھے اور اُنہیں اور اُن کی آبادی کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا' تنومند اور قوی ہیکل انسان جو اپنی جسمانی قوّتوں کے گھمنڈ میں سرمستِ سرکشی تھے' اس طرح بے حس وحرکت پڑے نظر آتے تھے جس طرح آندھی سے تن آور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے (بحوالہ سورۃ الحاقّۃ : ۲)۔ غرض اُنہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنیں اور دنیا وآخرت کی لعنت اور عذاب اُن پر مسلّط کر دیئے گئے۔''☆

☆''مفسرین نے ان ہلاک شدگان کی تعداد تین سے چار ہزار تک بتائی ہے جیسا کہ روح المعانی وغیرہ میں مذکور ہے لیکن قرآنِ عزیز نے جس طرح اُن کی شان وشوکت وحکومت کا تذکرہ کیا ہے اور بنو سام کی قدیم تاریخ سے جیسا پتہ چلتا ہے' اُس اعتبار سے یہ تعداد بہت زیادہ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال'' (''قصص القرآن''۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی' جلد اوّل' صفحات ۱۱۰' ۱۱۱)

''<u>حضرت ھود علیہ السلام کی وفات</u> :اہلِ عرب حضرت ہود علیہ السلام کی وفات اور اُن کے مزارِ مبارک کے متعلق مختلف دعوے کرتے ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' سے ایک اثر منقول ہے کہ جناب ہود علیہ السلام کا مزار حضر موت میں کثیبِ احمر (سرخ ٹیلہ) پر ہے جس کے سرہانے جھاؤ کا درخت کھڑا ہے۔اور حضر موت ہی کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عاد کی بستیاں حضر موت ہی کے قریب تھیں۔ لہٰذا قرینہ یہی چاہتا ہے کہ اُن کی تباہی کے بعد قریب ہی کی آبادیوں میں حضرت ہود علیہ السلام نے قیام فرمایا ہوگا اور وہیں پیغامِ اجل کو کہا ہوگا اور وہ یہی حضر موت کا مقام ہے۔''

''<u>چند عبرتیں</u>: ہود علیہ السلام کے اس واقعہ میں یہ چند عبرتیں قابلِ توجہ اور نظرِ التفات کے لائق ہیں:

(۱) قومِ عاد کے واقعہ کو پڑھنے سے ہماری نظروں کے سامنے ایک ایسی ہستی کا تصوّر آتا ہے جو وقار اور متانت کا مکمل مجسمہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے' پہلے اُس کو وزن کر لیتا ہے کہ اُس کا انجام نیک ہے یا بد۔ قوم کے تمسخر و استہزاء کا جواب ضبط و صبر سے دیتا ہے اور پھر بھی اُن کی خیر و فلاح کا جویا نظر آتا ہے۔ اخلاص اور حُسنِ نیت اُس کے ہر قول سے عیاں ہے۔ قوم اُسے نادانی اور بے وقوفی کا لیبل لگاتی ہے لیکن صبر و تحمّل کا وہ مجسمہ اُنہیں اپنی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے اور آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ یہ سوال و جواب ہمیں اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ کے برگزیدہ انسان جب کسی کی نیک خواہی کرتے اور کج رووں کی کجی کو سیدھا کرنے کے لئے نصیحت فرماتے ہیں تو کور چشموں اور بد باطنوں کے تمسخر و تحقیر کی پروا نہیں کرتے' دلگیر و رنجیدہ ہو کر امرِ حق سے منہ نہیں موڑتے بلکہ بلندیٔ اَخلاق اور نرمی و مہربانی کے ساتھ روحانی مریضوں کے علاج میں مشغول رہتے ہیں۔ اُن کی ان تمام خصوصیات میں نمایاں امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نصیحت و نیک خواہی کے لئے قوم سے مطلق کسی قسم کے نفع کے خواہشمند نہیں ہوتے اور اُن کی زندگی بدلہ اور عوضانے سے یکسر بلند اور برتر ہوتی ہے۔ سورۃ الشُّعراء کی متعلقہ آیات کی رُو سے تمام پیغمبرانِ الٰہی نے بہ بانگِ دہل یہی اعلان کیا کہ :

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

''میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا' میرا اجر تو جہانوں کے پالنہار کے ذمہ ہے۔''

''(۲) مصلحین اور انبیائے صادقین کے خلاف قوموں کا بغض و عناد اسی ایک عقیدہ پر مبنی رہا ہے کہ ہمارے باپ دادا کی ریت و رسم اور اُن کے خود ساختہ قہرمانیت کے خلاف کیوں کچھ کہا جاتا ہے۔ یونان کے مشہور حکیم سُقراط کو زہر کا پیالہ اِسی لئے پینا پڑا کہ وہ اپنی قوم کے معبودانِ باطل کی قہرمانیت کا کیوں انکار کرتا اور اُنہیں کس لئے اُن کے غلبہ واقتدار کا مخالف بناتا ہے۔ پس یہ جرثومہ اقوام کی روحانی زندگی کے ہمیشہ تباہ کن اور اُن کی فلاح و سعادتِ ابدی کے لئے ہلاکت آفریں رہا ہے۔''

''(۳) حضرت ہود علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت بہترین اُسوہ ہے کہ تبلیغ و پیغامِ حق کی راہ میں بدی کا بدلہ نیکی سے اور تلخی کا جواب شیریں کلامی سے دیا جائے۔ البتہ مبلّغ اُن کی بدکرداری اور مسلسل سرکشی پر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون ''پاداشِ عمل'' کو ضرور یاد دلائے اور آنے والے انجامِ بد پر اُنہیں تنبیہ کرے۔''

(تلخیص: ''قصص القرآن'' ۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی' جلد اوّل)

(۶۹) انسان دوستی (Humanism)

"Dictionary of Literary Terms and Literary Theory" کے صفحہ ۴۳۲ پر جے اے Cuddon نے انسان دوستی (Humanism) کا تعارف یوں کرایا ہے :

''ہیومنزم جو ایک یورپی امر ہے' زیادہ تر دنیاوی ہے اور اس حوالے سے لامذہبیت کا فلسفہ ہے۔''

اپنی توسیعی شکلوں میں انسان دوستی کے رویوں نے انسان کو اشرف المخلوقات سمجھا اور اس نظریہ کا شیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ Hamlet میں بڑے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے اور کہا ہے:

(ترجمہ): ''انسان بھی قدرت کا کیا عجیب شاہکار ہے! عقل و دانش میں کتنا عالی دماغ ہے! اپنی صلاحیتوں میں کس قدر لامتناہی ہے! اپنی ہیئت اور حرکات میں کس قدر پُرکشش اور قابلِ ستائش ہے! اپنے فعل و عمل میں فرشتے جیسا! فہم و ادراک میں دیوتا جیسا! وہ دنیائے کون و مکاں کا حُسن و جمال اور دنیائے حیوانات کا نمونہ کمال ہے!'' (Shakespeare's "Hamlet" Act II, Scence II)

چودھویں صدی عیسوی میں ایسے نظریے کو پیش کرنا ناقابلِ تصوّر تھا۔ پھر ہیملٹ مزید یہ بات کہتا ہے :
''میرے نزدیک خاک کی یہ مثالی صورت کیا ہی خوبصورت چیز ہے!''

''اپنی بہترین شکل میں انسان دوستی نے انسان کو مہذّب بنانے' اپنی توانائیوں اور اہلیتوں کو پہچاننے اور قابلِ استعمال وسائل اور حاصل شدہ وسائل کے مابین عدمِ توافق کو کم کرنے میں مدد کی۔''

J.A.Cuddon کا مندرجہ بالا بیان اپنی فطرت میں موضوعی اور خالی از حقیقت ہے۔ دراصل اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ انسان دوستی کا نظریہ شیکسپیئر کے ہیرو ''ہیملٹ'' کی زبان پر انسان کی تعریف و ستائش کے آنے سے تقریباً سات صدیاں پیشتر قرآنِ حکیم نے پیش کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسلام کے نزدیک ''انسان دوستی'' دنیاوی یا لادینی کا فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ مسلمان کے دنیاوی اور روحانی دونوں شعبوں کو محیط ہے کیونکہ اسلام بذاتِ خود مادیّت اور روحانیّت کا حسین امتزاج ہے۔ اس ضمن میں ''انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ'' کا مندرجہ ذیل بیان قابلِ توجہ ہے:

''دراصل انسان دوستی اور انسان نوازی کے نظریہ نے اللہ کی اُس آخری کتاب کے ذریعے سے ترقی پائی جو محمد ﷺ اپنے رب سے بنی نوعِ انسان کی طرف لائے۔ قرآن وہ پہلی الہامی کتاب ہے جس نے اس خاکدانِ گیتی پر انسان کی مرکزی حیثیت کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ دیا کہ انسان یہاں خود مختار اور خود سر ہستی نہیں

بلکہ اللہ کا ایک عاجز بندہ ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بہت سی تہذیبوں اور ثقافتوں نے اس نظریہ کو بگاڑ کر اسے غلط معنی پہنا دئے۔ کچھ نے انسان کو خود مختار اور خود سر مانا جو مکمل طور پر اپنی منزل کا خود مالک ہے اور کسی کے آگے جوابدہ نہیں' کچھ لوگوں نے جسم انسانی کی پرستش کرنا شروع کر دی اور اُسے اپنی تہذیب و ثقافت کا مرکز بنا چھوڑا۔ اس نظریہ کی مثالیں روم و یونان کی تہذیبیں ہیں۔''

''مغربی تہذیب بھی کئی لحاظ سے انسان دوستی کے نظریہ کو بگاڑ رہی ہے۔ فنونِ لطیفہ اور لٹریچر میں آزاد خیالی کے ساتھ اُس کی روز افزوں محبت اور والہانہ شیفتگی اس رُجحان کی عکاس ہے۔ اس رُجحان کو اخبارات' فلموں اور ٹیلیویژن پر ننگی' بے حیا تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے جو انسان دوستی یا انسانیت کے نام پر بنائی جاتی ہیں۔''

''مغرب کی ثقافت اور تہذیب میں پائے جانے والے اس رُجحان نے انسان کے اُس حقیقی تصور کو مکمل طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے جس کی عکاسی قرآنِ حکیم نے انسانی معاملات میں معاشرتی عنصر کے تعارف کرانے کے ذریعے سے کرنا چاہی ہے اور اسی کے پہلو بہ پہلو قرآن نے انسان اور اس کے تمام سیاسی اور غیر سیاسی تنظیمی اداروں کی توجہ حقوقِ انسانی کی طرف مبذول کرائی ہے کیونکہ انسان اپنے آفاقی کنبہ کا ایک رکن ہے۔''
(Encyclopaedia of Seerah, Vol. 8, p. 591)

''<u>اسلام اور انسان دوستی</u>: دوسرے اخلاقی اوصاف پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے لوگوں کے درمیان باہمی محبت اور دوستی کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اسلامی تہذیب کا یہ ایک مخصوص اور ممتاز وصف ہے کہ اُس نے نوعِ انسانی کے تمام افراد میں دوستی' محبت' فیاضی' فیض رسانی اور اتحاد و اتفاق کی اہمیت کی تعلیم دی ہے۔''

''قرآن حکیم بار بار حُبِّ الٰہی کا ذکر کرتا ہے اور مسلمانوں کو انصاف پسند' رحم دل اور فیض رساں ہونے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک' راست رو اور انصاف پسند لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اس کے مختلف پہلو ملاحظہ ہوں:

(۱) اللہ حسنِ عمل والوں کو پسند کرتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرۃ:۱۹۵ ؛ آلِ عمران:۱۳۴)
(۲) اللہ تقویٰ شعاروں کو پسند کرتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (آلِ عمران:۷۶؛ التوبۃ:۴)
(۳) اللہ پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (البقرۃ: ۲۲۲)
(۴) اللہ انصاف پسندوں کو چاہتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الحُجرات: ۹)

اس کے برعکس اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو غلط کار ہیں' جارحیت اور بے انصافیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور اللہ کی زمین پر اذیت اور تخریب کاری پھیلاتے ہیں۔ آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) اللہ حدود سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرة : ۱۹۰)
(۲) اللہ غلط کاروں (ظالموں) کو پسند نہیں کرتا: إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشورٰى : ۴۰)
(۳) اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا: إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (المائدة : ۶۴)
(۴) اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا: إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (النحل : ۲۳)

"یہ آیاتِ قرآنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات سے بے بندھی، کھلی محبت کی مظہر ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے غلط طریقوں کو اختیار کر کے اپنی زندگیوں اور اپنے نظامِ حیات کو تباہ کریں۔ وہ اُنہیں زندگی کے اچھے، تعمیراتی، تخلیقی اور منصفانہ طریقے اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ارضی وجود میں خوشحال ہو جائیں۔ اُس کی حوصلہ افزائی اُن لوگوں کے ساتھ محبت کی شکل میں ہوتی ہے جو حسنِ عمل کرتے ہیں اور لوگوں میں انصاف اور صحیح برتاوے کو پھیلاتے ہیں۔" (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ، جلد ہشتم، صفحات ۵۹۱، ۵۹۲)

<u>تمام انسانوں کی باہم مساوات</u>: اسلامی تہذیب میں پیدائش، قومیت، عقیدے یا کنبے کی بنیاد پر کسی شخص کی دوسرے پر برتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اصول تہذیب اسلامی کے تمام پہلوؤں میں کارفرما نظر آتا ہے اور اس مساوات کا اعلان قرآنِ حکیم یوں کرتا ہے:

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء : ۱)

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اُس سے اُس کی بیوی پیدا کی، پھر اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔" (۴ : ۱)

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ (الحجرات : ۱۳)

"لوگو! بے شک ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔" (۴۹:۱۳)

اِن آیاتِ قرآنی سے مندرجہ ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں:

"(۱) تمام انسان ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس طرح اُن کا نسلی سلسلہ مشترک ہے۔ اور وہ سب کے سب ایک ہی ماں باپ کے بچوں کی طرح ہیں۔
(۲) اس طرح وہ سب منصب اور حقوق میں قطعی طور پر مساوی ہیں۔
(۳) لہٰذا اُن کی قریبی اخوت کی موافقت میں اُن کے درمیان نیکی، پارسائی اور بھلائی کے کاموں میں باہمی اتحاد و اتفاق ہونا چاہئے جیسا کہ قرآن نے فرمایا:
تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة : ۲)

۱۹۶۳ (انسان دوستی ---Humanism)

''نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو' اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو۔'' (۵:۲)

(۴) ''قانونِ قدرت کی رُو سے لوگ مختلف اہلیتیں' صلاحیتیں اور ذہن لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سماجی اختلافات سماج کی صحیح نشو و نما اور ترقی اور انسانی تہذیب و ثقافت کی بہتری کے لئے قدرتی ہوتے ہیں اور کسی فرد کی عزت یا بے عزتی میں کمی یا اضافے کا موجب نہیں بنتے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ اختلافات کسی بھی منطقی یا معقول بنیاد پر (الف) کسی امیر کو غریب پر (ب) کسی ماہر پیشہ ور کو غیر ماہر شخص پر یا (ج) کسی حاکم کو محکوم پر برتری اور فوقیت نہیں دیتے۔ انسان خواہ تاج و تخت کے وارث بن جائیں' سونے چاندی کے انبار اکٹھے کر لیں' ملک میں اعلیٰ منصب حاصل کر لیں یا گھسیارے اور فقیر بن جائیں' انسان بہرحال انسان ہی رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سب ایک ہی اخوتِ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں' بہ طور انسان کے وہ قانون کی نظر میں اور حقوق میں باہم برابر ہیں۔''

(۵) اگر کسی انسان کو دوسرے انسان پر برتری کا کوئی عنصر حاصل ہے بھی تو وہ صرف راست روی اور تقویٰ و پارسائی کی بناء پر ہے اور وہ بھی صرف اللہ کے نزدیک (یعنی اُس کی پارسائی کا ثواب اللہ کے ہاں سے ملے گا) بہ ایں معنیٰ کہ اگر کوئی اپنی نیکی اور پارسائی کے بل بوتے پر عزت و وقار یا خصوصی حقوق کا خواہاں یا امیدوار ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اسلام کی نظر میں صرف وہ شخص معزز ہے جو اللہ کی نظر میں معزز ہے خواہ لوگوں کی نظر میں وہ ذلیل و خوار ہو اور اسلام کی نظر میں وہ شخص فی الواقع ذلیل ہے جو اللہ کی نظر میں ذلیل ہو خواہ لوگوں کی نظر میں وہ بڑی عزت والا ہو۔

اس طرح قرآنِ حکیم واضح طور پر تمام نوعِ انسان کی یگانگت اور وحدت کا اعلان کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خالق کے بندے اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ انسانی سماج درخت کی طرح ایک وحدت ہے۔ ہوا کے چلنے پر نیچے سے اوپر تک اُس کی تمام شاخیں اور پتے بلا استثناء کے حرکت میں آ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے مختلف پیرایوں میں تمام نسلِ انسانی کو اَیُّھَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا ہے جیسے سورۃ النّساء کی آیت ۱۷۰ میں' سورہ یونس کی آیت ۱۰۸ میں اور سورۃ الحج کی اوّل آیت وغیرہ میں' اور ایسی سب آیات میں انسانیت کی وحدت اور اس کی باہمی اخوت (بھائی چارے) پر زور دینا اور تاکید کرنا مقصود ہوتا ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم مسلمانوں کے ذہنوں سے پیدائش' نسل اور قومیت کے احساس کو یکسر مٹا دیتی ہے اور اُنہیں اِفہام کی سطح تک لے آتی ہے جہاں وہ تمام انسانوں کو آفاقی اخوت کے رشتے میں بندھے کسی بنیادی اختلاف کے بغیر برابر اور مساوی افراد دیکھتے ہیں۔

''نظریہ مساوات کی جامعیت: اسلام تمام انسانوں کی صرف باہمی مساوات کی تبلیغ اور وکالت ہی نہیں کرتا بلکہ اُس کا نظریہ مساوات جامع ہے اور حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔

نمازِ پنجگانہ ہی کو دیکھ لیجئے۔ اعلیٰ و ادنیٰ' غریب و امیر' حاکم و محکوم سب ایک ہی خالق کے حضور مساوی حیثیت میں اُس کے عاجز بندوں کے طور پر کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز کی صفوں میں کسی حاکم' بادشاہ یا صاحبِ جاہ و حشمت کے لئے کوئی مخصوص جگہ نہیں۔ پہلے آنے والا نمازی پہلی صف میں جگہ پائے گا خواہ اُس کا سماجی مقام کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو۔

رمضان کے روزوں میں بھی یہی اصول کارفرما ہے جس میں امراء اور حکام کو کوئی مخصوص مراعات حاصل نہیں اور تمام لوگوں کو صبح سے لے کر شام تک بھوک و پیاس کی تکالیف اور صعوبتوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔

اسی طرح حج کے دوران مناسک و رسومِ حج کی ادائیگی میں سب لوگوں کو اِحرام' طوافِ کعبہ' مقاماتِ منیٰ' عرفات اور مزدلفہ میں تمام طرق ہائے عبادت کی مبادیات کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔ کمزور و توانا' عوام اور خواص سب کو مناسکِ حج کی ادائیگی میں دوڑتے اور صحرا کی خاک اور حرارت میں سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے دیکھا جاتا ہے۔

اسلام کے تعزیراتی اور مکافاتی نظام میں بھی قانون بغیر کسی استثناء کے کسی کی طرفداری نہیں کرتا۔ وہ ایک غلام اور مالک' حاکم اور محکوم کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور دونوں پر یکساں طور پر قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ قتل کے معاملہ میں بھی اسلام نے سب کے خون کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے' چنانچہ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ پاک ہوا :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى (البقرۃ : ۱۷۸)

''مومنو! تم پر مقتولوں کے بارے میں قِصاص فرض کر دیا گیا ہے' آزاد کے بدلہ میں آزاد' غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت۔'' (۲ : ۱۷۸)

''تمام لوگوں کے لئے خصوصی عزت و تکریم : اسلام شرافت و نجابت اور مساوات کا یہ اعزاز بغیر کسی طرفداری کے نسلِ انسانی کے تمام افراد کو عطا کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًاO (بنی اسرائیل : ۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور ہم نے اُنہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے اُنہیں نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے اُنہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔'' (۱۷:۷۰)

''بعض مفسرین نے کَثِیْـر کو کُل کے معنیٰ میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ بحر و برّ کے الفاظ میں عموم ہے اور جاندار اور بے جان ہر قسم کی سواری' ہر قسم کے مشینی آلہ نقل و حرکت' موٹر' لاری' ریل' موٹر کشتی' دخانی جہاز' ہوائی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۵۹۲' نوٹ : ۱۰۲)

''یہ اعزاز و اِکرام نسلِ انسانی کے ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور ہر فرد کو عقیدہ کی آزادی' علم اور پیشہ ورانہ مہارت کی تحصیل اور اپنی مرضی اور پسند کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ حکومت اور بالخصوص اسلامی حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بغیر کسی امتیاز کے اپنے تمام باشندوں کو ضروریاتِ حیات مہیا کرے۔''

''یہ تمام متنی (Textual) اعلانات محض لفاظی ہی نہیں بلکہ تمام صحیح اسلامی حکومتوں نے اِن پر عمل کیا ہے اور

۱۹۶۵ (انسان دوستی ۔۔۔Humanism)

انسان اور اُس کی فلاح و بہبود کے ساتھ محبت کی شکل میں تہذیبِ انسانی کی تشکیل میں اسلام کا کردار تاریخ کے صفحات میں مکمل طور پر محفوظ ہے۔ تاریخ اسلام سے انسان دوستی اور شریفانہ رویّے کے اعلیٰ درجے کی کچھ مثالیں ہدیہ ناظرین ہیں:۔

(۱) ایک مرتبہ ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ آزاد شدہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ اُن کا جھگڑا سنجیدہ ہو گیا اور غصّے کی گرمجوشی میں حضرت ابوذر نے جنابِ بلال کو اِبنُ الاسوَد (سیاہ رنگ کی حبشی عورت کے بیٹے) ہونے کا طعنہ دیا۔ جنابِ بلال نے اس بات کی شکایت نبی ﷺ سے کی جنہوں نے ابوذر کو بلا کر فرمایا کہ کیا تم نے بلال کو اُس کی ماں کا طعنہ دیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا کوئی عنصر تم میں ابھی باقی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ''جاہلیت'' کے لفظ کا مطلب جنسی بے راہروی سمجھے جس کا مرتکب نوجوان طبقہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا آپ نے ازراہِ تعجب عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا ایسا قبیح کام میں اِس بڑھاپے میں کروں گا؟'' نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں! وہ تمہارا (دینی) بھائی ہے۔'' اس پر ابوذر نادم شرمندہ ہوئے اور اُنہوں نے جنابِ بلال سے درخواست کی کہ وہ اُن کے چہرے کو اپنے پاؤں میں روند ڈالیں۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''(۲) قبیلہ قریش کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا اور اُسے نبی علیہ السلام کے حضور پیش کیا گیا۔ اس ڈر سے کہ نبی علیہ السلام اُسے کہیں سخت سزا نہ دیں، قبیلہ کے لوگوں نے نبی علیہ السلام کے چہیتے صحابی حضرت اُسامہ بن زید کو ملزمہ کی طرف سے سفارشی بنا کر آپ کے پاس بھیجا۔ نبی علیہ السلام اُسامہ سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے حدود اللہ کے معاملے میں سفارش کی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور فرمایا:

> ''اُممِ ماضیہ کی تباہی و بربادی میں اس قسم کے رویّے کو بڑا دخل رہا ہے۔ کیونکہ جب اُن کا کوئی بارسوخ آدمی چوری کا ارتکاب کرتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اُس پر قانون کا اطلاق کر کے اُسے سزا دیتے۔ بخدا! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرے تو میں اُس کے بھی ہاتھ (ازروئے شریعت) کٹوا دوں۔''

''(۳) اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک مرتبہ عدی بن حاتم مدینہ منوّرہ آئے۔ صحابہ کرام نبی علیہ السلام کے گرد تشریف فرما تھے۔ وہ ایک جنگ سے واپس آئے تھے اور سب کے سب زرہ بکتر میں تھے۔ صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام کے لئے جس اعلیٰ درجے کی تعظیم و تکریم کا مظاہرہ کیا، عدی اس سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر مدینہ منوّرہ کی ایک بہت ہی غریب اور نادار عورت نبی علیہ السلام کے پاس آئی اور آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کو کہا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! تم مدینے کی جس گلی میں بھی مجھ سے بات کرنا چاہو، میں اُس کے لئے تیار ہوں۔ پھر آپ اُٹھ کر اُس عورت کے ساتھ چلے گئے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر آپ کافی دیر تک اُس کی باتیں سنتے رہے اور پھر واپس آ گئے۔ عدی بن حاتم نبی علیہ السلام کی انسان دوستی کے ساتھ محبت کے اس واقعہ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔''

''(۴) اکیس سال کی مسلسل جدّ وجُہد کے بعد (تیرہ سال مکّہ مکرّمہ میں اور آٹھ سال مدینہ منوّرہ میں) پیغمبر

علیہ السلام مکّی قوت پر غالب آ گئے اور شہر مکّہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ پوری طرح ہتھیاروں سے لیس تھے۔ آپ کے تمام دشمن' اذیت رساں لوگ اور قاتلین آپ کے سامنے بے یار و مددگار کھڑے تھے۔ اُن سے ہر طرح کا انتقام لینے میں آپ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن آپ نے تو ایک نئی تہذیب اور نئی ثقافت کی داغ بیل ڈالنا تھی۔ چنانچہ آپ نے پھر اُنہی اصولوں کا اعلان کیا جو آپ مکی زندگی کے دوران کے اپنے مشن میں فرمایا کرتے تھے اور جن کا کفارِ مکّہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ بابِ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے اُن اصولوں کو پھر دُہرایا اور فرمایا:

''اے قبیلہ قریش! آج اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے تمہارے غرور و نخوت کو اور اپنے آباء و اجداد پر شیخی بگھارنے کو ختم کر دیا ہے۔ یاد رکھو کہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔''

اہلِ قریش نے جنہیں ملکِ عرب میں بڑی برتری اور فضیلت حاصل تھی اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے' بڑی خاموشی سے اور سر جھکا کر آپ کے خطبے کو سنا۔ پھر نبی علیہ السلام نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (الحُجرات : ۱۳)

''لوگو! بے شک ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو' بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔'' (۴۹:۱۳)

''(۵) نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ بہ دل و جان انسان دوستی اور انسانی ملاطفت و موانست کے جذبات سے معمور تھے۔ اُن لڑکیوں کے گھروں کا چکر لگانا آپ کی عادت تھی جن کے والد میدان جہاد میں شہید ہو گئے تھے اور جو یتیم ہو گئی تھیں' جنابِ صدّیق اُن کی بکریوں کا دودھ دوہتے اور کہتے: مجھے اُمید ہے کہ منصبِ خلافت کی ذمّہ داری مجھے اُن اعمالِ حسنہ سے نہیں روکے گی جنہیں میں اب تک کرتا آیا ہوں۔''

''(۶) اسلام کے خلیفۂ ثانی جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی نبی علیہ السلام اور صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنتِ مبارکہ کو لوگوں کے فلاحی کام کرنے کے ذریعے قائم رکھا۔ کمزوروں اور ناداروں کے لئے آپ نہایت رحمدل تھے اور آپ کے نزدیک تمام لوگ مساوی تھے۔ آپ اپنے آپ کو ضروریاتِ زندگی سے محروم رکھتے تھے تاکہ دوسروں کی ضروریات پوری ہوں۔ آپ لوگوں کے گھروں اور اُن کی قیام گاہوں میں یہ معلوم کرنے کے لئے جایا کرتے تھے کہ اُن کا رہن سہن کیسا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بوڑھے کو شہر کی گلیوں میں بھیک مانگتے دیکھ لیا تو اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس نے بتایا کہ وہ ایک یہودی ہے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگ رہا ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ جب تم جوان تھے تو ہم تم سے جزیہ وصول کرتے رہے لیکن تمہارے بڑھاپے میں ہم نے تمہیں چھوڑ دیا۔'' پھر آپ اُسے گھر لے گئے' اُس کے لئے خود کھانا تیار کیا اور اُسے کھلایا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو حکمنامہ بھیجا کہ وہ اُسے اور اُس جیسے دوسرے لوگوں کو ایک مقررہ رقم ادا کرے جو اُن کی اور اُن کے اہلِ خانہ کی ضروریات کو کافی ہو جائے۔''

''(۷) ایک مرتبہ ایک تجارتی قافلہ جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے' مدینہ منورہ میں آیا۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اُس رات اس قافلے کی پہرے داری کرنے میں آپ سے تعاون کریں۔ چنانچہ عمر اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما دونوں اُس قافلے کی رات بھر حفاظت کرتے رہے۔ اس دوران جنابِ عمر نے ایک بچے کے چیخنے کی آواز سنی۔ عمر گئے اور بچے کی ماں سے کہا کہ اللہ کا خوف کرو اور بچے کا خیال رکھو۔ پھر آپ واپس ہوئے تو دوبارہ اُس بچے کے چیخنے کی آواز سنی۔ عمر اندر گئے اور بچے کی ماں سے کہا کہ اللہ کا خوف کرو اور بچے کی دیکھ بھال کرو۔ رات کے آخری حصّے میں بچہ پھر چیخا اور عمر رضی اللہ عنہ پھر اُس کی ماں کے پاس گئے اور اُس کی بے اعتنائی کے رویّے پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بہت بُری ماں معلوم ہوتی ہو۔ کیا وجہ ہے کہ تمہارا بچہ ساری رات آرام سے نہیں سویا؟ ماں نے کہا: اے اللہ کے بندے! تم ساری رات مجھے ترغیب دیتے رہے ہو۔ میں اپنے بچے کا زبردستی دودھ چھڑانا چاہتی ہوں لیکن وہ دودھ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے اُس سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا: (خلیفۂ وقت) عمر ہمیں صرف دودھ چھڑائے گئے بچوں کا وظیفہ (الاؤنس) دیتا ہے۔ جنابِ عمر نے اُس عورت سے بچے کی عمر معلوم کی تو اُس نے کہا کہ بچہ چند ماہ کا ہے۔ اس پر آپ نے اُس سے کہا کہ وہ بچے کا دودھ چھڑانے میں اتنی جلدی نہ کرے۔ نمازِ فجر کی امامت آپ نے اس حال میں کی کہ لوگ آپ کی سسکیوں اور گریہ وزاری کی شدّت کی وجہ سے آپ کی تلاوتِ قرآن بھی نہ سن سکے۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا: ''موت عمر کے لئے مخصوص ہے جو مسلمانوں کے بچوں کی ہلاکت کا سبب بنا۔'' پھر آپ نے یہ اعلان کرتے ہوئے ایک ہدایت نامہ جاری کیا کہ ہر بچے کو اُس کی پیدائش کے وقت سے وظیفہ دیا جائے تاکہ اُن کی مائیں بچے کے وظیفہ کی وجہ سے اُن کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کریں۔''

''(۸) لوگوں کا حال معلوم کرنے کے لئے شہر میں گھومنا جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کی عام عادت تھی۔ ایک رات آپ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں تشریف لے گئے اور ایک خیمے سے چیخنے کی آواز سنی جس کے باہر ایک آدمی کھڑا تھا۔ جنابِ عمر نے اپنی حسبِ عادت خوش اخلاقی سے اُسے سلام کیا اور اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے آپ کو بتایا کہ وہ ایک بدّو ہے اور امیرالمؤمنین سے مدد طلب کرنے آیا ہے۔ آپ نے اُس بدّو سے چیخنے کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا کہ اپنے کام سے واسطہ رکھو اور اپنی راہ لو۔ لیکن حضرت عمر کے اصرار پر اُس نے بتایا کہ اُس کی بیوی کو دردِزہ کی تکلیف ہے اور کوئی بھی اُس کے پاس نہیں ہے۔ اس پر جنابِ عمر جلدی سے گھر گئے اور اپنی زوجہ محترمہ جنابہ اُمِّ کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمہیں اُس ثواب کے لینے میں کوئی دلچسپی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصّے میں کر دیا ہے؟ اُنہوں نے پوچھا: کون سا ثواب؟ اس پر آپ نے اُنہیں سارا واقعہ کہہ سنایا اور اُنہیں ماں اور آنے والے بچے کے لئے تمام ضروری کپڑے اور کچھ طعام اور مکھن ساتھ لے چلنے کو کہا۔ عمر یہ ساری چیزیں لے کر گئے اور اُمِّ کلثوم آپ کے ہمراہ ہوئیں۔ آپ نے اُمِّ کلثوم کو خیمے کے اندر جانے کو کہا جبکہ آپ اُس عورت کے خاوند کے پاس باہر رہے۔ آپ نے آگ جلائی اور اُن چیزوں کا کھانا تیار کرنا شروع کیا جو آپ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اسی دوران بچہ پیدا ہو گیا اور آپ کی زوجہ محترمہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے خیمہ کے اندر سے آواز دی: ''اے امیرالمؤمنین! اپنے دوست کو لڑکے کی پیدائش کی خوش خبری سنا دیجئے۔'' اُس بدّو نے اُمِّ کلثوم کے اِن الفاظ کو جب سنا' تب اُسے معلوم ہوا کہ وہ تو وہی امیرالمؤمنین ہیں جن سے اُس نے بڑی درشتی اور سختی کا سلوک کیا تھا۔ بدّو اس حقیقت کو معلوم کر کے ڈر سا گیا اور وہاں سے چپکے چپکے کھسکنا چاہا لیکن جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے بیٹھا رہنے کو کہا۔ اپنی حسبِ عادت کسی مصنوعی استحقاق یا تکلّف کے بغیر

آپ نے خود کھانا تیار کیا اور اُمِّ کلثوم سے زچہ کو کھلانے کو کہا۔ جب وہ کھانا چکی تو جنابِ عمر فاروق نے بچا ہوا کھانا اُس کے خاوند کے آگے رکھ کر اُسے کھانے کو کہا اور فرمایا: ''تم نے ساری رات جاگ کر گزاری اور اتنی تکلیف اٹھائی ہے۔ کل صبح میرے پاس آنا تو میں تمہاری ضروریات کے لئے ایک ہدایت نامہ جاری کروں گا۔'' جب وہ دوسرے دن آپ کے پاس گیا تو جنابِ عمر نے بچے کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا اور اُس بدّو کی فیاضانہ معاونت کی۔''

''(۹) فُرقونہ نامی ایک حبشی عورت نے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت کرتے ہوئے خط لکھا کہ باہر کی گلی سے ملحق اُس کے گھر کی دیوار بہت چھوٹی ہے اور وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ اُس کی مرغیاں چوری کر جاتے ہیں۔ خلیفہ نے اُس عورت کو لکھ بھیجا کہ وہ والیِ مصر (گورنر) کو مذکورہ دیوار اونچی کرنے اور گھر کی ضروری مرمت کرنے کا حکم نامہ بھیج رہے ہیں۔ پھر آپ نے والیِ مصر کو خط لکھا کہ اس خط کی وصولی پر وہ خود اُس عورت کے پاس فی الفور جائے اور اپنی نگرانی میں اُس کی دیوار اونچی کرائے۔ اُس وقت والیِ مصر ایوب بن شرجیل تھے۔ خط کے موصول ہونے ایوب اُس عورت کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ ایک بوڑھی' نادار کالی رنگت کی عورت ہے۔ گورنر نے خلیفہ کے حکم نامے کی تعمیل کی اور اپنی نگرانی میں دیوار کو اونچا کرا دیا۔''

''نوعِ انسانی کے لئے رحمدلی' فیاضی اور ملاطفت و موانست کے ایسے واقعات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صحابہ کرام مثلاً عثمانِ غنی' علی' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبات میں بھی ملتے ہیں۔'' (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 8, pp. 594- 599)

''<u>مذہبی رواداری</u>: اسلام کی اعلیٰ انسان دوستی کا ایک اور پہلو دوسرے لوگوں کے مذاہب وافکار و آراء کے بارے میں رواداری ہے۔ تہذیبِ اسلامی کا یہ ایسا ممتاز اور نمایاں پہلو ہے جو کسی اور تہذیب و ثقافت میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ اسلام نے انسانی نظر و بصارت کو وسعت دی اور لوگوں کو دوسروں کے مذہبی عقائد و افکار سے رواداری برتنے کی تعلیم دی۔ قرآن حکیم نے اِس رواداری کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (دین میں کوئی جبر نہیں) کے الفاظ میں بیان کیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدے کا انحصار انسان کے ماننے اور یقین کرنے پر ہوتا ہے اور عقیدے کو لوگوں پر زبردستی ٹھونسنا بےکار اور لا حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حق کو واضح طور پر باطل سے ممتاز کر دیا گیا ہے اور اب یہ ہر فرد پر منحصر ہے کہ وہ حق و صداقت کو قبول کرے یا اُسے مسترد کر دے اور پھر اپنے حتمی فیصلے کے نتائج کا انتظار کرے۔ کیونکہ الٰہی راہ نمائی کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہر چیز کو صاف طور پر واضح کر دیا جائے اور پھر اُسے ہر فرد کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی آزادانہ رضامندی سے اِس یا اُس طریقہ پر گامزن ہونے کا فیصلہ کرے۔ اسی حقیقت کو سورہ یونس کی آیت ۹۹ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں' سب کے سب ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں کہ وہ ایمان لے ہی آئیں۔'' (۱۰ : ۹۹)

مطلب یہ کہ ''جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے' وہ کسی طرح بھی ایمان نہیں لاسکتا۔ گویا کہ لوگوں کے ایمان علمِ الٰہی کے تابع ہیں۔ تو جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے' اُس کا ایمان بھی علمِ الٰہی میں ہونا محال ہے کیونکہ یہ نقیض ہے اور تبدیلیِ علم ہے اور انقلابِ علم جہالت ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ سے جہالت ناممکن ہے۔'' (تفسیر نعیمی' ج ۱۱' ص ۵۱۶)

اور علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''روئے زمین کے تمام لوگوں کو مؤمن بنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں ۔۔۔ کیونکہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا' اُسی کے لئے وہ ایمان پیدا کرے گا اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کرے گا' وہ اُس کے لئے ایمان کو پیدا نہیں کرے گا بلکہ کفر کو پیدا کرے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار کی بجائے اضطراری طور پر اُنہیں ایمان والا بنا دے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ابتداء مؤمن اور مطیع پیدا فرمایا اور اُن میں ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار نہیں رکھا گیا اور نہ اُن کے لئے ثواب اور عذاب کو مقدر فرمایا' سو اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ہوتا تو وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو مؤمن بنا دیتا لیکن یہ چیز اُس کی قدرت میں تو ہے لیکن اُس کی حکمت میں نہیں ہے۔'' (''تبیان القرآن'' جلد پنجم' صفحہ ۴۷۸) یعنی اُس کی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کچھ لوگ مؤمن ہوں تو کچھ لوگ کافر ہوں (سورۃ التّغابُن: ۲)۔

تاریخ اسلام سے مذہبی رواداری کی مثالیں

''(الف) نبی علیہ السلام کے دَورِ مبارک میں : (۱) مدینہ منوّرہ کو ہجرت فرمانے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلا کام اہلِ مدینہ کے اتحاد و یگانگت کو مضبوط و مستحکم کرنے کا اور وہاں کے رہنے والے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کا کیا۔ اس معاہدہ کے مطابق یہودی قبائل کو مذہبی آزادی اور اُنہیں مدینہ کی اسلامی ریاست کے ارکان اور باشندے ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے مساوی حقوق عطا کئے گئے۔''

''(۲) کچھ اہلِ کتاب نبی اکرم ﷺ کے ہمسائے تھے۔ آپ نے اُن کے ساتھ ہمیشہ فیاضانہ سلوک کیا اور اُنہیں تحفے تحائف بھیجے اور اُن کی طرف سے بھیجے گئے تحفوں اور ہدیوں کو قبول فرمایا۔''

''(۳) جب حبشہ کے عیسائی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اُنہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔ خود اُن کے میزبان کے طور پر کام کیا اور خود اُن کی خدمت کی۔ جب صحابہ کرام نے اُن کے لئے اپنی خدمات کو پیش کیا تو آپ نے فرمایا: اِن لوگوں نے میرے صحابہ کی دیکھ بھال کی لہٰذا میں خود اُن کا اعزاز و اِکرام کروں گا۔''

''(۴) ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منوّرہ آیا تو اُنہیں بھی مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا گیا اور

نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں مسجدِ نبوی ہی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی تو اُنہوں نے مسجد ہی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی جبکہ آپ نے اور آپ کے صحابہ نے مسجد کے دوسرے حصّے میں اپنے طریقے کے مطابق نماز ادا کی۔ جب وفد نے اپنے مذہب کے متعلق دلائل پیش کیے تو آپ نے بڑی توجّہ اور انہماک کے ساتھ اُنہیں سنا اور سورۃ النّحل کی آیت ۱۲۵ کی تعمیل میں بڑی عاجزی اور احترام کے ساتھ اُنہیں جواب دیا۔''

''(۵) یمن اور نجران کے عیسائیوں کو نبی اکرم ﷺ نے پروانۂ آزادی عطا فرمایا جس میں اُنہیں اپنے رواج و رسوم کے مطابق مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی اور ضمانت دی گئی۔''

''(۶) ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ کی قُتَیلہ نامی والدہ جو کافرہ تھیں، سیّدہ کو مدینہ منوّرہ میں ملنے آئیں۔ سیّدہ عائشہ اِس بات پر مضطرب اور پریشان ہوئیں کہ وہ اُن سے کیسا رویّہ اختیار کریں۔ اس لئے اُنہوں نے پیغمبر ﷺ سے اس بارے میں آپ کی رائے طلب کی تو آپ نے فرمایا:

''عائشہ! وہ تمہاری ماں ہیں۔ اُن سے حتی الوسع بہترین اور عمدہ ترین طریقے سے پیش آؤ، اُن کا حکم بجا لاؤ الّا یہ کہ وہ اگر تم سے اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات کہیں تو اُس صورت میں اُن کا حکم ماننے کی تمہیں اجازت نہیں وگرنہ ہر ممکن طریق سے اُن کی خدمت کرو۔''

''(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی کافرہ تھی اور وہ اکثر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا بھلا کہتی رہتی تھی جس سے ابو ہریرہ پریشان رہتے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار نبی علیہ السلام سے کیا تو آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی والدہ سے مہربان ہونے اور اُن کی خدمت کرنے کو کہا۔ ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا کہیں تو اُن کی بات نہ مانیں۔''(Encyclopaedia of Seerah, Vol. 8, pp. 601, 602)

''(ب) خلفائے راشدین کے دَورِ مبارک میں: (۱) مصر کی ایک عورت نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شکایت کی کہ اُس کے گھر کو اُس کی مرضی کے خلاف مسجد کا حصّہ بنا دیا گیا ہے۔ جنابِ عمر نے حضرت عمرو بن العاص سے اس کی وضاحت چاہی۔ ابن العاص نے لکھ بھیجا کہ چونکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اُنہیں اس چھوٹی سی مسجد میں نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔ مسجد کے قرب میں مکان اس عورت کا تھا، اُسے اُس مکان کی قیمت پیش کی گئی جو بازار کی مروّجہ قیمت سے کہیں زیادہ تھی لیکن اُس نے اسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا مسجد کی حدود کی توسیع کے لئے لوگوں کو مجبوراً اُس کے مکان کو منہدم کرنا پڑا۔ اُس مکان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی گئی ہے اور وہ عورت جب بھی چاہے، وہاں سے اُسے نکلوا سکتی ہے۔ لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن العاص کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا اور اُنہیں مسجد کے اُس حصّے کے منہدم کرنے کا حکم دیا جسے اُس عورت کی زمین پر تعمیر کیا گیا تھا اور اُس عورت کو اس کے دیے جانے سے پہلے اُسے اُسی حالت میں تعمیر کرنے کا حکم جاری فرمایا۔''

''(۲) مسلمانوں کے مصر کو فتح کرنے سے پہلے یونان کے عیسائیوں کا ملکی فرقہ مصر کے قبطی عیسائیوں کی زیادتیوں کا مرتکب ہوتا رہتا تھا۔ وہ اُن کے گرجا گھروں کو لوٹ لیتے اور بہت سے وحشیانہ افعال کے مرتکب ہوتے۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد مسلمان قبطی عیسائیوں کے ساتھ بڑے انصاف سے پیش آئے۔''

''(۳) سلطنتِ عثمانیہ کے دَور میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے عیسائیوں کو مذہبی آزادی اور ایسے حقوق دے رکھے تھے جو اُنہوں نے رومی حکومت کے تحت نہیں پائے تھے۔ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد عیسائیوں سے بڑے حُسنِ سلوک اور تلطف و ملائمت سے پیش آیا اور اُن کے مذہبی معاملات میں بڑی رواداری کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اُنہیں مکمل امن و تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ یہ ضمانت دے رکھی تھی کہ اُن کی جانیں اور مال مقدّس سمجھے جائیں گے۔ وہ فوجی خدمات سے مستثنٰی ہوں گے۔ اُن کے سر برآوردہ لوگوں کو اپنے ہی مذہب کے لوگوں کے جھگڑے چکانے اور اُن کے لئے قانون سازی کے اختیارات حاصل تھے اور اس ضمن میں اسلامی حکومت نے کبھی بھی اور کسی بھی طرح اُن کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔''

''عیسائیوں نے سلطان محمد فاتح اور قسطنطنیہ کے بازنطینی (مشرقی رومن سلطنت) حکمرانوں کے رویّے میں خاصا فرق محسوس کیا۔ بازنطینی حکومت اُن کے مذہبی اختلافات میں مداخلت کرتی رہتی تھی اور اپنے ہی چرچ کے پیروؤں کو دوسرے چرچوں کے پیروؤں پر ترجیح دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ طبقہ عیسائیت نئی مسلم حکومت کی تعریف و ستائش میں رطب اللسان تھا بالخصوص لوگوں کے مذہبی عقائد میں اس کی عدمِ مداخلت اور رواداری کی پالیسی کے وہ گن گاتے تھے۔ یارک کے رومی پیٹر (Peter) کو اتنے اختیارات حاصل تھے کہ اُس کا مقام ریاست کے اندر ایک ریاست کی مانند تھا۔ یہ لوگ مسلم سلطنت عثمانیہ کے تحت پانچ صدیوں تک مذہبی آزادی سے ہمکنار ہوئے اور اُن کی یہ آزادی ایسی مضبوط، ٹھوس اور پائیدار تھی کہ اُس کے تحفظ کے لئے اُنہیں فوج کی ضرورت نہیں تھی اور لطف یہ کہ اس مذہبی آزادی کے تحفظ کا اُن پر کوئی ٹیکس عائد نہیں تھا۔''

''(۴) اسلام کی دوسرے مذاہب و عقائد سے انتہائی رواداری کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ دیوانی، فوجی، تعلیمی یا دوسری ملازمتوں میں افسروں کے انتخاب کے لئے اسلامی حکومت کی نظر اُس عہدے کے لئے بہترین اور موزوں آدمی پر ہوتی تھی اور اس راہ میں اُس کا عقیدہ، رنگ یا قومیت آڑے نہیں آتے تھے۔ اسی وجہ سے خلافتِ بنی اُمیّہ اور بنی عبّاس میں عیسائیوں اور یہودیوں کو مختلف ملازمتوں میں اونچے عہدے حاصل تھے۔ ابنِ اثّل نامی ایک عیسائی جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذاتی معالج تھا اور ایک اور سرجین نامی عیسائی اُن کا منشی اور نقل نویس (Scribe) تھا۔ ابنِ اثّل کو بعد میں حمص کے صوبے کا مالیاتی منتظم بنا دیا گیا۔'' (تاریخ ابنِ عساکر، ج ۵، ص ۸۰)

''مروان نے ایک اور اتھاسس (Athasus) نامی ایک عیسائی کو سرکاری عہدے پر تعینات کیا، بعد میں اُسے دیوان کے ناظم کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ بعد ازاں خلیفہ عبدالملک نے اُسے اپنے چھوٹے بھائی عبدالعزیز کی تعلیم سپرد کر دی۔ اسی طرح خلفائے بنی عباس نے اُن عیسائیوں اور یہودیوں کو اونچے عہدے دیئے جو

اُن کے اہل اور موزوں تھے۔ جرجیس نامی ایک عیسائی معالج کو خلیفہ منصور کے دربار میں بڑا اونچا عہدہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ جب جرجیس بیمار پڑا تو خلیفہ اُس کی عیادت کے لئے گیا۔ جرجیس نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہی تاکہ اُس کا مدفن اپنے آباء واَجداد کے ساتھ ہو۔ خلیفہ منصور نے اُسے اسلام قبول کرنے کو کہا تاکہ اُسے جنت مل جائے لیکن اُس نے جواب دیا کہ وہ جنت یا جہنم میں اپنے آباء واَجداد کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ اس پر منصور ہنس پڑا اور اُسے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔''

''(۵) خلیفہ مروان کے ادبی حلقوں میں تمام مذاہب وعقائد کے علماء وفضلاء شریک ہوتے اور مختلف موضوعات پر اپنے نظریات پیش کرتے تھے۔ وہ اُنہیں نصیحت کرتا کہ وہ اپنی تنقیدات اور مباحث کو اپنے موضوع تک ہی محدود رکھیں اور اپنے ادبی اور فلسفیانہ نظریات کی تائید میں کسی مذہبی کتاب سے استدلال نہ کریں کیونکہ یہ چیز فرقہ وارانہ مسائل ومشکلات کو جنم دے گی اور باہمی منافرت کا سبب بنے گی۔''

''(۶) اسی طرح مسلمان دوسرے مذاہب کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے۔ عیسائی صلیبیں' بائبل اور قندیلیں اٹھائے شاہراہوں پر مجمعے لگاتے اور جلوس نکالتے۔ اُن کے پادری یہ صدا لگاتے: ''اللہ نے ہمیں مرقس نامی ایک امن پسند قائد دیا ہے۔'' یہ سب کچھ ہشام بن عبدالملک کے دَورِ حکومت میں ہوا۔ دوسرے مذاہب کے نظریات اور اُن کے مذہبی تہواروں کے ساتھ مسلمانوں کی یہ رواداری صلیبی جنگوں تک جاری رہی۔''
(انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' جلد ہشتم' صفحات ۶۰۲ تا ۶۰۴)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے ساتھ جو معاہدہ کیا' اُس کے متن کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

''اللہ رحیم ورحمٰن کے نام کے ساتھ۔ یہ وہ شرائط ہیں جو خالد بن ولید نے اہلِ دمشق کو دی ہیں۔ اگر خالد کو دمشق میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی تو وہ اُنہیں اُن کے جان ومال اور گرجاؤں کا تحفظ دے گا۔ اُن کی فصیلوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی لوگوں کو اُن کے گھروں میں مداخلت کی اجازت ہوگی۔ اس پر ہم اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ' اُن کے خلفاء اور مسلمانوں سے کئے گئے معاہدے کا حوالہ دیتے ہیں۔ جب تک وہ پول ٹیکس☆ دیتے رہیں گے' اُس وقت تک اُن سے حسنِ سلوک کیا جاتا رہے گا۔'' (''فتوح البلدان''۔۔البلاذری بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' ج ۸' ص ۶۰۷)

''مسلمانوں کی رواداری پر مستشرقین کی تصدیق: (۱) ''خلافتِ بنی اُمیہ میں تمام ملکِ شام میں عیسائیوں سے حسنِ سلوک کیا جاتا تھا۔ معاویہ کی بیوی عیسائیہ تھی جیسا کہ اُن کے دربار کا شاعر' معالج اور مالیات کا معتمد عیسائی تھا۔ ہشام کے عہد میں عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ القسری نے اپنی عیسائی ماں کی خوشی کے لئے کوفہ میں گرجا گھر تعمیر کرایا' عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنی عبادت گاہوں کے تعمیر کرنے کا حق عطا کیا اور مجوسیوں (آتش پرستوں) کو سرکاری عہدوں پر تعینات کیا۔''
("History of the Arabs"... Philip K. Hitti, pp. 233, 234) 1974 Edn.

☆ ہر بالغ آدمی پر عائد ہونے والا ٹیکس ''پول ٹیکس'' کہلاتا ہے۔ (آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری۔۔شان الحق حقی' ص ۱۲۷۶)

(۲) ''مفتوحہ ممالک کے لوگوں کو عربوں کے اقتدار کے تحت سکھ کی سانس لینے کا موقعہ ملا۔ اُن کا آنا آقاؤں کی تبدیلی کی ایک علامت تھا۔ اُن کی زندگی اور سماجی اداروں کے تسلسل میں کوئی معاہدہ شکنی نہیں تھی' کوئی اذیت رسانی نہیں تھی اور نہ ہی مذہب وعقیدے کی کوئی جبری تبدیلی (تقلیب) تھی۔'' ("Islam"..H.A.R.Gibb, p.3)Oxford1987

(۳) ''یروشلم کے لوگوں نے ۶۳۷ عیسوی میں ایک طول طویل محاصرے کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ محاصرے میں ناگزیر کارروائی کے علاوہ کسی جائداد کو نقصان نہیں پہنچایا گیا اور میدانِ کارزار کے علاوہ خون کا کوئی قطرہ نہیں بہایا گیا۔ جناب عمرؓ شہر کے سربراہ کی ہمراہی میں اُس سے شہر کی تاریخ سے متعلق خوش مزاجی سے باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ نماز کے وقت شہر کے سربراہ نے آپ کو گرجا گھر ہی میں نماز ادا کرنے کے لئے بلایا لیکن آپ نے اس خدشہ کے تحت انکار کر دیا کہ آنے والی مسلمان نسلیں کہیں اس حق کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں اور اس طرح معاہدے میں دی گئی آزادیِ عبادت کی شقیں خطرے میں نہ پڑ جائیں۔''
("Muhammad and Muhammadanism".. Bosworth Smith, p.249)1874.

(۴) ''دوسرے عقائد سے مسلمانوں کا رویہ کبھی بھی ایسا غیر رواداری کا نہیں رہا جیسا کہ اُس زمانے میں عیسائیت کا تھا۔۔ عیسائی لوگ حکومت کے وزارت جیسے اعلیٰ ترین مناصب تک ترقی کرنے کے اہل تھے اور اپنا عقیدہ تبدیل کرنے کا اُن پر کوئی جبر نہیں تھا۔ گیارھویں صدی عیسوی تک عیسائیوں کے جنازوں کے جلوس عیسائیت کی تمام امتیازی علامات کے ساتھ بغداد کی سڑکوں سے گزرتے تھے اور شاید ہی کوئی ہنگامہ آرائی تاریخی وقائع میں درج ہوئی ہو عیسائی تہوار مصر کی مسلمان آبادی میں تعطیل کے دن سمجھے جاتے تھے۔'' ...("Christianity and Islam"
C.H. Becker, p. 32) London, 1909 Edition.

(۵) ''آزادیِ ضمیر کی تائید میں قرآنی تعلیمات غیر مبہم اور واضح ہیں۔ اس کا ثبوت ٹھوس اور مضبوط اس طرح ہے کہ اسلام کئی مختلف مذاہب کے لوگوں کو اُس وقت تک خوش آمدید کہتا رہا جب تک اُن کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ درست رہا اور وہ اضافی ٹیکس ادا کرتے رہے۔ حضرت محمد (ﷺ) نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ اہلِ کتاب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں) سے تعاون کریں اور یہ شہادت زبردست ہے کہ اہلِ کتاب کو مہذّب رویہ دیا گیا اور اُن کی منشا کے مطابق اُن کے مذہب کو تقدس اور آزادیِ عبادت دی گئی۔'' (مضمون بہ عنوان "Islam" ... the Misunderstood Religion".. James A. Michener, published in the "Readers' Digest (American Edition) of May, 1955.

(۶) ''اس مذہب (اسلام) کی نجابت وشرافت اور وسیع رواداری جو دنیا کے تمام سچے مذہبوں کو الٰہی اور الہامی مانتا ہے' تمام نوعِ انسانی کے لئے ہمیشہ ایک شاندار ورثہ رہے گا اور دراصل اِسی مذہب پر ہی ایک مکمل عالمی مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔'' ("The Gospel of Islam"...Duncan Greenless, M.A. p.27)

(۷) ''بہت سے عیسائی فی الحقیقت کسی بھی طرح اپنے معتقدات کے اظہار میں فکرمند نہیں تھے۔ اُنہیں معلوم

تھا کہ اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا جارہا ہے' اپنے حکمرانوں کی جانب سے کسی رکاوٹ کے بغیر اُن کی منشا کے مطابق اُنہیں آزادیِ عبادت حاصل ہے' تجارت کرنے اور مالدار بننے میں بھی وہ آزاد ہیں۔ اپنی قدیم سلطنت کی بحالی تک اُنہیں اور کیا چاہئے تھا! اور چونکہ اُس وقت ایسا ممکن نہیں تھا' وہ اسی حالت پر قانع رہے اور اپنے نرم مزاج اور روادار حاکموں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔'' ("Moors in Spain".. Stanley Lane-Poole, p. 83) London, 1920 Edition.

(۸) ''دوسرے تمام مذاہب کو بزورِ شمشیر تہس نہس کرنے کا ایک مہلک اور ضرر رساں عقیدہ مسلمانوں سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ جہالت اور تعصب پر مبنی اس الزام کی قرآن نے' مسلمان فاتحین کی تاریخ نے اور عیسائیوں کی آزادیِ عبادت کی عوامی اور قانونی رواداری نے تردید کی ہے۔'' ("The Decline and Fall of the Roman Empire"... Edward Gibbon, Vol. IV, p. 193)

(۹) ''یہ بات درج رہے کہ اسلام انتہائی رواداری کا مذہب ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ بات دنیا کو مسخِ حقائق معلوم ہو جو اسلام کے خلاف متعصب ہے اور اس پر بالخصوص عیسائی مشنریوں نے ہر طرح کی بہتان طرازیوں کے تیر برسائے ہیں۔'' ("An Essay on Islam".. Venkata Ratnam, p. 7) Madras 1922.

(۱۰) ''اسلامی مملکت میں یہودیوں کی طرح عیسائیوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور ہسپانیہ کے بہت سے باشندوں کو ایسی ترقی یافتہ ثقافت سے متعلق ہونے کا فخر تھا اور آسائش کے آنے والے سال باقی ماندہ یورپ کے آگے تھے۔ مسلمان دوسرے مذاہب کے متعلق باتیں سننے کے خلاف نہیں تھے۔ اسلامی مملکت میں عیسائیت کی جانب سے تشہیری جدّ وجُہد کے خلاف کوئی قانون نہیں تھا بشرطیکہ وہ پیغمبر محمد ﷺ کی محبوب شخصیت پر حملہ آور نہ ہوں۔ مملکت کے کچھ حصّوں میں تشکیک اور آزادیِ خیال کی مستحکم روایت تھی جسے اُس وقت تک برداشت کیا گیا جب تک وہ تہذیب و لطافت کے اندر رہی اور بے ادب نہیں بنی۔'' ("Muhammad--- A Biography of the Prophet"... Karen Armstrong, pp. 22, 23)San Francisco 1992.

(۱۱) ''حضرت محمد (ﷺ) نے خراج عائد کئے اور فدیوں کی ادائیگی کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے ہمیشہ مفتوح لوگوں کے مذہبی عقائد کا احترام کیا۔ آپ کے دین کی یہ صحیح ستائش ہے لیکن کسی کے عقیدے کی جبری تبدیلی کا کوئی قانون اس میں نہ تھا۔۔۔ جب آپ فتحِ مکہ کے بعد مدینہ کو واپس ہوئے تو آپ نے مکّہ کے ہر دل کو اس مذہب کی رواداری اور رحمت نوازی پر حیرت زدہ کر دیا تھا۔'' ("An Apology for Muhammad and the Koran"... John Davenport, p. 47) 1882 Edition.

(۱۲) ''جب ۱۰۹۹ عیسوی میں صلیبیوں نے ارضِ مقدس پر حملہ کیا تو جہاں کہیں سے بھی وہ گزرے' وہ موت اور تباہی کا پیغام دیتے گئے لیکن جب صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کو نکال باہر کیا تو اُس نے کوئی انتقامی

کارروائی نہیں کی۔ مسلمانوں نے نہ ہی حملہ شدہ ملک کو تباہ و برباد کیا جس طرح کہ دوسرے مذاہب کے حملہ آوروں نے کیا تھا۔ جہاں کہیں سے بھی مسلمانوں کا گزر ہوا' تو وہاں پہلے سے موجود اشیاء سے کچھ بہتر اشیاء ہی پیدا ہوئیں۔ اِحیائے علوم کی تحریک محمد (ﷺ) کے ابتدائی پیروؤں کی مرہونِ منت تھی جنہوں نے ثقافتِ اسلامی کو زندہ رکھا جبکہ یورپ قرونِ وسطیٰ کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔'' ("The Messenger"... R.V.C. Bodley, p.137)

(۱۳) ''محمد (ﷺ) کے لائے ہوئے اس نئے دین نے اُن تمام لوگوں کو آزادیِ ضمیر عطا کی جنہوں نے اپنے آپ کو اس کی حفاظت میں دے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام مظلوموں کے لئے ملجا و ماویٰ اور مذہبی تشدّد کے خلاف تحفظاتی حصار کے طور پر اُبھرا۔ اسلام کی فتح اُس کے ابتدائی پیروؤں کی عسکری شجاعت کی نسبت اُس کے انسانی قیود سے آزاد کرنے اور مساوات پر مبنی اصولوں کی زیادہ رہینِ منت ہے۔'' ("The Historical Role of Islam"... M. N. Roy, quoted in "THE HEIGHTS -- Glory of the Muslim World" p. 243) 1984

(۱۴) ''ایک دفعہ مسلمان ہو جانے کے بعد دوسرے مذاہب سے آئے ہوئے اِن ہسپانوی لوگوں نے اپنے آپ کو (نئے) اختیار کردہ مذہب کے گرمجوش حمایتی اور مؤیدین کی حیثیت سے ظاہر کیا اور اُنہوں نے اور اُن کے اہل و عیال نے عرب طبقہِ اُمراء کی غیر محتاط اور عیاشانہ زندگی کے مقابل سخت گیر' بے لچک محمدی علماء کی سادگی پسند جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔'' ("The Preaching of Islam"... T.W. Arnold, p. 133)

(۱۵) ''مسلمانوں کی حکومتی کامیابی بیشتر طور پر رواداری کی اُس حکیمانہ حکمتِ عملی میں مضمر تھی جو اُنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ روا رکھی تھی اور اس حکمتِ عملی میں اُن کے جانشینوں کے اذیّت رساں اعمال کے ساتھ خوش کن اور دل آویز موازنہ تھا۔'' ("A History of Europe"... H.A.L. Fisher, Vol. 1, p. 138)

''<u>انسانی روابط میں نئی وسعتیں اور پہنائیاں</u>: پیغمبر اسلام نے انسان کو نہ صرف ایک نئی بصیرت عطا کی' اُس کی سماجی زندگی میں نئی وسعتوں کا اضافہ کیا اور انسانی وجود کی عملی حقیقتوں اور اس کی ضروریات پر زور دیا' بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی کو فرض قرار دیا۔ دراصل حقوق العباد کے ترجیحی مقام کا مطلب حضرتِ انسان کو اپنے اَبنائے جنس کے حقوق کا احساس دلانا اور اُسے نظم و ضبط کے ساتھ اُن کی پابندی کی تربیت دینا ہے۔ سورہ عَبَس (۸۰) اور سورۃ الماعُون (۱۰۷) قطع نظر انسان کے سماجی مقام کے نہ صرف ہر فردِ سماج کی عزت و توقیر پر زور دیتی ہیں بلکہ اُن کے ساتھ فیاضانہ اور کریمانہ برتاؤ پر بھی زور دیتی ہیں جو اُن کا حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام قرآنِ حکیم اور اس کی تعلیمات اعلیٰ سطح کے انسانی روابط پر گفتگو اور بحث کا نام ہے۔''

''قرآن واضح طور پر اعمالِ صالحہ کی ستائش کرتا ہے اور برے اعمال و افعال کی مذمت کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم دوسرے لوگوں سے روابط میں انسانی اعمال و افعال کی مختلف فطرت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ انہیں وسیع طور پر اچھے اور بُرے دو زُمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سورۃ اللّیل (۹۲) میں ہم یہ آیات پڑھتے ہیں :

۱۹۷۶ (انسان دوستی ۔۔۔Humanism)

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی O وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی O فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی O وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی O وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی O فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی O وَمَا یُغْنِیْ مَالُہٗ اِذَا تَرَدّٰی O (۵ تا ۱۱ : ۹۲)

''سو جس نے (راہِ خدا میں) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا' تو ہم اُس کے لئے آسان راہ آسان کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اُس کے لئے مشکل راہ آسان کر دیں گے۔ اور اُس کا مال اُس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا۔''

اس ''آسان راہ'' کا مطلب وہ راہ ہے جو انسانی فطرت اور رضائے مولیٰ کے مطابق ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس میں انسان کو اپنے ضمیر سے نہیں لڑنا پڑتا اور جس میں اُسے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی توانائیوں کو اُن کاموں کے کرنے کے لئے مجبور نہیں کرنا پڑتا جن کے کرنے کے لئے اُنہیں تخلیق نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُن سے وہ ایسے کام لیتا ہے جن کی خاطر اُنہیں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس میں انسان کو کسی بھی طرف سے جنگ' دفاع اور چپقلش کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جیسا کہ گناہ کی زندگی میں اُسے ان پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے میں رہ رہا ہوتا ہے جس میں ہر قدم پر اُسے امن و آشتی' مدح و ستائش اور عزت و توقیر ملتے ہیں۔''

''ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی دولت عوام کے رفاہی کاموں میں خرچ کرتا ہے' ہر ایک سے مہربانی سے پیش آتا ہے' جس کی زندگی گناہ' بداخلاقی اور جرم سے آزاد ہے' جو اپنے معاملات میں راست رَو اور درست ہے' جو کسی سے دھوکہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے وعدوں میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے' جس سے کسی کو بھی بددیانتی' بے انصافی اور زیادتی کا خدشہ نہیں اور جس کے کردار میں کوئی بھی شخص کوئی کوتاہی نہیں پاتا' اُسے بہرصورت ہر سماج میں عزت و توقیر ہی ملے گی خواہ وہ سماج کتنا ہی بداطوار اور بدراہ کیوں نہ ہو۔ اُس کی طرف دل تعظیم و تکریم میں کھچے چلے آئیں گے' اُس کا اپنا دل اور ضمیر مطمئن نظر آئیں گے اور اُسے سماج میں ایسی عزت و وقار ملے گا جسے بداطوار شخص کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کو سورۃ النّحل میں یوں بیان کیا گیا ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O (اَلنَّحل : ۹۷)

''جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم اُنہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔'' (۱۶:۹۷)

''حاصل یہ نکلا کہ یہ راہ وہ راہ ہے جس میں اِس دنیا سے لے کر آخرت تک آدمی کے لئے خوشی ہی خوشی' امن ہی امن اور طمانیت ہی طمانیت ہے۔ اس کے نتائج عارضی اور چند روزہ نہیں بلکہ دائمی اور مستقل ہیں۔''

آیتِ مذکورہ بالا (۷) فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی (ہم اُس کے لئے آسان راہ آسان کر دیں گے) کا یہی مطلب ہے کہ عملِ صالح کی پُرزور تائید و توثیق کرنے کے بعد جب آدمی یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ صرف یہی راہ اُس کے لئے موزوں اور مناسب ہے اور برائی کی راہ اُس کے لئے موزوں نہیں ہے تو پھر قربانیوں اور تقویٰ کی زندگی

اختیار کرنے کے ذریعے وہ عملی طور پر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ اپنی توثیق میں سچا ہے۔ پھر دوسروں سے برائی کرنا اُس کے لئے مشکل ہو جائے گا اور نیکی کرنا آسان ہو جائے گا۔ جب اُس کے سامنے ناجائز کمائی آئے گی تو وہ اُسے خوش قسمتی کی بات نہیں سمجھے گا بلکہ دہکتے ہوئے کوئلے کا گرم ٹکڑا سمجھے گا جسے اپنے ہاتھ میں تھامنا اُس کے بس کی بات نہیں۔ جب اُس کے آگے گناہ کے مواقع سر اٹھائیں گے تو وہ اُنہیں فرحت و مسرت کے مواقع سمجھتے ہوئے اُن پر ٹوٹ نہیں پڑے گا بلکہ اُنہیں جہنم کے دروازے سمجھتے ہوئے اُن سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے وہ دکھ محسوس نہیں کرے گا بلکہ وہ اپنی دولت کو اُس وقت تک پاک نہیں سمجھے گا جب تک وہ اس میں سے محتاج و ناداروں کا حصہ نکال نہیں لے گا جو اُن کا جائز' قانونی حق ہے۔ دراصل وہ اپنے ابنائے جنس کی مدد کر کے اور اپنی اُس دولت میں سے اُن کا حصہ اُنہیں ادا کر کے مثبت قسم کا اطمینان اور بڑی فرحت و خوشی محسوس کرے گا جسے اللہ نے بطور امانت اُسے دی ہے (بحوالہ سورۃ المعارج: آیات ۲۴' ۲۵)۔ القصہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اپنی رحمت و کرم کی برکھا اُس پر کرے گا اور اس راہ پر گامزن ہونے میں اُس کی مدد فرمائے گا۔'' (''تفہیم القرآن'' سیّد ابوالاعلیٰ مودودی' جلد ششم' صفحات ۷۸ تا ۸۱ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' جلد ہشتم' صفحات ۶۰۷ تا ۶۰۹)

''قرآنِ مجید اور سنتِ رسول ﷺ کی اِن تعلیمات نے اللہ کی نظر میں خدمتِ خلق کی اہمیت و قدر کو کسی اور چیز کی نسبت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ آیاتِ بالا کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہے کہ اسلام نے ایک نئی جہت دکھائی ہے اور نیکی اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں بالکل نئی وسعتوں اور پہنائیوں کا اضافہ کیا ہے۔ اس نے خیراتی اور سماجی فلاح و بہبود کے کاموں سے فخر و غرور' شان و شوکت' نمود و نمائش اور ذاتی پارسائی اور نیکی کے منافقانہ مظاہروں کو کلی طور پر خارج کر دیا ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ نیکی اور بھلائی کے رفاہی کام صرف وہ ہیں جنہیں اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے کیا جائے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' جلد ہشتم' صفحات ۶۰۹' ۶۱۰)

''پس قرآنِ حکیم کے نزدیک اصل خیرات وہی ہے جو اللہ کے ہاں قابلِ قبول ہو اور اِن اوصاف کی حامل ہو:

(۱) خیرات صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے دی جائے۔

(۲) اس دنیا میں کسی بھی شکل میں اُس کی جزا کی امید نہ رکھی جائے۔

(۳) خیرات دینے کے بعد کسی بھی طرح اس رفاہی عمل کے نتائج نہ نکالے جائیں۔

(۴) خیرات لینے والے کو کسی بھی قسم کی جسمانی' روحانی یا جذباتی اذیت نہ دی جائے۔

(۵) مہربانی' رحم دلی' عفو و درگزر اور دوسروں کی کوتاہیاں اور لغزشیں دیکھنے سے اندھا ہو جانا خیرات کا لازمہ ہے۔ اگر خیرات کو دل آزاری یا اذیت دے کر ضائع کرنا ہی ہے تو خیرات کرنے سے مذکورہ اوصافِ حمیدہ بہتر ہیں۔

(۶) وہ خیرات جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے کی جائے' دراصل خیرات ہے ہی نہیں بلکہ بری بات ہے۔''

(عبداللہ یوسف علی' نوٹس ۳۰۹' ۳۱۰)

''یہ بحث واضح طور پر بتاتی ہے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے انسان دوستی اور انسان نوازی کے عنصر کا

تعارف رحم دلی، مہربانی، فیض رسانی، فیاضی اور افرادِ معاشرہ سے عفوو درگزر کے ذریعے کیسے کرایا۔صرف یہی نہیں بلکہ اسلام نے اعلان کیا کہ میٹھا بول جھوٹی خیرات سے بہتر ہے (سورۃ البقرۃ:۲۶۳)۔اسلام نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے خیراتی کام اللہ کی نظر میں بہت ہی پسندیدہ ہے اور یہ کہ بخل اُس کے نزدیک بہت قابلِ نفرت ہے۔''

''انسان دوستی سے متعلق احادیثِ مبارکہ: ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ گرامی ہیں:
(۱) ''مؤمن کا رویّہ دوستانہ ہوتا ہے اور اُس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس کا رویّہ نہ تو دوستانہ ہے اور نہ ہی اُس سے دوستانہ رویّہ اختیار کیا جاتا ہے۔'' (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)
(۲) ''اگر کوئی شخص میری اُمّت کے کسی فرد کی حاجت براری اُسے خوش کرنے کی خاطر کرتا ہے، تو دراصل اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اُس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔''
(شعب الایمان للبیہقی)
(۳) ''جو شخص مصیبت زدہ کی معاونت کرتا ہے، اللہ اُس کے تہتر (۷۳) معافی کے کام درج کر دیتا ہے جن میں سے ایک اُس کی مجموعی فلاح و بہبود سے متعلق ہوتا ہے اور بقایا بہتر (۷۲) روزِ قیامت اُس کے درجات ہوں گے۔'' (بیہقی)
(۴) ''تمام مخلوقات اللہ کی محتاج ہیں اور اللہ کو وہ بندے بہت ہی محبوب ہیں جو اللہ کے محتاجوں سے مہربانی سے پیش آتے ہیں۔'' (شعب الایمان للبیہقی)
(۵) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ میری محبت صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایک دوسرے سے میری رضا کی خاطر محبت کرتے ہیں، جو ہم نشینی میری رضا کی خاطر کرتے ہیں، جو ایک دوسرے سے ملاقات میری رضا کی خاطر کرتے ہیں اور جو تحائف کا باہم تبادلہ مجھے خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں۔''
(ترمذی، مؤطا امام مالک جس میں الفاظ کا کچھ فرق ہے۔)
(۶) ''اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو نہ تو پیغمبر ہیں اور نہ ہی شہید ہیں لیکن جن کا اللہ سے تعلق کا مقام روزِ قیامت رسولوں اور شہیدوں کے لئے باعثِ رشک ہوگا۔صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اُن کے بارے میں بتایا جائے۔آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے محبت اللہ کی طرف سے انسان میں ڈالی ہوئی رُوح کے طفیل کرتے ہیں اور باہم تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں حالانکہ اُن میں کوئی قرابتداری یا جائداد میں اشتراک نہیں ہوتا۔'' (ابوداؤد، شرح السنۃ)
(۷) ''جب مسلمان اپنے (دینی) بھائی کی ملاقات کو جاتا ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خوش نصیب ہو، تمہارا چلنا مبارک ہو اور تم مقامِ جنت میں داخل ہو گے۔''

''یہ احادیثِ مبارکہ اسلامی معاشرے کے افراد میں باہمی پیار و محبت اور فیض رسانی کی اہمیت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی میں دوسروں کے لئے محبت کا جذبہ نہیں ہے تو وہ اِن احادیث کی رُو سے سچا مسلمان ہی نہیں ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ، ج ۸، ص ۶۱۱، ۶۱۲)

''روابط کے بندھنوں کی تقویّت: قرانِ حکیم نے باہمی روابط کے بندھنوں کی مضبوطی پر بھی کافی زور

دیا ہے۔مثلاً سورۃ الرَّعد کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَلَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ ۝ وَ الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَ یَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ۝ وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِ ۝ (الرَّعد: ۲۰ تا ۲۲)

"جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور (اُس) پیمان کو توڑتے نہیں ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' اُسے جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی رضامندی کی تلاش میں صبر کرتے ہیں' نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دے رکھا ہے' اُس میں سے خفیہ بھی اور ظاہر طور پر بھی وہ خرچ کرتے رہتے ہیں اور بدسلوکی کو حسنِ سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں' اُنہی کے حق میں نیک انجام ہے۔" (۲۰ تا ۲۲ : ۱۳)

"اللہ کے عہد سے مراد وہ عہدِ اطاعت ہے جو انسان روزِ ازل کو اللہ سے کر چکا ہے (تفسیر بیضاوی بحوالہ سورۃ الاعراف' آیت: ۱۷۲)۔ وسعت دے کر وہ سب مسائل اس میں داخل کر لئے گئے ہیں جو دلائلِ شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ "وہ سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں" میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی اطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بےفکر نہیں ہو جاتے۔ آیت ۲۰ میں جہاں حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید ہے' آیت ۲۱ میں حقوق العباد کی ادائی کا اہتمام ہے۔ "وہ جو اپنے رب کی رضامندی کی تلاش میں صبر کرتے ہیں" کہ دینِ حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یعنی حسبِ موقع ومصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں اور کبھی اُسے مخفی بھی رکھتے ہیں مثلاً جو رقم سلطنتِ اسلامی میں واجب الادا ہو' اُسے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں' پڑوسیوں' مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے' وہاں اُسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ (برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے رہتے ہیں) کا ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔ عُقۡبَى الدَّارِ سے مراد جنّت ہے جو اِسی دُنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔" (ماجدی اردو' ص ۵۱۷' نوٹ: ۴۳ تا ۴۵)

اس کے برعکس جو لوگ ان احکامات کی پابندی نہیں کرتے' اُنہیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷ اور سورۃ الرَّعد کی آیت ۲۵ میں جہنم کے بدترین ٹھکانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

غریبوں' محتاجوں' ناداروں' یتیموں اور بیوگان کی فلاح و بہبود کے لئے خیراتی اور رفاہی کام اس قدر اہم ہیں کہ جو لوگ اُن کی انجام دہی میں ناکام رہتے ہیں' اُن کا بخل اور مال و دولت سے ناجائز محبت اُنہیں جہنم میں لے جانے کا موجب بنیں گے۔ آیات ملاحظہ ہوں :

(۱) فِیۡ جَنّٰتٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ مَا سَلَكَكُمۡ فِیۡ سَقَرَ ۝ قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ۝ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِیۡنَ ۝ (اَلۡمُدَّثِّر : ۴۰ تا ۴۴)

''وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے اور مجرموں کی بابت پوچھ رہے ہوں گے کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلاتے تھے۔'' (۴۰ تا ۴۴: ۷۴)

(۲) كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ O وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ O وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا O وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا O (اَلْفَجر: ۱۷ تا ۲۰)

''یہ بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے ہو اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی زیادہ محبت رکھتے ہو۔'' (۱۷ تا ۲۰ : ۸۹)

''یتیم تو بے چارہ اعزاز و اکرام کا مستحق ہوتا ہے، تم اُلٹا اُسے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو، اُس کے حقوق غصب کرتے ہو اور اُس کا مال تک کھا جاتے ہو۔ مسکینوں کے حقوق تو شریعتِ الٰہی نے قائم کر دئے ہیں کہ اُنہیں خود کھلاؤ اور دوسروں کو اُن کے کھلانے پلانے پر آمادہ کرتے رہو۔ تم خود تو کیا کھلاتے پلاتے، دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتے۔ دوسروں کے حقوق تلف و غصب کر لینے میں تم کیسے دلیر و بیباک ہو! مال کی نفسِ محبت تو ایک امرِ طبعی ہے البتہ اس محبت میں غلو جس سے دوسروں کی حق تلفی کی نوبت آ جائے (جس میں زکوٰۃ و خیرات کا نہ دینا اور مجبور و محتاج کی خبر گیری نہ کرنا بھی شامل ہے) سراسر ممنوع ہے اور قرآنِ حکیم میں بار بار گرفت اسی پر آئی ہے۔''

احادیث مبارکہ: (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لفظ ''رَحِم'' (روابط کی مضبوطی کا بندھن) ''رَحمٰن'' (انتہائی رحم کرنے والا) سے مشتق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رَحِم (Womb) سے فرمایا کہ ''میں بہت رحم کرنے والا ہوں۔ رَحِم (رشتہ) کو میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ جو تجھے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا، میں اُسے توڑ دوں گا۔'' (سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، مسند احمد)

(۲) ''صلہ رحمی کو توڑنے والا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

(۳) ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اُس کے رزق میں فراخی دی جائے اور اُس کی عمر دراز ہو، اُسے چاہئے کہ رَحِم کے رشتوں کو جوڑے رکھے۔''

''انسانوں کے درمیان اختلاف کا پایا جانا غیر فطری نہیں لیکن اس اختلاف کو معقول طریقے، شائستگی اور رواداری سے حل کرنے کا نام ہی ''انسان دوستی'' ہے اور یہی اسلام کا تقاضا ہے۔ مسلمان معاشرے میں سیاسی اختلافات بھی ہو سکتے ہیں، فقہی مسالک کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن ان معاملات میں محبت اور بھائی چارے کی رُوح اگر کارفرما ہے تو امن و آشتی کی فضا قائم رہتی ہے۔ باہمی رواداری سے کام لیا جائے تو اختلافات کے باوجود افرادِ معاشرہ مل جل کر ملک و قوم کی ترقی اور دین کی خدمت و سربلندی کے اعلیٰ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ رویّہ اُس صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے جب ہم دین و ایمان کے رشتہ کو اوّلیت و اہمیت دیں اور باقی تمام ترجیحات کو اِس رشتے کے تابع کر دیں۔ صرف اس صورت میں ہم بہ حیثیت اُمّتِ مسلمہ متحد و مضبوط رہ سکتے ہیں اور اسی اتحاد و اتفاق میں ہماری انفرادی اور اجتماعی کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے۔'' (ماہنامہ ''پہچان'' لاہور نومبر ۹۸)

(۷۰) نظریہ خیرِ خلق (Humanitarianism)

راقم کے خیال میں اگر زیرِ نظر عنوان کو ''انسانی حقوق'' بلکہ (Human Rights and Islam) کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کی اِن چودہ صدیوں کو کھنگال کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کی اَقدار میں ہزار ہا تغیّر و تبدّل ہونے کے باوجود آج بھی تاجدارِ انبیاء اور فخرِ موجودات' محبوبِ کبریاء حضرت محمد رّسول اللہ ﷺ کا اُسوہ حسنہ تمام دنیا کے لئے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر حیاتِ انسانی کے ہر پہلو میں کئی گنا تبدیلی آنے کے باوجود آپ ﷺ کے سوا کسی اور شخصیت کی زندگی نہ تو نمونۂ حیات ہے اور نہ اسلام کے سوا کوئی مذہب کامل راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ آج ہماری زندگی کا سیاسی و عمرانی پہلو ہو' یا معاشرتی و معاشی پہلو' علمی پہلو ہو یا نفسیاتی پہلو' مذہبی پہلو یا اقتصادی۔ علم کی ارتقائی منزلوں کو طے کرنے اور اوجِ ثریا تک پہنچنے کے باوجود انسانیت آج بھی زندگی کے تلخ حقائق اور گمبھیر مسائل سے نمٹنے کے لئے درِ مصطفی سے راہ نمائی کی بھیک مانگ رہی ہے اور آپ کے لائے ہوئے دینِ اسلام ہی سے ہدایت اور راہ نمائی پا رہی ہے۔

آج مغرب' اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو بدنام اور مطعون کرنے کی فکر میں ناپاک' گھٹیا سازشوں کے جو جال بچھا رہا ہے' اُن کی حقیقت طفل تسلیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ایسا کرنے میں اپنی تذلیل کا سامان وہ خود مہیا کر رہا ہے جس کا ثبوت خود اُن کے اکابرین اور منصف مزاج اہلِ دانش کے قلم سے اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد چہارم کے صفحات ۱۹۷۲ تا ۱۹۷۵ میں دیا جا چکا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اپنی اَقدار سے متعلق بلند و بانگ دعوے کرنے والے اِن دشمنانِ اسلام کی تہذیب و ثقافت اور ہمارے مذہب اسلام کی تہذیب و ثقافت میں کیا فرق ہے اور انسانی قدروں کی رُو سے ان دونوں میں سے کون سی تہذیب و ثقافت اپنائے جانے کے لائق ہے۔

''<u>مغرب اور انسانی حقوق</u>: انسانی حقوق کے بارے میں Roger Cotterrell لکھتا ہے:

''قانونی شخص کا تصوّر اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بطور ایک شخص کے' فرد حقوق و فرائض کی اہلیت سے بہرہ ور ہے۔'' ("The Sociology of Law" (London 1992, 2nd Edn.) pp. 123, 124

''<u>مغرب اور حقوقِ نسواں</u>: برطانیہ میں عورت کے حقِ رائے دہی کے لئے جدّ و جُہد کا آغاز ہی ۱۸۹۷ء میں National Union of Women's Suffrage کے قیام سے ہوا۔ یہ تحریک اُس وقت زیادہ زور پکڑ گئی جب ۱۹۰۳ء میں Women's Social and Political Union بنائی گئی اور یہ یونین بعد میں Suffragettes کے نام سے مشہور ہوئی۔''

۱۹۸۲ (نظریہ خیرِ خلق ۔۔Humanitarianism)

☆ ''برطانیہ کے دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) نے ۱۹۱۸ء میں ۵۵ کے مقابلہ میں ۳۸۵ ووٹوں کی اکثریت سے Representation of People Act پاس کیا جس کے مطابق تیس سال سے زائد عمر کی خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا۔ اگرچہ یہ خواتین کے حقِ رائے دہی کے اعتراف کا نقطہ آغاز تھا مگر ابھی عورتوں کو مَردوں کے برابر مقام نہیں دیا گیا تھا کیونکہ عام مَردوں کے لئے حقِ رائے دہی کی اہلیت اکیس سال اور مسلح افواج کے لئے اُنیس سال تھی۔''

☆ ''امریکہ میں ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کا اعلانِ آزادی The Declaration of Independence جدید جمہوری معاشرے کے قیام کی خشتِ اوّل سمجھا جاتا ہے مگر اس میں بھی عورت کو بنیادی انسانی حقوق کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ Richard N. Current کے مطابق نوآبادیاتی معاشرے کی عورت ہر طرح کے حق سے محروم تھی۔''

☆ ''اسی طرح جب جیفرسن نے اعلانِ آزادی میں The Peoples کا لفظ استعمال کیا تو اس سے مراد صرف سفید فام آزاد مرد تھے اور آج دو صدیاں بعد بھی امریکہ میں عورت مساوی آزادی و مساوات کے لئے مصروفِ جدّ وجُہد ہے۔ کیونکہ اُس ڈیکلریشن میں Men کا لفظ وارد ہوا ہے 'Women' کا نہیں۔''

☆ ''جان بلم کے الفاظ میں ''پرانے امریکی مرد' خواتین کو اپنے مساوی تسلیم نہیں کریں گے۔''

☆ ''اُنیسویں صدی کی امریکہ کی عورتوں کے حقوق کی علم بردار Susan B. Anthony کو ۱۸۷۲ء میں صدارتی الیکشن میں ووٹ ڈالنے پر گرفتار کر لیا گیا اور ایک سو ڈالر کا جرمانہ کیا گیا کیونکہ عورت کو قانونی طور پر حقِ رائے دہی حاصل نہیں تھا۔''

۴ جون ۱۹۱۹ء کو امریکی کانگریس اور سینٹ نے امریکی آئین کا اُنیسواں ترمیمی بل منظور کیا جس میں یہ قرار پایا:

''آرٹیکل ۱۹: کوئی ریاست یا متحدہ ریاستیں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہریوں کا حقِ رائے دہی جنس کی بنیاد پر ختم نہیں کریں گی۔''

''گویا امریکہ میں خواتین کو ۱۹۲۰ء تک رائے دہی کا حق حاصل نہ تھا۔ جب اُنیسویں آئینی ترمیم منظور ہوئی جس کے تحت یہ حق دیا گیا۔''

☆ ''اسی طرح فرانس میں ۱۹۴۴ء میں عورتوں کو حقِ رائے دہی دیا گیا۔''

☆ ''آسٹریلیا میں ملک گیر سطح پر خواتین کو رائے دہی کا حق ۱۹۲۶ء میں دیا گیا جبکہ آسٹریلوی پارلیمنٹ کے

کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی پہلی خاتون Edith Cowan تھی جو ۱۹۲۱ء میں مغربی آسٹریلیا کی قانون ساز اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔

☆ ''یہی حال دیگر مغربی ممالک کا ہے جہاں پچھلی ایک ڈیڑھ صدی میں عورت کو قانونی شخص تسلیم کیا گیا اور ایک سو پچاس سال قبل اُسے حقِ رائے دہی دیا گیا۔''

''اسلام اور حقوقِ نسواں: اسلامی دنیا میں آج سے چودہ صدیاں قبل عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیئے گئے۔ نسلی امتیاز ختم کرتے ہوئے اُسے حقِ رائے دہی دیا گیا' اسلام نے عورت کو انفرادی و اجتماعی حقوق دیئے۔ ماں' بہن' بیٹی' بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے اُسے عائلی حقوق عطا کئے' اُسے ازدواجی حقوق دیئے اور اُسے معاشی' سیاسی اور قانونی عطا کر کے اُس کی کھوئی ہوئی عزت و وقار کو قائم کیا۔

☆ ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت مرد و زن نے یکساں طور پر حقِ رائے دہی استعمال کیا' خواتین کی سیاسی مشیر کے طور پر تقرری کی گئی اور مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر اُس کی تعیناتی کی گئی۔ عورت کو دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی دی گئی اور فوجی آفیسرز کے طور پر بھی ذمہ داریاں دی گئیں۔''

☆ ''عورت کی دی ہوئی امان کو مرد کی امان کے برابر قرار دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَرْأَةَ تَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِيْ تُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ (جامع ترمذی: کتاب السیر رقم:۱۵۷۹)

''عورت پوری قوم کے لئے یعنی مسلمانوں کی طرف سے امان دے سکتی ہے۔''

''عورت کی طرف سے دی ہوئی امان کا صحیح ہونا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں ایک عام بات تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

إِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَتُجِيْرُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فَيَجُوْزُ (سنن ابی داؤد: کتاب الجہاد رقم:۲۷۶۴)

''اگر کوئی عورت (مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف بھی) کسی کو امان دے دے تو جائز ہے۔''

☆ ''اسی طرح اسلامی معاشرے میں عورت کو پارلیمنٹ میں بھی نمائندگی دی گئی۔ ایک موقع پر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجلسِ شوریٰ سے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلسِ شوریٰ میں موجود ایک عورت نے کہا: آپ کو اس کا حق اور اختیار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ آتَيْتُمْ إِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا O (النساء: ۲۰)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لو گے؟'' (۴:۲۰)

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا:
اِمرَأَة" أَصَابَتْ وَرَجُل" أَخطَأَ (نَیلُ الاَوطار: شوکانی ۶ : ۱۷۰)
''عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے غلطی کی۔''

''یہ عورت کو اسلام کی عطا کردہ عزت اور تکریم ہی تھی جس سے وہ معاشرے کا ایک مؤثر اور باوقار حصّہ بن گئی اور اُس نے زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی' انتظامی اور سفارتی کردار کے علاوہ تعلیم وفن کے میدان میں بھی عورتیں نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ روایتِ حدیث' قرأت و کتابت' شعر و ادب اور دیگر علوم وفنون میں بھی بے شمار خواتین مہارت اور سند کا درجہ رکھتی تھیں۔'' (شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خصوصی خطاب سے اقتباس بحوالہ ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور دسمبر ۲۰۰۸ء' صفحات: ۵۱ تا ۵۳)

نوٹ: ''اسلام میں عورت کے مقام کی بابت مسلم اور غیر مسلم شخصیات کی تشخیص'' ملاحظہ ہو اِسی انسائیکلو پیڈیا کی جلد سوم کے صفحات ۱۴۰۷ تا ۱۴۱۰۔

''<u>اسلام اور غیر مسلموں کے حقوق</u>: اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی مملکت میں اقلیتوں کو وہ بلند مقام حاصل رہا کہ بغداد' سپین اور برِّصغیر میں اقلیتیں ہر سطح کے ریاستی امور میں بھی شریک رہیں اور مملکت کی اعلیٰ ترین ذمہ داریوں پر فائز رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اُن تعلیمات کا اثر تھا جو غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے عطا فرمائیں۔''

☆''آپ نے فرمایا کہ مؤمنوں کے حقوق آپس میں برابر ہیں اور اُن کی ادائیگی کے لئے اُن میں سے جو ادنیٰ ہیں وہ بھی کوشش کریں۔ کسی مسلمان کے بدلے میں کسی غیر مسلم کو قتل نہ کیا جائے اور کسی معاہد کو اس کی مدّتِ معاہدہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔''

☆''غیر مسلموں کے حقوق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی معاہد کو قتل کیا' وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھے گا حالانکہ اُس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محسوس ہوتی ہے۔''

☆''سنن ابی داؤد میں مروی حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کو مارنے یا اُن کی حق تلفی کرنے والے مسلمان کو زجر و توبیخ کی اور اُسے ریاست کی طرف سے سزا دینے کا حکم دیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ روزِ قیامت میں خود اُس غیر مسلم کی طرف سے جھگڑا کروں گا:

أَلَا مَنْ أَظْلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَه‘ أَوْ كَلَّفَه‘ فَوقَ طَاقَتِهٖ أَوْأَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِطِيْبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيْجُه‘ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن ابی داؤد: كتاب الخراج والامارة‘ رقم: ۳۰۵۲)

’’خبردار! جس نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا یا اُس کے حق میں کمی کی یا اُسے کسی ایسے کام کی تکلیف دی جو اُس کی طاقت سے باہر ہو یا اُس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اُس سے لی تو قیامت کے روز میں اُس کی طرف سے جھگڑوں گا۔‘‘

’’وہ لوگ جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے‘ اُنہیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں ہمیشہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھائے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی کفار ہی ہر سال مدینہ پر حملہ کرتے جبکہ مسلمانوں نے ہمیشہ دفاعی پالیسی اپنائی۔ غزوہ بدر ہو یا غزوہ اُحد یا غزوہ خندق‘ تینوں بڑی جنگیں مدینہ منورہ کی سرحدوں پر لڑی گئیں اور مسلمان ہمیشہ پُرامن رہے۔‘‘

’’آپ ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ رہا‘ اُس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکینِ مکّہ وطائف نے آپ ﷺ پر مظالم کی انتہا کر دی لیکن جب مکہ فتح ہوا اور آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے تو ایک انصاری کمانڈر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَة (آج لڑائی کا دن ہے) یعنی آج کفار سے جی بھر کر انتقام لیا جائے گا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور اُن سے جھنڈا لے کر اُن کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور ابوسفیان سے فرمایا: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَة (فتح البارى ۸:۹ ؛ الاستيعاب ۲ :۵۹۷) یعنی آج لڑائی کا نہیں بلکہ آج رحمت کے عام کرنے (اور معاف کر دینے) کا دن ہے۔‘‘

’’پھر آپ ﷺ نے اپنے مخالفین سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟ تو اُنہوں نے کہا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خطا کار بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا تھا‘ آپ سے بھی وہی توقع ہے۔ اس جواب پر آپ ﷺ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء (آج کے دن تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں‘ چلے جاؤ تم سب آزاد ہو) (الجامع الصغیر رقم: ۳۶۸)

’’نبی اکرم ﷺ کا بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ‘‘ کہ جو شخص آج ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا‘ وہ امن میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو اس طرح پورا کیا کہ جو بھی اُس دن ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا‘ اُسے امان مل گئی (صحیح مسلم: کتاب الجہاد رقم: ۱۷۸۰)‘‘

’’مکّہ مکرّمہ میں نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے میں سب سے زیادہ دو آدمیوں کا دخل تھا۔ وہ ابولہب کے

بیٹے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو سخت ایذائیں دیں۔ فتح مکّہ کے دن یہ دونوں گستاخ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے جا چھپے۔ رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کو خود کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے سے نکالا اور معاف فرمادیا۔'' (نصب الرایۃ ۳ : ۳۳۶)

''اس طرح کے بے شمار واقعات و احادیث ہیں جن سے اسلام کی عظمت آشکار ہوتی ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے دشمنوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا اور تمام عمر اپنے اوپر ظلم ڈھانے والوں کو چشمِ زدن میں معاف کردیا۔''

☆ ''سیدنا علی کرّم اللہ وجھہ' فرماتے ہیں: اِذَا قَتَلَ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِیَّ قُتِلَ بِهٖ (اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو مسلمان (عوضاً) قتل کیا جائے گا)۔'' (الحجۃ للشیبانی ۴: ۳۴۹؛ الام للشافعی ۷: ۳۲۰)

☆ ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دِیَۃُ الْیَهُوْدِیِّ وَالنَّصْرَانِیِّ وَالْمَجُوْسِیِّ مِثْلَ دِیَۃِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ (الحجۃ للشیبانی ۴: ۳۲۲؛ المصنّف لابن ابی شیبہ ۵: ۴۰۷) یعنی یہودی' عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔''

''اسی قول کی بناء پر فقہاء نے یہ اصول تشکیل دیا کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل کرے تو اُس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو بلا ارادہ قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔'' (دُرُّ المختار ۲۰ : ۲۲۳)

☆ ''عظیم محدّث ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنَّ دِیَۃَ الْمُعَاهِدِ فِیْ عَهْدِ أَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِثْلَ دِیَۃِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ (الحجۃ للشیبانی ۴: ۳۵۱) یعنی ''ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دَورِ خلافت میں ذِمّی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔''

☆ ''ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص والیِ مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سرِ عام گورنرِ مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا: مَتٰی اِسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ أُمُّهُمْ اَحْرَارًا (کنز العمال ۲: ۴۵۵) یعنی ''تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ اُن کی ماؤں نے اُنہیں آزاد جنا تھا۔''

''<u>غیر مسلموں کی کفالت</u> : جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کے معذور ہوجانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہوجانے پر کفالت کی ذمّہ داری لیتا ہے' اُسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معذور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اُس کی کفالت لازم ہے۔ کتاب الاموال میں ابوعبید نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

۱۹۸۷ (نظریہ خیرِ خلق ۔۔Humanitarianism)

اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ تَصَدَّقَ صَدَقَةً عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ مِّنَ الْیَھُوْدِ فَھِیَ تَجْرِی عَلَیْھِمْ

☆''اسی طرح امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے :

وَجعلت لَھُمْ اَیَّمَاشَیْخٍ'' ضَعُفَ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ اَصَابَتْهُ آفَة'' مِّنَ الْآفَاتِ اَوْکَانَ غَنِیًّا فَافْتَقَرَ وَصَارَ اَھْلُ دِیْنِهٖ یَتَصَدَّقُوْنَ عَلَیْهِ طُرِحَتْ جِزْیَتُه' وَعِیْلَ مِنْ بَیْتِ مَالِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعِیَالُه' مَااَقَامَ بِدَارِ الْھِجْرَةِ وَدَارِ الْاِسْلَامِ

''اگر اُن کے ضعیف العمر اور نا کارہ لوگوں یا آفت رسیدہ یا بعد از غنی فقیر ہو جانے والوں کو اُن کے مذہب کے لوگ اُنہیں خیرات دینے لگیں تو اُن سے جزیہ ہٹالیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے اُن کے نان ونفقہ کا بندوبست کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی ملک میں رہیں۔''

''اسی طرح جو ذمّی محتاج اور فقیر ہو جائیں اُنہیں صرف جزیہ ہی معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ اُن کے لئے اسلامی خزانہ سے وظائف بھی مقرر کئے جائیں گے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہلِ حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا' اُس میں لکھا تھا: ''میں نے اُن کے لئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو کوئی بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اُس پر کوئی آفت نازل ہو جائے یا وہ پہلے مالدار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اُسے صدقہ وخیرات دینے لگیں تو اُس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اُسے اور اُس کے بال بچوں کو ریاست کے بیت المال میں سے خرچ دیا جائے گا۔''

''اگر کوئی ذمّی مر جائے اور اُس کے حساب میں مکمل جزیہ یا جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اُس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اُس کے ورثاء پر اُس کا بار ڈالا جائے گا کیونکہ یہ اُس پر قرض نہیں ہے۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں: ''اگر اس پر جزیہ واجب ہو تو اس کی کل یا کچھ ادائیگی سے قبل وہ مر جائے تو اُس پر بقیہ واجب الادا جزیہ وارثوں سے وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اُس پر قرض نہیں ہے۔'' (کتاب الخراج: ۱۳۲)

''عملی طور پر اس کی تاریخِ اسلامی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلم اقلیتوں کے معذور افراد کو اسلامی بیت المال سے باقاعدہ الاؤنس (وظیفہ) ملتا رہا ہے۔''

☆''عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک یہودی کو دیکھا جو اندھا ہو چکا تھا تو آپ نے اُس کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔ اجتماعی کفالت کے حق اور حقوقِ عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ برابر کے شہری ہیں۔ اسی طرح غیر مسلموں کو وظائف دینے کی کئی مثالیں تاریخِ اسلام میں موجود ہیں۔''

''اسلام کا تصوّرِ امن: قبل از اسلام عرب معاشرہ تشدّد' ظلم و بربریت' وحشت اور سفاکی سے بھر پور معاشرہ تھا لیکن رحمتِ عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو امن وسلامتی عام کرنے پر زور دیا اور فرمایا:

(نظریہ خیرِ خلق ۔۔ Humanitarianism)

اَفشُوا السَّلاَمَ بَیْنَکُمْ تسلمُوْا (مسند احمد بن حنبل ۴ : ۲۸۶)

''اپنے درمیان سلام کو عام کرو' دائرہِ امن میں آجاؤ گے۔''

☆''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاتَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْاحَتّٰی تَحَابُّوْا اَفَلاَ اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَافَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلاَمَ بَیْنَکُمْ (سنن ابی داؤد: کتاب الادب رقم:۵۱۹۳)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہِ قدرت میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور تمہارا ایمان کامل نہیں ہوگا جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں کہ اُسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔''

ایسی ہی ایک اور حدیث میں یہ مضمون ہے کہ'' آپس کے بغض سے بچو کیونکہ یہ کاٹنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تمہاری گردنیں کاٹے گا بلکہ یہ تمہارا دین کاٹے گا۔''

''اِن احادیث میں اور دیگر کئی مواقع پر آپ ﷺ نے اُس معاشرے کو امن وسلامتی عام کرنے کا حکم فرمایا جہاں جنگ وجدال انسانی گھٹی میں رچی بسی تھی۔ گویا آپ ﷺ کلی طور پر ایک پُر امن اور محفوظ معاشرے کا قیام چاہتے تھے جہاں کسی کی جان' مال' آبرو غیر محفوظ نہ ہو۔ ان احادیثِ مبارکہ سے مسلمانوں کو باہمی تعلق کا ایک واضح اور صاف راستہ بتایا گیا۔''

نظریہ خیرِ خلق (Humanitarianism) کے ضمن میں یہ تو تھے انسانی حقوق اور اُن میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ انسانوں کے علاوہ حیوانات بھی تو اُسی اللہ کی مخلوق ہیں۔ بہر حال اُن کے حقوق بھی ہیں جنہیں قرآنِ حکیم اور ترجمانِ قرآن ختمی مرتبت آقا علیہ السلام نے بیان فرمادیا ۔ ارشادِ باری تعالٰی ہوا :

کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo (الحج : ۳۶)

''ہم نے اسی طرح اُن (جانوروں) کو تمہارے تابع کردیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔'' (۳۶ : ۲۲)

''تاکہ تم شکر ادا کرو'' کا ایک مطلب اُن بے زبان' قابلِ رحم جانوروں پر مشفقانہ اور مہربان رویّے کا اظہار بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

اِرْحَمِ الْحَیَوَانَ فَاِنَّہٗ لَا یَنْطِقُ (جانوروں پر ترس کھاؤ اس لئے کہ وہ بے زبان ہیں۔)

باربرداری کے جانوروں کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا :

''اُن پر اُن کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالو اور اُن کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔''

جاندار مخلوق کا آگ میں جلانا ظالمانہ، سنگدلانہ اور وحشیانہ جرم ہے جس کی اجازت جانی دشمن کے لئے بھی نہیں ہے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آگ میں جلانا آگ کے پیدا کرنے والے کا حق ہے۔اسی طرح تمام حالات میں مُثلہ یعنی اعضاء کی قطع و برید (Mutilation) کی بھی ممانعت ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

اِیَّاکُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْبِالْکَلْبِ الْعَقُوْرِ (مُثلہ سے بچو اگر چہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔)

اُن جانوروں کی بابت جو انسانی استعمال کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ہدایات واضح اور غیر مبہم ہیں جن میں آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْیُرِحْ أَحَدُکُمْ ذَبِیْحَتَہٗ، وَلْیُحِدَّ شَفْرَتَہٗ، (صحیح مسلم)

''بے شک اللہ نے ہر چیز پر احسان فرض کر دیا ہے۔جب تم قتل کرو تو اچھے انداز سے قتل کرو اور جب تم جانور ذبح کرو تو اچھے انداز سے ذبح کرو اور چاہئے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت دو اور اپنی چھری کو تیز کرلو۔''

ذبح ہونے والے جانور کو راحت دینا کئی طرح سے ہے: (۱) اس کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے نہ تو اُس کی کھال اتاری جائے اور نہ ہی اُس کا کوئی عضو کاٹا جائے۔ (۲) بھوکا پیاسا رکھ کر اُسے ذبح نہ کیا جائے۔ (۳) جانور کے سامنے کسی دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے تاکہ وہ مرنے سے پہلے نہ مر جائے اور اس طرح دوہری موت کا مزانہ چکھے۔(۴) جانور کے سامنے چھری کو تیز نہ کیا جائے۔

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک آدمی کو بکری کو اس کے کانوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے دیکھا۔آپ نے اُسے ہدایت کی کہ وہ اُسے کانوں سے پکڑنے کی بجائے اُس کی گردن سے پکڑے تاکہ اُسے تکلیف نہ ہو۔

تراشیدہ ناخنوں کے ساتھ جانور کو دوہنا بھی اُسے راحت و آرام پہنچاتا ہے۔جانور پر سوار ہوتے ہوئے اُسے خواہ مخواہ تیز دوڑانا نہیں چاہئے۔اُس کے چارے پانی کا خیال رکھنا یہ تمام کچھ جانور کو راحت پہنچانے کے زمرے میں آتا ہے۔ایک انگریز شاعر ایس۔ٹی۔کالرج کے الفاظ میں:

''عبادت تو اُسی کی اچھی ہے جو انسانوں، پرندوں اور حیوانوں سے خاصی محبت رکھتا ہے۔''

("The Rime of the Ancient Mariner" Part VII) ... S.T. Coleridge.

''افسوس! آج اسلام کا چہرہ مسخ کیا جارہا ہے اور اسے توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔اُس پر انتہا پسند اور دہشت گرد ہونے کا لیبل لگایا جارہا ہے۔اس سازش میں اغیار کے ساتھ ساتھ اپنے بھی حصہ دار ہیں جو کم علمی کے باعث اسلام کا آفاقی پیغام سمجھ نہیں پائے اور اغیار کا آلہ کار بنے ہوئے اُن کی سازش کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگانا سراسر ناانصافی ہے۔

BIBLIOGRAPHY (مصادر ومراجع)

1. Abdul Moiz — Film, TV, VCR.
2. Armstrong, Karen — Muhammad --- A Biography of the Prophet : San Francisco 1992.
3. Arnold T.W. — The Preaching of Islam.
4. Arnold and Guillaume — The Legacy of Islam, 1949 Edn.
5. Ashraf Usmani, Mahmood Mufti — Amusement and Play.
6. Beauvoir, Simon de — A History of Sex.
7. Becker, C. H. — Christianity and Islam.
8. Bodley, R.V.C. — The Messenger.
9. Bosworth, Smith — Muhammad and Muhammadanism.
10. Briffault, Robert, Dr. — The Making of Humanity : Lahore 1980.
11. Bucaille, Maurice — The Bible, the Quran and Science.
12. Chapra, Umar
13. Cobbald, Lady — Pilgrimage to Mecca.
14. Cohen — Jews in Germany.
15. Coleridge, S. T — Rime of the Ancient Mariner (A poem).
16. Cotterrell, Roger — The Sociology of Law : London 1992.
17. Darwin, Charles — Descent of Man.
18. Davenport, John — An Apology for Muhammad & the Koran.
19. Ewald — History of Israel.
20. Fatehullah Khan, Engr. — God, Universe and Man, the Holy Quran and the Hereafter.
21. Fisher, H. A. L. — A History of Europe.
22. Fyfe — The Illusion of National Character.
23. Gibb, H. A. R. — Islam.
24. Gibbon, Edward — The Decline & Fall of the Roman Empire.
25. Gilluly, James — Principles of Geology : USA 1968.
26. Greenless, Duncan — The Gospel of Islam.
27. Greenwood — Biology and Christian Belief.
28. Harun Yahya — How do the Unwise Interpret the Quran?
29. Harun Yahya — Miracles in our Bodies.
30. Harun Yahya — The Creation of Universe.
31. Havelock, Ellis — Psychology of Sex.
32. Hickman, Cleveland — Health for College Students.
33. Hittti, P. K. — History of the Arabs.
34. Hitti, P. K. — Islam --- A Way of Life.
35. Hitti, P. K. — The Near East in History.
36. Janima — Better Breakfast.
37. Landau, Rom — Islam and the Arabs.
38. Lane-Poole, Stanley — Moors in Spain, London 1920.
39. Mannan, M.A. — Islamic Economics.
40. Margoliouth — Mohammad.
41. Marston — The Bible Comes Alive.

42. Mazheruddin Siddiqi — The Qur'anic Concept of History.
43. Michener, James A. — Islam – the Misunderstood Religion.
44. Nurbaki, Haluk Dr. — The Holy Quran & the Facts of Science.
45. Philby — Sheba's Daughters.
46. Press and Siever — Earth.
47. Quigley, Eileen Elliott — Introduction to Home Economics:USA 1969
48. Ragozin — Chaldia.
49. Rashid A. Seyal, Dr. — Divine Philosophy & Modern Day Science
50. Roy, M. N. — The Historical Role of Islam.
51. Sarton, George — Introduction to the History of Science : Washington, 1927.
52. Shafi, Muhammad Mufti — How to Perform Hajj.
53. Shakespeare — Hamlet (A Play).
54. Spengler — The Decline of the West.
55. Stanley, Dean — Sinai and Palestine.
56. Tahirul Qadri, Prof. Dr. — Greetings and Salutations on the Holy Prophet ﷺ
57. Tahirul Qadri, Prof. Dr. — Spiritualism and Magnetism.
58. Toynbee, Arnold — A Study of History.
59. Wegmon, Anne — Why Suffer?
60. Yusuf, Mirza Muhammad. — A-One Comprehensive Gen. Knowledge
61. Zakir, Naik, Dr. — Answers to the Non-Muslims' Common Questions about Islam.

ENCYCLOPAEDIAS

1. Encyclopaedia of Seerah.
2. Encyclopedia of the Qur'an (6 Volumes) : Leiden
3. Encyclopaedia Britannica : USA 1954.
4. Encyclopedia of Religion.
5. Academic American Encyclopedia.
6. Encyclopedia of Islamic Spirituality, Lahore 2000.
7. Funk and Wagnalls Encyclopedia of New Science.
8. Grolier Academic Encyclopedia.
9. Hastings' Encyclopedia of Religion and Ethics.
10. McGraw Hill Encyclopedia of Religious Sciences.
11. Micropedia Britannica.
12. Jewish Encyclopedia.
(13) اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب لاہور۔

ESSAYS

1. "Islam and Globalization" in the Magazine "The Fountain" Turkey.
2. "An Essay on Islam" --- Venkata Ratnam.

3. Keeping of Dogs ... Dr. Gerard Finstimer.

(4) ''تصویر کی شرعی حیثیت'' ۔۔مفتی عبد القیوم

کتب لغت

(۱) المفردات :امام حسین بن محمد راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) مطبوعہ مکتبہ نزارِ مصطفیٰ الباز۔ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ۔

(۲) لسان العرب :علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) مطبوعہ نشر ادب الحوزہ، قم، ایران۔

(۳) القاموس المحیط: مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(۴) تاج العروس : سید محمد مرتضیٰ حسینی الزَّبیدی (م ۱۲۰۵ھ) مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ۔مصر

5. Dictionary of Literary Terms and Literary Theory ... J. A. Cuddon.
6. E. W. Lane's An Arabic—English Lexicon.
7. Oxford Advanced Learners' Dictionary.
8. Hastings' Dictionary of the Bible.

غیر اسلامی ادب

(۱) منوسمرتی :ہندوؤں کی کتابِ قانون

2. Genesis : The First Book of Moses.
3. Exodus : The Second Book of Moses.

ماہنامے، جریدے، اخبارات ورسائل

(۱) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، فروری ۲۰۰۴۔

(۲) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، اپریل ۲۰۰۷ء۔

(۳) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، نومبر ۲۰۰۸۔

(۴) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۸ء۔

(۵) ماہنامہ ''مؤمن'' لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء۔

(۶) ماہنامہ ''مؤمن'' لاہور، فروری ۲۰۰۵ء۔

(۷) ماہنامہ ''السعید'' ملتان، ستمبر ۲۰۰۲ء۔

(۸) ماہنامہ ''پہچان'' لاہور، نومبر ۱۹۹۸ء۔

(۹) روزنامہ نوائے وقت، ۱۵ اپریل ۱۹۹۳ء۔

(۱۰) روزنامہ جنگ، ۲۵ جنوری ۱۹۸۷ء۔

11. Readers' Digest, May 1955 (American Edition).
12. Readers' Digest, October, 1960 (American Edition).

INTERNET

"It is Truth" ... Org.

کتبِ تفسیر

1. The Holy Qur'an : Text, Translation and Commentary --- Abdullah Yusuf Ali.
2. Holy Quran with English Translation & Commentary --- Abdul Majid Daryabadi.

(۳) قرآن مجید : مع ترجمہ واُردو تفسیر عبدالماجد دریا آبادی۔ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

(۴) جامع البیان : امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۱ھ)، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ۔

(۵) تفسیر القرآن العزیز: امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی (م ۳۲۷ھ)، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ۔

(۶) احکام القرآن : امام ابوبکر بن علی رازی جصاص (م ۳۷۰ھ)، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ۔

(۷) النکت والعیون : علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی (م ۴۵۰ھ)، دارالکتب العلمیہ بیروت

(۸) معالم التنزیل : امام ابوالحسین بن مسعود الفرّاء البغوی (م ۵۱۶ھ)، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ۔

(۹) الکشاف: علامہ محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ۔

(۱۰) احکام القرآن : علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی (م ۵۴۳ھ)، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت۔

(۱۱) تفسیر کبیر: امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی (م ۶۰۶ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ۔

(۱۲) الجامع لاحکام القرآن: علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (م ۶۶۸ھ)، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔

(۱۳) انوار التنزیل: قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی (م ۶۸۵ھ) مطبوعہ دار فراس للنشر، مصر۔

(۱۴) البحر المحیط: علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی (م ۷۵۴ھ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ۔

(۱۵) تفسیر القرآن : حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (م ۷۷۴ھ)، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ۔

(۱۶) الدرُّ المنثور : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمٰی ایران ۱۴۲۱ھ۔

(۱۷) روح البیان : علامہ اسماعیل حقّی حنفی (م ۱۱۳۷ھ)، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۴۲۱ھ۔

(۱۸) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو۔ کوئٹہ (پاکستان)۔

(۱۹) غرائب القرآن : علامہ نظام الدین نیشاپوری۔

(۲۰) فتح القدیر: شیخ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، دارالوفا بیروت ۱۴۱۸ھ۔

(۲۱) روح المعانی : علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی (م ۱۲۷۰ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ۔

(۲۲) خزائن العرفان : سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ)، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔

(۲۳) نورالعرفان : مفتی احمد یار خان نعیمی (م ۱۳۹۱ھ) مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، گجرات۔

(۲۴) تفہیم القرآن : سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ)، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

(۲۵) التّبیان : علامہ سیّد احمد سعید کاظمی (م ۱۴۰۶ھ) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔
(۲۶) ضیاء القرآن : جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ھ۔
(۲۷) تبیان القرآن : علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء۔

کتب احادیث

(۱) مؤطا امام مالک : امام مالک بن اَنس اصبحی (م ۱۷۹ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۲) المصنّف : امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ) مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ۔
(۳) المسند : امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۴) صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۵) صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ)، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ۔
(۶) سنن ابن ماجہ : امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۷) سنن ابوداؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۸) سنن ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۹) سنن دار قطنی : امام علی بن عمر دار قطنی (م ۲۸۵ھ) مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان ۱۴۱۷ھ۔
(۱۰) سنن نَسائی : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نَسائی (م ۳۰۳ھ) مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۱۱) مسند ابویعلیٰ : امام احمد بن علی المثنی التمیمی (م ۳۰۷ھ)، مطبوعہ دار المامون التراث بیروت ۱۴۰۴ھ۔
(۱۲) صحیح ابن خزیمہ : امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ۔
(۱۳) صحیح ابن حبان : امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۱۴) المعجم الکبیر : امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۱۵) الکنز : امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ۔
(۱۶) المستدرک : امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ۔
(۱۷) حِلیۃ الاولیاء : امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ۔
(۱۸) شعب الایمان : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ۔
(۱۹) شرح السنۃ : امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۶ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ۔
(۲۰) الترغیب والترہیب : امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ)، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ۔
(۲۱) مشکوٰۃ : امام ولی الدین تبریزی (م ۷۴۲ھ)، مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔
(۲۲) مجمع الزوائد : حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ)، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ۔
(۲۳) المطالب العالیہ : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ۔

(۲۴) منہاج المسلم: شیخ ابوبکر بن موسیٰ جابر الجزائری (اردو ترجمہ از: مولانا محمد رفیق الاثری)۔
(۲۵) ریاض الصالحین: یحییٰ بن شرف النووی
(۲۶) کشف الغمّۃ: علامہ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر ۱۳۰۳ھ۔
(۲۷) کنز العمال: علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت۔
(۲۸) المنہج السوی من الحدیث النبوی: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔
(۲۹) فضائلِ درود شریف: مولانا محمد زکریا۔
(۳۰) حجۃ اللہ علی العالمین: یوسف بن اسماعیل النبہانی۔

کتب شروح حدیث

(۱) فتح الباری: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ۔
(۲) عمدۃ القاری: حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ۔
(۳) مرقات: علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ۔
(۴) اشعۃ اللمعات: شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ۔
(۵) فیض الباری: شیخ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ)، مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۷۵ھ۔
(۶) نزھۃ القاری: مولانا محمد شریف الحق امجدی (م ۱۴۲۱ھ)، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ۔
(۷) شرح صحیح مسلم: علامہ غلام رسول سعیدی۔

کتب فقہ

(۱) الام: امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴)، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ۔
(۲) فتاویٰ قاضی خاں: علامہ حسین بن منصور اوزجندی (م ۵۹۲ھ) مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔
(۳) ھدایہ اوّلین و آخرین: علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (م ۵۹۳ھ) مطبوعہ شرکتِ علمیہ ملتان۔
(۴) عنایۃ (شرح ھدایہ): علامہ محمد بن محمود بابرتی (م ۷۸۶ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۵) الدرّ المختار: علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۶) فتاویٰ عالمگیری: مُلّا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔
(۷) ردّ المختار: علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۸) بہارِ شریعت: علامہ امجد علی (م ۱۳۷۶ھ)، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔
(۹) کتاب الفقہ: عبدالرحمٰن الجزری (اردو ترجمہ)۔
(۱۰) الجواب الشافی فی إباحۃِ التّصویر الفوتوجرافی: شیخ محمد باخت مصری۔
Al-Fatawa : Islamic Legal Decisions. (11)

کتب اسماء الرجال

(۱) میزان الاعتدال : علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ)
(۲) المقاصد الحسنۃ : علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م۹۰۲ھ)' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔
(۳) طبقات الحفاظ: حافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

(۱) کتاب السیر والمغازی :امام محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۲) السیرۃ النبویۃ :امام عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ)' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۳) الطبقات الکبریٰ : امام محمد بن سعد (م۲۳۰ھ) مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ۔
(۴) الشفاء : قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ) مطبوعہ عبدالتواب اکیڈیمی ملتان' دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۵) الروض الانف : علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی (م۵۷۱ھ)' مکتبہ فاروقیہ ملتان۔
(۶) الوفا : علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی (م ۵۹۷ھ)' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد۔
(۷) وفیات الاعیان :علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان (م۶۸۱ھ)' منشورات الشریف الرضی ایران
(۸) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام :علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی (م ۷۴۶ھ)' مطبوعہ کراچی۔
(۹) زاد المعاد: شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیۃ (م۷۵۱ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ۔
(۱۰) السیرۃ النبویۃ: حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (۷۷۴ھ)' دار الفکر بیروت۔
(۱۱) تاریخ ابن خلدون :علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (م۸۰۸ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۱۲) شرح الشفاء :علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ۔
(۱۳) نسیم الریاض :علامہ احمد شہاب الدین خفاجی (م ۱۰۶۹ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ۔
(۱۴) جَمْھَرۃُ اَنسابِ الاَشْراف :ابنِ حزم۔
(۱۵) انساب الاشراف :علامہ بلاذری۔
(۱۶) سیرتِ رسول عربی ﷺ :نور بخش توکلی' مطبوعہ لاہور۔
(۱۷) تاریخ ادب الھندی :مولانا سید احمد حسین بھوپالی (انڈیا)۔

کتب متفرقہ

(۱) احیاء علوم الدین: امام محمد بن غزالی (م۵۰۵ھ) مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ۔
(۲) کشف الظنون : علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران ۱۳۷۸ھ۔
(۳) اَشراطُ السّاعۃ :یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل' مطبوعہ دار ابن الجوزی' جدہ ۱۴۱۵ھ۔
(۴) حیوٰۃ الحیوان الکبریٰ : کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری۔

(۵) عیون الاخبار : ابن قتیبہ۔
(۶) معجم البلدان : یاقوت حموی۔
(۶) الحلال والحرام فی الاسلام : یوسف القرضاوی۔
(۷) تکملۃ البحر الرائق: علامہ محمد حسین بن علی حنفی۔
(۸) تحفۃ الالباب ونخبۃ العجائب: ابوعبداللہ بن عبدالرحیم الغرناطی۔
(۹) نودیۃ العارفین: اسماعیل پاشا البغدادی۔
(۱۰) نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق : الادریسی۔
(۱۱) التصویر الفنی فی القرآن: سیّد قطب شہید (اردو ترجمہ بہ عنوان: قرآن مجید کا اُسلوبِ بیان از غلام احمد حریری)
(۱۲) نیل الاوطار: شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)، مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر ۱۳۵۰ھ۔
(۱۳) کتاب المسالک والممالک :الاصطخری۔
(۱۴) کتاب الممالک والمسالک: ابن خوردزبہ۔
(۱۵) مطالع المسرّات: محمد مہدی۔
(۱۶) کتاب البلدان: احمد بن ابی یعقوب۔
(۱۷) قصص القرآن : حفظ الرحمن سیوہاروی۔
(۱۸) مقالاتِ سعیدی: علامہ غلام رسول سعیدی۔
(۱۹) آدابِ طعام : محمد الیاس قادری۔
(۲۰) قرآن کے جدید سائنسی انکشافات: پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم۔
(۲۱) کتابِ زندگی: سلطان بشیر محمود۔
(۲۲) سنتِ نبوی اور جدید سائنس :حکیم محمد طارق محمود چغتائی۔
(۲۳) آبِ حیات : مولانا قاسم نانوتوی۔
(۲۴) حضورِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی : ڈاکٹر حمید اللہ۔
(۲۵) قرآن اور جدید سائنس: ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک۔
(۲۶) فقہ القرآن : نصاب ایم اے علومِ اسلامیہ۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

اشاریہ احادیث مبارکہ

اشاریہ عمومی INDEX (General)

اشاریہ قرآنی جلد چہارم INDEX (Qur'anic IV)

(قوسین کے اندر کے اعداد سورہ نمبر/صفحہ نمبر، قوسین کے باہر کے اور : سے پہلے کے عدد آیت نمبر کو ظاہر کرتے ہیں)

اَلْحَشْر (۵۹)
(۱۵۵۱) ۵۹ : ۷

اَلطَّلاق (۶۵)
(۱۵۳۲) ۶۵ : ۷
(۱۶۵۱) ۶۵ : ۱۲

اَلتَّحریم (۶۶)
(۱۹۱۹) ۶۶ : ۶

اَلْمُلک (۶۷)
(۱۶۶۶) ۶۷ : ۲
(۱۶۱۴، ۱۶۲۱) ۶۷ : ۱۵
(۱۸۸۵) ۶۷ : ۱۷
(۱۶۲۹) ۶۷ : ۱۹
(۱۶۶۰، ۱۶۶۳) ۶۷ : ۳۰

اَلْقَلَم (۶۸)
(۱۹۴۹) ۶۸ : ۱۷–۳۳

اَلْمَعارِج (۷۰)
(۱۹۱۰) ۷۰ : ۲۴، ۲۵

نُوح (۷۱)
(۱۸۰۴) ۷۱ : ۱
(۱۶۱۴، ۱۶۲۱) ۷۱ : ۱۹، ۲۰
(۱۸۰۶) ۷۱ : ۲۶

اَلنَّبا (۷۸)
(۱۶۵۷) ۷۸ : ۶، ۷

اَلنّٰزِعٰت (۷۹)
(۱۶۴۳) ۷۹ : ۲۷–۲۹
(۱۶۴۴) ۷۹ : ۳۰

عَبَس (۸۰)
(۱۹۲۴) ۸۰ : ۲۴
(۱۶۱۸، ۱۹۰۷) ۸۰ : ۲۴–۳۱
(۱۹۳۶) ۸۰ : ۲۷–۳۲

الاعلٰی (۸۷)
(۱۶۵۹) ۸۷ : ۴، ۵

اَلغاشیة (۸۸)
(۱۶۲۱، ۱۶۵۵) ۸۸ : ۱۹

اَلفجر (۸۹)
(۱۸۳۶) ۸۹ : ۶، ۷
(۱۹۸۰) ۸۹ : ۱۷–۲۰

الشَّمس (۹۱)
(۱۸۲۰) ۹۱ : ۸

اَللّیل (۹۲)
(۱۹۷۶) ۹۲ : ۵–۱۱

القُریش (۱۰۶)
(۱۶۴۲) ۱۰۶ : ۲

قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد چہارم

مؤلف

پروفیسر اشفاق احمد خان